فیوض الرحمٰن

اردو ترجمہ

تفسیر روح البیان

شیخ القرآن والتفسیر والحدیث حضرت علامہ مفتی

محمد فیض احمد اویسی صاحب مدظلہ

مکتبہ غوثیہ

یونیورسٹی روڈ، بالمقابل عسکری پارک، کراچی۔

فون: 4926110-4910584

فیوض الرحمٰن

اردو ترجمہ

تفسیر روح البیان

پارہ نمبر ۲۲

مصنف

سراج العلماء زبدۃ الفضلاء
حضرت علامہ شیخ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ

مترجم

شیخ التفسیر و الحدیث مولانا ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی مدظلہ

ناشر

مکتبہ غوثیہ ہول سیل

پرانی سبزی منڈی بالمقابل مین گیٹ عسکری پارک
متصل دار العلوم غوثیہ بابا جلال بلڈنگ کراچی۔
فون: 4926110, 4910584

نام کتاب ________ فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ، روح البیان پارہ نمبر ۲

مصنف ________ حضرت علامہ اسماعیل حقی قدس سرہ

مترجم ________ حضرت علامہ مفتی فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ

سن طباعت ________ ۲۰۰۷ء

مصحح ________ چودہری مشتاق احمد خاں، لاہور

ناشر ________ مکتبہ غوثیہ ہول سیل، پرانی سبزی منڈی، کراچی

باہتمام ________ محمد قاسم جلالی (بانی وچیئرمین ویلفیئر ٹرسٹ) کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پارہ ۲۲

وَمَنْ يَّقْنُتْ

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَاَعْتَدْنَا
لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ۝ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ
بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَ
لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ
وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ
وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۝

ترجمہ: اور جو تم میں فرماں بردار رہے اللہ اور رسول کی اور اچھا کام کرے ہم اُسے اوروں سے دُونا ثواب دیں گے اور ہم نے اس کے لیے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے۔ اے نبی کی بیبیو تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر اللہ سے ڈرو تو بات میں ایسی نرمی نہ کرو کہ دل کا روگی کچھ لالچ کرے۔ ہاں اچھی بات کہو اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور بے پردہ نہ رہو جیسے اگلی جاہلیت کی بے پردگی اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو

کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کرکے خوب ستھرا کر دے اور یاد کرو جو تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں اللہ کی آیتیں اور حکمت۔ بیشک اللہ ہر باریکی جانتا خبردار ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ اور تم میں سے اے ازواجِ نبی علیہ السلام! طاعت پر مداومت کرے۔

حلِ لغات: القنوت بمعنے لزوم الطاعۃ مع الخضوع (خضوع کے ساتھ طاعت پر التزام کرنا) لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وَتَعْمَلْ صَالِحًا اور نیک عمل کرے نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا ہم اسے دیں گے اجر و ثواب مَرَّتَيْنِ دو بار۔ ایک بار طاعت و تقویٰ پر دوبارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا طلبی پر کہ ان کے ساتھ قناعت کرو اور معاشرہ اچھا رکھو۔ مقاتل نے فرمایا: تجیس نیکیاں مراد ہیں۔ وَاَعْتَدْنَا لَهَا اور ہم نے ان کے لیے جنت میں تیار کیا یعنی ان کے دوہرے اجر کے مطابق جنت کے زیادہ مراتب۔

حلِ لغات: الاعتاد بمعنے تیار کرنا۔ عتاد، عتدۃ سے مشتق ہے۔ امام راغب نے فرمایا: الاعتاد بمعنے شے کو ضرورت و حاجت سے پہلے ذخیرہ کے طور پر جمع کرنا۔ اس کا استعمال اعد اد' کی طرح ہوتا ہے۔ بعض اہلِ لغت نے کہا: یہ دراصل اعددنا تھا۔ دال کو تا سے تبدیل کیا گیا ہے۔

رِزْقًا كَرِيْمًا ○ رزق پسندیدہ۔ امام راغب نے فرمایا کہ جو شے اپنے معاملہ میں مشرف ہو اسے کریم کہا جائے گا۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ رزق درحقیقت وہی بہشت کی نعمتیں ہیں جسے ان کی ضرورت ہو اسے دنیا کی نعمتوں کا ترک لازم ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بندے دنیوی نعمتوں میں مشغول نہیں ہوتے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے اُخروی نعمتوں کے مقابلے میں دنیوی نعمتوں سے خوش نہیں ہوتے کیونکہ دنیا کی نعمتیں فانی ہیں؎

شنیدم کہ جمشید فرخ سرشت
بسرچشمہ بر سنگی بنشت
بریں چشمہ چوں ما بسے دم زدند
برفتند چون چشم برہم زدند

ترجمہ : میں نے سنا ہے کہ جمشید مبارک طبیعت والے نے ایک چشمہ کے پتھر پر لکھا اس چشمہ سے ہمارے جیسے بے شمار لوگ گزر گئے لیکن جب موت کا وقت آیا تو چلے گئے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ وہ طاعت و عمل جس میں بہشت کے طمع و لالچ کی ملاوٹ نہ ہو تو اس میں مزید قربِ الٰہی ہوگا پھر اس کے طفیل بہشت کے درجات میں بھی اضافہ ہوگا۔ لیکن یاد رہے کہ وہ عمل جو اشارۂ مرشدِ کریم اور وہ دلالتِ انبیاءؑ و اولیاء علیٰ نبینا وعلیہم السلام کے مطابق ہو۔ وہ وجودِ غیر سے خالص ہو۔ خلوص کے عمل کی علامت یہ ہے کہ عبادت میں حضورِ قلبی و توجہ تام حاصل ہو لیکن انقلاب و اضطراب سے نہ ہو۔

کرامتِ ولی منقول ہے کہ ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کے مرید نے گرم تنور میں چھلانگ لگادی لیکن اسے آگ نے نہ جلایا۔

ف : اسے آگ جلاتی بھی کیوں، جبکہ اس میں سوائے ذات کے وجود اور کوئی شے نہ تھی۔ اسی کو ہم شہود سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی کو قرآن مجید نے رزقِ کریم کہا ہے اور کریم ذاتِ حق تعالیٰ ہی ہے اور وہ کریم اپنے مخلص کو مشاہدات و مکاشفات و مکالمات عطا فرماتا ہے۔ بلکہ اس سے مزید قربِ الٰہی میں اضافہ ہوگا۔ یہی معنی ہے وان تک حسنۃ یضٰعفھا ویؤت من لدنہ اجراً عظیما۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضرت خلیل علیہ السلام کو نارِ نمرود نے نہیں جلایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے رزقِ وافر دیا اس لیے کہ نعمتِ ظاہری نعمتِ باطنی کا عکس ہوتا ہے اور حقیقی اجر عالمِ آخرت میں عطا ہوگا کیونکہ اس بہت بڑے اجر و ثواب کی عالمِ دنیا اپنی تنگی کے وسعت نہیں رکھتی۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں قوت و عمل کی توفیق بخشے۔ اور سستی و کاہلی سے ہمیں پناہ دے، اس لیے کہ سستی و کاہلی غفلت اور حجاب کا سبب بنتی ہے جیسا کہ عملِ صالح شہود و ارتفاعِ نقاب کا موجب ہیں اس لیے کہ تجلیاتِ وجودیہ تجلیاتِ شہودیہ کے مظاہر ہیں۔ اسی سے دُم علی الطہارۃ الخ (یعنی طہارت پر مداومت کیجئے تمہارے لیے رزق کی وسعت ہوگی) کا راز سمجھ آئے گا۔

ف : طہارتِ صوری کا خاصہ ہے کہ وہ رزقِ صوری کو کھینچتی ہے۔ ایسے ہی طہارتِ معنوی رزقِ معنوی کی کشش کا موجب ہے۔ یاد رہے کہ جسم کو جسمانی غذا اور روح کو روحانی غذا ضروری ہے۔ اسی سے حیاتِ باقیہ کا راز سمجھ آجائے گا اس لیے کہ روح کے ذوقی امور بے شمار ہیں اس لیے کہ روح کی انتہا نہیں۔ نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱ این زمین و سختیان پردہ ست وبس

اصل روزی از خدا دان بر نفس

۲ رزق از وی جو مجو از زید و عمرو

مستی از وی جو مجو از بنگ و خمر

۳ منعمی زو خواہ نی از گنج و مال

نصرت از وی خواہ نی از عم وخال

ترجمہ : (۱) یہ زمین اور دیگر اسباب صرف پردہ ہیں ہر نفس کو روزی خدا تعالیٰ ہی مہیا کرتا ہے۔

(۲) روزی اسی سے طلب کر، زید و عمرو سے طلب نہ کر، مستی بھی اسی سے طلب کر نہ کہ بھنگ اور شراب سے۔

(۳) نعمت اسی سے سمجھ نہ کہ گنج و مال سے۔ مدد اسی سے طلب کر نہ کہ چچا اور ماموں سے۔

اے اللہ! ہمیں اپنے مخلص بندوں سے بنا اور ہمیں بحق النون والصاد، طریق الرشاد میں ثابت قدم رکھ۔

تفسیر عالمانہ

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ اے ازواج پیغمبر علیہ السلام لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ تم دوسرے عام لوگوں کی عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ احد در اصل وحد' بمعنے الواحد ہے۔ واو کو ہمزہ سے علیٰ خلاف القیاس تبدیل کیا گیا ہے پھر اسے نفی عام کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ مرد و عورت اور واحد و کثیر سب کے لیے برابر طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے ازواج النبی! تم فضیلت و شرف میں عام عورتوں کی طرح نہیں ہو بلکہ بوجہ صحبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تم افضل و اعلیٰ ہو۔ اس لیے جو شے اشرف و اعلیٰ شے کی طرف مضاف ہو وہ بھی اشرف و اعلیٰ ہو جاتی ہے۔ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ اگر تم نے پرہیزگاری کی یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کی مخالفت سے بچیں۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اور کلام احد من النساء پر مکمل ہو چکی ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں پر مقصود یہ ہے کہ ان کا خیر و برکت والا اور افضل ہونا مشروط ہے۔ ان کے تقویٰ و طہارت پر صرف نبی علیہ السلام کے ساتھ ہونا موجب افضلیت نہیں۔ ع

زہد و تقویٰ فضل را محراب شد

(فضیلت کے لیے زہد و تقویٰ بمنزلہ محراب کے ہے)

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ تو مردوں سے گفتگو کے وقت نرمی اور عاجزی نہ کرو جیسے طمع و لالچ کی ماری عورتیں بیگانے مردوں سے باتیں کرتی ہیں۔ الخضوع بمعنے مطمئن اور متواضع و با سکون ہو کر بات کرنا۔

مسئلہ: عورت کے لیے مستحب ہے کہ جب بیگانے مرد سے بات کرے تو لہجہ ترش ہو تاکہ بیگانے مرد کو اس سے کسی قسم کا طمع وخیال نہ ہو سکے بالخصوص جب مرد گھر پر نہ ہو اور بیگانہ مرد باہر سے آواز دے تو عورت کو جائز نہیں کہ نرمی اور عاجزی سے گفتگو کرے اس لیے کہ عورت کا اس طرح سے بولنا شہوت کو ابھارتا ہے اور عورت سے بیگانے مرد کو غلط طمع پیدا ہونے کا امکان ہے۔ کما قال:

فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ

(وہ طمع کرے گا جس کے دل میں مرض ہے) یعنی غلط محبت ہے۔

وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا اور ایسی اچھی بات کرو کہ جس میں تہمت وطمع ولالچ نہ ہو۔ بلکہ ترش اور سخت لہجہ سے گفتگو کریں کلام میں محبوبانہ لہجہ نہ ہو جیسے ہیجڑوں کا طریقہ ہے۔

ف: زنا ایک باطنی مرض ہے جیسے ظاہری بیماری جسم کے لیے ہلاکت اور تباہی کا موجب ہے ایسے ہی زنا بھی روح کے لیے تباہی وبربادی کا سبب ہے۔ اور زنا کا پہلا سبب عورت کا نرم لہجہ اور اپنے آپ کو بیگانے مرد کے سامنے بے لبسی کا اظہار ہے سے

ہست نرمی آفت جان سمور

وز درشتی می برد جان خار پشت

ترجمہ: نرمی آفت جان ہے اور سختی سے سخت سے سخت بوجھ بھی اٹھایا جا سکتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ وہ ارباب قلوب جنہوں نے اپنے قلوب کے ارحام مشائخ کے تصرف ولایت کے سپرد کئے ہیں ان کے احوال عام مخلوق جیسے نہیں اور متقی انسان دارین کی کسی شے کی طرف میلان نہیں رکھتا اور نہ وہ دنیوی و اُخروی اغراض کے لیے نرم لہجہ برتتا ہے کیونکہ ایسی نرم گفتگو قلب وعقل کی کمزوری کی طرف کھینچ کرلے جاتی ہے اور بہت سے مدعیان حقیقت دنیا داروں کے سامنے نرم گفتگو کرتے ہیں۔ ایسے اعمال دنیا کے لیے نرم لہجہ ہوتا ہے۔ ان کی یہ غلط فہمی ہے کہ ان کی نرم پالیسی دینی مصلحت کے لیے ہے (اس سے صلح کلی قسم کے لوگ کچھ سمجھیں) اس طرح سے ایسے لوگ ورطۂ ہلاکت میں گر گر مرتے اور دیر کی طرف جلد تر لوٹ آتے ہیں پھر وہ فضولیات کے دریا میں ڈوب کر تباہ ہو جاتے ہیں اس لیے ان کے عادات طمع ولالچ کی وجہ سے بہت کمزور پڑجاتے ہیں۔

سبق: مساعدات اور دنیوی امور واعمال میں کسی ایک امر کا ترک کرے۔ ہاں اس میں نیکی کا حصول مطلوب ہو تو جائز ہے ورنہ ایسے لوگ برائیوں سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مخالفات سے بچائے۔

تفسیر عالمانہ وَقَرْنَ اور آرام کرو فِیْ بُیُوْتِکُنَّ اپنے گھروں میں ۔ نافع ، عاصم اور ابوجعفر نے اسے بفتح القاف مضارع از باب علم پڑھا ہے ۔ اس کا اصل اقررن تھا ۔ راء اولی کی حرکت نقل کر کے قاف کو دی گئی ہے ۔ پھر التقائے ساکنین کی وجہ سے گر گئی ہے پھر ہمزہ وصل کی ضرورت نہ رہی ۔ وہ بھی گر گیا قرن ہوا ۔ اس تقریر پر اس کا وزن فلن ہوا جس کا اصل افعلن تھا ۔ اور باقیوں نے بکسر القاف پڑھا ہے اس لیے کہ وہ وقر یقر وقار کا امر ہے ۔ یہ دراصل اوقرن تھا ۔ واؤ تخفیفاً محذوف ہوئی ۔ اس کے بعد ہمزہ وصل کی ضرورت نہ رہی اسے بھی گرا دیا گیا قرن ہوا اس وقت اس کا وزن علن ہوگا یا قر یقر مضارع میں بکسر القاف اس کا اصل اقررن تھا ۔ راء کی کسرہ قاف کو دی گئی پھر محذوف ہوئی ۔ ہمزہ وصل بھی گر گیا ۔ قرن ہوا ۔ اس وقت وزن فلن ہوگا ۔ اب معنی یہ ہوگا کہ اے ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ! اپنے گھروں کو لازم پکڑو اور اپنے مساکن میں ٹھہری رہو ۔

مسئلہ : یہ خطاب اگرچہ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن اس کا حکم تمام عورتوں کو عام ہے ۔

بی بی سودہ رضی اللہ عنہا کا عمل بالقرآن مروی ہے کہ بی بی سودہ بن زمعہ رضی اللہ عنہا اس آیت کے نزول کے بعد گھر سے ایک دن کے لیے بھی باہر نہ نکلیں ، نہ حج کے لیے نہ عمرہ کے لیے ، یہاں تک کہ موت کے بعد آپ کا جنازہ ہی گھر سے باہر نکالا گیا ۔ یہ بی بی سودہ بن زمعہ زوجۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھیں ان بی بی صاحبہ کا انتقال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوا ۔ بی بی سے سوال ہوا کہ آپ حج اور عمرہ کے لیے کیوں نہیں جاتیں ؟ فرمایا کہ ہمیں حکم ہے وقرن فی بیوتکن ؎

زبیگانگاں چشم زن کور باد
چو بیرون شد از خانہ در گور باد

ترجمہ : بیگانہ مردوں سے عورت کی آنکھ اندھی ہو ۔ جب گھر سے باہر جائے تو اسے کہہ دو کہ خدا کرے کہ وہ قبر میں جائے ۔

حدیث شریف میں ہے :

خیر مساجد النساء قعر بیوتھن ۔
(عورتوں کے لیے بہترین سجدہ گاہ گھر کا اندرونی حصہ ہے)

وَلَا تَبَرَّجْنَ اور بے پردہ نہ رہو ۔

حل لغات : امام راغب نے فرمایا کہ ثوب متبرج سے ہے ۔ بر اس کپڑے کو کہا جاتا ہے جس پر برج کی شکلیں منقش کی بنائیں اس سے اس کپڑے کا حسن مطلوب ہوتا ہے ۔ اس معنے پر کہا جانے لگا :

تبرجت المرأۃ ۔ یعنی عورت مردوں کو اپنے حسن کے اظہار کے لیے برج کے مشابہ ہوئی ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ عورت اپنے مواضع حسنہ کو حسین بنائے ۔

اب معنی یہ ہوا کہ اپنے حسن کی جگہوں کو ظاہر نہ کرو ۔ تہذیب المصادر سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے ۔ چنانچہ لکھا تبرج کا اصل معنی ہے بُرج پر چڑھنا ۔ چونکہ جو شخص برج پر چڑھتا ہے دیکھنے والے کو صاف طور پر نظر آتا ہے اسی لیے یہاں یہ معنی لیا گیا ہے کما قال ابو علی ۔

بعض نے اس کا اور معنی لکھا ہے وہ یہ کہ تبرجت المرأۃ ای ظہرت من بروجھا یعنی عورت اپنے برج یعنی محل سے ظاہر ہوتی ۔ اس کا استدلال ولا تبرجن سے کیا ہے ۔ کذا فی المفردات ۔

بعض نے کہا ولا تبرجن یعنی چلنے میں تبختر (اکڑ کے چلنا) نہ کرو ۔

تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰی ان عورتوں کے تبرج کی طرح جو جاہلیت اولیٰ میں تھیں ۔

ف : اس سے آدم و نوح علیہم السلام کی درمیانی مدت مراد ہے ۔ یہ ایک ہزار دو سو بہتر (۱۲۷۲) سال ہے ۔ کذا فی الحکمہ ۔

اور جاہلیت اُخریٰ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور عیسیٰ علیہ السلام کی درمیانی مدت کو کہا جاتا ہے ۔

ابن الملک نے کہا ، جاہلیت حضور علیہ السلام کی بعثت مبارکہ سے تھوڑا سا پہلے زمانے کا نام ہے اور اسے جاہلیت اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس دور میں جہالت بہت زیادہ تھی ۔

جاہلیت اُولیٰ کا ایک واقعہ : مروی ہے کہ آدم علیہ السلام کے دو مختلف زمانوں کی اولاد میں سے ایک گروہ پہاڑوں میں بسیرا کرتا تھا ، دوسرا گروہ زمین پر ۔ جو پہاڑوں کے باسی تھے وہ خود تو حسین وجمیل تھے لیکن ان کی عورتیں سیاہ فام تھیں ۔ جو زمین پر رہائش پذیر تھے وہ خود تو سیاہ فام تھے لیکن ان کی عورتیں حسین وجمیل تھیں ۔ ابلیس نے یوں شرارت کی کہ زمین کے باسیوں میں سے ایک ہاں نوکر بن گیا اور اس کی خوب خدمت کی ۔ دریں اثناء اس نے ایک مخصوص قسم کی بانسری بنائی جو عام طور پر چرواہے جنگلوں میں بجایا کرتے تھے ، ایسی خوش آواز سے تیار کی کہ اس کے بجانے پر لوگ دھڑا دھڑ جمع ہو جایا کرتے تھے ۔ اس کی یہ آواز زمین کے باشندوں نے بہت پسند کی ۔ چنانچہ سال میں ایک دن عید منایا کرتے تھے وہاں عورتوں اور مردوں کا اجتماع ہوتا اور عورتیں مردوں کے لیے بار سنگار کرتیں اور خوب سنورتیں اور پھر اسی بانسری کو بڑے مزے سے سنتے ۔ ایک دفعہ پہاڑ کے باسیوں میں سے ایک شخص ان کی عید میں شامل ہوا ۔ اس نے زمین کی باسی عورتوں کا حسن وجمال دیکھا تو ان پر فریفتہ ہو گیا اور واپس جا کر اپنے دوسرے لوگوں کو خبر دی تو پہاڑ والوں نے زمین والوں کے ہاں آمدورفت شروع کر دی ۔ اس سے زنا و

فواحش پھیلا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا و لا تبرجن الخ۔ یہ واقعہ حضرت ادریس علیہ السلام کے زمانے کے بعد ہوا۔

ف : حضرت کاشفی نے لکھا کہ صحیح ترین یہ ہے کہ یہ جاہلیت اُولیٰ ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں تھی۔ اس لیے کہ ان کے زمانے کی عورتیں مروارید کے بنے ہوئے کپڑے پہن کر مردوں کے راستہ میں بیٹھ جاتیں اور ان سے زنا کرواتیں۔

بعض نے یہ بھی لکھا کہ جاہلیتِ اُخریٰ کا زمانہ قربِ قیامت میں آئے گا کہ اس وقت عورتوں اور مردوں کا وہی حال ہوگا جو جاہلیتِ اولیٰ میں تھا۔

حدیث شریف مع شرح

دو طرح کے لوگ جہنمی ہیں جنھیں میں آج نہیں دیکھ رہا (یعنی ایسے لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانۂ اقدس میں نہیں تھے کیونکہ حضور علیہ السلام کا زمانہ اقدس ایسے فواحش سے پاک تھا) ایک وہ جن کے ہاتھوں میں بیلوں کے کانوں کی طرح چھڑیاں ہیں جن سے وہ لوگوں کو مارتے ہیں۔

ف : اسواط ' سوط کی جمع ہے۔ دیارِ عرب میں انہیں مقارع سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ مقرعہ کی جمع ہے مقرعہ اس چھڑی کو کہا جاتا ہے جس کے آخری حصے کو چمڑے سے مضبوط باندھا جائے اور اس کی موٹائی انگشتِ شہادت کے برابر ہو۔ اس کے ساتھ چور کو برہنہ کر کے سزا دی جاتی تھی۔ بعض نے کہا کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو ظالم حکام کے گھروں اور دفتروں کے چکر کاٹتے ہیں اور ان کے ہاتھوں میں چابک ہوتے ہیں جن سے وہ اوروں کو مار کر اور گالی دے کر ظالم افسروں کے گھروں اور دفتروں میں نہیں آنے دیتے۔

دوسرا گروہ ان عورتوں کا ہے جو بظاہر بہتر لباس سے ملبوس ہیں لیکن درحقیقت وہ ننگی ہیں اس لیے کہ ان کا وہ لباس نہایت باریک ہوتا ہے اور پھر ان کا آدھا حصہ ملبوس اور آدھا ننگا۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ لباس تقویٰ سے خالی ہوں گی جیسے ہمارے زمانے کی عورتوں کا حال ہے کہ بظاہر تو دوپٹہ پہنتی ہیں لیکن اٹھا کر کے پیٹھ کے پیچھے ڈال دیتی ہیں اور ان کا سینہ ننگ ہوتا ہے۔ (یہ تو صاحب روح البیان قدس سرہٗ کے زمانے کی بات ہے اور ہمارے زمانے میں تو عورتوں نے سر سے دوپٹہ اتار ہی پھینکا ہے اور اول تو وہ برقعہ پہنتی ہی نہیں اور اگر کبھی بھولے سے پہن ہی لیتی ہیں تو وہ بھی فیشنی۔ یوں وہ مردوں کو دعوتِ نظارہ دیتی ہیں اور برقعہ کو ظلم شدید سے تعبیر کرتی ہیں۔ اویسی غفرلہٗ) یا اس سے وہ عورتیں مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتیں۔ یاد رہے کہ دنیوی نعمتوں کا شکر کرنا نہ صرف نعمتوں کے اضافے کا موجب ہے بلکہ اس سے آخرت کی نعمتوں سے وافر حصہ نصیب ہوتا ہے۔ اور آخرت کی نعمتیں عمل صالح سے خالی ہوں گی۔ لیکن یہ حکم نہ صرف عورتوں کے لیے ہے بلکہ مرد و عورت دونوں کے لیے یہ حکم عام ہے۔ اور جن

عورتوں کا اوپر ذکر ہوا وہ مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے والی ہیں تاکہ وہ ان سے غلط کاری کریں ۔ یا وہ مردوں کو اپنے جسم کے بعض حصے اور سُرین کی لچک دکھا کر اپنی طرف مائل کرتی ہیں جیسے رقاصاؤں کا طریقہ ہے ۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ دوپٹے اپنے سروں پر ٹیڑھے رکھتی ہیں تاکہ چہرہ پورے طور ظاہر ہو (ان کا کیا حال ہوگا جو آج سر پر دوپٹہ رکھتی ہی نہیں) اور وہ عورتیں مردوں کی طرف میلان رکھتی ہیں یا وہ اپنے چلنے میں لچک پیدا کر کے اور اکڑ کر چلتی ہیں ان عورتوں کے سر اونٹ کے کوہان کی طرح ہیں یعنی وہ اپنے سروں کو دوپٹوں یا ٹوپیوں یا کسی اور شے سے موٹا دکھاتی ہیں یہاں تک کہ ان کے سر اونٹ کے کوہان جیسے محسوس ہوتے ہیں۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ مردوں کو سر اٹھا کر دیکھتی ہیں ۔ اونٹ کے کوہان سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ جیسے اونٹ کا کوہان چربی کی کثرت کی وجہ سے کبھی اس طرف جھک جاتا ہے اور کبھی اُس طرف ۔ تو اسی طرح ان عورتوں کی کیفیت ہے ۔

لا یدخلن الجنة ولا یجدن ریحها وان ریحها لیوجد مسیرة اربعین عاما ۔

(ایسی عورتیں جنت میں داخل نہ ہو سکیں گی یہاں تک کہ بہشت کی خوشبو تک سے محروم رہیں گی جبکہ اس کی خوشبو چالیس سال کے سفر کے فاصلہ پر سونگھی جا سکے گی)

تفسیر عالمانہ

وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ اور نماز قائم کرو، اس لیے کہ بدنی عبادات میں سے یہی اصلی عبادت ہے وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ اور زکوٰۃ دو اس لیے کہ عبادات مالیہ میں سے یہی برگزیدہ عبادت ہے بشرطیکہ تمہارے ہاں مال وافر یعنی نصاب کامل ہو ۔ کذا فی تفسیر ابی اللیث ۔
وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور تمام اوامر و نواہی میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو ۔ بعض نے لکھا کہ اللہ کی اطاعت کرو فرائض میں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو سنتوں میں ۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ ۔ الرجس بمعنے القذر ۔ یعنی وہ گناہ جو تمہاری عزت کو دھبہ لگائے اور داغدار کرے ۔ دراصل عرض انسان کے اس حصہ کو کہا جاتا ہے جس کی حفاظت مطلوب ہو ۔ امر و نہی کی علت بتائی گئی ہے ۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اسی لیے اس کا حکم عام ہوگا کیونکہ یہ خطاب عام ہے جس میں ازواج مطہرات بھی شامل ہیں (لیکن افسوس کہ شیعہ پارٹی نے اس آیت کو حضرت پنجتن (علی نبینا وعلیہم السلام) تک محدود رکھا اور بالخصوص ازواج مطہرات کو اس آیت سے خارج کرنے کی خام اور ناکام کوشش کی حالانکہ قرآنی مضمون کا تقاضا یہی ہے کہ ازواج مطہرات بالخصوص اس حکم میں شامل ہیں اور باقی علی العموم ۔ اویسی غفرلہٗ) اَهْلَ الْبَيْتِ یہ دراصل یا اهل البیت تھا ۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو نبوت کے گھرانے میں سے ہوں مرد ہوں یا عورتیں ۔ امام راغب نے لکھا کہ اهل الرجل

اس کو کہا جائے گا جو کہ ایک تعلق سے متعلق ہو جیسے نسب، دین یا ان کے قائم مقام۔ جیسے کاریگری اور گھر اور شہر اور محلہ۔ اس کا لغوی معنی یہ ہے کہ وہ جگہ جہاں سکونت کے لیے یکجا جمع ہونا ہو۔ اس کے بعد دوسرے معانی میں مجازاً استعمال ہونے لگا۔ اسی لیے اہل الرجل ہر وہ شخص جو اس کے نسب وغیرہ سے تعلق رکھتا ہو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کو (مطلقاً) عام ہے (وہ آل ہوں یا ازواج) یعنی لفظ اہل بیت جب مطلقاً استعمال ہو تو اس سے حضور علیہ السلام کی آل مثلاً بنو ہاشم مراد ہوں گے۔ اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان منا اھل البیت (سلمان ہمارے اہل بیت سے ہے) فرما کر تمام شکوک وشبہات دور کر دیئے اور تنبیہ فرمائی کہ قوم کا غلام بھی اہل بیت کی طرف منسوب ہوتا ہے (شیعہ کی کتب میں بھی یہ حدیث موجود ہے جب غلام اہل بیت میں شامل ہے تو پھر امہات المومنین سے ضد کیوں، انھیں کیونکر اہل بیت سے خارج کیا جاتا ہے) اھل بیت در اصل انسان کے اس ٹھکانے کو کہا جاتا ہے جس میں شب باشی کی جائے۔ پھر عام کر کے رات کی قید بھی ہٹا لی گئی۔ یعنی ہر وہ جگہ جہاں انسان بسر اوقات کرے۔ اس کی جمع ابیات و بیوت آتی ہے لیکن بیوت تو مسکن کے لیے اور ابیات اشعار کے لیے استعمال ہوتا ہے اور بیت کا اطلاق ہر بسیرہ پر ہوتا ہے خواہ وہ پتھروں سے تیار کیا جائے یا ڈھیلوں سے یا اون سے یا بالوں سے۔ شعر کو اسی کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے بیت کہا جاتا ہے۔ ایسے ہی جو شے بھی کہیں بسر اوقات کرے گی اسے بیت سے تعبیر کیا جائے گا۔ المفردات۔ وَيُطَهِّرَكُمْ اور تمہیں معاصی کی گرد وغبار سے پاک کرے گا تَطْهِيرًا ۝ بہت زیادہ پاک۔ الرجس معصیت کے لیے استعارہ کیا گیا ہے پھر تطہیر میں ترشیح ہے تاکہ اہل بیت کو گناہوں سے بہت زیادہ نفرت ہو۔

ردِ شیعہ

آیت میں بین دلیل اور سورج سے بھی زیادہ روشن برہان ہے کہ حضور کی ازواج مطہرات حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل بیت ہیں۔ آیت صاف بتاتی ہے کہ شیعہ شنیعہ باطل اور مبنی بر جہالت ہے جبکہ انھوں نے لفظ اہل بیت کا اطلاق صرف بی بی فاطمۃ الزہرا اور ان کے دو صاحبزادوں (حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم) کے لیے مخصوص مانا ہے۔

دلیلِ شیعہ

اپنے مذکورہ عقیدہ پر شیعہ مندرجہ ذیل روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت گھر سے باہر نکلے آپ نے سیاہ کمبل اوڑھ رکھا تھا آپ ایک جگہ پر بیٹھے تو بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں تو آپ نے انھیں اپنے کمبل میں بٹھا لیا، اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے آپ نے انہیں بھی کمبل میں چھپا لیا۔ پھر حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہما آئے تو انھیں بھی اسی کمبل سے ڈھانپ لیا۔ اس کے بعد فرمایا، انما یرید اللہ لیذھب

عنکم الرجس الخ۔

جواب برائے شیعہ ایسی واقعہ سے تو صرف یہ ثابت ہوا کہ مذکورہ بالا چاروں حضرات رضی اللہ عنہم اہل بیت میں سے ہیں۔ اس سے کب لازم آتا ہے کہ دوسرے حضرات سرے سے اہل بیت میں شامل ہی نہیں۔

(جواب نمبر۲ از اویسی غفرلہٗ قرآنی دلیل تو ازواج مطہرات کے لیے مصرح ہے۔ ان چاروں حضرات (رضی اللہ عنہم) کی تخصیص تو قرآن مجید میں نہیں بلکہ خبر واحد میں ہے اور اخبار احاد سے عقائد و خصائص ثابت نہیں ہوتے۔ ہاں فضائل ثابت ہوتے ہیں اور فضائل و کمالات کے ہم قائل ہیں۔ نہ صرف قائل ہیں بلکہ ایسے دلائل سے ہم بیان کرتے ہیں کہ شیعہ کے مجتہدوں کو ذرہ برابر بھی نصیب نہیں)

جواب نمبر۳ از صاحب روح البیان اگر شیعہ کی یہ دلیل صحیح ہو تو نص قرآنی کے مقابلہ میں واقع ہوتی ہے اور جو حدیث قرآنی نص کے مقابلہ میں واقع ہو اسے اولاً تطبیق دی جائے گی ورنہ اسے چھوڑ دیا جائے گا۔

ف : کاشفی نے لکھا اسی وجہ سے آل عبا کا لفظ پنجتن پر بھی بولتے ہیں ؎

آل العبا رسول اللہ و ابنتہ
والمرتضیٰ ثم سبطاہ اذا اجتمعوا

ترجمہ : آل عبا یہ حضرات ہیں :

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۲۔ آپ کی صاحبزادی بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا

۳۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ

۴ و ۵۔ ان کے دو صاحبزادے حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہما جب جمع ہوں۔

ف : کشف الاسرار میں ہے رجس افعال خبیثہ و اخلاق دنیہ میں استعمال ہوتا ہے۔ افعال خبیثہ سے ظاہری باطنی فواحش اور اخلاص وغیرہ سے خواہشات نفسانی اور بدعت و بخل و حرص و قطع رحم اللہ تعالیٰ کے احکام کی فرماں برداری کی خلاف ورزی اور سنت کے بجائے حرص اور شفقت صلہ رحمی کے بجائے قطع رحمی کرنا وغیرہ وغیرہ۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ویطہرکم تطہیرا۔

یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں ان بری عادات سے محفوظ فرمائے اور بچائے اس سے کہ تم اپنے آپ کو کچھ کا کچھ سمجھو یا تمہیں

اپنے اعمال پر ناز ہو۔

اقسامِ نظر پیرِ طریقت نے فرمایا کہ نظر دو قسم ہے:

(۱) انسانی نظر

(۲) رحمانی نظر

نظرِ انسانی یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو دیکھے۔

نظرِ رحمانی یہ ہے کہ حق تعالیٰ انسان کو دیکھے جب تک نظرِ انسانی درمیان سے اُٹھ نہ جائے نظرِ رحمانی نصیب نہیں ہوتی۔

سبق: انسان پر لازم ہے عبادت خوب کرے لیکن اسے دل میں نہ لائے بلکہ ہر وقت اس کی بے نیازی کو مدِ نظر رکھے وہ ایسا بے نیاز ہے کہ اگر آسمان و زمین کے جملہ صدیقین اور قدوسیوں کی عبادات ذوالجلال کی نظر میں ایک مچھر کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتی لیکن چونکہ وہ بے نیاز اپنے بندے کی بندگی سے خوش ہوتا ہے اسی لئے انسان کو زیادہ سے زیادہ عبادت و اطاعت میں اوقات بسر کرنے چاہئیں۔ حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے

گاہیکہ تکیہ بر عمل خود کنند خلق

اورا مباد جز کرمت ہیچ تکیہ گاہ

با او بفضل کار کن ای مفضل کریم

کز عدل تو بفضل تو می آورد پناہ

ترجمہ: جب مخلوق اپنے عمل پر بھروسا کرے ان کا تیرے سوا کوئی تکیہ گاہ نہیں اس سے فضل و کرم پر کام کرا اے فضل و کرم والے! تیرے عدل سے تیرے فضل میں پناہ لائیں گے۔

تفسیرِ صوفیانہ وقرن فی بیوتکن یہ خطاب انسان کے قلب کو ہے کہ اے قلوب انسان! تم عالمِ ملکوت کے گھونسلوں میں مقیم رہو۔ اور ارواح کو فرمان ہے کہ وہ ذات کی طرف متوجہ ہوں۔ ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ اور دنیا کی زینت اور اس کی خواہشات کی رغبت کر کے عالمِ حواس کی طرف نہ نکلو جیسے جہال کی عادت ہے واقمن الصلوٰۃ دوام حضور اور مراقبہ اور سیر کے ساتھ عروج الی اللہ کے ساتھ نماز قائم کرو اس لیے کہ نماز اہلِ ایمان کی معراج ہے اور وہ یوں ہو کہ انسان کو چاہیے دنیا سے ہاتھ اُٹھا لے اور اسے اپنے لیے ایک مصیبت عظیم سمجھ کر ما سوی اللہ سے روگردانی کر، اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو، تکبرِ انسانی کو ترک کر کے خضوع رکوعِ حیوانی کی طرف جھک جائے پھر نباتی سجود کا خشوع کرے پھر جمادی قعود بیٹھے اس طرح سے اسے اسفل قالب کا ہبوط حاصل ہوگا تو مقامِ شہود تک

پہنچنا آسان ہو جائے گا۔ یہ اس کے لیے ہے جو بدایۃ روحانیہ میں ہو۔ اس کے بعد حضرت حق کی تحیۃ و ثناء کی تشہد پڑھے۔ اس کے بعد دائیں جانب سلام پھیرے تو آخرت و ما فیہا کو خیرباد کہہ دے اور بائیں جانب سلام پھیر کر دنیا و ما فیہا سے فراغت پائے۔ ایسی نماز کی اقامت و مداومت سے اسے بحرِ الوہیت میں غوطہ لگانے کا موقع نصیب ہو جائے گا۔ وَاٰتِیْنَ الزَّکٰوۃَ یعنی جو تمہارا وجود مجازی ہے جو وجود حقیقی سے ایک زائد امر ہے راہِ حق میں صرف کر دیجئے وجود مجازی کو وجود حقیقی میں فنا کر دو وَاَطِعْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ صلوٰۃ و زکوٰۃ بمطابق طریق بالا سے اطاعتِ الٰہی و رسول اللہ مطلوب ہو اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ بھی یہی ہے کہ اپنے بندوں سے حدوث کا زنگ مٹا دے۔ الرجس سے یہاں پر لوث الحدث مراد ہے۔ اَھْلَ الْبَیْتِ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو بیتِ الٰہی کے واصل اور مجلس وحدت کے باشی ہیں وَیُطَھِّرَکُمْ اور وہ کریم تجلی صفات جمال و جلال کے شراب طہور کے ساتھ تمہیں لوث حدوث سے ایسا پاک کرنا چاہتا ہے کہ تمہارے اندر ذرہ برابر بھی حدوث نہ رہے جیسا کہ صوفیہ فرماتے ہیں کہ مٹے ہوئے صفات نہیں لوٹتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کامل اولیاء کرام کو طبیعت کے ظہور کا خوف نہیں ہوتا ؎

تا بندہ ز خود فانیٔ مطلق نشود
توحید بنزد او محقق نشود
توحید حلول نیست نابودن تست
ورنہ بگزاف آدمی حق نشود

ترجمہ: جب تک بندہ اپنے آپ سے مطلقاً فانی نہ ہوگا اس وقت اس کے ہاں توحید محقق نہ ہوگی۔ توحید حلول نہیں بلکہ یوں ہوگا کہ وجودِ فانی کو مٹا دو ورنہ لاف و گزاف سے آدمی حق نہیں ہو سکتا۔

حق تعالیٰ حقائق توحید سے ہم سب کو محقق بنائے اور اپنی تائید سے ہمیں نوازے اور وجود مجازی کے نقوش ہم سے مٹا دے اور ہمیں انانیت کی خرابیوں سے پاک و صاف کرے بیشک وہ اپنے جملہ عباد کے لیے جواد و کریم ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَاذْکُرْنَ اے ازواج پیغمبر علیہ السلام! یاد کرو لوگوں کو بطریق وعظ و تذکیر فرمایا کر یاد کرو مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ وَالْحِکْمَۃِ وہ جو تمہارے ہاں کتاب الجامع آیاتِ الٰہیہ اور حکمۃ یعنی سے جامع ہے۔ اس میں نبوت کے دلائل واضحہ ہیں

اور وُہ اپنی نظم و ترتیب کے لحاظ سے بہت بڑا معجزہ ہے اور وُہ حکمت بایں معنی ہے کہ اس میں فنون علم و احکام شرعیہ ہیں سورۂ لقمان میں ہم نے حکمت کے معانی بیان کئے ہیں۔

ف : قتادہ نے آیات کو آیاتِ قرآنی اور حکمت کو احادیثِ نبویہ پر محمول فرمایا ہے اس لیے کہ حدیثِ نبوی خالص حکمت ہے۔ اس میں ازواجِ مطہرات کی نعمتوں کی تذکیر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اہل بیتِ نبوت اور تمہارے گھروں کو وحی کا مرکز بنایا تاکہ نواہیِ الٰہی کا ارتکاب نہ کریں اور اوامرِ حق پر عمل کریں اور قرآنی آیات کی تلاوت کریں اس میں انہیں تنبیہ ہے کہ تنزیلِ آیات کی تلاوت اور ان پر عمل کرنا مطلوب ہے اور انہیں اشارہ کیا کہ گھروں میں صرف سکونت رکھنا مقصود نہیں اگرچہ وہ نزول وحیِ الٰہی کا مرکز ہیں اور ہر زوجۂ نبی علیہ السلام کے گھر قرآن مجید کا کچھ نہ کچھ حصہ نازل ہُوا۔ اس سے مقصد یہی ہے کہ انہیں پڑھا جائے اور پڑھ کر ان پر عمل کیا جائے اور تلاوت کرنے والے کی تخصیص نہیں کی گئی اس لیے کہ تلاوت خواہ کوئی کرے نبی علیہ السلام یا جبریلِ امین علیہ السلام یا ازواجِ مطہرات یا صحابہ کرام یا دوسرے عوام تعلیماً یا تعلماً کیونکہ مقصود صرف تلاوت نہیں بلکہ اس سے نصیحت حاصل کرنا اور پھر اس پر عمل کرنا ہے۔

ف : الوسیط میں ہے کہ اس میں انہیں حفظِ قرآن اور اس کے احکام کی نشر و اشاعت اور اس سے اپنی اور دوسروں کی تذکیر و نصیحت ضروری ہے اس لیے کہ قرآن جملہ شرعی امور پر حاوی ہے اگرچہ یہ خطاب ازواجِ نبی (علیہ السلام) کو ہے لیکن حکم عام ہے اس میں ازواجِ مطہرات کے علاوہ جملہ اہلِ اسلام زن و مرد داخل ہیں یاد رہے کہ شرع پاک کے جملہ امور قرآن و حدیث پر مبنی ہیں اور انہی سے ہی حدودِ الٰہی اور فرائض وغیرہا معلوم ہوتے ہیں۔

مسئلہ : لازم ہے کہ رات دن روزانہ قرآن مجید کو پڑھا جائے تاکہ بھُول نہ جائے اور بعض اوقات نہ پڑھنے سے دل سے بھی مِٹ جاتا ہے۔

مسئلہ : بھُولنے کا معنیٰ یہ ہے کہ قرآن مجید کو دیکھ کر بھی نہ پڑھا جا سکے۔ اس طرح قرآن مجید کو بھُولنا گناہِ کبیرہ ہے۔

مسئلہ : گھر میں قرآن مجید کی تلاوت کی جائے اور یہ سنّت ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

ان فی بیوتات المسلمین لمصابیح الی العرش یعرفھا مقربوا ملائکۃ السمٰوٰت السبع والارضین السبع یقولون ھٰذا النور من بیوتات المؤمنین التی یتلی فیھا القرآن۔

(اہلِ اسلام کے گھروں میں بہت بڑے روشن فانوس ہیں جن کی نورانیت عرشِ الٰہی تک

پہنچتی ہے جیسے ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کے مقرب فرشتے پہچانتے ہیں اور آپس میں کہتے ہیں کہ یہ روشنی مسلمانوں کے گھروں میں ان کی تلاوت قرآن سے ہے۔

مسئلہ: کبھی کبھار کسی سے قرآن مجید سُننا سنت ہے۔

ف: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی حضرت اُبی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے قرآن مجید سن لیا کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے قرآن مجید سُن لیا کرتے تھے اور حضرت ابو موسیٰ خوش الحان تھے۔

مسئلہ: جمہور کے نزدیک نماز میں قرآن مجید سُننا فرض اور خارج از صلوٰۃ مستحب ہے۔

سبق: ہر انسان پر لازم ہے کہ قرآن مجید کو پڑھے اس سے تذکیر و موعظت حاصل کرے اور اس پر عمل کرے اور ممکن ہو تو حفظ کرے اور اسے سننے کے لیے بھی وقت نکالے ؎

دل از شنیدن قرآن بگیروت ہمہ وقت
چو باطلان ز کلام حقت ملولی چیست

ترجمہ: قرآن سُننے سے تیرا دل بھر جاتا ہے باطل لوگوں کی طرح تجھے کلام الٰہی سے ملال کیوں ہے!

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا بے شک اللہ تعالیٰ بہت بڑا لطف کرنے والا ہے اور اپنی تمام مخلوق کے ساتھ احسان و کرم فرماتا ہے **خَبِيْرًا** ۝ جملہ اشیاء کو خوب جانتا ہے۔ اسی طرح دین کے معاملے میں وہی تدبیر کرتا ہے جیسے چاہتا ہے اسی لیے امر و نہی بندوں کے لیے نازل فرماتے۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ جانتا ہے کہ نبوت کے متعلق کیا مصلحتیں ہیں اور اس کا اہل کون ہے اور وہی جانتا ہے کہ اس کے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے مقدس لقب کا کون مستحق ہے۔

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کا صبر و تحمل: مروی ہے کہ کسی نے حضرت امام زین العابدین کو گالی دی اور آپ پر ایک بُہتان بھی باندھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اگر میرے اندر یہ غلطی ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں اگر میرے اندر غلطی نہ ہو تو پھر میں تیرے لیے استغفار کرتا ہوں۔ اس شخص نے آپ کا حوصلہ دیکھا تو اٹھا اور آپ کا سر چوم لیا اور عرض کی آپ پر میری جان فدا ہو جو کچھ میں نے کہا اس کی معافی چاہتا ہوں اور آپ سے عرض ہے کہ آپ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگیے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تیرے لیے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔ اس شخص نے کہا اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا: اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ۔

دُوسرا واقعہ ایک دن امام زین العابدین رضی اللہ عنہ اپنے گھر سے باہر نکلے تو کسی نے آپ کو خوب گالیاں دیں۔ اس پر آپ کے غلاموں اور نوکروں کو طیش آگیا۔ آپ نے فرمایا: اسے کچھ نہ کہو۔ پھر اس شخص سے مخاطب ہُوئے اور فرمایا: بخدا میرے اندر تو بہت سے نقائص وعیوب ہیں آپ کو چاہیے تھا آپ میرے عیوب کو پوشیدہ رکھتے جبکہ اللہ تعالیٰ نے میرے عیوب و نقائص پوشیدہ رکھے۔ لیکن پھر بھی میرا جی چاہتا ہے کہ میں آپ کی کچھ خدمت کروں، اب آپ فرمایئے کہ میں آپ کی کیا خدمت کروں۔ حیا و شرم سے اس شخص کی آنکھیں نیچی ہو گئیں آپ نے اس شخص کو ایک بہترین کمبل عطا فرمایا اور غلاموں سے فرمایا کہ اسے ایک ہزار درہم بھی عنایت فرما دیجئے۔ اس کے بعد وہ شخص کہا کرتا تھا میں گواہی دیتا ہُوں کہ واقعی آپ اولادِ رسول ہیں (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم)۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ نسب دو قسم ہے:

(۱) طینیہ

(۲) دینیہ

طینیہ یعنی وُہ جو ظاہری نسب ہوتا ہے۔

دینیہ وہ جو مقامِ معرفت و مشابہت اخلاق سے مقامِ طریقت میں ارواح کی مناسبت سے اور مقامِ شریعت میں اعمال کی ایک دوسرے سے مناسبت ہوتی ہے۔ جیسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

آلِ محمد کل تقی نقی۔

(آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ تمام ہیں جو پرہیزگار اور نیک ہیں)

ف: حقیقی اہلِ تقویٰ عارف باللہ ہیں جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں۔ اس سے معلوم ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اہلِ بیت و ذوی القربیٰ للرسول صلی اللہ علیہ وسلم وُہ ہیں جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ اقدس پر ہیں۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ سادات صالحین کو بہت بڑی کرامت حاصل ہے ان کی رعایت و ادب و تعظیم درحقیقت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم اور ادب ہے۔

حکایت منقول ہے کہ ایک سیدزادی روزی کی تنگی سے اپنی صاحبزادیوں کو لے کر سمرقند کی ایک مسجد میں تشریف لے گئیں تاکہ روزی کا سبب بن سکے۔ شہر کے ایک امیر آدمی سے اپنی تنگیٔ معاش کا ذکر کیا اور ساتھ ہی فرما دیا کہ میں سیدزادی ہُوں۔ امیرِ شہر سے صرف ایک رات گزارنے کا سوال کیا۔ امیرِ شہر نے کہا تمہارے سیدزادی ہونے کا کوئی گواہ یا دلیل ہے؟ سیدزادی نے فرمایا: میں تو یہاں اجنبیہ ہُوں میری جان پہچان کا کوئی آدمی نہیں۔ امیرِ شہر نے منہ پھیر لیا تو سیدزادی ایک مجوسی کے پاس گئیں وُہ بے چارہ شہر میں ضمانت

دے کر رہ رہا تھا۔ سیّدزادی نے اپنا حال سنایا۔ مجوسی نے سیّدزادی کو بچیوں سمیت اپنے گھر بھیج دیا اور گھر والوں کو کہلا بھیجا کہ ان کی خوب خدمت کریں اور عزت و احترام سے پیش آئیں۔ مذکور امیرِ شہر نے خواب دیکھا کہ گویا قیامت قائم ہو گئی ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا دیکھا وہاں پہنچ کر دیکھا کہ آپ کے قرب میں سبز محل زمرد سے تیار شدہ موجود ہے۔ عرض کی: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ محل کس کا ہے؟ آپ نے فرمایا: مسلمان کلمہ گو کا۔ عرض کی: میں بھی مسلمان کلمہ گو ہوں۔ آپ نے فرمایا: تیرے مسلمان کلمہ گو ہونے کی کیا دلیل ہے کوئی گواہ پیش کر۔ اس پر وہ امیرِ شہر جاگ اُٹھا اور خُوب رویا اور سمجھا کہ اسے اس سیّدزادی کی وجہ سے ایسے کہا گیا۔ کفِ افسوس ملتا ہُوا سیّدزادی کی تلاش میں نکلا تو معلوم ہوا کہ وہ فلاں مجوسی کے ہاں قیام پذیر ہیں۔ مجوسی سے کہا کہ سیّدزادی کو لے جانے کی اجازت دیجئے۔ مجوسی نے کہا: یہ نعمتِ عظمیٰ تجھے کیسے دوں؟ کہا: ہزار دینار لے کر انھیں لے جانے کی اجازت دے دے۔ مجوسی نے کہا: ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا اس سیّدزادی کے صدقے مجھے دولتِ اسلام نصیب ہُوئی ہے۔ اب میں مسلمان ہو چکا ہُوں اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بہشت میں سبز محل کی نوید سعید سُنائی ہے۔

حکایت منقول ہے کہ بغداد کا ایک تاجر تھا اس کے ہاں سامانِ تجارت بہت قلیل تھا۔ اسے ایک دن نماز باجماعت پڑھنے کا موقعہ میسر ہُوا۔ جب سلام پھیرا تو ایک سیّد کھڑا ہو گیا اور کہا میری ایک لڑکی ہے اس کا بیاہ کرنا چاہتا ہُوں، میرے دادا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میری کچھ امداد کرو تاکہ میں اپنی لڑکی کا بیاہ کر سکوں۔ اس تاجر بغدادی نے اپنا سارا سامانِ تجارت اسے دے دیا جو پانچ سو درہم تھا۔ جب رات ہُوئی تو تاجر مذکور کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں زیارت ہُوئی۔ آپ نے فرمایا: تمہارا بھیجا ہُوا تحفہ مجھے موصول ہو گیا ہے کل تم بلخ کے شہر جاؤ وہاں عبداللہ بن طاہر ہیں انہیں جا کر کہنا کہ تمہیں حضرت محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں میرا دوست آ رہا ہے اسے میری طرف سے پانچ سو دینار دے دیں۔ تاجر مذکور صبح کو بیدار ہوا اور اپنی عورت کو سارا حال سُنایا تو اس نے کہا تم بلخ جاؤ اور پھر آؤ، اندریں حالات ہمارے نان و نفقہ کا کیا بنے گا۔ تاجر اپنے پڑوسی ہوٹل والے کے پاس گیا اور کہا کہ جب تک میں بلخ سے واپس نہ آ جاؤں تم میرے اہل و عیال کو خرچ دیتے رہو، میں واپسی پر تمہیں ایک درہم کے بجائے ایک دینار دُوں گا۔ ہوٹل والے نے کہا: جس ذات نے تجھے بلخ جانے کا حکم فرمایا ہے اسی ذاتِ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کے اہل و عیال کو نان و نفقہ دیتا رہوں۔ ہوٹل والے سے عہد و پیمان لے کر تاجر مذکور بلخ کو روانہ ہوا۔ جب تاجر مذکور بلخ کے قریب پہنچا تو عبداللہ بن طاہر نے اس کا استقبال کیا اور کہا: اے قاصدِ رسول!

صلی اللہ علیہ وسلم ! مرحبا ! اور کہا ، جس ذاتِ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تجھے میرے ہاں بھیجا اسی ذاتِ اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے تیری امداد کا حکم فرمایا ہے۔ اس تاجر کو عبداللہ بن طاہر نے اپنے گھر میں تین دن ٹھہرایا اور خُوب خدمت کی اور بحکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پانچسو دینار دے دیئے اور اسے رسولِ پاک کا قاصد سمجھ کر اس کے ساتھ ایک جماعت روانہ کی جو اسے عزت و تکریم سے اس کے گھر تک پہنچا دے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ زر و نعمت اکنون بده کان تست
که بعد از تو بیرون ز فرمان تست

۲ فرو ماندگان را درون شاد کن
ز روز فرو ماندگی یاد کن

۳ نه خواهندهٔ بر در دیگران
بشکرانه خواهنده از در مران

۴ جوانمردا گر راست خواهی ولیست
کرم پیشهٔ شاه مردان علیست

۵ باحسانی آسوده کردن دلی
به از الف رکعت بهر منزلی

۶ بفنطار زر بخش کردن ز گنج
نباشد چو قیراطی از دست رنج

۷ برد هر کسی بار درخورد زور
گرانست پای ملخ پیش مور

ترجمہ: (۱) زر و نعمت آج تیرے ہاتھ میں ہے جو تیرے مرنے کے بعد تیرے حکم سے باہر ہو گی۔

(۲) عاجزوں کا دل خوش کر، عاجزی کا دن یاد کر۔

(۳) اب تو تو کسی دروازے کا سوالی نہیں جو تجھ سے سوال کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے ہوئے اسے دروازے سے نہ ہٹا۔

(۴) اگر سچ پوچھتے ہو تو جواں مرد ولی اللہ ہے کیونکہ سخاوت کا پیشہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہے۔

(۵) احسان سے کسی ایک دل کو آسودہ کرنا اس ہزار رکعت کی ادائیگی سے بہتر ہے جو ہر ہر منزل پہ ادا کی جائے۔

(۶) خزانے سے بہت سا سونا لٹا دینے سے وہ تھوڑا۔ مال بہتر ہے جو اپنی کمائی سے خرچ کیا جائے۔

(۷) ہر ایک اپنی طاقت کے مطابق بوجھ اٹھاتا ہے۔ چیونٹی کو ٹڈی کا ایک پاؤں اٹھا کر چلنا بوجھل ہے۔

انتباہ جب تم نے یہ حکایات سُنیں تو تم پر لازم ہے کہ سادات کی مال سے مدد کرو ورنہ سمجھدار غیور وہ ہے جو اپنی ہمتِ مردانہ سے پرواز کرتا ہے۔

سبق ان حکایات سے ثابت ہوا کہ ساداتِ کرام کی تعظیم و تکریم سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوتے ہیں اگر نقد امداد ہو سکے تو زہے سعادت ورنہ ان کے ساتھ نیک برتاؤ کیا جائے اور ان کی خوشی کو ہر لحاظ سے مقدم رکھے (بشرطیکہ شرعی حکم کے منافی امر نہ ہو) سادات کرام کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے دادا کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے احکامات کی پابندی کریں محض خوش فہمی کی بنا پر نسب پر نازاں نہ رہیں آیت کی مناسبت سے فقیر یہاں پر اپنا رسالہ "فضائل اہلبیت" کے چند دلائل از آیات یہاں پیش کرتا ہے۔

فضائل اہلبیت از آیاتِ کلام مجید

(۱) قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ ۵ و من یقترف حسنۃ نزدلہ فیہا حسنا ؕ

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اُمت سے فرما دیجئے کہ میں تم سے تبلیغِ احکامِ الٰہی پر کوئی اُجرت نہیں مانگتا بجز اس کے کہ تم میرے قرابت داروں سے محبت کرو اور جو شخص کوئی نیکی کرے گا ہم اُس میں خوبی اور زیادہ کریں گے۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ ساداتِ کرام جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد اور اہلِ قرابت ہیں ان سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خاطر محبت کرنا لازم ہے دیگر خاندانوں کا یہ حال نہیں۔

طبرانی اور ابی حاتم اور ابن مردیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے وہ قرابت دار (باقی صفحہ ۲۲ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱) کون ہیں جن کی محبت ہم پر فرض کر دی گئی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علی اور فاطمہ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم ہیں۔

(۲) فمن حاجّك فيه من بعد ما جاءك من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءكم ونساءنا ونساءكم وانفسنا وانفسكم ثم نبتهل فنجعل لعنة الله على الكٰذبين۔

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کوئی تم سے اس علم کے آنے کے بعد بھی جھگڑا کرے تو اس سے کہہ دو کہ ہم اپنی اولاد کو بلاتے ہیں، تم اپنی اولاد کو بلاؤ۔ اسی طرح ہم اپنی عورتوں کو بلاتے ہیں تم اپنی عورتوں کو بلاؤ اور ہم خود بھی اور تم خود بھی جمع ہوں، پھر خدا کی طرف متوجہ ہو کر اللہ کی لعنت اور پھٹکار جھوٹوں پر ڈالیں۔

مفسرین کرام کا قول ہے کہ کفار اس آیت کریمہ کو سُن کر گھبرا گئے اور بھاگنے لگے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ غضب الٰہی نازل ہو جائے اور ہم سبھوں کو پریشان کر دے۔

ف: اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم خاص بھی عطا ہو چکا ہے جس کے منکرین کو یہ جواب ہُوا ہے اُنہی منکرین کی اولاد آج بھی دنیا میں موجود ہے۔ خدا تعالیٰ ان کو ہدایت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ اس آیت پاک سے بھی مراد آلِ رسول ہیں۔

(۳) انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطهركم تطهيرا۔

پس اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ اے اہلِ بیت تم میں سے گندگی کو دور کر دے اور تمہیں خوب پاک وصاف کر دے۔

ف: اس سے معلوم ہُوا کہ اہل بیت نبی ازواج مطہرات ہوں اور اولاد اطہار ہوں سب کو رب نے پاک فرما دیا اس لیے کہ حضور علیہ السلام کا قبیلہ ہیں۔ یہ خصوصی طہارت دُوسروں کو میسر نہیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت پاک بھی آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نازل ہُوئی۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن و حضرت حسین وغیرہ رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ (رواہ احمد)

(۴) انّ الله وملٰئكته يصلون على النبى يا ايها الذين اٰمنوا صلوا عليه وسلموا تسليما۔

بلاشبہ خدا اور اس کے فرشتے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود وسلام بھیجو۔

(باقی بر صفحہ آئندہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲)

کعب ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب آیت نازل ہوئی تو ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پر درود شریف بھیجنے کا کیا طریقہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یوں کہا کرو:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی (سَیِّدِنَا) مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ (سَیِّدِنَا) مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی (سیدنا) اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ الخ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص کی یہ خواہش ہو کہ اسے پورا اور کامل ثواب ملے تو مجھ پر اور میرے اہلِ بیت پر اس طرح درود پڑھا کرے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی (سَیِّدِنَا) مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاَزْوَاجِہٖ اُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ ذُرِّیَّاتِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی (سَیِّدِنَا) اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝

(۵) ومن یقترف حسنۃ نزد لہ۔ — جو شخص نیکی کرے گا ہم اس میں اور خوبی زیادہ کریں گے۔

ف: آیت میں لفظ حسنۃ سے اہلِ بیتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت مراد ہے۔

(۶) واما الجدار فکان لغلامین یتیمین فی المدینۃ وکان تحتہ کنز لہما وکان ابوہما صالحاً۔ (پ ۱۶ ع ۱)

یعنی رہی وہ دیوار، وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ نیک آدمی تھا۔

یہ وہ واقعہ ہے جو حضرت خضر اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما السلام کو پیش آیا جبکہ دونوں حضرات اکٹھے ہو کر سیاحت کرتے کرتے ایک گاؤں میں تشریف لے گئے۔ بھوک نے ستایا تھا وہاں کے لوگوں سے طعام مانگا تو انھوں نے انکار کر دیا۔ اس کے باوجود حضرت خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ وہ دیوار جو نظر آ رہی ہے یہ گرنا چاہتی ہے میں اس کو درست کرتا ہوں۔ چنانچہ یہ کہہ کر دیوار کو فوراً درست کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام متعجب ہوئے اور عرض کی، ان لوگوں نے ہمیں کھانا نہیں دیا آپ نے دیوار کو درست کر دیا یہ کیا ماجرا ہے؟ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا، میں نے گاؤں کے لوگوں کی وجہ سے نہیں کیا مجھے تو اس ولی کامل کی وجہ سے کرنا پڑا جو اس عالم دنیا سے کوچ کر گیا ہے اور ان کی اولاد کے لیے کچھ سرمایہ دیوار کے نیچے پڑا ہے اگر دیوار گر گئی تو ولی کی اولاد کا نقصان ہو جائے گا۔ اس آیت اور واقعہ سے اندازہ لگائیے کہ کئی لڑی تک دور کے ولی کی اولاد کا لحاظ رکھا گیا ہے اور یہ بھی ساتویں پشت کا معاملہ ہے یعنی دادا۔ مجازاً اَب کہا گیا ہے چنانچہ حضرت علامہ ابن العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

وقد روی فی تفسیر قولہ تعالیٰ "واما الجدار" الآیہ انہ کان بینھما و بین الذی حفظا فیہ سبعۃ آباء فلا ریب فی حفظ ذریتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم واھل بیتہ فیہ وان کثرت الوسائط بینھم وبینہ۔ (العلم الظاہر ص۶)

(جن لڑکوں کی دیوار کی حفاظت کی گئی اس کے اور نیک لوگوں کے درمیان سات پشتوں کا فاصلہ تھا اس سے شک نہ رہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد اور ان کے اہل بیت کے حقوق کی حفاظت ضروری ہے اگرچہ ان کے مابین کتنے ہی وسائط ہوں)

آیت سے ثابت ہوا کہ نیک لوگوں کی نیکیاں ان کی اولاد کے کام آتی ہیں۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رشتہ سادات کرام کے ضرور کام آئے گا۔

حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

احفظوا فینا ما حفظ العبد الصالح فی الیتیمین وکان ابوھما صالحاً۔

(رواہ الحافظ عبد العزیز بن الاخضر فی معالم العترۃ النبویہ)

(ہماری خاطر ہماری اولاد کے حقوق کی حفاظت کرو جیسے اللہ تعالٰے دو یتیموں کی صرف نیک آدمی کی وجہ سے حفاظت فرمائی)

(۷) والذین اٰمنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنا بھم ذریتھم وما التناھم من عملھم من شئ۔ (سورۃ الطور۔ ع ۱)

اور جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہم نے ان کی اولاد ان سے ملا دی اور ان کے عمل میں انھیں کچھ کمی نہ دی۔ (کنز الایمان)

ف: جنت میں اگرچہ باپ دادا کے درجے بلند ہوں تو بھی ان کی خوشی کے لیے ان کی اولاد ان کے ساتھ ملا دی جائے گی اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس اولاد کو بھی وہ درجہ عطا فرمائے گا۔ (خزائن العرفان)

(۸) فیکونون فی درجتھم وان لم یعملوا بعملھم کرمۃ للآباء باجتماع الاولاد الیھم۔

(جلالین ص ۴۳۵)

یعنی اولیاء اللہ کی باایمان اولاد نے اگرچہ باپ دادا کی طرح نیک اعمال نہ کیے ہوں تو بھی باپ دادا کے اکرام و اعزاز کی خاطر جنت میں انھی کے ساتھ ایک ہی مرتبہ و مقام میں رونق افروز ہوں گے۔ (ھکذا فی المدارک ص ۱۹۱)

(باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

تفسیر ابن کثیر میں ہے :

(۹) لتقر اعین الآباء بالابناء عندھم فی منازلھم ۔ (ص ۲۴۱)

یعنی اولیاء اللہ کی اولاد کو یہ مرتبہ اس لیے عطا فرمایا جائے گا تاکہ اولاد کو اپنے پاس اپنے مرتبہ میں دیکھ کر اولیاء اللہ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔

(۱۰) حدیث شریف میں ہے :

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا دخل الرجل الجنۃ سأل عن ابویہ و زوجتہ وولدہ فیقال انھم لم یبلغوا درجتک فیقول یا رب قد عملت لی ولھم فیامر بالحاقھم بہ۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، جب اللہ کا نیک بندہ جنت میں داخل ہو گا تو اپنے بلند مرتبہ اور اونچے مقام میں ماں باپ ، بیوی اور اولاد کو نہ پا کر پوچھے گا کہ وہ کہاں ہیں؟ جواب ملے گا ان سب کے اعمال تجھ سے گھٹیا تھے اس لیے وہ تیرے مرتبہ و مقام کو نہیں پہنچ سکے ۔ وہ بندہ عرض کرے گا اے میرے رب ! میں نے جو نیک اعمال کیے تھے وہ صرف اپنے لیے نہیں کئے تھے بلکہ ماں باپ اور بیوی بچوں کے لیے بھی کیے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان سب کو اس کے مرتبہ و مقام پر پہنچایا جائے گا)

اس حدیث مقدس کو بیان فرمانے کے بعد اس کے راوی سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مندرجہ بالا آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی ۔ (تفسیر ابن کثیر ، ج ۴ ، ص ۲۴۲)

اس سے ثابت ہوا کہ جنتی آدمی اپنے بال بچوں کے ساتھ جنت میں رہے گا اس طرح کہ اگر باپ کا درجہ ادنیٰ ہے اور اولاد کا اعلیٰ ، تو باپ کو ترقی دے کر اولاد کے پاس پہنچایا جائے گا ۔ اور اگر اس کے برعکس ہے تو اولاد کو ترقی دے کر باپ کے پاس بھیجا جائے گا ۔

ان اقوال و ارشادات کی روشنی میں آیت مذکورہ کا مطلب واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقدس ولیوں کو خوش رکھنے کے لیے ان کی اولاد کو انہی جیسا مرتبہ عطا فرمائے گا ۔

تو اللہ جل مجدہ کی سنت مبارکہ پر عمل کرنے کے لیے ہمیں بھی چاہیے کہ اولیاء اللہ کی اولاد کا ادب و احترام کریں ۔ اولاد کو انہی احترامی نگاہوں سے دیکھیں جن احترامی نگاہوں سے ان کے آباء کرام کو

باقی اگلے صفحہ پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵) دیکھا کرتے تھے اولیاء اللہ کی اولاد کو جتنا خوش رکھیں گے ان ولیوں کی ارواحِ طیبہ اتنی ہی ہم سے خوش ہوں گی۔ جتنا کوئی انہیں پریشان کرے گا اتنا ہی مقدس ولیوں کی ارواحِ مقدسہ کو ستائے گا۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ان شاء اللہ قیامت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوگی۔ ساداتِ کرام کے نسب کی عظمت بھی معلوم ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں کے اعمال ان کی اولاد کے کام آئیں گے۔

(۱۱) ومن ذریتنا امۃً مسلمۃً لک۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی کہ مولا! ہماری اولاد میں ایک جماعت اپنی مطیع و فرماں بردار رکھ۔ اس دعا سے معلوم ہوا کہ سارے سید کبھی گمراہ نہیں ہو سکتے۔ دوسری اسلامی قومیں ساری گمراہ ہو سکتی ہیں۔ پتا چلا کہ حضرت ابراہیم کا نسب و خاندان اعلیٰ و افضل ہے کہ انہیں یہ دعائے ابراہیمی حاصل ہے۔

(۱۲) لا اقسم بھذا البلد وانت حلٌّ بھذا البلد و والدٍ وما ولد۔

(مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب! اس شہر میں تم ہو اور تم باپ کی قسم اور اس کی اولاد کی قسم)

اس آیت کریمہ کی تفسیر یہ بھی ہے کہ والد سے مراد حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اولاد سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد پاک ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور کا شہر تمام شہروں سے افضل اور حضور کی اولاد پاک تمام خاندانوں سے اعلیٰ ہے کہ رب تعالیٰ نے ان کی قسم ارشاد فرمائی۔

(۱۳) پارہ اول میں بنی اسرائیل کے ولی کا قصہ بہت مشہور ہے۔ اللہ تعالیٰ اس قصے کے متعلق فرماتا ہے،

واذ قتلتم نفساً فادّٰرءتم فیھا واللہ مخرجٌ ما کنتم تکتمون۔

(اور جب کہ تم نے مار ڈالا تھا ایک شخص کو کہ پھر لگے ایک دوسرے پر دھرنے اور اللہ تعالیٰ نکالتا ہے جو تم چھپاتے تھے)

اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص بہت مالدار تھا اس کی اولاد نہ تھی صرف دو بھتیجے تھے ایک رات مال کی لالچ میں انھوں نے اُسے مار ڈالا اور اس کی لاش دو گاؤں کے درمیان ڈال دی اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر ان دونوں گاؤں والوں پر دعویٰ کر دیا۔ وہ لوگ چونکہ اس فعل سے بے خبر تھے واویلا کرتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام سے اس واقعہ کی صحت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا طلب کرائی۔ موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی۔ حکم ہوا کہ یہ رنگ گائے ذبح کریں۔ لوگوں نے کہا ہمارے ساتھ ٹھٹھا مت کرو صحیح واقعہ بتاؤ۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اسی طرح کہا ہے۔ انھوں نے کہا اچھا بتاؤ وہ گائے کیسی ہے، اس کا رنگ کیا ہے، کس کام کی ہے وغیرہ وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے سب تفصیل بتا دی۔ اب

(باقی بر صفحہ ۲۷)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶)

انھیں پتا چلا کہ ان اوصاف کی گائے جو ایک یتیم کے پاس ہے۔ یتیم سے وہ گائے بہت مہنگی لے کر ذبح کی۔ جب گائے ذبح کی گئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اُضربوہ ببعضھا۔

یعنی پھر ہم نے کہا، مارو اس مردہ کو اس گائے کا ایک ٹکڑا۔

لفظ بعض سے مراد مفسرین نے زبان لی ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں سیدھی ران کا ایک ٹکڑا تھا، بعض کے نزدیک کان ہے، بعض کے نزدیک دُم کی ہڈی ہے۔ بہرحال اس مُردہ گائے کے بعض حصہ کو مردہ آدمی سے لگایا گیا تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور تمام واقعہ بیان کر کے مر گیا۔ (کذا فی مظہری ج ۱، ص ۴۴ - بیضاوی ج ۱، ص ۸۵ - خازن ص ۷۵ - صاوی ج ۱، ص ۳۰) اور تقریباً تمام تفاسیر میں یونہی ہے (اختصاراً و تطویلاً بطرق مختلفۃ و الفاظ متنوعۃ)

ف: واقعہ میں چند چیزیں قابلِ غور ہیں:

اولاً یہ کہ جب اللہ تعالیٰ قادر و قدیر ہے، کُن سے تمام کائنات پیدا فرما سکتا ہے۔ اب مقتول کے زندہ فرمانے سے کون سا اشکال تھا کہ نہ تو خود زندہ فرماتا ہے اور نہ ہی موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیتا ہے کہ تم میری اجازت سے مردہ کو زندہ کرو بلکہ انہیں گائے کے ذبح کرنے پر مجبور کر دیا اور وہ بھی خاص قسم کی جس میں بہت بڑے لمبے شرائط ذکر فرمائے بہرحال اس طوالت میں کوئی حکمت ضرور مضمر ہے۔ جناب مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تفسیر مظہری (ج ۱، ص ۴۴) میں فرماتے ہیں:

شرط فیہ ما شرط لما جری عادتہ تعالیٰ فی الدنیا بتعلیق الاشیاء بالاسباب الظاھرہ۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے ابتداءً اس لیے مُردہ کو زندہ نہ فرمایا اور اسے چند شرائط کے ساتھ مشروط فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت مبارکہ ہے کہ اشیاء کو اسباب ظاہرہ سے متعلق فرمایا کرتا ہے۔

ف: انہی اسباب سے ہے انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا و علیہم السلام کی مدد۔ تفصیل فقیر کی تصنیف "الاستمداد عن اہل الامداد" میں ہے۔

ثانیاً یہ کہ اپنی قدرت کا مظہر گائے کو کیوں بنایا حالانکہ گائے کے بجائے موسیٰ علیہ السلام کو مظہر بناتے جو اس کی قدرت کے مظہر اعلیٰ بھی ہیں اور قوم کے نبی بھی، اور قوم کو ان کے معجزے دیکھنے کی ضرورت

(باقی برصفحہ ۲۸)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷)
بھی تھی اور موسیٰ علیہ السلام کی قدرت کے اظہار پر دین کو فائدہ بھی تھا کہ معجزہ دیکھ کر شاید بعض لوگ ایمان لے آئے
اس کی وجہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں:
وکان للّٰہ فیہ حکمۃ وذٰلک انہ کان فی بنی اسرائیل رجل لہ ابنٌ صغیر وکان لہ
عجل اتی بہا الیٰ غیضۃ وقال اللّٰھم انی استودعہ ھذا العجل لابنی یکبر ومات
الرجل فصارت العجل فی الغیضۃ عواناً وکانت تھرب من کان رأتہ الخ
یعنی اس میں حکمت یہ تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک مرد تھا نیک، اور اس کا ایک چھوٹا لڑکا تھا۔ اپنی موت کو جب قریب دیکھا تو بچے کے لیے ایک بات سوجھی۔ وہ یہ کہ اس کے گھر گائے کا ایک بچھڑا تھا، اسے جنگل میں لے جا کر اللہ تعالیٰ سے عرض کی:
"یا اللہ! یہ بچھڑا تیری امان میں ہے میرے بیٹے کے لیے جب تک وہ بڑا نہ ہو یہ گائے تیرے سپرد ہے"۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ وہ گائے جنگل میں رہتی، جب جب کسی کو دیکھتی ڈر کے مارے بھاگ جاتی۔ الخ (اخرجہ من جریر عن ابن عباس موقوفاً۔ مظہری ج ۱، ص ۴۲)

ف :اس سے اولیاء اللہ کی شان کا اندازہ لگائیے۔

ثانیاً یہ کہ گائے کے بعض کے ساتھ لگانے سے زندہ کرنے کے کیا معنی۔ اس کے متعلق بزرگوں نے فرمایا ہے کہ گائے سبب ظاہری بھی ہے اور ولی کے ساتھ متعلق بھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس طویل بیان سے یہ ظاہر فرمایا کہ میری قدرتوں کا اظہار میرے اولیاء کے متعلقات سے بھی ہوتا ہے۔ دیکھئے اس گائے کا حال کہ جب اسے ولی سے نسبت ہوئی تو ہمیں اس سے ایسا پیار ہوا کہ اسے مظہرِ قدرت بنا دیا کہ اس کے ذریعہ مُردہ زندہ کر دیا۔

طویل بیان کے بعد معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو نیک لوگوں کی اولاد بھی محبوب ہوتی ہے اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے بڑے اہتمام کے ساتھ اسی کی گائے کے بچھڑے کی تربیت اور حفاظت فرمائی۔ اس سے سادات کرام کے فضائل کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مزید تفصیل فقیر کی کتاب "فضائل اہلِ بیت" میں ہے۔

انتباہ: سادات کرام بھی ان فضائل کے گھمنڈ میں نہ رہیں ان پر بھی لازم ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلیں ورنہ وہ ذات بے نیاز ہے اِدھر سے اُدھر کر دے تو وہ مالک ہے۔ اس کی مزید تفصیل فقیر کی کتاب "قومی فخر بکا زیاں" پڑھیے۔

آخر میں ہم اہلِ بیت اطہار کا ایک نقشہ پیش کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ اہلسنت کے نزدیک اہلِ بیت کون ہیں۔

(باقی برصفحہ آئندہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸)

اہلبیتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ازواجِ مطہرات

(۱) اُمّ المؤمنین سیدہ حضرت خدیجہ بنت خویلد
(۲) ام المومنین سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ بنت سیدنا صدیق اکبر — بنو تمیم
(۳) ام المومنین سیدہ حضرت سودہ بنت زمعہ
(۴) ام المومنین سیدہ حضرت حفصہ بنت سیدنا عمر فاروق اعظم شہید — بنو عدی
(۵) ام المومنین سیدہ حضرت ماریہ قبطیہ
(۶) ام المومنین سیدہ حضرت اُم حبیبہ بنت سیدنا ابوسفیان — بنو امیہ
(۷) ام المومنین سیدہ حضرت زینب بنت خزیمہ — بنو ہلال
(۸) ام المومنین سیدہ حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہ سہیل — بنو مخزومہ
(۹) ام المومنین سیدہ حضرت زینب بنت جحش — بنو اسد
(۱۰) ام المومنین سیدہ حضرت جویریہ بنت حارث — بنو المصطلق
(۱۱) ام المومنین سیدہ حضرت میمونہ بنت حارث — بنو ہوازن
(۱۲) ام المومنین سیدہ حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب — قطریہ
(۱۳) ام المومنین سیدہ حضرت ریحانہ بنت زید (رضی اللہ عنہن)

اولادِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بیٹے :

(۱) قاسم — بچپن میں وفات پائی۔
(۲) طاہر (طیب، عبداللہ) — " " "
(۳) ابراہیم — " " " (رضی اللہ عنہم)

(باقی بر صفحہ ۳۰)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹)

بیٹیاں :

(۱) سیدہ زینب زوجہ سیدنا حضرت ابو العاص شہید جنگ یمامہ ذوالنور — اموی
(۲) سیدہ رقیہ زوجہ امام شہید مظلوم سیدنا حضرت عثمان ذوالنورین — اموی
(۳) سیدہ فاطمہ زوجہ سیدنا حضرت امام علی حیدر شہید ذوالنور — ہاشمی
(۴) سیدہ اُمِّ کلثوم زوجہ امام شہید مظلوم سیدنا حضرت امام عثمان ذوالنورین — اموی
(رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

نواسے :

(۱) حضرت علی شہید جنگ یرموک بن سیدنا ابو العاص شہید ذوالنور
(۲) حضرت عبداللہ بن امام شہید مظلوم سیدنا امام عثمان ذوالنورین
(۳) سیدنا امام حسن شان اتحاد و اخلاص بن سیدنا امام علی حیدر شہید ذوالنور
(۴) سیدنا حسین شہید کربلا بن سیدنا امام علی حیدر شہید ذوالنور (رضی اللہ عنہما)

نواسیاں :

(۱) سیدہ امامہ بنت سیدنا ابو العاص شہید ذوالنور زوجہ سیدنا امام علی حیدر شہید ذوالنور
(۲) سیدہ ام کلثوم بنت سیدنا امام علی حیدر شہید ذوالنور زوجہ سیدنا امام عمر فاروق اعظم شہید
(۳) سیدہ زینب بنت امام علی حیدر شہید ذوالنورؓ زوجہ سیدنا عبداللہ بن سیدنا جعفر شہید
(۴) سیدہ رقیہ بنت سیدنا امام علی حیدر شہید ذوالنور ۔ (بچپن میں وفات پائی)

(رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

(اویسی غفرلہٗ)

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ
وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ
وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا
وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا
قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا ۝ وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ
عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللَّهُ
أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ ۖ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ
حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ۝ مَا
كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ ۖ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ
وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا ۝ الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ
أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ۝ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَٰكِنْ
رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝

ترجمہ : بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان والے اور ایمان والیاں اور فرماں بردار
اور فرماں برداریں اور سچے اور سچیاں اور صبر والے اور صبر والیاں اور عاجزی کرنے والے اور عاجزی کرنے
والیاں اور خیرات کرنے والے اور خیرات کرنے والیاں اور روزے والے اور روزے والیاں اور اپنی
پارسائی نگاہ رکھنے والے اور نگاہ رکھنے والیاں اور اللہ کو بہت یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں
ان سب کے لیے اللہ نے بخشش اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے ۔ اور نہ کسی مسلمان مرد نہ مسلمان
عورت کو پہنچتا ہے کہ جب اللہ و رسول کچھ حکم فرمادیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے اور جو
حکم نہ مانے اللہ اور اس کے رسول کا وہ بے شک صریح گمراہی بہکا اور اے محبوب یاد کرو جب تم
فرماتے تھے اس سے جسے اللہ نے نعمت دی اور تم نے اسے نعمت دی کہ اپنی بی بی اپنے پاس
رہنے دے اور اللہ سے ڈر اور تم اپنے دل میں رکھتے تھے وہ جسے اللہ کو ظاہر کرنا منظور تھا اور
تمہیں لوگوں کے طعنہ کا اندیشہ تھا اور اللہ زیادہ سزاوار ہے کہ اس کا خوف رکھو پھر جب زید کی
غرض اس سے نکل گئی تو ہم نے وہ تمہارے نکاح میں دے دی کہ مسلمانوں پر کچھ حرج نہ رہے

ان کے لے پالکوں کی بیبیوں میں جب ان سے ان کا کام ختم ہو جائے اور اللہ کا حکم ہو کر رہنا نبی پر کوئی حرج نہیں اس بات میں جو اللہ نے اس کے لیے مقرر فرمائی اللہ کا دستور چلا آرہا ہے ان میں جو پہلے گزر چکے اور اللہ کا کام مقرر تقدیر ہے وہ جو اللہ کے پیام پہنچاتے اور اس سے ڈرتے اور اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ کرتے اور اللہ بس ہے حساب لینے والا۔ محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں۔ ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے۔ اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ (بے شک وہ مسلمان مرد اور عورتیں)

شانِ نزول : مروی ہے کہ جب ازواجِ مطہرات کے حق میں آیات نازل ہوئیں تو اہلِ ایمان کی عورتوں نے کہا کہ قرآن مجید میں ہمارے متعلق تو کوئی آیت نازل نہیں ہوئی اگر ہم اچھی ہوتیں تو ہمارے لیے بھی کوئی آیت نازل ہوتی۔ اس پر آیت ہذا نازل ہوئی اور فرمایا، بے شک وہ مسلمان مرد اور عورتیں جو جنگ کے بعد حق کے سامنے جھک گئے اور فرماں برداری کا ثبوت دیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجا لائے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ مسلمان حقیقی وہ ہے جو ازلی احکام کو خود بخود اور رضا و رغبت سے سر جھکاتا اور اپنے آپ کو مجاہدہ و ریاضت کے سپرد کرتا اور خواہشاتِ نفسانیہ کو ترک کرتا اور اپنی زبان اور ہاتھ سے اہلِ اسلام کو محفوظ رکھتا ہے وہ مرد ہو یا عورت۔

تفسیر عالمانہ

وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ اور تصدیق کرتے ہیں ان امور کی جو ان پر واجب ہیں وہ مرد ہے یا عورت۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ مومن وہ ہے جس سے لوگ امن میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ پہلے ایسے مومن کے قلب کو عقل سے پھر علم سے پھر فہم سے زندہ فرماتا ہے پھر اسے منور فرماتا ہے پھر اسے توحید کی حقیقت بخشتا ہے پھر اسے معرفت کی دولت سے نوازتا ہے پھر اسے دائمی حیات (بقا) عطا فرماتا ہے۔

ف : بحرالعلوم میں ہے کہ ہمارے احناف کے نزدیک ایمان و اسلام ایک شے ہے اس لیے اسلام بمعنے خضوع و انقیاد یعنی وہ احکام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں انہیں دل سے قبول کر کے ان پر پورا یقین رکھنا اور حقیقی تصدیق یہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی کو یوں نہ کہا جائے کہ فلاں مسلمان تو ہے لیکن مومن نہیں یا کہا جائے کہ وہ مومن تو ہے لیکن مسلمان نہیں۔ خلاصہ یہ کہ ان

میں کسی ایک کو دوسرے سے جُدا نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن یاد رہے ان کا اتحاد بجنسب المفہوم نہیں۔ اس لیے ان دونوں کا مفہوم جدا جدا ہے اس لیے ایمان اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی اور وعدہ وعید کی خبر دینے کی تصدیق کو کہا جاتا ہے اور اسلام الوہیت کے لیے خضوع و انقیاد کو کہتے ہیں۔ جو شخص ان چاروں میں سے کسی ایک کا انکار کرتا ہے وہ کافر ہے اسے مسلمان نہ کہا جائے گا۔

تفسیر عالمانہ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ اور طاعات پر مداومت کرنے والے مرد اور عورتیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ القنوت بمعنے وجود کو طاعت و عبودیت میں غرق کرنا۔

تفسیر عالمانہ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ اور قول وعمل ونیت میں سچے مرد اور عورتیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ اپنے عقود وعہود اور رعایت حدود میں سچے مرد اور عورت اور صدق ایک نور ہے جو قلوب صدیقین کی ہدایت کا سبب بنتا ہے جتنا انھیں اپنے رب تعالیٰ کے ہاں قُرب ہوتا ہے اتنا انھیں نور حاصل ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ اور طاعات پر اور معاصی سے رُکنے سے صبر کرنے والے مرد اور عورتیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ خصائل حمیدہ پر اور صفات ذمیمہ کے ترک کرنے پر اور قضاء و قدر کے جریان اور نزولِ بلاء پر صبر کرنے والے مرد اور عورتیں۔

تفسیر عالمانہ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ بدل وجان اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع کرنے والے مرد اور عورتیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ تواردِ حقیقت کے وقت اپنے باطن کو جھکا دینا۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ باطن کو حق کے لیے فرمانبردار کرنے کو خشوع اور ظاہر کو فرمانبرداری کے لئے سر جھکانے کو خضوع کہا جاتا ہے۔ القاموس میں ہے کہ خشوع بمعنے خضوع ہے یا خضوع بدن میں ہوتا ہے اور خشوع آواز میں۔

تفسیر عالمانہ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ اور جو حقوق مالیہ ان پر واجب ہیں انھیں پورے طور ادا کرنے والے مرد اور عورتیں۔ یا اس سے عام صدقہ مراد ہے

واجب ہو یا نفل ۔ یہ تصدق سے ہے ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی فقیر کو صدقہ یعنی عطیہ دے اور عطیہ ہر وہ شے جو کسی کو اللہ تعالیٰ کی رضا طلبی اور حصولِ ثواب کی نیت سے دے ۔ المفردات میں ہے کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے تقرب کے ارادے سے اپنے مال سے کچھ نکال کر فقراء کو دے اسے الصدقہ سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے زکوٰۃ وغیرہ ۔ لیکن اس کا حقیقی معنی نفلی صدقہ کے لیے ہے ۔ اور صدقہ واجبہ کو زکوٰۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ صدقہ واجبہ کو اس لیے صدقہ سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ زکوٰۃ دینے والا کوشش کرتا ہے کہ اس کی ادائیگی میں صدق ہو ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو اموال اور جاہ و مرتبہ اللہ تعالیٰ کے لیے قربان کرتے ہیں یہاں تک کہ انہیں عالمِ دنیا میں کسی سے مخالفت و عداوت اور جھگڑا نہیں ہوتا اگرچہ اسے کوئی کتنی ہی ایذائیں دے ۔ یعنی وہ لوگ اپنے اموال وغیرہ راہِ حق میں لٹاتے ہیں اور اپنے اوپر کسی کا حق نہیں رکھتے اور نہ ہی کسی سے اُلجھتے ہیں ۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؛ سہ

اے صاحب کرامت شکرانہ سلامت
روزے تفقدی کن درویش بے نوا را

ترجمہ : اے صاحب کرامت شکرانۂ سلامت کبھی عطیہ کے طور درویش بے نوا کو عطا فرما ۔

تفسیر عالمانہ وَالصَّائِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ اور فرض روزے رکھنے والے مرد اور عورتیں ۔ یا اس سے مطلق روزہ مراد ہے وہ فرضی ہو یا نفلی ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو شریعت و طریقت کے منع کردہ امور سے قلب و قالب کو روکتے ہیں یعنی قالب کو شہوات سے اور درجات و قربات کے حصول کے خیالات سے روکتے ہیں ۔ دراصل کسی کام سے رُکنے کو 'صوم' کہا جاتا ہے ۔ کھانا ہو یا کلام ہو یا چلنا ہو ۔ اور شرع میں تقرب الٰہی کی نیت سے صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک کچھ نہ پینے ، شہوت رانی اور قے منہ بھر کر نکالنے سے رُکنے کو 'صوم' کہا جاتا ہے ۔

تفسیر عالمانہ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ اور ظاہر میں اپنے فروج کو حرام سے محفوظ رکھنے والے مرد اور عورتیں ۔ اور حقیقت میں وہ لوگ جو مکونات کے تصرفات سے حفاظت کرنے والے ۔ یہ عبارت دراصل الحافظاتہا تھی ۔ چونکہ الحافظین ' فروجہم میں مذکور ہو چکا ہے اس لیے یہاں پر اس کا مفعول حذف کر دیا گیا ہے ۔

حلِ لغات : المفردات میں ہے کہ دو چیزوں کے درمیان کے سوراخ کا نام الفرجۃ والفرجۃ ہے

جیسے دیوار کا درمیانی سوراخ ۔ اور عرف میں ہر وہ شے جو انسان کے دو پاؤں کے درمیان واقع ہے لیکن اب اس کا غالب استعمال عورت و مرد کی شرمگاہ کے لیے ہوتا ہے ۔ اس کا اتنا غلبہ ہے کہ جونہی یہ لفظ بولا جاتا ہے سوائے شرمگاہ کے اور کسی معنے کا تصور تک نہیں ہوتا۔ گویا اس معنے کے لیے یہی لفظ صریح ہے۔

تفسیر عالمانہ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اور اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرنے والے مرد اور عورتیں ۔ یہاں بھی الذاکرات کا مفعول الحافظات کے مفعول کی طرح حذف کر دیا گیا ہے یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کو دل اور زبان سے یاد کرتے ہیں ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ لوگ اپنے وجود بجمیع اجزأ جسمانیہ و روحانیہ بلکہ بجمیع ذرات المکونات بلکہ اللہ تعالیٰ کو اس کی جمیع صفات سے یاد کرتے ہیں ۔

ف : حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے نمازوں کے بعد ہر صبح و شام اور بستروں میں سونے اور نیند سے جاگنے اور ہر شام و سحر بلکہ ہر گھڑی اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا مراد ہے ۔

مسئلہ : علم نافع کی مشغولی اور تلاوت قرآن و دعا بھی ذکر الٰہی ہے ۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

حدیث شریف من استیقظ من منامہ وایقظ امرأتہ فصلیا جمیعا رکعتین کتبا من الذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات ۔

(جو نیند سے بیدار ہو کر اپنی عورت کو جگائے اور وہ دونوں مل کر ایک دوگانہ پڑھیں تو انھیں ذاکرین و ذاکرات میں لکھا جاتا ہے)

مسئلہ : حضرت مجاہد نے فرمایا ؛ بندہ ذاکرین میں سے نہیں لکھا جاتا یہاں تک کہ اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہر وقت ذکر میں مشغول نہ ہو۔

تفسیر عالمانہ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تیار فرمائی ہے بسبب ان کے اعمال عشرہ مذکورہ کے ۔ لیکن اس سے فرداً فرداً عمل مراد نہیں بلکہ جملہ طاعات مذکورہ کا عمل مراد ہے ۔ یہ ان کی خبر ہے اور المسلمین والمسلمات کا عطف اختلاف جنسین کی وجہ عطف بین الضدین کے قبیل سے ہے ۔ یہاں دونوں زوجان کا عطف المسلمین والمسلمات پر یہ عطف الصفۃ علی الصفۃ کے قبیل سے ہے یہ حرف عطف کا جمع ہے اور تغایر الصفتین کی وجہ سے عطف متغایرت کا ہوگا ۔

مَّغْفِرَةً اس سے صغیرہ گناہوں کی مغفرت مراد ہے اس لیے اعمال صالحہ صغیرہ گناہوں کے لیے مکفر (مٹانے والے) ہوتے ہیں ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس سے جمال الٰہی کا نور مراد ہے یعنی نورانی تاج ان کے ارواح پر رکھ دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے انھیں ان اعمال سے بچاتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے دوری و مہجوری کا موجب بنتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ؕ ان طاعات مذکورہ کی وجہ سے انہیں اجر عظیم سے نوازے گا۔ اس سے بہشت مراد ہے۔ یعنی ان حضرات کو دنیا میں عبادت کی سہولت اور دوام معرفت بخشے گا اور آخرت میں ان کی نہ صرف ہر آرزو پوری کرے گا بلکہ اس سے بڑھ کر انعامات سے نوازے گا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اجرا عظیما سے خود ذاتِ حق تعالیٰ مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ انھیں تجلی ذات وصفات کے ساتھ الطاف واکرام سے بہرہ ور فرمائے گا۔

عطا مفسر کی طبع آزمائی حضرت عطا ابن ابی رباح نے فرمایا کہ جس نے اپنے جملہ امور اللہ تعالےٰ کو مفوض فرمائے وہ ان المسلمین والمسلمات میں داخل ہے اور جس نے اقرار کیا کہ اس کا اللہ رب ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔ اور اس کا دل اور زبان اس اقرار میں یکساں ہیں۔ وہ والمؤمنین والمؤمنات میں داخل ہے اور جو شخص فرائض میں اللہ تعالیٰ کی اور سنن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے وہ القانتین والقانتات میں داخل ہے اور جو اپنی زبان کو جھوٹ سے بچاتا ہے وہ الصادقین والصادقات میں داخل ہے اور جو طاعت پر صبر اور گناہوں کے ترک سے اور جنگ میں صبر کرتا ہے وہ الصابرین والصابرات میں داخل ہے اور جو نماز ایسے خلوص سے پڑھتا ہے کہ نہ اس کے دائیں کو خبر ہے نہ بائیں کو، تو وہ الخاشعین والخاشعات میں داخل ہے۔

ف : بحر العلوم میں لکھا ہے کہ یہ پچھلے جملہ کی تفسیر میں سخت ترین شرط ہے کسی کو اس کی ادائیگی میں جرأت نہیں ہو سکتی۔

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ یہ تو صاحب بحر العلوم کا خیال ہے ورنہ یہ جملہ نہایت سہولت پر مبنی اور منتہی عارف کے عمل کی طرف اشارہ ہے وہ یوں کہ اس میں سبق دیا گیا ہے کہ غیر اللہ کی طرف توجہ نہ ہو اور استغراق فی الشہود سے اسہل ہے۔ اور جو ہفتہ میں صرف ایک درم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے وہ والمتصدقین والمتصدقات میں داخل ہے اور جو ہر ماہ ایام بیض (۱۳، ۱۴، ۱۵) کے روزے رکھے وہ والصائمین والصائمات میں داخل ہے اور جو اپنے فرج کو حرام میں استعمال سے

بچائے وہ والحافظین فروجھم والحافظات میں داخل ہے اور جو پانچوں نمازیں اپنی شرائط کے ساتھ ادا کرے وہ والذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات میں داخل ہے۔

ذکرِ الٰہی کے فضائل

(۱) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں کس کے درجات سب سے اعلیٰ ہوں گے؟ فرمایا: بہت زیادہ ذکر کرنے والے مردوں اور عورتوں کے۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! غازی فی سبیل اللہ سے بھی بڑھ کر؟ فرمایا: اگرچہ غازی کافروں اور مشرکوں کے سر تلوار سے اڑا کر رکھ دے یہاں تک کہ اس کی تلوار ٹوٹ جائے اور سارا میدان کفار و مشرکین کے خون سے بھر دے تب بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا اس سے درجہ میں بلند ہوگا۔

(۲) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ کو جا رہے تھے جب جمدان (بروزن عثمان) پہاڑ سے گزرے تو فرمایا: چلو یہ جمدان پہاڑ ہے تم میں سے المفردون سبقت لے گئے۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! المفردون کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ مرد اور عورتیں جو اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ ذکر کرتے ہیں۔

ف: بعض نے لکھا کہ المفردون (بکسر الراء وتشدید ہا) اور بعض نے اسے بتخفیف الراء لکھا ہے۔ صحابہ کرام نے المفردون نہ کہا صرف مفردون کہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا مقصد یہ تھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قول الذاکرون اللہ کثیرا والذاکرات کی تجرید و تفرید سے کیا مراد ہے۔ اس سے ان کی ذات کا تعارف مراد نہیں تھا اسی لیے آپ نے ان کے جواب میں فرمایا: الذاکرون اللہ کثیرا والذاکرات۔ یعنی افراد سے یہاں وہ ذاکر مراد ہے جس کے ساتھ اور کوئی ذکر کرنے والا نہ ہو اور کثرت ذکر سے مراد یہ ہے کہ وہ کسی حال میں بھی اللہ تعالیٰ کو نہ بھلائے۔ اس سے کثرتِ لغات کے ساتھ ذکر کرنا مراد نہیں۔

لطیفہ ھذا جمدان میں ذکر کی فضیلت میں لطیفہ ہے۔ وہ یہ کہ جیسے جمدان اکیلا کھڑا ہے ایسے ہی ذکرِ الٰہی تنہائی میں کیا جائے کہ کسی کو بھی اس کا علم نہ ہو تاکہ سعادت ابدیہ سے وافر حصہ نصیب ہو۔

صوفیانہ نکتہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) نے فرمایا کہ جمدان میں جبل الوجود اور اس کی سیر مراد ہے کہ انسان اس راہ تفرید التوحید سے طے کرے یعنی موحد النفس و آفاق سے مجرد ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو سائرین طائرین سے بنائے اور ہم واقفین حائرین سے پناہ مانگتے ہیں سه

سالکاں بے کشش دوست بجائے نرسند

سالہا گرچہ دریں راہ تگ و پوئے کنند

ترجمہ : دوست کی کشش کے بغیر سالک منزل کو نہیں پہنچ سکتے اگرچہ اس راہ میں ہزاروں سال دوڑتے رہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ۔

شانِ نزول : یہ آیت زینب بنت جحش اسدیہ اور ان کے بھائی عبداللہ بن جحش اور ان کی والدہ اُمیمہ بنت عبدالمطلب کے حق میں نازل ہوئی۔ اُمیمہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ واقعہ یہ تھا کہ زید بن حارثہ جن کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کیا تھا اور وہ حضور ہی کی خدمت میں رہتے تھے۔ حضور نے زینب کے لیے ان کا پیام دیا اس کو ان کے بھائی نے منظور نہیں کیا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اب معنی یوں ہوا کہ کسی مومن مرد اور عورت کے لیے مناسب نہیں۔ اس عموم میں حضرت عبداللہ اور ان کی بہن بی بی زینب داخل ہیں۔ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا جب کسی امر کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ فرمائیں۔

ف : اللہ تعالیٰ کا ذکر یہاں پر تعظیم امر کے لیے ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کا فیصلہ ہے جیسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔

اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ۔ الخیرۃ بالکسر الاختیار کا اسم ہے ان کے لیے کوئی اختیار نہیں کہ وہ اپنی طرف سے مِنْ اَمْرِهِمْ ان کے معاملات میں جو چاہیں کریں بلکہ ان پر واجب ہے کہ وہ اپنی رائے اور اختیار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے و اختیار کے تابع بنائیں اور جمع ضمیر کی لانے میں اشارہ ہے تاکہ اس میں جملہ مومن مرد اور عورتیں شامل ہوجائیں اس لیے کہ واحد کا صیغہ نفی کے تحت واقع ہے۔ بعض نے کہا کہ دوسری ضمیر هِمْ حضور علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور جمع کی ضمیر تعظیم کے لیے ہے۔ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی امر کی نافرمانی کر کے اپنی رائے پر عمل کرتا ہے۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ ومن یعص اللہ سے کتاب اللہ کی مخالفت اور ورسولہ سے سنتِ نبوی کی مخالفت مراد ہے۔

فَقَدْ ضَلَّ پس بے شک وہ طریق حق سے بھٹک جائے اور راہِ مستقیم سے ہٹ جائے ضَلٰلًا

مُّبِیۡنًا ؀ صواب و حق سے کھلم کھلا دُور ہو جائے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ بندے پر لازم ہے کہ اس کا اللہ تعالیٰ کے اختیار کے سوا اور کوئی اختیار نہ ہو بلکہ ہر وہ ۔۔۔ تیار کرے جو اللہ تعالیٰ کی پسند کا ہو اسے چاہیے کہ اس کے احکامِ ازلیہ پر اعتراض نہ کرے بلکہ وُہ اللہ تعالیٰ کی بُری تقدیر کے وقوع سے پہلے پناہ مانگتا رہے۔ جب وہ واقع ہو تو دیکھے کہ کیا وہ شریعتِ پاک کے موافق ہے یا مخالف۔ اگر شرع کے موافق ہے پھر دیکھے کیا اس کی طبع کے موافق ہے یا مخالف۔ اگر اس کی طبع کے موافق ہے تو اسے نعمتِ الٰہی سمجھ کر اس کا شکر کرے۔ اگر اس کی طبع کے مخالف ہو تو اس پر صبر کرے اور تسلیم و رضا کی تصویر بن جائے اگر تقدیر کا وقوع شرع کے مخالف ہے تو اس پر توبہ و استغفار لازم ہے۔ اور ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے لیکن اس کی قضاء و قدر واقع کرنے پر اعتراض نہ کرے اس لیے کہ اس کی تقدیر ہے اور اس کا حکم ہے اور وہ حکیم ہے وہ اپنی حکمت سے جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے اور اپنی قدرت سے جس طرح چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔

ف : فقیر (اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ) کہتا ہے کہ یہ آیت تسلیم و ترکِ اختیار و اعتراض کی اصل ہے اس لیے کہ خیر و بھلائی اسی میں ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے وارثین کاملین اولیاء نے چاہا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مرتبۂ فرق میں حق ہے ایسے ہی وارثِ نبوی بھی خلافتِ الٰہیہ کا رسول ہے اور قاعدہ ہے کہ رسول (علیہ السلام) اور ان کا وارث ولیٔ کامل اپنی خواہش سے نہیں بولتے کیوں کہ وہ فانی فی اللہ ہیں ان کا بولنا وحیِ ربانی ہوتی ہے یا الہامِ ربانی۔ کیونکہ رسول (علیہ السلام) کو وحیِ الٰہی سے نوازا جاتا ہے اور ولیٔ کامل کو الہامِ ربانی سے۔

سبق : مرید پر لازم ہے کہ وُہ اپنے مرشدِ کامل کے ہر حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے خواہ وہ امر محبوب ہو یا مکروہ، اپنی خواہش اور تقاضائے طبیعت پر عمل نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم بھی یہی ہے :

عسٰی ان تکرھوا شیئًا وھو خیر لکم۔

اور بسا اوقات ظلمات میں ہی بحرِ حیات نصیب ہوتا ہے۔ اور فرمایا :

وعسٰی ان تحبوا شیئًا وھو شر لکم۔

کبھی میٹھے میں زہر بھی ہوتی ہے۔ جسے یقین ہو جائے کہ محبوب کا ہر فعل محبوب ہوتا ہے اور اس کی دی ہوئی تکلیف تکلیف نہیں ہوتی، اس لیے کہ وہ طبیب ہے اور طبیب کا ہر کام بھلائی پر مبنی ہوتا ہے۔ اسی لیے عاشقِ حق پر لازم ہے کہ وہ دائیں بائیں مت بھاگے اور اس کے جمال و جلال پر راضی ہو ؎

عاشقاں را اگر در آتش می نشاند قہرِ دوست
تنگ چشمم گر نظر در چشمۂ کوثر کنم

ترجمہ: عاشقوں کو اگر محبوب آگ میں ڈال دے تو مجھ جیسا تو فوراً چلا جائے گا۔ اور وہ تنگ نظر متصور ہوگا جو اس وقت آبِ کوثر کی طلب کرے۔

ف: فناعن الارادہ بہت ہی مشکل امر ہے۔ اسی لیے بزرگوں نے فرمایا کہ مرید وہ ہے کہ جس کا کوئی ارادہ نہ ہو یعنی وہ اپنا کوئی ارادہ نہ رکھے۔ اس کا ہر ارادہ وہی ہو جو اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہو۔ اپنے ارادوں کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادوں میں فانی کرنا کیونکہ مشکل امر ہے اس لیے مرید بننا مشکل ہے۔ مرید کو اپنے شیخ کے ارادوں میں فانی ہونا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے سالک حجابِ وجود میں محجوب رہے۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا: قہرِ الٰہی ایک عذاب ہے جو اسے زائل کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ حق تعالیٰ کے سامنے ہر غرض و شوق سے خالی رہ کر زندگی بسر کرے بلکہ جو کچھ عالمِ دنیا بلکہ اس کے لیے جو امر واقع ہوا سے سمجھے اس میں بھلائی ہے۔ جب اس طریقہ کو مضبوطی سے تھام لے گا تو پھر وہ امر میں لذت پائے گا بلکہ ہر امر کو بطیبِ خاطر قبول کرے گا اور اسے ہر امر پر خوشی و راحت نصیب ہوگی اس پر مداومت کرے گا تو اس کے لیے قہر اور ذلت و خواری بھی رحمت بن جائے گی بلکہ اسے عذاب اور قہرِ الٰہی میں بھی لذت نصیب ہوگی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اہلِ تسلیم و اربابِ تسلیم سے بنائے اور ہمیں اعتراض و عناد میں واقع ہونے سے بچائے بلکہ ہم اس کے ہر حکم اور فیصلہ اور قضا و قدر کے سامنے سرِ تسلیم خم کردیں۔

تفسیر عالمانہ وَاِذْ تَقُوْلُ مروی ہے کہ جب آیت سابقہ نازل ہوئی تو حضرت عبداللہ اور بی بی زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عرض کی، یا رسول اللہ! ہم راضی ہیں آپ کے فرمان کے مطابق ہم زید رضی اللہ عنہ کے نکاح کو قبول کرتے ہیں۔ حضرت زید کے ساتھ بی بی کا نکاح ہوگیا اور دس دینار اور ساٹھ درہم ان کا مہر ادا کیا گیا اور ساتھ ہی ایک دوپٹہ اور قمیص اور بڑی چادر اور پچاس مد گندم اور تیس صاع کھجوریں دی گئیں اور کافی مدت تک بی بی زینب حضرت زید کے پاس رہیں۔

حضرت زینب سے حضور علیہ السلام کی محبت کی کہانی مروی ہے کہ ایک دن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید رضی اللہ عنہ کے گھر میں تشریف لے گئے تو اچانک آپ کی نظر بی بی زینب رضی اللہ عنہا پر پڑی۔ بی بی صاحبہ کے حسن و جمال کو آپ نے پسند فرمایا اور بی بی صاحبہ کی محبت بلا اختیار آپ کے دل میں گھر کر گئی۔[1]

---

[1] یہاں پر صاحب روح البیان قدس سرہٗ پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے کہ انہوں نے یہ روایت (باقی بر صفحہ ۴۱)

چونکہ حضور علیہ السلام میں بلا اختیار محبت پیدا ہوگئی اس لیے آپ پر الزام نہ لگایا جائے کیونکہ جو فعل کسی سے بلا اختیار صادر ہو وہ قابلِ مذمت نہیں ہوتا جب تک اس میں گناہ کا ارادہ نہ ہو۔ اور روایت میں ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰) کیوں نقل کی۔ یہ روایت نہ صرف انہوں نے بلکہ دوسرے مفسرانِ کرام نے بھی نقل کی ہے چنانچہ عبدالرزاق سے ہے:

عن معمر عن قتادة قال جاء زيد فقال يا رسول الله ان زينب اشتدت علي لسانها وانا اريد ان اطلقها فقال اتق الله وامسك عليك زوجك قال والنبي صلى الله عليه وسلم يحب ان يطلقها ويخشى الناس وقال مقاتل انه صلى الله عليه وسلم اتى زيدا يوما فطلبه فابصر زينب قائمة وكانت بيضاء جميلة جسيمة من اتم نساء قريش فهواها وقال سبحان الله مقلب القلوب فسمعت زينب بالتسبيحة فذكرتها لزيد ففطن زيد فقال يا رسول الله ائذن لي في طلاقها فان فيها كبرا تعظيم علي وتؤذيني بلسانها فقال النبي صلى الله عليه وسلم امسك عليك زوجك واتق الله وعند الحاكم في المستدرك من طريق فيه الواقدي عن محمد بن يحيى بن حبان نحو ذلك لكنه مرسل والواقدي ضعيف وقد خطأ القشيري وعياض وغيرهما من روى من المفسرين انه صلى الله عليه وسلم لما رآها اعجبته ووقع في قلبه حبها واحب طلاق زيد لها۔ (اویسی غفرلہ)

لہ یہ جواب بھی مناسب ہے لیکن بعض مفسرین نے سرے سے اس روایت کو مانا ہی نہیں۔ چنانچہ امام قشیری نے فرمایا:

هذا اقدام عظيم من قائله وتفريط بحق النبي صلى الله عليه وسلم وبفضله وكيف يقال رآها فاعجبته وهي ابنة عمته لم يزل يراها منذ ولدت ولم يكن النساء يحتجبن منه صلى الله عليه وسلم وهو الذي زوجها لزيد وقال بعضهم انه غير صحيح وان صح عن قائله فهو منكر من القول تحاشى جانب النبوة۔

(یہ اقدام جس نے کیا بڑا کیا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف کیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ نے بی بی کو دیکھا اور ان کو پسند کیا کیونکہ یہ بی بی آپ کی پھوپھی زاد تھیں اور بچپن سے آپ انھیں دیکھتے رہے کیونکہ اس وقت پردہ کا حکم بھی نہ تھا اور خود حضور علیہ السلام نے ان کا

(باقی برصفحہ ۴۲)

کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی صاحبہ کو دیکھ کر فرمایا،

سبحٰن اللہ یا مقلب القلوب ثبت قلبی۔

(اللہ پاک ہے اے اللہ! تُو قلوب کا مقلب ہے تُو میرے قلب کو ثابت رکھنا)

یہ کہہ کر آپ باہر تشریف لے گئے۔ اس کے بعد آپ اپنے آپ پر قابو پا گئے اور بی بی صاحبہ سے نکاح کے لیے دل کو روکتے تھے کیونکہ اس سے آپ کا ارادہ ہوتا تو ضرور بی بی کو نکاح کے لیے فرماتے۔ بی بی صاحبہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسبیح مذکور سنی تو بی بی صاحبہ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو واقعہ سنا دیا کیونکہ وہ اس وقت موجود نہ تھے۔ بی بی صاحبہ نے حضرت زید کے واپس آنے پر ان کو بتایا کہ آج حضور علیہ السلام گھر پر تشریف لائے تھے اور مجھے دیکھ کر سبحان اللہ الخ پڑھا تھا۔ حضرت زید بھانپ گئے کہ کوئی خیال حضور علیہ السلام کے قلب مبارک میں آگیا ہے۔ اور ازل میں یہ بات مقدر ہو چکی تھی کہ بی بی زینب کا نکاح بالآخر حضور علیہ السلام کے ساتھ ہو گا اگرچہ پہلے ان کا نکاح حضرت زید سے ہو جائے گا لیکن میں اللہ تعالیٰ بی بی زینب کی محبت حضور علیہ السلام کے دل میں ڈالے گا اور حضرت زید کے دل میں بیگانگی۔

بی بی زینب کی بات سُن کر حضرت زید حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئے اور عرض کی میں چاہتا ہوں کہ میں اپنی زوجہ کو طلاق دے دوں۔ آپ نے فرمایا: کیا وجہ ہے، کیا تو نے اس میں کوئی غلطی دیکھی ہے؟ انہوں نے عرض کی: بخدا میں نے اس میں خیر ہی خیر دیکھی ہے۔ صرف اتنا ضرور ہے کہ وہ اپنے نسبی شرف کو ترجیح دیتی ہے اور مجھے غلام کہہ کر میری تحقیر کرتی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم نے اسے طلاق دینے سے روکا۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: واذ تقول یعنی اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم یاد کیجئے جبکہ آپ فرماتے تھے لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ اسے جسے اللہ تعالیٰ نے دولتِ اسلام کے لیے توفیق بخشی اور یہی تمام نعمتوں سے بڑی نعمت ہے اور آپ کی خدمت وصحبت سے اسے نوازا وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اور آپ نے اسے تربیت کی نعمت سے نوازا اور آزادی بخشی اور متبنّٰی بنایا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۱)

نکاح حضرت زید سے کر دیا۔ فلہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ سرے سے یہ تصور ہی غلط ہے اگر کسی نے یہ بات کی ہے تو بہت بُرا کیا ہے یہ نبوت کی شان کے لائق نہیں جو ایسے تصور میں مبتلا ہے وہ سفیہ وجاہل ہے)

اس کے مزید جوابات فقیر کی کتاب "سیرت حبیب کبریا" میں دیکھیے۔ (اویسی غفرلہٗ)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ نے اپنی قریبی رشتہ دار بی بی کو بجائے اپنے اسے بیاہ دی تو بھی نوازش فرمائی۔ اب اس نے طلاق دے دی اور آپ کو اس سے نکاح کے بارے میں عرض کیا اور آپ نے قبول فرمالیا تو بھی کرم نوازی۔

حضرت زید کا تعارف حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے غلام تھے۔ غلاموں میں سب سے پہلے آپ نے ہی اسلام قبول فرمایا۔ حضور علیہ السلام کو ان سے محبت تھی اور انہیں حضور علیہ السلام سے عشق تھا۔ ان کی وجہ سے حضور علیہ السلام حضرت زید کے بیٹے اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے محبت فرماتے تھے اور آپ غزوۂ بدر و خندق و حدیبیہ میں شریک ہوئے۔ اور جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بنی المصطلق کو تشریف لے گئے تو مدینہ میں انہی کو اپنا نائب مقرر فرمایا (لہٰذا یہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک دفعہ نائب بنایا تھا تو اس سے ان کی خلافت بلا فصل ثابت نہیں ہوتی کیونکہ اگر یہی استدلال ہے تو حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بھی خلیفہ بلا فصل ماننا چاہیے) حضرت زید کو سات جنگوں میں امیر بنایا۔ آپ غزوۂ موتہ (موتہ بضم المیم و بالھمزہ ساکنۃ۔ کرک کے نزدیک ایک جگہ کا نام ہے۔ آپ کا تفصیلی تعارف سورۃ ہذا کے اوائل میں گزرا ہے یعنی تحت آیت ادعوھم لآبائھم۔

ف : الارشاد میں ہے کہ اس عنوان سے بیان کرنا آپ کے حال کے منافی نہیں جبکہ آپ نے حضرت زید کو بی بی زینب کو اپنے پاس رکھنے کا حکم فرمایا اگرچہ حیاء کی وجہ سے اسے ظاہر کرنا مناسب نہ سمجھا وہ اس لیے کہ بعض امور میں حضور علیہ السلام حیاء کرتے تھے بالخصوص جہاں طعن و تشنیع کا خطرہ ہو۔ اس کی مزید تحقیق آئے گی۔

أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ اپنی زوجہ یعنی بی بی زینب کو الامساک بمعنے تعلق بالشئ وحفظہ **وَاتَّقِ اللَّهَ** اور اپنی صورت کے معاملہ میں خدا تعالیٰ سے خوف کیجئے اور ضرر و نقصان کے خوف سے اسے طلاق نہ دیجئے۔ یعنی یہ کہہ کر کہ وہ تکبر اور غرور کرتی ہے **وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ** اور اپنے دل میں وہ چھپاتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ ظاہر کرے گا یہ ما موصولہ اور تخفی کا مفعول بہ اور الابداء، الاظہار کے معنے میں ہے اور وہ یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتایا تھا کہ بی بی زینب کا آپ کے ساتھ نکاح کر دیا جائے گا جبکہ حضرت زید اسے طلاق دے دیں گے اور عنقریب یہی بی بی آپ کی بیوی ہو جائے گی اور آپ اسے دل میں پوشیدہ رکھتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ کیا ہے وہ پورا کرے گا اور ظاہر کرے گا کہ یہی زینب آپ کی بیوی ہے۔ چنانچہ فرمایا زوجنکہا اور یہ ان کی زوجیت کی ایک علامت یہ ہے کہ آپ کی اس کے ساتھ محبت ہو گئی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ

نے آپ کے دل میں ڈالی ہے ورنہ آپ ایسے نہیں تھے کہ غیر عورت سے محبت کریں اور جو محبت منجانب اللہ عطا ہو وہ محبت ممدوح ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

حدیث شریف حبب الی من دنیاکم ثلاث الطیب والنساء وقرة عینی فی الصلٰوة۔

(تمہاری دنیا کی مجھے تین چیزیں پسند ہیں، خوشبو، عورت اور نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے)

اگر حضور علیہ السلام کی ان چیزوں سے طبعی محبت ہوتی تو احببت فرماتے۔

مسئلہ: انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے جملہ معاملات اذنِ الٰہی سے ہوتے ہیں کیونکہ شیطان کو ان پر کوئی چارہ کار نہیں۔

ف: الاسئلة المقحمہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی فرمائی تو آپ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے اسے مخفی رکھا کیونکہ یہ راز مشیت ایزدی اور ارادۂ الٰہی سے متعلق ہے اور رسل کرام علیہم السلام پر واجب نہیں کہ وہ مشیت و ارادۂ الٰہی کا اظہار کریں۔ ہاں البتہ انھیں متعلق بہ اوامر و نواہی کا اخبار و اعلام ضروری ہے۔ مثلاً ابولہب کو بظاہر تو فرماتے کہ ایمان قبول کر، مگر اللہ تعالیٰ کے ارادے سے آپ کو علم تھا کہ وہ ایمان نہیں لائے گا۔ کما قال:

سیصلٰی نارًا ذات لھب۔

وہ اس لیے کہ ابولہب کا عذاب میں مبتلا ہونا مشیتِ الٰہی اور ارادۂ ایزدی سے متعلق تھا۔ اسی لیے اظہار و اخبار آپ پر واجب نہ تھا۔[1]

---

[1] صاحب روح البیان قدس سرہٗ کی تقریر مذکور سے سوال و جوابات آ گئے اب آخری فیصلہ صاحب مدارک کا بھی سن لیجئے:

والذی اشار الیہ جماعة من اھل التحقیق فی ھذہ القصة انہ تبارک وتعالٰی اوحی الیہ انہ سیزوجھا وذلک بحکمة اقتضتھا الارادة الالھیة فخفی الذی عاتبہ اللہ علی اخفائہ من زید وروی ابن ابی حاتم عن طریق السدی انہ صلی اللہ علیہ وسلم اراد ان یزوجھا زیدا فکرھت ذلک ثم انھا رضیت بہ فزوجھا ایاہ ثم اعلم اللہ نبیہ بعد انھا من ازواجہ فکان یستحیی ان یامرہ بطلاقھا

(باقی برصفحہ ۴۵)

وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ اور آپ لوگوں کی ملامت اور عار سے ڈرتے ہیں کہ لوگ کہیں گے کہ آپ نے اپنے منہ بولے بیٹے کی زوجہ سے نکاح کر لیا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آپ لوگوں پر شفقت کے طور ڈرتے تھے کہ وہ فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گے۔ جب ہم زید کی زوجہ سے نکاح کریں گے تو اس کا انکار اور اعتراض کریں گے کہ آپ نے منہ بولے بیٹے کی زوجہ سے کیوں نکاح کیا اس طرح سے انہیں نبوت کے متعلق شک گزرے گا حالانکہ نبی علیہ السلام ایسے میلان طبعی اور خواہشاتِ نفسانی کی اتباع سے پاک ہیں اور جب وہ نبوت میں اس قسم کا گمان کریں گے تو ایمان سے خارج ہو کر دائرۂ کفر میں داخل ہو جائیں گے اور آپ کا یہ خوف امت پر شفقت و رحمت کے طور تھا کہ وہ ایسی بات سننے کے حامل اور نبوت کے متعلق ایسے معاملہ کے متحمل نہیں ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ ؕ اور اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ اس سے خوف

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۴)

وکان یزال یکون بین زید و زینب ما یکون بین الناس فامرہ ان یمسک علیہ زوجہ وکان یخشی الناس ان یعیبوا علیہ ویقولوا تزوج امراۃ ابنہ و روی ایضا عن علی بن الحسین قال اعلم اللہ نبیہ ان زینب ستکون من ازواجہ قبل ان یتزوجھا فلما اتاہ زید یشکوھا قال اتق واَمسک علیک زوجک قال اللہ تعالی قد اخبرتک انا زوجکھا وتخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ قال القرطبی قال علماؤنا قول علی بن الحسین احسن ما قیل فی الآیۃ وھو الذی علیہ اھل التحقیق من المفسرین والعلماء الراسخین کالزھری والقاضی وابو بکر بن العلاء والقاضی ابوبکر بن العربی وغیرھم ذکرھذہ الکلہ العلامۃ عبد الرؤف لنا دی فی شرح الالفیۃ للعراق ۔ (حاشیہ جلالین)

خلاصہ یہ کہ حضرت زید کے نکاح کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ زینب کا نکاح آپ کے ساتھ ہوگا۔ لیکن آپ نے اسے ظاہر نہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اسی کے لیے یہ حکم فرمایا۔ عشق والی بات کی تحقیق تفسیر اویسی میں دیکھیے۔

(اویسی غفرلہٗ)

کیا جائے جس سے خوف کیا جائے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

ف : جناب کاشفی نے لکھا کہ یہ صحیح ہے کہ حضور علیہ السلام تمام مخلوق سے اللہ تعالیٰ سے زیادہ خوف رکھنے والے تھے اس لیے کہ خوف وخشیت علم کا نتیجہ ہے کما قال تعالیٰ:

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔ (بے شک اللہ تعالیٰ سے اس کے بندے علماء ڈرتے ہیں)

اور بحکم حدیث:

انما اعلمکم باللہ واخشاکم۔ (میں اللہ تعالیٰ سے تم سے زیادہ جانتا ہوں اور میں اس سے تم سے زیادہ ڈرتا ہوں)

آپ تمام جہان سے اللہ تعالیٰ سے زیادہ خوف رکھتے تھے۔

اور حدیث شریف میں ہے:

الخوف رفیقی۔

(خوف میرا رفیق ہے)

خوف وخشیت نتیجۂ علم ست
ہرکرا علم بیش خشیت بیش
ہرکرا خوف شد رفیق رہش
باشد از جملہ رہروان درپیش

ترجمہ : خوف وخشیت علم کا نتیجہ ہے جو بڑا عالم ہوگا وہ خوفِ خدا میں بھی زیادہ ہوگا۔ جس کا خوف رہبر ہو وہ تمام رہبروں کا رہبر ہوگا۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ حضور علیہ السلام کو اس آیت میں محبانہ عتاب اس لیے ہوا کہ وہ علم جو اللہ تعالیٰ سے آپ کو عطا ہوا کہ عنقریب زینب سے آپ کا نکاح ہوگا اسے مخفی رکھا۔

ف : بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ اگر کوئی مضمون وحی الٰہی کا آپ نے چھپانا ہوتا تو یہی آیت اذ تقول للذی الخ کو چھپا دیتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس آیت سے بڑھ کر اور کوئی آیت سخت تر نہ تھی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ بہ نسبت مخلوق اللہ تعالیٰ کے حقوق کی رعایت ضروری ہے اس لیے امرِ الٰہی وقضائے حق کے اجراء میں بہت سی حکمتیں مضمر ہوتی ہیں مثلاً اس امر میں خلقِ خدا کے گمراہ ہونے کا خطرہ تھا اور اللہ تعالیٰ کے اجرائے حکم میں یہی نظر تھا کہ جس نے اس واقعہ کو سن کر گمراہ ہونا ہے وہ گمراہ ہوگا اور جس نے ہدایت پانی ہے ہدایت پائے گا۔ اس کی

مثال آیت وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب نبی علیہ السلام کے سامنے امرِ حق اور امرِ خلق متعارض ہوں تو آپ پر واجب ہے کہ آپ حق تعالیٰ کے امر کو ترجیح دیں اس لیے اجرائے حکمِ حق میں ہزاروں حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ چنانچہ ایک حکمت اسی تزویجِ زینب میں یہ بتائی کہ لکی لا علی المؤمنین حرج۔ الخ تاکہ اہلِ ایمان کو تنگی نہ رہے۔

تفسیرِ عالمانہ

فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا پس جبکہ پوری کی حضرت زید نے اپنی زوجہ بی بی زینب سے وَطَرًا ضرورت۔

حلِ لغات

قاموس میں ہے کہ الوطر (محرکۃ) بمعنے حاجت۔ یا وہ حاجت جس میں کوئی اہمیت مطلوب ہو جب وہ حاجت پوری ہو جائے تو اس کے لیے بولا جاتا ہے:

فقد قضیت وطرك۔ بیشک تو نے ضرورت پوری کر لی۔

الوسیط میں ہے کہ لغت میں دلی ارادہ کے انتہا کو پہنچنے کو وطرؔ کہا جاتا ہے۔ مثلاً اہلِ عرب کہتے ہیں:

قضی منها وطرًا۔ اس سے ضرورت پوری کی۔

یہ اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو اپنی مراد کو پا لے پھر اس کا اطلاق طلاق پر ہونے لگا اس لیے کہ جب کوئی شخص اپنی عورت کو طلاق دیتا ہے تو اس سے اس کی کوئی حاجت نہیں رہتی۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب حضرت زید نے اپنی زوجہ کو طلاق دے دی اور اس کی عدت پوری ہو گئی[1]۔

تفسیرِ صوفیانہ

تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ حضرت زید نے ظاہر میں اپنی ضرورت یوں پوری کی کہ آپ نے اپنی زوجہ کو طلاق دے دی اور باطن میں یوں ہوا کہ تا قیامِ قیامت بہت بڑی شہرت حاصل کر لی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر قرآن میں درج فرمایا حالانکہ دوسرے بہت بڑے مشاہیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کا نام قرآن مجید میں نہیں۔ اور دوسرا یہ کہ انھوں نے اپنی ضرورت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دی کہ بی بی زینب کو طلاق دے دی پھر ان سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر لیا۔

سوال: الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے کہ جب حضرت زید کو اللہ تعالیٰ اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] دیوبندیوں کے ایک مولوی حسین علی واں بھچراں نے 'بلغۃ الحیران' میں لکھ دیا کہ بی بی زینب سے حضور علیہ السلام نے عدت گزارے بغیر نکاح کر لیا۔ اویسی غفرلہٗ

طلاق سے روکا تو پھر انہوں نے طلاق کیوں دے دی؟

جواب: یہ امر وجوب ولزوم کا نہ تھا بلکہ استحبابی امر تھا اس لیے آپ اس کے مامور نہ تھے۔

تفسیر عالمانہ

زَوَّجْنٰكَهَا ہم نے اس کا آپ کے ساتھ نکاح کر دیا اور یہ نکاح پہلی ذیقعدہ سنہ ۵ھ کو ہوا اور یہی روایت صحیح ہے اس وقت بی بی صاحبہ کی عمر ۳۵ سال تھی۔ اس تزویج سے یا تو نکاح کا حکم مراد ہے یا بلاواسطہ عقد اللہ تعالیٰ نے خود نکاح کا حکم فرمایا۔

بی بی زینب کی شان

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بی بی زینب تمام ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فخریہ طور پر فرمایا کرتی تھیں کہ تمہارے نکاح تمہارے رشتہ داروں نے کیے لیکن آسمانوں کے اوپر اللہ تعالیٰ نے خود اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا نکاح کر دیا۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم آیت کے نزول کے بعد بی بی زینب کے گھر میں تشریف لائے اور فرمایا: میرا تیرے ساتھ نکاح ہوا۔ عرض کی، نہ منگنی ہوئی نہ گواہ، یہ کیسے؟ آپ نے فرمایا، نکاح اللہ تعالیٰ نے کر دیا ہے اس کے گواہ حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔ (اس روایت سے مذکورہ بالا قول ثانی کی تائید ہوتی)

ف: گواہوں کے بغیر نکاح کا انعقاد حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے یعنی آپ کے سوا کسی اور کا نکاح بغیر گواہوں کے نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ: اس روایت کو لے کر حضرت امام محمد رحمہ اللہ نے گواہوں کے بغیر نکاح کو جائز رکھا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ و امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ اس کے برعکس فرماتے ہیں ان کا فتویٰ ہے کہ گواہوں کے بغیر نکاح ناجائز ہے اور فتویٰ اسی پر ہے۔

ف: دراصل امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے نکاح کے مسئلہ کو بیع کے مسئلہ پر قیاس فرمایا ہے وہ اس لیے کہ نکاح میں لبضع کی گویا بیع ہوئی اور اس کا ثمن مہر کو سمجھا پھر جیسے بیع میں گواہوں کی ضرورت نہیں ایسے ہی نکاح میں نہیں لیکن امام اعظم و امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس کے انجام کو دیکھا ہے اس لیے فرمایا کہ بغیر گواہوں کے نکاح صریح زنا متصور ہوگا اسی لیے نکاح میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح میں گواہوں کی شرط لگائی کہ پھر وہ نکاح منسوخ نہ ہو سکے اور پھر اہل اسلام زنا کی تہمت سے بھی بچ جائیں گے۔

حدیث شریف

مروی ہے کہ جب بی بی زینب رضی اللہ عنہا عدت گزار چکیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کے لیے فرمایا:

ما اجد احدا اوثق فی نفسی منک اخطب علی زینب۔

(مجھے تیری وجہ سے زینب کی منگنی پر اعتماد ہے لہٰذا تم ہی جا کر اسے میرے نکاح کی اطلاع دو)

چنانچہ حضرت زید بی بی زینب کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا :

یا زینب ابشری فان رسول اللہ یخطبک

(اے زینب! تجھے مبارک ہو کہ تجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نکاح کا فرمار ہے ہیں)

یہ سن کر بی بی صاحبہ خوش ہو گئیں اور فرمایا ، میں از خود کچھ نہیں کہہ سکتی میں اپنے رب تعالیٰ سے مشورہ کر لوں۔ یہ کہہ کر مسجد میں تشریف لے گئیں اور مسجد میں بیٹھی ہی تھیں کہ زوجنکہا نازل ہُوا۔ اس کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی صاحبہ سے نکاح فرمایا اور انہیں اپنے گھر لے گئے اور اس بی بی کا ولیمہ تمام بیبیوں سے بہتر ہوا۔ اس ولیمہ میں بکری ذبح کی گئی اور صحابہ کرام کو گوشت روٹی کھلائی گئی۔ یہاں تک کہ دن میں بہت دیر کھانے کا سلسلہ جاری رہا۔

ف : اس نکاح میں خود حضرت زید کو سفیر مقرر کرنا ان کے لیے بہت بڑی آزمائش تھی اور پھر ان کو اس نکاح کا شاہد بھی بنایا گیا۔ یہ ان کی قوتِ ایمانی اور مضبوطیِ اسلام کی دلیل ہے ؎

اعتقاد من چو بیخ سرو دارد محکمی

بیش باشد از ہوائے عشق و سودا کمی

ترجمہ : میرا اعتقاد سرو کی جڑ کی طرح مضبوط ہے تم مجھے اس میں سودا کا سامان نہ بنانا۔

لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ تاکہ اہلِ ایمان کو تنگی اور مشقت نہ ہو۔

حلِ لغات : المفردات میں ہے ، دراصل حرج درخت کو مجتمع کو کہا جاتا ہے۔ اسی سے تنگی متصور ہوتی ہے۔ اسی لیے تنگی کو بھی حرج سے تعبیر کرتے ہیں اور اثم (گناہ) کو بھی لکی لا یکون میں لام کیْ کی ہے اور تاکیداً اس پر داخل ہوئی ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ لام جارہ تزویج کی تعلیل کے لیے ہے۔ اور کیْ حرف انْ کی طرح مصدری ہے۔

فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ ان لوگوں کے لیے جو اپنے منہ بولے بیٹوں کی عورتوں سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ الادعیاء ، دعیٌّ کی جمع ہے بمعنے منہ بولا بیٹا۔ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا جب وہ اپنی عورتوں کو طلاق دے دیں اور انھیں ان سے کوئی حاجت باقی نہ رہے اور ان کی عدت گزر جانے پر نکاح کرنا چاہیں تو انھیں حرج نہ ہو۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منہ بولے بیٹے حضرت زید کی زوجہ بی بی زینب سے نکاح کر لیا ، ہمیں اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کی پیروی کرنی چاہیئے۔

ف : حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اہلِ عرب کا خیال تھا کہ منہ بولے بیٹے کی عورت سے نکاح حرام ہے جیسے حقیقی بیٹے کی عورت سے۔ ان کے اس غلط خیال کی تردید کی گئی ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ احکامِ شرعیہ میں نبی و غیر نبی برابر ہوتے ہیں سوائے صرف چندان مسائل میں جو نبی علیہ السلام کے لیے مخصوص ہوں۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص (معاذ اللہ) منہ بولے بیٹے کی عورت سے زنا کرے تو وہ عورت اس پر حرام نہ ہو گی بخلاف حقیقی بیٹے کی عورت کے کہ اس سے اگر بیٹے کے والد نے وطی کر لی ہو تو وہ اپنے شوہر پر حرام ہو جاتی ہے۔ ابن الصلب نے اس مسئلہ میں خلاف کیا ہے وہ کہتا ہے کہ منہ بولے بیٹے کی زوجہ متبنّی (پرورده کننده) پر نکاح کا انعقاد ہوتے ہی اس پر حرام ہو جائے گی۔

وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ اور وہ امر جس کا ہونا اللہ تعالیٰ کو منظور ہو مَفْعُوْلًا ۝ وہ ہو کر رہے گا اسے کوئی بھی نہیں روک سکتا اگرچہ روکنے والے نبی علیہ السلام ہی ہوں تب بھی اللہ تعالیٰ کا مقدر امر ضرور ہو گا جیسے ابھی بی بی زینب کی تزویج کا معاملہ ہوا۔ یاد رہے کہ بی بی زینب رضی اللہ عنہا کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ازل سے حقیقی نکاح تھا اور وہ حضرت زید کے ہاں عاریۃً تھیں۔

بی بی زینب باکرہ تھیں حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے بارے میں الشیخ افتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ بی بی زینب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرح باکرہ تھیں اس لیے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو معلوم ہو گیا تھا کہ ان کا نکاح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونا تھا اس لیے حضرت زید نے بی بی زینب کو چھوا تک نہ تھا۔ ان کی مثال بی بی آسیہؓ[1] و زلیخا رضی اللہ عنہا جیسی ہے لیکن بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے عرفان تک بی بی زینب نہیں پہنچ سکیں اور بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت میں فقط اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بہت ہی زیادہ محبت تھی۔

نکتہ دربارۂ عدمِ تولید عائشہ رضی اللہ عنہا بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں اس لیے اولاد پیدا نہ ہوئی کہ آپ جملہ تعینات سے مافوق کے مرتبہ میں تھیں۔

فضائل بی بی زینب رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ بی بی زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ہم جیسی ہیں لیکن مندرجہ ذیل فضائل و مناقب میں ہم سے بڑھ کر ہیں:

۱۔ دین کی خیر و برکت میں ۲۔ تقویٰ و طہارت میں ۳۔ صدق فی الحدیث میں

---

[1] یعنی بی بی آسیہ کو فرعون نہ چھو سکا اور نہ ہی بی بی زلیخا کو عزیزِ مصر۔ مزید تفصیل فقیر کی کتاب "نکاحِ زلیخا" میں ہے۔ اویسی غفرلہٗ

۴ - صلہ رحمی میں
۵ - صدقہ دینے میں
۶ - درویش نوازی میں
۷ - مہمان نوازی میں
۸ - داد و دہش میں - اسی لیے انہیں اُم المساکین کہا جاتا تھا۔
۹ - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ازواج مطہرات میں سے سب سے پہلے انہی کا وصال ہُوا۔

بی بی زینب کا وصال بی بی زینب رضی اللہ عنہا ۲۰ھ میں مدینہ طیبہ میں فوت ہُوئیں۔ آپ کی نمازِ جنازہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور بقیع میں مدفون ہوئیں۔ آپ کی کل عمر ترپن (۵۳) سال تھی۔

حضرت زید کی حُور اللہ تعالیٰ نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہشت میں ایک حُور عطا فرمائی - چنانچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

استقبلتنی جاریۃ لعساء وقد اعجبتنی فقلت لہا یا جاریۃ انت لمن قالت لزید بن حارثۃ۔

(شبِ معراج میں ایک حور لعساء نے میرا استقبال کیا اور مجھے اس کا حُسن وجمال پسند آیا میں نے اس سے پُوچھا تُو کس کے لیے ہے؟ عرض کی: حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے لیے)

ف: حدیث شریف میں لفظ استقبلتنی واقع ہے یعنے اس حُور نے بہشت سے نکل کر حضور علیہ السلام کا استقبال کیا جب آپ ساتویں آسمان کو عبور کر کے بہشت کی طرف روانہ ہُوئے۔ لعساء: لعس سے ہے یعنے ہونٹوں پر سُرخی بہ سیاہی مائل والی، ایسے ہونٹ حُسن وجمال میں اضافہ کرتے ہیں۔ کذا فی الصحاح

صرف حضرت کا نام قرآن میں کیوں حضرت سہیلی نے لکھا کہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو چھوڑ کر صرف حضرت زید رضی اللہ عنہ کا نام قرآن مجید میں اس لیے مصرح ہے کہ جب آیت ادعوھم لاٰبائھم نازل ہوئی تو حضرت زید کو زید بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بجائے زید بن حارثہ کہنے لگے - چونکہ زید بن محمد سے پکارا جانا ان کے لیے بہت بڑی شرافت تھی - اس شرافت کے چھن جانے سے حضرت زید مغموم ہُوئے اللہ تعالیٰ نے ان کی انس وحشت اور غم والم کو دور کرنے کے لیے قرآن مجید میں ان کا نام درج فرما دیا - اب انہیں وہ شرافت ملی کہ نمازوں میں اور محرابوں میں ان کا نام پڑھا جانے لگا۔

ف : بعض قراۃ میں انعم اللہ علیہ بالایمان ہے یعنی لفظ بالایمان زائد ہے۔ اس قراۃ کے مطابق ان کا بہشتی ہونا قطعی ہُوا اور وہ یقیناً دُنیا سے ایمان کی دولت لے کر فوت ہوئے۔ اس قراۃ کے مطابق یہ ان کی اور فضیلت ہوئی۔

سبق : حضرت زید رضی اللہ عنہ کا یہ ایثار و قربانی رہتی دنیا تک ہر ایک اہلِ اسلام کے لیے پند و نصیحت ہے اور ایسی قربانی ہر وہ شخص دے سکتا ہے جو سالک قوی الاعتقاد اور ارشاد و ہدایت میں ثابت قدم ہو اور یہ صرف اصحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کر سکتے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے حجابات اٹھا دئیے تھے۔

صحابہ کی جان نثاری

مروی ہے کہ ہجرت کے بعد حضور سرورِ عالم نے صحابہ کرام کو آپس میں بھائی بھائی بننے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد رضی اللہ عنہما کے درمیان مواخاۃ طے ہوئی۔ حضرت عبد الرحمٰن مہاجر اور حضرت سعد انصار تھے۔ جب مواخات طے ہُوئی تو حضرت سعد نے حضرت عبد الرحمٰن کو فرمایا : انصار میں مَیں کثیر المال ہوں اسے نصف نصف کر لیں اور میری دو عورتیں ہیں ایک کو میں طلاق دے دیتا ہُوں جب اس کی عدت گزر جائے تو آپ اس سے نکاح کر لیں۔ حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ آپ کے مال و عیال میں برکت دے۔ کذا فی انسان العیون۔

سبق : افسوس زمانے کا دَور بدلا کر اب معاملہ الٹ ہو گیا۔ خوش قسمت ہے وہ انسان جو بدعات سیئہ و دیگر جرائم و معاصی کے دفعیہ کے لیے جدوجہد کرتا اور اپنے دامن کو برائیوں سے بچاتا ہے۔

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ نبی علیہ السلام کے لیے کوئی حرج نہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے نبی علیہ السلام کو تنگی نہ دے۔

ف : اس جملہ میں مِن زائدہ اور حرج ' کان ناقصہ کا اسم ہے۔

فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ ان امور میں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے مقسوم میں لکھا ہے یا آپ کے لیے مقدر فرمایا ہے جیسے بی بی زینب کے ساتھ نکاح کرنا۔ یہ ان کے قول فرض لہ فی الدیوان کذا (اس کے لیے دفتروں میں ایسے مقدر فرمایا ہے) اور اسی محاورہ سے ہے :

فروض العساکر۔ (لشکریوں کے وظائف)

سُنَّةَ اللَّهِ سنۃ اسم ہے جسے مصدر کے قائم مقام وضع کیا گیا ہے حرج کی تاکید ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے نفی حرج کے لیے طریقہ مقرر فرمایا ہے فِي الَّذِينَ خَلَوْا ان لوگوں میں جو پہلے گزرے۔

حل لغات : المفردات میں ہے کہ الخلو کا استعمال زمان و مکان کے لیے مستعمل ہے۔ اہلِ لغت

جب اس سے گزرے ہوئے زمانے کی تفسیر کرتے ہیں تو کہتے ہیں، خلا الزمان بمعنے مضیٰ و ذھب۔

فقیر (اسمٰعیل حقی نوراللہ مرقدہٗ) کہتا ہے الخلو کا حقیقی معنی زمان و مکان کا حال بیان کرنا ہوتا ہے اس لیے کہ ان کے اندر والے امور جب ختم ہو گئے تو وہ دونوں خالی ہو گئے۔

مِنْ قَبْلُ یعنی پہلے انبیاء علیہم السلام سے جو جو کی نفی یوں کی گئی کہ ان کے لیے نکاح وغیرہ امور میں وسعت رکھی گئی تھی مثلاً داؤد علیہ السلام کی ایک سو بیویاں اور تین سو لونڈیاں تھیں اور ان کے صاحبزادے سلیمان کی تین سو بیویاں اور سات سو لونڈیاں تھیں۔ اسی بنا پر آپ کے لیے بھی سابقین انبیاء علیہم السلام کی طرح نکاح کے معاملہ میں وسعت ہے۔ وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا اور ہے اللہ تعالیٰ کا امر فیصلہ قطعی اور حکم یقینی۔

حلِ لغات: المفردات میں ہے کہ قدر میں اس حکم کی طرف اشارہ ہے لوح محفوظ میں مقدر ہو چکا جس کی خبر فرغ ربك من الخلق (تیرا رب مخلوق سے فارغ ہو چکا) ہے یعنی ان کی تخلیق اور اجل اور رزق کے معاملات طے ہو چکے اور مقدور سے وہ امور مراد ہیں جو آئندہ پیدا ہوں گے کل یوم ھو فی شان میں اسی طرف اشارہ ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء و اولیاء علی نبینا وعلیہم السلام پر جو حکم ربانی سے قضاء و قدر کا فیصلہ ہوا وہ ان کے حق میں بہتری پر مبنی تھا اگرچہ بظاہر مخلوق کی نظروں میں ان کا نقصان محسوس ہوتا ہو۔ اور ان پر قضاء مبرم کا اجراء ہوتا ہے جس میں خطا یا غلطی کا امکان بھی نہیں ہوتا اور نہ اس میں عبث کا تصور ہو سکتا ہو۔

ع

پیر ما گفت خطا بر قلم صنع نرفت
آفرین بر نظر پاک خطا پوشش باد

ترجمہ: ہمارے شیخ نے فرمایا کہ صنعت حق کے قلم میں خطا کا امکان ہی نہیں نظر پاک پر آفرین خدا کرے ہماری خطا پوشی ہو۔

الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے پیغامات پہنچاتے ہیں یہ جملہ مجرور المحل ہے اس سے کہ الذین خلوا من قبل کی صفت ہے اس سے ان حضرات کا پیغام رسالت مراد ہے جو امتوں کو پہنچایا اور رسالت بمعنے اللہ تعالیٰ سے ایک بندے کا پیام لے کر اس کے دوسرے بندوں کو پہنچانا یعنی بندوں کو مولیٰ کی خبر پہنچانا وَيَخْشَوْنَهٗ ہر امر و نہی میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں بالخصوص ان امور و نواہی میں جو رسالت سے متعلق ہیں ان میں ایک حرف کی بھی کمی نہیں کرتے اور نہ ہی کسی ملامت گر کی

ملامت سے گھبراتے ہیں وَلَا یَخۡشَوۡنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے
خشیۃ کو صرف اللہ تعالیٰ پر منحصر کرنا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تعریض ہے کہ آپ نے بی بی
زینب کے نکاح کے معاملہ میں خلق خدا کی ملامت پھر ان کی تباہی کا خیال کیا۔

ف : انبیاء علیہم السلام کی خشیت عقاب سے اور اولیاء کرام کی حجاب سے اور عوام کی خشیت عذاب سے
ہوتی ہے۔ کذا قال بعض الکبار۔

سوال : الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے جب صاف قرآن مجید میں موجود ہے کہ موسیٰ علیہ السلام
غیر اللہ سے ڈرے، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا :

لا تخف انک انت الاعلیٰ۔

(نہ ڈر تو اعلیٰ ہے)

اور یعقوب علیہ السلام کے لیے سورۃ یوسف میں ہے :

انی اخاف ان یاکلہ الذئب۔

(مجھے ڈر ہے کہ اسے بھیڑیا نہ کھا جائے)

ایسے ہی ہمارے نبی علیہ السلام کو بھی خوف لاحق ہوا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا :

واللہ یعصمک من الناس۔

(اللہ تجھے لوگوں سے بچائے گا)

اور ایسے ہی دیگر انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی قرآن مجید میں ان کے واقعات میں صراحت ہے۔

جواب : انبیاء علیہم السلام کا عقیدہ یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی کسی کو نقصان یا نفع پہنچا سکتا ہے اس کے
ارادہ و مشیت سے کوئی شے باہر نہیں۔ اور یہ بھی ان کا عقیدہ تھا کہ ہر کام قضاء و قدر الٰہی کے تحت ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہاں ان کے عقیدے کا اظہار کیا گیا ہے اور ان کے پختہ یقین و علم کے متعلق بتایا گیا ہے
ورنہ خواص بشریت اور طبعی خلقت اور نتیجہ حیوانیت یہی ہے کہ وہ ایسے ہی کہیں اور کریں جو اوپر مذکور ہوا۔
(فقیر اویسی کہتا ہے کہ جہاں ان کے نہ ڈرنے کا فرمایا وہاں ان کی اصلی فطرت مذکور ہوئی اور جہاں ان کے
خوف از غیر کا ذکر ہے وہاں ان کا ڈرنا اور خوف کرنا تعلیم امت اور ان کے انجام کی وجہ سے ڈرنا ہوتا تھا۔
والتفصیل فی التفسیر الاویسی فانظرثمہ)

وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيۡبًا○ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال کا حساب لینے والا کافی ہے۔

سبق : بندے پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حساب لینے سے پہلے اپنا حساب کر لے اور صرف اللہ سے

ڈرے۔ نکاح کا معاملہ ہو یا کوئی اور۔ جب سب کو معلوم ہے کہ اس کی رضا نیکی میں ہے اور اسی کا ہی حکم فرماتا ہے۔

ف: مسواک، عطر، نکاح وغیرہ انبیاء علیہم السلام کی سنّت ، آدم علیہ السلام سے لے کر بہشت میں داخل ہونے کے بعد تک صرف دو حکم دائمی ہیں:

(۱) ایمان

(۲) نکاح

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ جو زیادہ متقی ہوگا وہ زیادہ شہوتی ہوگا اس لیے کہ دراصل وہ شہوۃ حقیقت کی حرارت ہے یہ نارِ عشق سے دوسرے نمبر پر ہے اور حرارت میں عشق سے اول نمبر پر نورِ محبت ہے لیکن اہلِ حجاب و اہلِ شہود کی شہوت میں بہت بڑا فرق ہے۔ وہ اس لیے کہ جب اہلِ غفلت کی رگیں خون سے پُر ہوتی ہیں تو شہوت کا غلبہ ہوتا ہے اور اہلِ یقظہ کی رگیں نورِ الٰہی سے پُر ہوتی ہیں اور ظاہر ہے کہ نور کی طاقت و قوت خون سے بڑھ کر ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے ہدایت کے طالب ہیں اور شہوتِ نفسانی سے پناہ مانگتے ہیں۔

گستاخِ نبی کا قصہ

بعض مشائخ نے فرمایا کہ ہم کسی ایک بزرگ کی مجلس میں بیٹھے تھے ان میں ایک نے کہا کہ شہوت سے کوئی نہیں بچا، یہاں تک کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی (معاذ اللہ) اس کے استدلال میں فرمایا:

حبّب الیّ من دنیا کم من ثلاث الطیب والنساء وقرۃ عینی فی الصلوٰۃ۔

(تمہاری دنیا میں مجھے تین چیزوں کی محبت دی گئی ہے:

۱۔ خوشبو

۲۔ عورت

۳۔ نماز میں آنکھوں کی ٹھنڈک)

حضور علیہ السلام پر تہمت نہ لگا اور حدیث کو تُو نے سمجھا ہی نہیں۔ آپ نے حبّب فرمایا ہے۔ یہ دلالت کرتا ہے کہ یہ محبت آپ کو حکمِ ربانی سے تھی ورنہ احببتُ فرماتے۔ اور جو شے منجانب اللہ ہو اس پر ملامت کرنا غلطی ہے۔ اس گستاخ کے اس کلمے سے مجھے سخت رنج پہنچا۔ اس پر مجھے نیند آ گئی اور خواب میں مجھے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، غم نہ کھا، میں نے اس کا کام تمام کر ڈالا ہے۔ صبح کو معلوم ہوا کہ اسے قتل کر دیا گیا ہے۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ جو شخص شریعت کے گہرے معانی سمجھنا چاہتا ہے اسے چاہیے فرائض کی ادائیگی کے بعد بکثرت نوافل پڑھے اگر ہو سکے تو بہت زیادہ (مشروع) نکاح کرے اس لیے کہ نفلی عبادات میں سے

یہی افضل و اعلیٰ عبادت ہے اس لیے اس سے انسان کو پاکدامنی اور اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا السلام کی کثرت کا سبب نصیب ہوتا ہے اور محسوساً و معقولاً ہر طرح سے یہی عبادت جامع ہے اور عالم کا علم ظاہری ہوتا ہے یا باطنی۔ اور یہ عبادت دونوں کو حاوی ہے۔ اسی لیے اس سے بڑھ کر اتم و اکمل اور کوئی عبادت نہ ہوگی اور حق تعالیٰ بھی انسان کی اسی عبادت سے بندہ کو محبوب تر رکھتا ہے اور ظاہر ہے جسے اللہ تعالیٰ محبوب بنا لے' وہی ولی اللہ ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ اہلِ قرآن (یعنی عاملِ قرآن) سے محبت کرتا ہے کہ وہ افضل العبادت ہے؛ اور جو شخص اہلِ قرآن کی طرح اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے وہ تعالےٰ حق کا مرکز اور اس کے استواء کا عرش اور اس کے نزول کا آسمان اور اس کے امر و نہی کی کرسی ہوجاتا ہے جب اس مرتبہ تک پہنچتا ہے تو اسے وہ تجلیات وغیرہ نظر آئیں گی جو اسے پہلے کبھی نظر نہیں آتی تھیں۔

ف : جس بزرگ کی مذکورہ بالا تقریر آپ نے پڑھی انہوں نے فرمایا کہ میں پہلے عورتوں کو مبغوض ترین مخلوق سمجھتا تھا اور جماع سے بھی سخت نفرت تھی اور سلوک کی منازل طے کرنے کی اثناء میں اٹھارہ سال میرا یہی حال رہا لیکن اس سے میرے دل میں خوفِ خدا ہر طرف طاری رہتا تھا کہ میں اس مقبول عمل سے تعلق رکھتا ہوں جو محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب عمل ہے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے دل میں اس کی فضیلت کا القاء ہوا تو مجھے یقین ہوا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حبب الیّ من دنیاکم من ثلاث الخ فرماکر عورتوں کی محبت کا اظہار طبعی نفسانی نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور فرمان کی وجہ سے تھا۔ اسی وقت سے میرے دل میں عورتوں سے جتنی کراہت و نفرت تھی اس سے بڑھ کر ان سے محبت و پیار ہوگیا جو آج بحمدہٖ تعالیٰ میں تمام دوستوں سے زیادہ عورتوں پر شفیق ہوں اور وہ بھی محض طبعی و نفسانی طور پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جل عبدہٗ کی عطا کردہ بصیرت کی وجہ سے۔

حکایت حضرت زکریا علیہ السلام کے دولت کدہ پر ایک جماعت حاضر ہوئی۔ دیکھا کہ ان کے گھر میں نہایت حسین و جمیل عورت موجود ہے کہ جس کے حسن و جمال سے سارا گھر روشن ہے۔ انھوں نے پوچھا تُو کس کی عورت ہے؟ اس نے کہا: میں حضرت زکریا علیہ السلام کی اہلیہ ہوں۔ اس جماعت نے حضرت زکریا علیہ السلام سے عرض کی، آپ نبی ہیں اور انبیاء علیہم السلام دنیا کی ہر شے سے بے نیاز ہوتے ہیں لیکن ہمیں یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ آپ نے ایک نہایت حسین و جمیل عورت سے نکاح کیا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا اس نکاح کی وجہ سے تو میں نے اپنی بُری نگاہ اور فرج کو زنا سے محفوظ کیا ہوا ہے۔

سبق عورت نیک بخت اور حسین و جمیل جو انسان کی نیکی پر معاونت کرے وہ در اصل دنیوی شے نہیں۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا، ؎

۱ زن خوب و فرمان بر و پارسا
کند مرد درویش را پادشا

۲ کرا خانہ آباد و ہمخوابہ دوست
خدارا ابر رحمت نظر سوئے اوست

۳ چو مستور باشد زن خوبروے
بدیدار او در بہشتست شوے

ترجمہ :(۱) عورت خوب رُو اور پارسا، مرد درویش کو بادشاہ بنا دیتی ہے۔
(۲) جس کا گھر آباد اور عورت خیر خواہ ہو اللہ تعالیٰ کی اس پر خاص نظر کرم ہے۔
(۳) جب عورت با پردہ اور خوبرو ہو اس کا دیدار مرد کے لیے بہشت ہے۔

مَاکَانَ مُحَمَّدٌ ابن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم۔

مسئلہ : اسلام کی طرف سے کسی پر واجب نہیں کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی اور دادا کا نام یاد رکھے بلکہ مسلمان ہونے کے لیے صرف آپ کا نام نامی اسم گرامی یاد رکھنا ضروری ہے۔ کما فی ہدایۃ المریدین للمولی اخی چلپی۔

حل لغات : محمود اسے کہا جاتا ہے جس کی حمد کی جائے اور محمد وہ جس کی بہت زیادہ حمد کی جائے بوجہ اس کی کثرت خصال محمودہ کے۔ (کذا فی المفردات)

تحقیق لفظ محمد صلی اللہ علیہ وسلم شیخ زکریا شرح المقدمۃ الجزریہ میں لکھتے ہیں کہ لفظ محمد محمود کا بالغہ ہے۔ یعنی ہر وہ ذات جو عقاید و افعال و اقوال و اخلاق میں محمود ہو۔ اور یہ نام آپ کے دادا عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے منتخب فرمایا جو انہیں الہام ربانی سے معلوم ہوا۔ حسب دستور عرب آپ کا نام بھی ساتویں دن رکھا گیا۔ لوگوں نے کہا کہ آپ نے اپنے پوتے کا نام محمد کیوں رکھا جبکہ آپ کے آباؤ اجداد میں اس نام والا کوئی نہیں گزرا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں یہ نام رکھ کر اللہ تعالیٰ سے اُمید کرتا ہوں کہ ان کی آسمانوں اور زمینوں میں حمد ہو۔ چنانچہ حضرت عبدالمطلب کی آرزو پوری ہوئی اور جس طرح کی نیک فال کا ارادہ کیا اسی طرح ہوا کہ آپ نہ صرف عام مخلوق محمود ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور جملہ انبیاء مرسلین علیہم السلام اور جملہ اہل ایمان آپ کے مدّاح اور ثناخواں ہیں اگر بعض بدبختوں کو آپ سے بغض و عداوت تھا اور ہے اور کفر کیا تو آپ کی محمودیت میں فرق نہیں پڑا (آج بھی بعض بد طینت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت سننا گوارا نہیں کرتے) بہرحال آپ ہر عاقل کے ممدوح ہیں بوجہ آپ کے شمائل مرغوبہ و

خصائل محبوبہ کے۔

حضور علیہ السلام کا ایک ہزار نام جیسے اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار صفاتی نام ہیں ایسے ہی حضور علیہ السلام کے صفاتی اسماء ایک ہزار ہیں۔ اور وہ اسماء انہی صفات سے مشتق ہیں جو اسماء اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں (مثلاً اللہ کریم ہے تو آپ بھی کریم، اللہ رحیم ہے تو آپ بھی رحیم وغیرہ۔ اس معنے پر شرک بھی نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء بحیثیت خالق ہونے کے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء بحیثیت رسول ہونے کے۔ ایسے ہی سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفت نور ہے تو آپ کی صفت بھی نور، اللہ تعالیٰ کی صفت حاضر و ناظر تو آپ کی صفت بھی۔ اللہ تعالیٰ کی صفت مشکل کشائی اور مدد دینے کی ہے تو آپ کی بھی۔ علم غیب اللہ تعالیٰ کی صفت ہے تو حضور علیہ السلام کی بھی۔ یہی ہم اہلسنت و جماعت کا عقیدہ ہے۔ چند صفات مثلاً خالقیت، رازقیت وغیرہ کے سوا باقی جملہ صفاتِ الٰہیہ مجازاً انہی صفات کا اطلاق حضور علیہ السلام پر جائز ہے تفصیل فقیر اویسی غفرلہٗ کی کتاب "حاضر و ناظر" میں دیکھئے)[1]

ف: جس اسم صفاتی سے حضور علیہ السلام کو موصوف کیا جائے گا وہ صفت بطریق کمال آپ میں موجود ہو گی۔ مثلاً آپ کی صفت ماحی ہے وہ اس لیے کہ آپ نے کفر مٹا کر فنا کر دیا یعنی کفر کا طریق کار آپ کی بعثت مبارکہ سے پہلے تھا اور آپ کی الحاشر وہ ذات کہ جس کے قدموں پر یعنی آپ کے مزار سے اٹھنے کے بعد لوگوں کو میدانِ محشر میں اٹھایا جائے گا۔ العاقب ہر وہ ذات جو دوسرے انبیاء علیہم السلام کے بعد مبعوث ہو۔

نکتہ دربارہ ختم نبوت آپ کے اسم گرامی کی ابتداء میں میم ہے اور یہ مخارج میں سب سے آخری مخرج ہے اس میں اشارہ ہے کہ آپ تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد تشریف لائیں گے ایسے ہی آپ کے میم سے معلوم ہوا کہ آپ کی بعثت چالیس سال کے بعد ہو گی، اس لیے کہ م کے اعداد چالیس ہیں۔

نکتہ دیگر امام نیشاپوری رحمہ اللہ نے فرمایا، آپ کے اسم گرامی "محمد" کے چار حروف ہیں اس میں اشارہ ہے کہ آپ ظاہراً و باطناً ذات حق کے موافق ہیں یہاں بھی یہی بات کہ آپ کے اسم گرامی "محمد" کے چار حرف، تو اللہ کے بھی چار ہیں۔ ایسے ہی لا الٰہ الا اللہ کے حروف بارہ، تو محمد رسول اللہ کے حروف بھی بارہ ہیں۔

چار یار نبی کے غمخوار اگر محمد رسول اللہ کے حرف بارہ ہیں تو ابوبکر الصدیق کے بھی بارہ۔ ایسے ہی

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

عمر بن الخطاب کے بارہ، ایسے ہی عثمان بن عفان اور علی بن ابی طالب کے بارہ بارہ حروف۔ یہ اسی مناسبت تامہ کی طرف اشارہ ہے کہ یہ حضرات حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمہ کے عین مطابق اور کلی طور پر ان میں فانی ہیں۔

نسب چار یار بہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی چاروں خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم کا نسب بھی حضور علیہ السلام کے نسب کے عین مطابق ہے۔ مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ أب الثانی میں اور حضرت عثمان پانچویں پشت میں اور حضرت ابوبکر ساتویں پشت میں اور حضرت عمر نویں پشت میں حضور علیہ السلام کے ساتھ ملتے ہیں[1]۔

نکتہ در حروف محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضور علیہ السلام کا اسم گرامی علیحدہ علیحدہ حروف کے لحاظ سے ۳۱۴ مرسلین کی گنتی پر حاوی ہے۔ مثلاً لفظ محمّد میں تین میم ہیں بوجہ ادغام المیم فی المیم ان کی گنتی ۹۰ کو تین سے ضرب دینے پر ۲۷۰ حاصل ہوا۔ ایسے ہی حا اور دال کو علیحدہ علیحدہ لیا گیا تو ان کے اعداد ۳۵ اور ۹ کو سابق عدد سے ملایا گیا تو کل ۳۱۴ ہوگئے اور یہی رسل کرام علیہم السلام کی تعداد ہے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

۱ محمدت چون بلا نہایہ ز حق
یافت شد نام او ازان مشتق

۲ می نماید بچشم عقل سلیم
حرف حالیش عیان میان دو میم

۳ چون رُخ حور کر کنارۂ او
گشتہ پیدا دو گوشوارۂ او

۴ یاد و حلقہ ز عنبرین مویش
آشکار از جانب رویش

۵ دال آن کز ہمہ فرو نشست
دل بنازش گرفتہ بر سر دست

---

[1] اس سے شیعہ کا رد ہوا کہ وہ عوام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ دار سمجھتے ہیں لیکن باقی خلفاءؓ کو غیر ثابت کرتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

ترجمہ: (۱) حق تعالیٰ سے آپ کو بے شمار ثنا ہیں۔ اسی لیے آپ کا نام بھی حمد سے مشتق ہوا۔
(۲) چشم عقل سلیم سے نظر آتا ہے کہ دو میم کے درمیان حا ہے۔
(۳) زرہِ نور کی طرح کہ اس کے دو کناروں پر گویا دو گوشوارے (بالیاں) ہیں۔
(۴) یا زلف عنبرین کے دو حلقے ہیں جو چہرہ کے دونوں جانب ظاہر ہیں۔
(۵) دال (محمد کی) جو سب سے نیچے ہے ہر دل کو اس کے ناز نے سر سے پکڑلیا ہے۔

فضائل اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنا نام میری محبت اور میرے اسم سے تبرک حاصل کرنے کی نیت سے میرے نام پر "محمد" رکھا تو وہ اور اس کا بیٹا بہشت میں ہوں گے۔
(۲) جس کی عورت حاملہ ہو اور وہ نیت کرے کہ اس بچے کا نام محمد رکھوں گا تو اللہ تعالیٰ اسے لڑکا عطا فرمائے گا۔[1]
(۳) جس کی اولاد پیدا ہو کر مرجاتی ہو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاہدہ کرے کہ جو لڑکا پیدا ہوگا اس کا نام محمد رکھے گا تو وہ لڑکا عمر دراز پائے گا۔
(۴) جس طعام میں محمد نام والے شخص کو شریک کرکے کھایا جائے اس طعام میں برکت ہوگی۔
(۵) جس معاملہ میں محمد نام والے شخص سے مشورہ لیا جائے اس کام میں برکت ہوگی۔

سلطان محمود کا ادب رسول

مجمع اللطائف میں ہے کہ ایاز کے بیٹے کا نام محمد تھا اور محمود غزنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ہاں ملازم تھا ایک دن محمود پاخانہ میں جا رہا تھا تو فرمایا کہ ایاز کے بیٹے سے کہو پانی لائے۔ ایاز نے جب یہ بات سنی تو متفکر ہوا کہ نہ معلوم میرے لڑکے سے کون سا گناہ سرزد ہوا کہ آج بادشاہ نے اس کے نام کے بجائے پسر ایاز سے یاد کیا۔ بادشاہ وضو کرکے جب فارغ ہوا تو ایاز کو متفکر پایا۔ کہا کہ آج میں تجھے غمگین پاتا ہوں اس کی کیا وجہ ہے؟ ایاز

---

[1] فقیر اویسی غفرلہ کا تجربہ ہے کہ حاملہ عورت کے پیٹ پر چالیس روز تک بلاناغہ انگلی سے شوہر مندرجہ ذیل عبارت لکھے تو ان شاء اللہ لڑکا پیدا ہوگا:
ان کان هذا ولدًا فاسمیه محمدًا۔
پھر بچے کا نام محمد رکھا جائے اور میلاد شریف بھی کیا جائے۔ تفصیل کے لیے فقیر کی کتاب "شہد سے میٹھا محمد نام" دیکھیے۔ اویسی غفرلہ

نے نیاز بجا لا کر کہا کہ آپ نے آج میرے بیٹے کے نام کے بجائے لیسرا یاز کہا اس سے مجھے فکر لاحق ہوئی ہے کہ اس نے کہیں آپ کی شان میں گستاخی نہ کی ہو۔ تبسم کر کے بادشاہ نے کہا اے ایاز! وجہ یہ تھی کہ میں بے وضو تھا، بے وضو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام لینا گوارا نہ تھا اور شرم محسوس کی کہ آقا کے نام کو بلا وضو زبان پر لاؤں۔ چونکہ یہ نام آقائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کا نشان ہے اسی لیے ہمیشہ وضو کر کے لیتا ہوں[1] ۔

ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب
ہنوز نام تو بردن ادب نمی دانم

ترجمہ: اگرچہ مشک وگلاب سے ہزار بار اپنا منہ دھوؤں تب بھی محبوب کا نام لینا ادب کے خلاف سمجھتا ہوں۔

اسمِ محمد چومنے کی برکت

مروی ہے کہ ایک بنی اسرائیلی ایک سو سال غلط کاریوں میں مبتلا رہا جب مرا تو اسے گھسیٹ کر مزبلہ پر پھینک دیا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو پیام بھیجا کہ اسے نہلا دُھلا کر اس کی نمازِ جنازہ پڑھیے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: یا الٰہ العالمین! تمام بنی اسرائیل گواہی دیتے ہیں کہ اس نے ایک سو سال نافرمانیوں میں گزارا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بات واقعی ایسے ہی ہے لیکن اس کا ایک کام مجھے پسند آگیا ہے کہ تورات کھول کر جونہی اسمِ محمد کو دیکھتا تھا اسے چوم کر آنکھوں سے لگاتا تھا اس کے بدلے میں میں نے اسے بخش دیا اور ستر حوریں اس سے بیاہ دیں[2]۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! جہاں چاہو جاؤ تم منصور (فتح یاب) ہو گے۔

ابا احد (کسی ایک کے باپ نہیں)

شانِ نزول

جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی زینب کی عدت ختم ہونے پر ان سے نکاح کیا تو منافقین نے شور مچایا کہ بہو سے نکاح حرام ہے تاہم نبی علیہ السلام نے حرام فعل کا ارتکاب کیا ہے (نعوذ باللہ)۔ اہلِ عرب کے دستور کے مطابق اُس وقت منہ بولے بیٹے کی زوجہ سے نکاح حرام سمجھا جاتا تھا اللہ تعالیٰ نے اس قانون کو تبدیل کرتے ہوئے ان کے رد میں یہی آیت نازل فرمائی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایک کے باپ نہیں مِنْ رِّجَالِكُمْ تمہارے مردوں میں یعنی نسب و ولادت کے

---

[1] مزید واقعات دیکھیے فقیر کی کتاب "باادب بانصیب" میں۔
[2] تاریخ الخمیس، خصائص کبریٰ وغیرہ۔ اس کی مزید تفصیل فقیر کے رسالہ "انگوٹھے چومنے کا ثبوت" میں دیکھیے۔
اویسی غفرلہٗ

ہوگا۔ جب مردوں میں کسی ایک کے باپ نہیں تو پھر ان کے اور حضرت زید کے درمیان حرمت مصاہرت کیسی۔
سوال: آپ کے تین بیٹے طاہر، قاسم، ابراہیم تو تھے پھر ابوت کی نفی کیوں؟
جواب: وہ سن رجولیت کو نہیں پہنچے تھے اس لیے کہ رجل اسے کہتے ہیں جو سن بلوغ کو پہنچے۔ آپ کے صاحبزادے سن بلوغ تک پہنچنے سے پہلے فوت ہو گئے۔ اور اگر وہ سن بلوغ تک پہنچ بھی جاتے تب بھی رجالکم سے ہوتے یہ حکم پھر بھی اپنے عموم پر رہے گا۔
سوال: حضرت حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی حضور علیہ السلام کے بیٹے کہلاتے تھے۔
جواب: وہ مجازاً بیٹے کہلاتے تھے۔ علاوہ ازیں آیت کے نزول کے وقت وہ نابالغ بچے تھے۔
ف: الاسئلۃ المفحمہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل سے معلوم تھا کہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی نرینہ اولاد کا سلسلہ نہیں چلے گا بلکہ آپ کی صاحبزادی کا سلسلہ جاری ہوگا۔ اسی لیے فرمایا من رجالکم۔ اس معنے پر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہوگا کہ جیسے آپ نے فرمایا ویسے ہی ہوا۔
ف: صحیح یہ ہے کہ آپ کے صرف تین صاحبزادے تھے،

(۱) قاسم

اسی نام سے آپ کی کنیت ابوالقاسم تھی کیونکہ یہی پہلے پیدا ہوئے تھے۔ دو سال کے بعد بعثت سے پہلے مکہ معظمہ میں فوت ہوئے۔

(۲) عبداللہ

انہیں الطیب، الطاہر بھی کہا جاتا ہے یہ بعثت کے بعد رضاع کے دور میں مکہ معظمہ میں فوت ہوئے۔ اور یہ دونوں (قاسم وعبداللہ) بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئے۔

(۳) ابراہیم

یہ بی بی ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت ذی الحجہ ۸ھ میں ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتویں دن ان کا عقیقہ کیا اور دو دنبے ذبح کیے اور سر منڈوایا اور بالوں کے برابر چاندی مسکینوں میں صدقہ کی اور حکم فرمایا کہ ان کے بال دفن کیے جائیں۔ حضرت ابراہیم مدت رضاعت میں اٹھارہ ماہ کے ہو کر فوت ہوئے اور بقیع میں دفن ہوئے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر کے کنارے بیٹھے، قبر پر پانی چھڑکا اور قبر پر ایک نشان لگوایا اور تلقین بھی فرمائی۔ تلقین کے الفاظ یہ ہیں:

یا بنی قل اللہ ربی ورسول اللہ ابی والاسلام دینی۔

(اے بیٹے! کہو اللہ میرا رب ہے اور رسول اللہ میرے والد اور اسلام میرا دین ہے)

مسئلہ: اس سے بعض ائمہ نے ثابت کیا کہ چھوٹے بچوں سے بھی قبر میں سوال ہوگا اور مرنے کے بعد ان کی عقول کی تکمیل ہوتی ہے جس سے ان کی تلقین بھی مسنون ہے۔

(۲) بعض ائمہ نے فرمایا کہ چھوٹے بچوں سے قبر میں سوال نہ ہوگا اس لیے کہ سوال صرف بالغین سے مخصوص ہے۔

قاعدہ: امام سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تلقین کی کوئی صحیح اور حسن حدیث نہیں، ہاں ضعیف روایات ہیں اور اس پر جملہ محدثین کا اتفاق ہے (وہابیہ دیوبندیہ اس قاعدہ کو پڑھ کر کچھ تو سمجھیں اگر حضور علیہ السلام کا نام سن کر انگوٹھے چومنے کی روایات ضعیف ہیں تو بھی قابلِ عمل ہیں جیسے یہ روایت ضعیف ہے لیکن ہے قابلِ عمل)[1]

بدعتِ حسنہ اسی لیے جمہور امت کے نزدیک تلقین بر قبر بدعتِ حسنہ ہے (غور کیجئے باوجودیکہ احادیثِ ضعیفہ سے تلقین ثابت ہے لیکن اسے بدعتِ حسنہ کہا جا رہا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ محدثین اپنی اصطلاح میں جس مسئلہ کے لیے بدعت کہہ دیں ضروری نہیں کہ وہ واقعی بدعت ہو) عزّ الدین بن عبد السلام کا بھی یہی فتویٰ ہے (تلقین مستحب ہے) ابن الصلاح اور اس کی تبع میں نووی نے اسے مستحب کہا ہے اس لیے کہ یہ حدیث ضعیف سے ثابت ہے اور احادیث ضعیفہ پر فضائلِ اعمال میں عمل کرنا جائز ہے۔ (یہ قاعدہ ہم اہلسنت بتائیں تو وہابی دیوبندی نہ مانیں لیکن انہیں چاہیے کہ اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ کی تو مانیں) یہاں پر امام سبکی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اپنے صاحبزادے کے بارے میں تلقین النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی اصل نہیں یعنی حدیث صحیح یا حسن نہیں۔ کذا فی انسان العیون۔ سوال قبر اور تلقین کی بحث سورۂ ابراہیم میں آیہ یثبت اللہ الذین اٰمنوا کے تحت گزری ہے۔

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ الرسول' المرسل کا ایک معنیٰ ہے ارسلت فلانا فی رسالۃ فھو مرسل ورسول۔

ف: القہستانی میں ہے الرسوْل' فعول کے وزن پر ہے۔ مرسل کے معنے میں مبالغہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ المفعل بروزن بضم المیم وفتح العین بمعنے ذی رسالۃ، یہ الارسال کا اسم ہے اور اس وزن پر صیغہ اسی باب سے اسی معنی کے لیے بہت کم واقع ہوتا ہے۔

رسول کی شرعی تعریف شریعت میں ہے ھو من بعث لتبلیغ الاحکام ملکا کان او انسانا (رسول وہ ہے جو تبلیغ احکام کے لیے مبعوث ہوں وہ فرشتہ یا انسان)

---

[1] اس مسئلہ کی تحقیق کے لیے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی تصنیف "منیر العین" ملاحظہ ہو۔ اویسی غفرلہٗ

رسول و نبی میں فرق رسول عام ہے فرشتہ ہو یا انسان ۔ اور نبی کی بھی وہی تعریف ہے جو مذکور ہوئی لیکن وہ مخصوص ہے صرف انسان کے لیے ۔ فرشتے کو نبی نہیں کہا جاسکے گا۔ یہی فرق اہل اسلام کا معتمد علیہ ہے ۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور ہر رسول اپنی امت کا معنوی باپ ہوتا ہے لیکن حقیقی باپ کے لحاظ سے نہیں بلکہ مجازی معنے پر' بمعنے شفیق و ناصح ' اور ان کی ابدی حیات کا سبب، اسی معنے پر ان کی طاعت واجب ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ہر نبی علیہ السلام کی ازواج اُمّت پر حرام ہوتی ہیں اس لیے کہ وہ امت کی مائیں ہوتی ہیں اور یہ بھی تعظیم و تکریم میں داخل ہے ۔

اس تقریر سے ثابت ہوا کہ جب زید حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے کوئی تعلق ولادت نہیں رکھتے اور ہیں بھی رجل من رجالکم ، تو پھر ان کی زوجہ سے اگر نبی علیہ السلام نے نکاح کر لیا تو کون سا حرج ہوا۔ باقی رہا متبنّیٰ ہونا یہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا سوائے اس کے کہ اسے بوجہ قرب و اختصاص کے منہ بولا بیٹا کہا گیا ہے ورنہ اسے نسب سے تو کوئی تعلق نہیں ۔

نکتہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کو ہمارا باپ اس لیے نہیں کہا کہ اگر باپ کہتا تو جیسے آپ کی ازواج اُمّت پر حرام ہیں ایسے ہی امت کی بیٹیوں کا آپ کے ساتھ نکاح ناجائز ہوتا اس لیے کہ اُمّت اولاد ہو جاتی اور اولاد کے ساتھ نکاح ناجائز ہوتا ہے حالانکہ نبی پر اُمّت کی بیٹیوں سے نکاح جائز ہونا چاہیے ۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ اگرچہ ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے ابوّت کی نفی فرمائی ہے لیکن حضور علیہ السلام امت پر باپ سے بھی زیادہ شفیق اور رحیم و کریم ہیں ۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

حدیث شریف انا لکم مثل الوالد لولدہ ۔

(میں تمہارے لیے بمنزلہ باپ کے ہوں)

ف : علماء کرام نے فرمایا ، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُمّت پر باپ سے زیادہ شفیق تھے ۔

نکتہ : حضور علیہ السلام کو اُمّت کا باپ نہ کہنا اللہ تعالیٰ کے اسرار نہانی میں سے ایک اعلیٰ راز ہے وہ یہ کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ جباری و قہاری دکھائے گا تو ہر ایک کے رشتے اور نسب منقطع ہو جائیں گے یہاں تک کہ باپ بیٹے سے بھاگے گا ۔ کما قال :

یوم یفر المرء من اخیہ و امہ و ابیہ و صاحبتہ و بنیہ ۔

مثلاً حضرت آدم علیہ السلام سب کے باپ ہیں تو وہ بھی کہیں گے اے الٰہ العالمین! مجھے چھوڑ دے میری اولاد جانے اور تو۔ ایسے ہی نوح علیہ السلام، ایسے ہی ابراہیم علیہ السلام، ایسے ہی موسیٰ و عیسیٰ و دیگر پیغمبرانِ عظام علیہم السلام کہیں گے۔ قیامت کی سختی سے تمام انبیاء علیہم السلام نفسی نفسی پکاریں گے اور اپنی اولاد اور اُمت سے دُور بھاگیں گے اور اپنی نجات کے لیے اللہ تعالیٰ سے بار بار عرض کریں گے لیکن ایک محمد عربی مصطفےٰ مدنی صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے جو رحمت و شفقت کے طور کہیں گے "یا اللہ! میری اُمت کمزور اور عاجز و ضعیف ہے۔ عذاب کی طاقت اور عقاب کی قوت کی حامل نہیں ہے تو اس پر رحم فرما اور اسے بخش دے اور اس کے بدلے میں میرے ساتھ جو کچھ کرنا ہے کرلے۔"

اسی معنے پر جب باپ بیٹے سے رشتہ منقطع کرلے گا بلکہ باپ بیٹے سے بیٹا ہونے کا انکار کرے گا۔ بس ایک یہی کریم ہوگا جو سب کو گلے لگائے گا اور اتنی شان و قدر بڑھائے گا کہ دوسری اُمتوں کے لیے انہیں گواہ بنایا جائے گا۔ کما قال:

لتكونوا شهداء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيدا۔

وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ عاصم نے بفتح التاء پڑھا ہے بمعنے ختم کا آلہ یعنی وہ شے جس کے ساتھ مُہر لگائی جائے جیسے طابع بمعنے ما یطبع بہ (وہ شے جس سے مہر لگائی جائے)

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہ ذات ہیں جس سے انبیاء علیہم السلام کی نبوت پر مُہر لگا دی گئی کہ ان کے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا آپ پر نبوت ختم ہو گئی۔ اور دوسرے قراء نے اسے بالکسر پڑھا ہے بمعنے نبیوں کے خاتم۔ پہلے اور اس دُوسرے کا ایک ہی مطلب ہے۔ المفردات میں ہے کہ آپ اس لیے خاتم النبیین ہیں کہ آپ کے تشریف لانے سے ہر قسم کی نبوت ختم ہو گئی۔ (مرزا قادیانی کی ظلی بروزی نبوت کا دعویٰ خرافات ہیں) اگر آپ کا کوئی صاحبزادہ سنِ بلوغ کو پہنچتا تو آپ خاتم النبیین نہ ہوتے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ اگر ابراہیم حضور کا صاحبزادہ زندہ رہتا تو نبی ہوتا۔ یہ اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کی اولاد نبوت کی وراثت سنبھالتی رہی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ان پر احسانِ عظیم تھا لیکن ہمارے حضور علیہ السلام کے وارث آپ کی امت کے علما و باعمل ہیں لیکن از روئے ولایت آپ کے خاتم ہونے کی وجہ سے وراثت ختم ہو گئی۔

سوال: عیسیٰ علیہ السلام قربِ قیامت میں تشریف لائیں گے۔ اس اعتبار سے حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام خاتم النبیین نہ ہوئے۔

جواب: چونکہ وہ ایک اُمتی ہونے کی حیثیت سے نازل ہوں گے اس لیے آپ کی ختم نبوت میں فرق

نہیں آتا اور وہ حضور علیہ السلام کے نائب ہو کر احکام اسلام کی ترویج فرمائیں گے۔ یہ ایسے ہے جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور علیہ السلام نے فرمایا :

انت منی بمنزلۃ ھارون من موسٰی الا انہ لا نبی بعدی۔

(اے علی ! تم میرے ایسے نائب ہو جیسے ہارون علیہ السلام موسٰی علیہ السلام کے نائب تھے صرف یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے)

اسی معنی پر عیسٰی علیہ السلام نبی بن کر نہیں آئیں گے جیسے وہ پہلے زمانے میں نبی تھے ہاں حضور علیہ السلام کی شریعت پر نازل ہوں گے یہی وجہ ہے کہ وہ کعبہ معظمہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں گے۔ گویا آپ کے ایک امتی ہوں گے اس دوران نہ ان پر وحی نازل ہو گی نہ جدید احکام جاری فرمائیں گے بلکہ وہ حضور علیہ السلام کے خلیفہ اور نائب ہوں گے۔

سوال : احادیث میں وارد ہے کہ جب قرب قیامت میں عیسٰی علیہ السلام تشریف لائیں گے تو صلیب توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے حلال میں اضافہ فرمائیں گے اور کافروں سے جزیہ اٹھا لیں گے اور صرف اسلام قبول کریں گے۔

جواب : یہی احکام شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ہیں لیکن ان کا ظہور عیسٰی علیہ السلام کے زمانۂ اقدس میں ہو گا اس لیے کہ ان احکام کو انہی کے زمانہ سے مقدر فرمایا گیا تھا۔

ف : خاتم النبیین میں اشارہ ہے کہ آپ امت کے شفیق ہیں اور امت پر ان کی تعظیم ضروری ہے اس لئے کہ جس کے بعد اور نبی آنے والا ہو تو وہ بعض احکام اسی کے لیے چھوڑ دیتا ہے کیونکہ وہ اس آنے والے نبی کے لیے مقدر ہوتے ہیں۔ جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو وہ اپنی امت کے لیے شفیق تر ہے اور وہ ہر طریقے سے ان کی رہبری فرماتا ہے ؂

شمسۂ نہ مسند و ہفت اختران
ختم رسل خواجۂ پیغمبران

ترجمہ : نو مسند اور سات ستاروں کے سورج، رسل کے خاتم، پیغمبروں کے سردار۔

(نظم)

۱ احمد مرسل کہ نوشتہ قلم
حمد بنام وی و ختم ہم

۲ چون شدہ او مظہر اللہ نہاد
در رہ ارشاد وجودش نہاد

جملۂ اسباب ہدی از خدا
کرد بتقریرِ بدیعش ادا

ترجمہ: (۱) وہ احمد مرسل کہ جس وقت قلم نے ان کا نام لکھا تو حمد اور حرم ان کے نام سے منسوب ہوئی۔
(۲) آپ اللہ ہادی کے مظہر ہیں راہِ ہدایت وارشاد میں آپ کا وجود مظہرِ حق ہے۔
(۳) ہدایت کے جملہ اسباب اللہ تعالیٰ سے ہیں جسے آپ کی ادا نے بہتر طریق سے واضح کیا۔
وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ اور وہ ہر شے کو جانتا ہے اس کے علم میں تھا کہ حضور علیہ السلام خاتم النبوۃ ہوں گے۔ یہ اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا تھا۔

مسئلہ: ابن کثیر نے لکھا کہ حضور علیہ السلام کا خاتم ہونا نصِ قطعی ہے جب آپ کے بعد کوئی نبی نہیں تو رسول کا نہ ہونا بطریقِ اولیٰ ثابت ہوا اس لیے کہ مقامِ رسالت مقامِ نبوت اخص ہے اس لیے ہر رسول نبی ہوتا ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔

فضائل سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ آپ کو رسول بنا کر بھیجنا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے پھر انہیں خاتم النبوۃ کے مرتبہ سے مشرف فرمایا، اور اپنی کتاب میں درج فرمایا اور احادیث متواترہ میں بتایا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور کوئی بعد کو نبوت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا، بہتانی، دجال، گمراہ اور گمراہ کنندہ ہے (جیسے مرزا قادیانی وغیرہ) اگرچہ خرقِ عادت کے طور جھوٹے معجزے اور شعبدے دکھائے اور قسم قسم کے جادو اور طلسم اور رنگا رنگ بازی دکھائی اس لیے کہ ان امور سے نبوت ثابت نہیں ہوتی بلکہ اہلِ دانش کے نزدیک گمراہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اسود عنسی کے ذریعے یمن میں اور مسیلمۃ الکذاب سے یمامہ میں احوال فاسدہ و اقوال باردہ ظاہر فرمائے لیکن اسے اہلِ علم اور دانشمندوں نے سراسر جھوٹ اور کذب کہا اللہ تعالیٰ کی ان پر لعنت ہو۔ اسی طرح ہر جھوٹے مدعی نبوت پر قیامت تک لعنت ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مسیح دجال بہت بڑے امورِ خرقِ عادت کے طور پر دکھائے گا تب بھی علماء اور جملہ اہلِ ایمان اس کی تکذیب کریں گے۔

کافروں کے لیے ختمِ نبوت کی تمثیل جب آیہ خاتم النبیین نازل ہوئی تو کافروں نے کہا کہ نبوت کا دروازہ کیسے بند ہوگیا۔ حضور علیہ السلام نے انہیں مثال دے کر سمجھایا تاکہ وہ اسے اچھی طرح سمجھ سکیں۔ چنانچہ فرمایا کہ میری اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی مثال اس شخص کی ہے جس نے ایک بلڈنگ بنائی اسے اچھی طرح سنوارا لیکن اس نے ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ لوگ اس بلڈنگ کے ارد گرد پھیرے لگا کر اس کا زیب وزینت دیکھ کر تحسین و آفرین پڑھی۔ لیکن کہا کہ

اگر ایک اینٹ والی جگہ خالی نہ ہوتی تو مکان بے نظیر تھا سمجھو تو اسی اینٹ کی مثال میری ہے اور میں ہی خاتم النبیین ہوں۔

شیعہ کا جھوٹا عقیدہ شیعوں کا ایک فرقہ ہے جو کہتا ہے کہ نبوت تا قیامت جاری رہے گی۔ یہ وہ اثنا عشری پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پھر ان کے بعد آپ کی اولاد کو اسی لیے لوگوں پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت فرض ہے اور جو ان کی اطاعت سے انکار کرے گا وہ ان کے نزدیک کافر ہے۔ (ہمارے دور کے شیعہ بھی اسی عقیدہ کے پیروکار ہیں کہ صحابہ کرام بالخصوص حضرت ابوبکر و عثمان و عائشہ و معاویہ وغیرہم رضی اللہ عنہم کو کافر کہتے ہیں۔ تفصیل فقیر اویسی غفرلہ کی کتاب "آئینہ شیعہ مذہب" میں ہے)

اہل سنت والجماعت کا سچا عقیدہ اہل سنت والجماعت (کثرہم اللہ تعالیٰ) کا عقیدہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ کما قال:

ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین۔

اور حضور علیہ السلام نے فرمایا:

لا نبی بعدی۔

مسئلہ: جو حضور علیہ السلام کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے وہ کافر ہے اس لیے کہ اپنے اس جھوٹے دعوے میں نص قطعی کا منکر ہے۔ اسی طرح جو شخص ختم نبوت کے متعلق شک کرے یا منکر کے کفر میں شک کرے وہ کافر ہے اس لیے حق اور باطل کا امتیاز واضح ہو چکا ہے۔

مسئلہ: جو حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ باطل ہے اور اس کے کفر میں کسی قسم کا شک نہیں۔

حکایت حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تو امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فتویٰ جاری فرمایا کہ جو اس جھوٹے مدعی سے معجزہ کا طالب ہوگا وہ بھی کافر ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: لا نبی بعدی۔ (کذا فی المناقب الامام)

ف: حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ نے الفتوحات المکیہ میں لکھا کہ نماز میں نمازی اپنے اوپر سلام نماز کے وقت حرف عطف نہیں لاتا، مثلاً صرف السلام علیک فانی ان قال السلام علینا الخ کہتا ہے والسلام علینا نہیں کہتا اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر واؤ عاطفہ لائی جاتی تو اس میں وہم گزرتا کہ وہ اپنے اوپر بحیثیت نبوت کے سلام عرض کر رہا ہے حالانکہ نبوت کا وہم بھی نہیں کیا جا سکتا اور نبوت کا دروازہ قیامت تک

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کے ذریعے سے بند کر دیا۔

ردّ وہابیہ دیوبندیہ اس سے ثابت ہُوا کہ ہمارے اور نبی علیہ السلام کے درمیان کوئی مناسبت نہیں اس لیے کہ وہ ایسے مرتبہ پر ہیں جہاں ہمارا پہنچنا ممتنع ہے اسی لیے ہم صرف السلام علینا کہہ سکتے ہیں السلام علیک پر عطف سے والسلام علیک نہیں کہہ سکتے اور مقام بلندی وہ بلند مقام ہے کہ جہاں کا داخلہ ہم سب کے لیے ممنوع ہے اور ہم صرف دُور سے ایسے دیکھ سکتے ہیں جیسے ہم زمین سے ستاروں کو اور اہلِ بہشت اعلیٰ علیین والوں کو دیکھتے ہیں۔

حکایت سیدنا بایزید بسطامی قدس سرہٗ کو مقام نبوت کی تجلی سے سُوئی کے ناکہ برابر کچھ نصیب ہوا تو جل کر راکھ ہو گئے اگرچہ انہیں اس مقام میں داخل ہونے کا موقعہ بھی نہ ملا۔

تقریرِ ختم نبوت از جامی قدس سرہٗ مولانا عارف جامی قدس سرہٗ نے شرح فصوص الحکم میں فرمایا کہ حضور علیہ السلام کے بعد تشریعی وغیر تشریعی ہر کام کا کوئی نبی نہیں آسکتا تشریعی وہ نبی ہو سکتا ہے جو مستقل نبوت رکھتا ہو احکام خداوندی کسی کی متابعت میں نہ لائے بلکہ براہِ راست اسے اللہ تعالیٰ سے احکام شرعیہ ملے ہوں جیسے موسیٰ و عیسیٰ و حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ اور غیر تشریعی وہ ہے جو سابق نبی علیہ السلام کے احکام شرعیہ کی متابعت میں اظہارِ نبوت فرمائے جیسے بنی اسرائیل کے بعض انبیا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے احکام شرعیہ کے اجزا کے پابند تھے (اس سے قادیانی دجال کا رد ہو گیا جو اپنی نبوت تشریعی کا جھوٹا مدعی ہے)

مسئلہ: اس سے ثابت ہُوا کہ ہر طرح کی نبوت و رسالت کا سلسلہ تا قیامت منقطع ہے رسول خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم۔ ہاں لغوی لحاظ سے جسے ابناء الحق و اسمائہ و صفاتہ و اسرار الملکوت والجبروت و عجائب الغیب تعبیر کیا جاتا ہے وہ قیامت تک جاری رہے گا کیونکہ یہ سلسلہ ولایت ہے اور اس لغوی ابناء کا نام الہام ہے اس لیے ولایت نبوت کی طرح حق تعالیٰ سے اتصال کا دوسرا نام ہے اور تا قیامت جاری رہے گا۔

(مرزائی اس قسم کی عبارات پیش کر کے قادیانی کذاب کی نبوت ثابت کرتے ہیں حالانکہ یہ مسلّم مسئلہ ہے اس سے کس کو انکار ہے ہمیں تو قادیانی کی نبوت کے دعوے کا ہے اور اس کی ان اصطلاحات کا جو نبوت سے مخصوص ہیں مثلاً اپنی ازواج کو اُمہات المومنین اور ساتھیوں کو صحابی وغیرہ کہلوانا اور اپنے کو نبی وغیرہ۔ اگر وہ صرف الہام کا مدعی ہوتا اور اصطلاحاتِ نبوت اپنے اُوپر رائج نہ کرتا تو ممکن ہے ہم اسے ولی اللہ مان لیتے۔ لیکن جب اس نے حد سے تجاوز کیا تو ہم اسے دجال و کذاب و لعین و رجیم کہتے ہیں بلکہ اس سے بھی

بڑھکر۔ اویسی غفرلہٗ)

فقیر (اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو نور تھے :

ردِّ وہابیہ

۱۔ نورِ نبوت

۲۔ نورِ ولایت

جب وہ اس عالم سے عالم برزخ کی طرف منتقل ہوئے تو نورِ نبوت آپ کی شریعت مطہرہ میں منتقل ہوا" جو بفضلہٖ تعالیٰ آپ کی شریعت پائندہ ہے اور آپ بحمدہٖ تعالیٰ ہمارے ہاں تاحال زندہ ہیں آپ پر موت وارد ہوئی لیکن پھر تا قیامت زندہ ہیں (تفصیل فقیر کے رسالہ "حیات الانبیاء" میں دیکھئے)[1]

---

[1] حیات الانبیاء، کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام اجساد طاہرہ کے ساتھ زندہ بہ حیاتِ حسیہ ہیں۔ اس کے دلائل فقیر کی کتاب "حیات الانبیاء" میں ہیں۔ یہاں حدیث رد اللّٰہ علیّ روحی سے بعض لوگ شبہ کرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ میری توجہ درود شریف پڑھنے والے کی طرف متوجہ کرائی جاتی ہے کیونکہ حدیث میں رد اللّٰہ علیّ روحی حال واقع ہو رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ باقی روایات میں "قد" مقدر ہے۔ علامہ خفاجی نے "شرح شفا" میں سہیل سے نقل کیا ہے کہ الّا کے بعد "قد" مقدر کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ماضی الّا کے بعد قد کے بغیر بھی حال واقع ہو سکتا ہے۔ اب حدیث شریف کا معنیٰ یہ ہوگا کہ کوئی بندہ مجھ پر درود نہیں بھیجتا مگر اس حالت میں کہ اللّٰہ تعالیٰ نے میری روح کو رد کر دیا ہوتا ہے، تو میں سلام کا جواب دیتا ہوں رد روح کی حالت کا استثنا اس لیے کیا گیا ہے کہ روح کا لوٹانا موقوف علیہ ہے سلام کے جواب کے لیے۔ اور موقوف علیہ موقوف پر مقدم ہوتا ہے۔ اور روح کے لوٹانے کے بعد انمی حیات نہ ہوگی نہ کہ روح پھر سلب کر لی جائے گی۔

دوسرے جوابات معنیٰ سے تعلق رکھتے ہیں جو علمائے حقانی نے متعدد وجوہ سے بیان فرمائے ہیں۔ مثلاً :

(۱) علامہ قسطلانی رحمہ اللّٰہ تعالیٰ مواہب اللدنیہ میں فرماتے ہیں :

منها ان ذٰلك عبارة عن اقبالٍ خاصٍ والتفاتٍ روحانيٍ يحصل من الحضرة النبويه الى عالم الدنيا وقوالب الاجساد الترابية وتتنزل الى دائرة البشريه حتىٰ يحصل عند ذٰلك رد السلام وهذا الاقبال يكون عامًا شاملا حتى لو كان المسلمون اكثر من الفِ الفِ الفٍ لوسعهم ذٰلك الاقبال النبوى والالتفات الروحانى ولقد رأيت ما لا استطيع ان اعبر عنه ولقد احسن من سئل

(باقی بر صفحہ ۷۱)

قطبِ زمان حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ ولایت قطب الاقطاب کے قلب کی طرف منتقل ہوتا ہے یعنی قطب الاقطاب میں نورِ ولایت کا ظہورِ تام، وہ نورِ ولایت نبوی کا آئینہ ہوتا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کیف یرد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی من یسلم علیہ من مشارق الارض ومغاربہا فانشد قول ابی الطیب:

کالشمس فی وسط السماء ونورھا
یغشی البلاد ومشارقا ومغاربا

ولا ریب ان حالہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی البرزخ افضل واکمل من حال الملائکۃ ھذا وسیدنا عزرائیل علیہ السلام یقبض مائۃ الف روح فی اٰنٍ واحد ولا یشغلہ قبض عن قبض وھو مع ذٰلک مشغول بعبادۃ اللہ تعالیٰ مقبل علی التسبیح والتھلیل فنبیّنا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حیٌّ یصلی ویعبد ربہٗ ویشاھدہ لا یزال فی حضرۃ اقترابہ متلذذ بسماع خطابہ۔

(ترجمہ: ردّ روح کا معنی خاص توجہ اور روحانی التفات ہے جو دربارِ نبوی سے عالم دنیا اور عالم اجساد کی طرف حاصل ہوتی ہے حتیٰ کہ آپ سلام کا جواب دیتے ہیں۔ یہ توجہ عام اور شامل ہے حتیٰ کہ اگر سلام بھیجنے والے لاکھوں سے بھی زیادہ ہوں تو ان کے لیے کافی ہے۔ میں نے وہ کچھ دیکھا ہے کہ بیان نہیں کر سکتا۔ بعض حضرات سے جب پوچھا گیا کہ سلام بھیجنے والے تو مشرق و مغرب میں ہوتے ہیں تو آپ ان سب کو کس طرح جواب دیتے ہیں تو انھوں نے کیا خوب جواب دیا انھوں نے جواب میں متنبی کا شعر پڑھ دیا (جس کا معنی یہ ہے)

گو کہ سورج آسمانوں میں ہے اس کی روشنی مشرق و
مغرب تک شامل ہے سب کو بالیقین۔

بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال شریف عالم برزخ میں فرشتوں کے حال سے اعلیٰ اور اکمل ہے۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام آنِ واحد میں لاکھوں کی روحیں قبض کرتے ہیں۔ انھیں

(باقی بر صفحہ ۷۲)

اور وہ صرف ایک ہوتا ہے اور ہر زمانہ میں ہوتا ہے اسے قطب الوجود سے تعبیر کیا جاتا ہے اور وہی تجلی حق کا مظہر ہوتا ہے۔ قطب الارشاد بکثرت ہوتے ہیں اور وہ بھی تجلی علیمی کے مظاہر ہوتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۱)

اس میں کچھ رکاوٹ نہیں ہوتی۔ اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت تسبیح و تہلیل میں معروف رہتے ہیں۔ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں، نماز ادا کرتے ہیں، اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے قرب خاص میں رہتے ہیں اور اس کی کلام سے لطف اندوز ہوتے ہیں)

(۲) ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح شفا میں اس طرح توجیہ فرمائی ہے:

حیث قال والمعنی ان اللہ سبحانہ یرد روحہ الشریف استغراقہ المنیف لیرد علی مسلم والاظہر المعتقد المعتمد انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حی فی قبرہ کسائر الانبیاء فی قبورھم وھم احیاء عند ربھم وان لارواحھم تعلقا بالعالم العلوی والسفلی کما کانوا فی الحال الدنیوی فھم بحسب القلب عرشیون وباعتبار القالب فرشیون واللہ سبحانہ اعلم باحوال ارباب الکمال ھذا وقال الانطاکی یمکن ان یقال رد الروح کنایۃ عن اعلام اللہ تعالیٰ بان فلانا یسلم علیک اوعن علمہ علیہ السلام باحوال المسلم من بین الانام۔ انتہی

(ترجمہ: اللہ تعالیٰ آپ کی روحِ انور کو استغراق سے لوٹا دیتا ہے تاکہ آپ سلام بھیجنے والے کا جواب دیں ورنہ عقیدہ یہ ہے کہ آپ تمام انبیاء کی طرح اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ انبیائے کرام کی روحوں کا تعلق عالم بالا سے بھی ہوتا ہے اور عالم دنیا سے بھی، جیسے کہ دنیاوی حالت میں تھا۔ انبیاء کرام دلی طور پر عرشی اور جسمانی طور پر فرشی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اہل کمال کے حالات کو بہتر جانتا ہے۔ علامہ انطاکی فرماتے ہیں کہ ردّ روح کا معنیٰ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اطلاع دے دیتا ہے کہ فلاں شخص آپ کو سلام بھیج رہا ہے یا یہ کہ ردّ روح عبارت ہے سلام بھیجنے والے کے حالات کو مخلوق میں جان لینے سے)

(۳) علامہ اسماعیل حقی علیہ الرحمۃ تفسیر روح البیان میں آیہ کریمہ واذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منھا الآیۃ کے تحت فرماتے ہیں: (باقی صفحہ ۷۳ پر)

مسئلہ : ہدیۃ المہدیین میں ہے کہ ہم پر واجب ہے کہ ہم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور

(بقیہ حاشیہ ص ۷۲)
قال ارباب الحقیقۃ للروح اتصال بالبدن بحیث یصلی فی قبرہ و یرد علی المسلم علیہ وھو فی الرفیق الاعلی و مقرہ فی علیین ولا تنافی بین الامرین فان شان الارواح غیر شان الابدان وانما یاتی الغلط من قیاس الغائب علی الشاھد فیعتقد ان الروح مما یعہد من اجسام التی اذا شغلت مکانا لم یمکن فی غیرہ وقد مثل بعضھم بالشمس فی السماء وشعاعھا فی الارض کالروح المحمدی یرد علی من یصلی علیہ عند قبرہ دائما مع القطع بان روحہ فی اعلیٰ علیین وھو لا ینفک عن قبرہ کما قال علیہ السلام ما من مسلم یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام فان قلت ھل یلزم تعدد الحیاۃ من تلک وکیف یکون قلت یوخذ من ھذا الحدیث ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حیٌّ علی الدوام فی البرزخ الدنیوی لانہ محال عادۃ ان یخلو الوجود کلہ من واحد یسلم علی النبی علیہ السلام فی لیل او نہار فقولوا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رد اللہ علی روحی ای ابقی اللہ الحق لی شعور حیاۃ الحس فی البرزخ وادراک حواسی من السمع والنطق فلا ینفک الحس والشعور الکلی عن الروح المحمدی لیس لہ غیبۃ عن الحواس والاکوان لانہ روح العالم الکلی و سرہ الساری ۔

(ارباب حقیقت فرماتے ہیں کہ رُوح کا بدن کے ساتھ اس طرح تعلق ہوتا ہے کہ (بعض) قبروں میں نماز پڑھتے ہیں اور سلام کہنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں حالانکہ روح علیین میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہے۔ ان دونوں باتوں میں کچھ منافات نہیں کیونکہ ارواح اور بدنوں کے حالات الگ الگ ہوتے ہیں۔ غلطی اس لیے پیدا ہو جاتی ہے کہ غائب کو حاضر پر قیاس کر لیا جاتا ہے اور سمجھ لیا جاتا ہے کہ رُوح بھی بدن کی طرح ہے کہ جب بدن ایک مکان میں ہو تو دوسرے مکان میں نہیں ہو سکتا۔ بعض حضرات نے اس کی مثال سورج سے دی ہے کہ وہ آسمان میں ہے اور اس کی شعاعیں زمین پر ہوتی ہیں۔

(باقی برصفحہ آئندہ)

یقین کریں کہ وہ ہمارے رسول اور خاتم الانبیاء والرسل ہیں۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص رسول علیہ السلام کو رسول تو مانتا ہے لیکن خاتم النبیین نہیں مانتا اور نہ ان کے دین کو ناسخ الادیان مانتا ہے تو وہ مومن نہ ہوگا۔

مسئلہ: الاشباہ کی کتاب "السیر" میں ہے کہ جسے یہ معلوم نہ ہو کہ حضور علیہ السلام آخرالانبیاء ہیں وہ مسلمان نہیں اس لیے کہ یہ عقیدہ ضروریاتِ دین سے ہے۔

ف: آیت میں اشارہ ہے کہ آپ کا نسب مخلوق سے منقطع ہے اس لیے کہ الرجال سے آپ کی ابوت کی نفی کی گئی ہے۔ ہاں اس میں آپ کی آل واولاد کے نسب کا اثبات کیا گیا ہے۔

ف: من رجالکم میں اہل بیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر رشتہ داروں کی شرافت اور بزرگی کا اظہار ہے اس لیے کہ وہ عام مردوں کی طرح نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے مخصوص لوگ ہیں اس لیے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے خصوصی انعام سے نوازا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ قیامت میں ان کا حسب ونسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقطع نہ ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
کل حسب ونسب ینقطع الا حسبی ونسبی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۳)

جیسے کہ روح محمدی کی طرف سے ہمیشہ اس شخص کو جواب ملتا ہے جو آپ کی قبر انور کے پاس صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے حالانکہ آپ کی روحِ انور یقیناً اعلیٰ علیین میں ہے اور آپ اپنی قبر انور میں تشریف فرما ہوتے ہیں جیسے کہ آپ فرماتے ہیں کہ جو مسلمان بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے میری روح کو رد فرما دیا ہوتا ہے۔ اس لیے میں سلام کا جواب دیتا ہوں۔ اعتراض اس حدیث سے تو لازم آتا ہے کہ آپ کو بار بار زندگی دی جاتی یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جواب: اس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم برزخ میں زندہ ہیں کیونکہ یہ عادۃً محال ہے کہ کائنات میں دن رات میں کسی وقت کوئی بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجنے والا نہ ہو۔ لہٰذا رد اللہ علی روحی کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ برزخ میں جسمی حیات کا شعور بولنے اور سننے کی قوت باقی رکھتا ہے لہٰذا حس اور شعور کل روحِ محمدی سے جُدا نہیں ہوتے آپ حس اور کائنات سے غائب نہیں ہوتے کیونکہ آپ کائنات کی روح اور سر ہیں) اویسی غفرلہٗ

(جملہ حسب و نسب منقطع ہو جائیں گے سوائے میرے حسب و نسب کے)

یعنی اہل بیت کے ایک مرد سے نبی علیہ السلام کی نسل کا سلسلہ ختم ہوگا جو مہدی نبینا و علیہ السلام کے صلب سے ہوگا۔ مہدی علی نبینا و علیہ السلام خاتم الخلافۃ العامہ اور خاتم الولایۃ الخاصہ ہیں۔ اس سے لازم نہیں آتا کہ آپ کی نسل سے انبیاء بھی ہوں۔ ہاں اگر آپ کے بعد نبی ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ہوتے کیونکہ آپ نے خود فرمایا:

اے علی! تم میرے ایسے جانشین ہو جیسے ہارون موسیٰ علیہما السلام کے جانشین تھے۔

جب حضرت علی نبی نہیں ہو سکتے تو آپ کے صاحبزادے حسنین کریمین بھی نبی نہیں ہو سکتے اس لیے کہ والد سے افضل نہیں ہو سکتے۔

(ایسے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے بھی وارد ہوا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا)

نکتہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ در حقیقت حسب سے فقر اور نسب سے تقویٰ مراد ہے۔ جو شخص حضور علیہ السلام سے رابطہ قائم کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ فقر و تقویٰ کا دامن تھامے۔

نکتہ عیون الاجوبہ میں ہے کہ ہر کتاب (خط) کی صحت کا دارومدار مہر پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کو مہر کہا تاکہ معلوم ہو کہ محبت الٰہی کا دارومدار حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری پر ہے کما قال:

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی۔

اور ہر کتاب کی بزرگی مہر سے معلوم ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ہر محکمے کی تصدیق آپ پر موقوف ہوگی۔ کما قال تعالیٰ:

وجئنا بك علىٰ هٰؤلاء شهيدًا۔

جب کتاب الٰہی پر حضور علیہ السلام کی مہر لگائی گئی تو وہ کتاب تا قیامت رہنے کے قابل ہوگئی۔ جب نبوت کا اختتام آپ سے متعلق کیا گیا تو دوسرے انبیاء علیہم السلام کی نبوت اسی مہر سے مخصوص ہوئی۔ مثنوی شریف میں ہے:

۱ بہر این خاتم شد است او کہ بجود
مثل او نے بود و نے خواہند بود

۲ چونکہ در صنعت برد استاد دست
نے تو گوئی ختم صنعت بر تو است

ترجمہ :(۱) اس لیے آپ خاتم ہیں کہ آپ جیسا نہ کوئی وجود میں پیدا ہوا نہ ہوگا۔

(۲) جبکہ صنعت کے کاریگر نے آپ کو بنایا تو گویا آپ پر صنعت ختم ہے۔

نکتہ: جیسے مُہر لگانے کے بعد خط کو کوئی نہیں کھول سکتا سوائے مکتوب الیہ کے، ایسے ہی علوم قرآن کی حقیقت معلوم نہیں ہو سکتی جب تک حضور علیہ السلام اس کا مفہوم نہ بتائیں۔ ایسے ہی جب تک خزانے پر مُہر ثبت ہوتی ہے اس وقت تک اس خزانہ کو کھولنے کی کسی کو ہمت نہیں ہوتی جب تک خود خزانے کا مالک اسے نہ کھولے۔

ردِ وہابیہ دیوبندیہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید کتب سماویہ الٰہیہ کے جمیع علوم کا خزانہ ہے اللہ تعالٰی نے جواہر علوم الٰہیہ وحقائق لدنیہ کا مرکز قرآن مجید کو بنایا ہے اور اس کی مُہر اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ یہی وجہ ہے کہ مُہر نبوت دو کاندھوں کے درمیان میں تھی اس لیے کہ مُہر دروازہ کے باہر لگائی جاتی ہے تاکہ باطن اور اندر والی شے محفوظ ہو۔

حدیث قدسی میں ہے:

کنت کنزاً مخفیاً۔ (میں ایک مخفی خزانہ ہوں)

خزانہ کے لیے چابی اور مُہر ضروری ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم اس لیے کہا گیا کہ آپ خزانہ وجود کے خاتم ہیں اور آپ کا اسم گرامی فاتح بھی ہے اس لیے آپ کنز ازلی کی چابی ہیں آپ سے ہی خزانہ ازلی کھلا اور آپ سے ہی اس پر مُہر لگی۔ خزانہ کے اندر کے معلومات خاتم سے ہی معلوم ہو سکتے ہیں اور وہی خاتم چابی بھی ہے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا:

فاحببت ان اعرف۔

(پس میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں)

تو عرفان حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس پر فیض حسی سے عرفان الٰہی جملہ عالم کو معلوم ہوا اسی بنا پر اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم سے موسوم فرمایا اس لیے کہ بادشاہ کے خزانے پر مُہر لگانا محبت کی دلیل ہوتا ہے کہ جو کچھ خزانہ میں ہے وہ مالک کو بہت محبوب ہے۔

نکتہ در شانِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم مروی ہے کہ اللہ تعالٰی نے جملہ انبیاء علیہم السلام کی نبوت کو جمع کر کے ان سب کا معدن اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کو بنا کر اس پر مُہر نبوت رکھ دی تاکہ کوئی دشمن خدا نبوت میں راہ نہ پائے نہ نفسانی خواہش نہ غلبۂ ابلیس کو راہ ملے اور نہ ہی خطرات مذمومہ وہاں جا سکیں (مرزا قادیانی یا اس جیسے اور چوروں نے

مذموم حرکت کی تو انہیں منہ کی کھانی پڑی)

خصوصیت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مہرِ نبوت صرف حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئی۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام اس نعمت سے نہیں نوازے گئے۔ اسی وجہ سے وہ حضرات علیہم السلام ہواجس وخطرات سے خالی نہیں۔

نکتہ : مہرِ نبوت کو دل پر نہیں بلکہ کاندھوں پر رکھا گیا تاکہ اس کمال وشرف کو ہر ایک دیکھ کر آپ کے کمال و شرف کا اعتراف کر سکے اور وہ مہرِ نبوت کبوتر کے گھونسلے کی مانند تھی۔

نکتہ دیگر در مہرِ نبوت اور وسوسۂ شیطان کا طریق کار حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات میں ایک صفت یہی مہرِ نبوت تھی اور اسے دو کاندھوں کے درمیان میں رکھنے کی ایک وجہ یہ ہے جسے امام دمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب حیوٰۃ الحیوان میں لکھا ہے کہ بعض بزرگوں (ولیوں) نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ اسے شیطان کے وسوسہ ڈالنے کا طریقہ کار دکھایا جائے اللہ تعالیٰ انہیں شیطان کو ایک انسان کے دل پر وسوسہ ڈالنے کا طریقہ کار دکھایا کہ شیطان انسان کے اردگرد گھوما اور اس نے انسان کی شکل وصورت بلوری بنائی اور اس کے دونوں کاندھوں کے درمیان سیاہ تلوں کا ایک مجموعہ دکھایا گیا جو پرندوں کے گھونسلے کی صورت میں تھا وہ خناس خنزیر کی شکل میں نظر آیا جس کی ایک سونڈ منہ میں تھی تو پہلے وہ انسان کے اگردگرد گھوما، یہاں تک کہ دونوں کاندھوں کے درمیانی جگہ پر پہنچ کر اپنی سونڈ انسان کے قلب پر رکھ کر وسوسہ ڈالنے لگا۔ جب اس انسان نے اللہ کا ذکر کیا تو پیچھے ہٹ گیا اسی لیے اس خبیث کو خناس کا لقب دیا گیا۔ خناس یعنے اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹنے والا۔ اسے قلب سے ذکرِ الٰہی کا نور روشن نظر آتا ہے جس کے باعث وہ پیچھے ہٹتا ہے۔

مُہرِ نبوّت مہرِ نبوت زرّ الحجلۃ کی طرح تھی۔ زر بتقدیم الزّا المکسورہ علی الراء المشددہ بمعنے تکمہ (گھنڈی) جو پیراہن کے گریبان میں ہوتا ہے۔ اور الحجلہ بفتح الحاء والجیم بمعنے وہ گوشہ جہاں دُلھن کو بٹھایا جاتا ہے۔ اور زرالحجلہ ایک پرندے کو بھی کہا جاتا ہے جو کبوتر کے برابر ہوتا ہے اور اس کی چونچ اور دونوں پاؤں سُرخ ہوتے ہیں اسے جنگلی مُرغی کہا جاتا ہے۔ اور ترمذی میں ہے کہ زر اس کے انڈے کو کہتے ہیں۔ علامہ دمیری نے لکھا کہ صحیح تر یہی ہے کہ اس سے حَجَلۃ السریر مراد ہے جس کی جمع حجال آتی ہے جس کی تفصیل ہم نے اوپر لکھ دی ہے اور اس کے زر سے وہ شے مراد ہے جو مُہرِ نبوت کے اندر داخل تھا۔ مُہرِ نبوت کے گرد چند سبزی مائل بال تھے ان پر لکھا ہوا تھا، لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ۔ یا لکھا ہوا تھا، محمد نبی امین۔ یا اس کے علاوہ اور عبارات۔ چنانچہ

'السبعیات' میں ہے:

تبخیخ هیصود توجه حیث شئت فانك منصود۔

اے محبوب جاؤ جہاں چاہو تم منصور و فتح مند ہو۔

تطبیق روایات اگر کوئی سوال کرے کہ مُہرِ نبوت پر مختلف عبارات کیوں؟ (اس کا جواب صاحب روح البیان جناب اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ نے لکھا کہ) دراصل تعدد خطوط اور ان کا تنوع بحسب الحالات والتجلیات تھا یا دیکھنے والوں کو مختلف طریق سے عبارات نظر آتی تھیں۔

پچھنے لگوانے کی حکمت چونکہ دونوں کاندھوں کی درمیانی جگہ شیطان کے وسوسہ ڈالنے کا مدخل ہے اسی لیے حضور علیہ السلام امت کی تعلیم کے لیے اسی جگہ پر پچھنے لگواتے اور امت کو بھی حکم فرماتے بلکہ آپ کو اس کا حکم جبریل علیہ السلام نے سنایا کہ اس طرح سے یہ مادہ کمزور ہوگا تو شیطان وسوسہ نہ ڈال سکے گا، اس کے داخلے کا مرکز کمزور پڑ جائے گا۔ جیسے کسی جگہ سے خون کی آمدورفت ہو تو اسے کمزور کیا جائے تو خون کی آمدورفت بند ہو جائے گی ایسے ہی شیطان کا وسوسہ خون کی طرح کاندھے سے دل کی طرف آمدورفت رکھتا ہے جب وہ جگہ کمزور پڑ جائے گی تو وہ وسوسہ نہ ڈال سکے گا۔

حضور علیہ السلام کا قرین مسلمان ہوگیا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم وسوسۂ شیطان سے معصوم تھے اس لیے کہ آپ کا قرین مسلمان ہوگیا۔

چنانچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

اعاننی اللّٰه علیه فاسلم۔

(اللہ تعالیٰ نے مجھے قرین کو مغلوب کی مدد فرمائی اس لیے وہ مسلمان ہوگیا)

اور وہ اعانت اسی مُہرِ نبوت سے تھی اور آدم علیہ السلام کا قرین چونکہ مسلمان نہیں ہوا تھا اس لیے اس نے بحکمتِ ایزدی آدم علیہ السلام کے دل میں وسوسہ ڈالا۔

حضور علیہ السلام پر جادو[1] سفر السعادۃ میں ہے کہ جب یہودی نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا تو آپ کی ذاتِ اقدس پر بیماری کا اثر پڑا۔ آپ کے حکم سے آپ کے سرِ اقدس پر پچھنے لگائے گئے۔

---

[1] سحر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت بخاری شریف میں ہے۔ پرویز احادیث کا منکر ہے اس لئے اس نے سحر کا انکار کیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے فقیر کی کتاب "تنبیہ النبی فی سحر النبی"۔ اویسی غفرلہٗ

ف : ہر بیماری کے لیے پچھنے لگوانا مفید ہے۔ جو دین و ایمان سے کورا ہے وہی اس علاج کو غلط سمجھے گا۔

حدیث شریف
حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
پچھنے لگوانا سات بیماریوں کی شفا ہے :

(۱) جنون	(۲) دردِ سر
(۳) کوڑھ	(۴) برص
(۵) نعاس	(۶) وجع الفرس
(۷) آنکھوں کی بینائی کی کمزوری	

ف : سر کے درمیان یا دونوں کاندھوں کے درمیان گُدّی کی ہڈّی پر پچھنے لگانے سے نسیان پیدا ہوتا ہے۔

ف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو شخص دردِ سر کی شکایت کرتا تو آپ فرماتے : پچھنے لگواؤ۔ اگر آپ سے کوئی پاؤں کے درد کی شکایت کرتا تو آپ فرماتے : مہندی لگاؤ۔

مسئلہ : ہفتہ اور بدھ کے دن پچھنے لگوانا مکروہ ہے ہاں اگر خون کا غلبہ ہو تو بوجہِ ضرورت جائز ہے۔

مسئلہ : پچھنے لگوانے کا بہترین موسم بہار اور اس کی پندرہ کے بعد ۱۷، ۱۹، ۲۱ تاریخ ہے۔ بہتر ہے کہ تیسرے ہفتے کی درمیانی تاریخ کو پچھنے لگائے جائیں اس لیے کہ خون کا جوش انہی تواریخ میں ہوتا ہے۔

مسئلہ : ایامِ محاق میں پچھنے نہ لگوائے جائیں۔ (محاق ان دنوں کو کہا جاتا ہے جب چاند چھپ جاتا ہے)

مسئلہ : سخت گرمیوں اور سخت سردیوں میں پچھنے نہیں لگوانے چاہئیں۔ اس کا بہتر وقت طلوعِ شمس سے ضحیٰ تک ہے۔

مسئلہ : منہ نہار پچھنے لگوانا مستحب ہے اس لیے کہ اس میں شفا اور برکت زیادہ فی العقل والحفظ ہے۔ کھانا کھانے کے بعد پچھنے لگوانے سے نقصان ہوتا ہے، ہاں اگر کوئی خاص ضرورت ہو تو معمولی طور پر کچھ کھا لے۔

ف : پچھنے لگوانے سے ایک دن رات پہلے اور ایک دن رات پچھنے لگوانے کے بعد تک جماع نہیں کرنا چاہیے۔ پچھنے لگوا کر اسی روز غسل بھی نہ کیا جائے۔

ف : پچھنے لگوانے اور خون نکلوانے کے بعد نمکین غذا نہ کھائیے اس لیے کہ اس سے پھلسی پھوڑوں یا خارش کا خطرہ ہوتا ہے۔ ایسے ہی دودھ نہ پیئے اور وہ غذا بھی نہ کھائے جو دودھ سے تیار شدہ ہو۔

(باقی بر صفحہ ۸۱)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ هُوَ
الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ
رَحِيْمًا ۝ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۖۚ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ۝ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ
اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝
وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ۝ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ
وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ
الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ
فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْۤ
اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ
وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۫ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ
اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا
عَلَيْهِمْ فِيْۤ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ
غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْۤ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ
مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَاۤ
اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ۝ لَا يَحِلُّ
لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ وَلَاۤ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا
مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ۝

ترجمہ : اے ایمان والو! اللہ کو بہت یاد کرو اور صبح و شام اس کی پاکی بولو وہی ہے کہ درود بھیجتا ہے
تم پر وہ اور اس کے فرشتے کہ تمہیں اندھیرے سے اُجالے کی طرف نکالے اور وہ مسلمانوں پر مہربان ہے
ان کے لیے ملتے وقت کی دعا سلام ہے اور ان کے لیے عزت کا ثواب تیار کر رکھا ہے۔ اسے غیب

کی خبریں بتانے والے (نبی) بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف
اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب - اور ایمان والوں کو خوشخبری دو کہ ان کے لیے اللہ کا بڑا فضل ہے
اور کافروں اور منافقوں کی خوشی نہ کرو اور ان کی ایذا پر درگزر فرماؤ اور اللہ پر بھروسا رکھو اور اللہ بس ہے کارساز۔
اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو پھر انھیں بے ہاتھ لگائے چھوڑ دو تو تمہارے لیے
ان پر کچھ عدت نہیں جسے گنو۔ تو انھیں کچھ فائدہ دو اور اچھی طرح سے چھوڑ دو۔ اے غیب بتانے والے
(نبی) ہم نے تمہارے لیے حلال فرمائیں تمہاری وہ بیبیاں جن کو تم مہر دو اور تمہارے ہاتھ کا مال
کنیزیں جو اللہ نے تمہیں غنیمت میں دیں اور تمہارے چچا کی بیٹیاں اور پھپھیوں کی بیٹیاں اور ماموں کی
بیٹیاں اور خالاؤں کی بیٹیاں جنھوں نے تمہارے ساتھ ہجرت کی، اور ایمان والی عورت اگر وہ اپنی جان
نبی کی نذر کرے اگر نبی اسے نکاح میں لانا چاہے۔ یہ خاص تمہارے لیے ہے امت کے لیے نہیں۔ ہمیں
معلوم ہے جو ہم نے مسلمانوں پر مقرر کیا ہے ان کی بیبیوں اور ان کے ہاتھ کے مال کنیزوں میں۔ یہ خصوصیت تمہاری
تمہاری اس لیے کہ تم پر کوئی تنگی نہ ہو اور اللہ بخشنے والا مہربان۔ پیچھے ہٹاؤ ان میں سے جسے چاہو اور
اپنے پاس جگہ دو جسے چاہو۔ اور جسے تم نے کنارے کر دیا تھا اسے تمہارا جی چاہے تو اس میں بھی تم پر
کچھ گناہ نہیں۔ یہ امر اس سے نزدیک تر ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور غم نہ کریں اور تم انھیں جو کچھ
عطا فرماؤ اس پر وہ سب کی سب راضی رہیں، اور اللہ جانتا ہے جو تم سب کے دلوں میں ہے اور اللہ
علم و حلم والا ہے۔ ان کے بعد اور عورتیں تمہیں حلال نہیں اور نہ یہ کہ ان کے عوض اور بیبیاں بدلو اگرچہ تمہیں
ان کا حسن بھائے مگر کنیز تمہارے ہاتھ کا مال، اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔

(بقیہ صفحہ ۷۹)

مسئلہ: پچھنے لگوانے کے بعد سرکہ پینا مستحب ہے تاکہ جو پچھنے لگوانے سے جسم میں جوش پیدا ہوا ہے
وہ ختم ہو جائے اس کے بعد پچھنے کی جگہ پر شوربہ وغیرہ چھڑکے۔ اگر ممکن ہو تو پچھنے لگوانے کے بعد میٹھی چیز کھائے۔
کذا فی بستان العارفین واللہ الشافی وہو الکافی۔

تفسیر عالمانہ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ اے ایمان والو! اللہ کو یاد کرو جیسا کہ وہ
اہل ہے یعنی اس کی تہلیل و تحمید و تکبیر وغیرہا۔ ذکر یعنی کسی شے کا قلب یا زبان پر
حاضر کرنا، اور یہ نسیان کے بعد ہوتا ہے اور یہ ہے بھی عوام کے لیے۔ ورنہ خواص کا ذکر یہ ہے کہ وہ دائماً حضور

قلب و حفظ ہوتے ہیں اس لیے کہ انھیں نسیان از ذکرِ الٰہی ہوتا ہی نہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی ان کا ذکر ہر وقت ہوتا ہے ذِكْرًا كَثِيْرًا بہت زیادہ ذکر یعنی ہر وقت ذکر کرو رات ہو یا دن، سردی ہو یا گرمی، اور ہر مکان میں جنگل ہو یا دریا، زمین ہو یا پہاڑ۔ اور ہر حال میں حضر ہو یا سفر، صحت و عافیت ہو یا بیماری، سرّاً یا جہراً، کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر کروٹ پر اور طاعتِ الٰہی میں اخلاص اور قبولیت اور توفیق کا سوال ضروری ہے اور ہر وقت گناہوں سے بچنے کی آرزو کرنا چاہیے اور توبہ و استغفار کرنا لازمی ہے اور نعمتوں پر شکر اور تکالیف و مصائب میں صبر۔ خلاصہ یہ کہ ذکرِ الٰہی کی کوئی حد معلوم نہیں، باقی فرائض کی حد مقرر ہے۔ نہ ہی ذکر کے ترک کا کوئی عذر معقول ہے۔ ہاں جس کی عقل و فکر قائم نہ ہو اور وہ ذکر نہ کر سکے تو وہ مجبور ہے۔

ف : احوالِ ذاکرین ان کے ذکر کے متفاوت ہونے کی وجہ سے مختلف ہیں۔ بعض لوگ صرف زبان سے ذکر کرتے ہیں جس میں فکرِ حق نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کی عقل میں آثارِ الٰہی کا مطالعہ ہوتا ہے۔ اور نہ ہی انھیں حضورِ قلبی نصیب ہوتی ہے اور نہ ہی ان کے دل میں انوارِ ربانی کا مکاشفہ ہوتا ہے اور نہ ہی حق تعالیٰ کے انس سے مانوس ہوتے ہیں اور نہ ہی ان کی رُوح کو مشاہدۂ رحمانی حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی ذاتِ حق میں فنا پاتے ہیں اور نہ ہی ان کی سر معانی اور حقائق سے سرشار ہوتی ہے۔ ایسا ذکر مطلقاً مردود ہے۔

بعض ایسے ہوتے ہیں کہ زبان و عقل سے تو ذکر کرتے ہیں یعنی ان کی زبان ذکر میں ہوتی ہے اور انھیں فکر بھی حاصل ہوتا ہے اور عقل سے آثارِ حق کا مطالعہ بھی کرتے ہیں لیکن حضورِ قلبی اور انس اور فنا و مذکور انھیں حاصل ہوتا۔ یہ ابرار کا ذکر ہے اور یہ بہ نسبت پہلے کے مقبول ہے۔ ان میں بعض ایسے ہوتے ہیں جو صرف زبان و عقل اور قلب سے ذکر کرتے ہیں لیکن انھیں انس و فنا مذکور نصیب نہیں ہوتا۔ یہ جتنی مقربین کا ذکر ہے یہ بھی ابرار اور ان کے ماتحت سالکین کے ذکر سے زیادہ مقبول ہے۔

بعض ان میں ایسے ہیں جو زبان و عقل و قلب و رُوح و سر سے ذکر کرتے ہیں۔ یہ مقربین کے منتہی حضرات کا ذکر ہے ان سے حضرات انبیاء و مرسلین اور اولیاءِ کاملین مراد ہیں ان کا ذکر مطلقاً مقبول ہے۔ ایسی ترقی کے حصول کے لیے **حدیث شریف** میں فرمایا گیا:

ان ھذہ القلوب لتصدا کما یصدا الحدید۔

(یہ قلوب زنگ آلود ہو جاتے ہیں جیسے لوہے پر زنگ چڑھ جاتا ہے)

عرض کی گئی:

یارسول اللہ فما جلاؤھا۔

(یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کی جلاء کس عمل سے ہے؟)

آپ نے فرمایا:

تلاوۃ کتاب اللہ وکثرۃ ذکرہ۔

(تلاوت کتاب اللہ اور کثرت ذکر حق سے)

ف: ذکر الٰہی سے سالک لسانی ذکر سے ترقی کرکے ذکر سر کے آخری مرحلہ تک پہنچتا ہے یہاں تک کہ اس کا قلب جملہ ظلمتوں اور کدورتوں سے آئینے کی طرح پاک صاف اور شفاف ہو جاتا ہے۔

ذکر کے اقسام ذکر صرف اللہ اللہ کرنے کا نام نہیں بلکہ نماز، تلاوت، درس وتدریس اور ان کی طرح اور اعمال بھی ذکر میں شامل ہیں۔ ہاں ان تمام اذکار سے افضل لا الٰہ الا اللہ ہے اور بہ نسبت جماعت کے ساتھ تنہائی میں آداب ذکر بجا لا کر اور یکسوئی سے ذکر بہتر ہے۔ اور آداب سے ظاہری و باطنی آداب مراد ہیں۔

مسئلہ: حضرت سلمی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ذکر کثیر سے قلبی ذکر مراد ہے اس لیے کہ دائماً زبان سے ذکر ناممکن ہے۔

ف: ذکر کثیر میں اشارہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا لازمی ہے۔

آیت کا معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرو کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

من احب شیئا اکثر من ذکرہ۔

(جو کسی سے محبت کرتا ہے تو اسے بہت زیادہ یاد کرتا ہے)

کسی بزرگ نے فرمایا،

نشان دوستی آنست کہ نگذارد کہ زبان از ذکر دوست یا دل از فکر او خالی ماند۔

(محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ محبوب کو زبان سے یاد کرے اور دل میں اس کا تصور اور فکر ہو) ؎

در ہیچ مکان نیم ز فکرت خالی
در ہیچ زمان نیم ز ذکرت غافل

ترجمہ: کسی مکان میں میں تیرے فکر سے خالی نہیں رہا اور نہ ہی کسی زمانے میں تیرے ذکر سے غافل ہوا ہوں۔

نکتہ: آیت میں ذکر الٰہی کی کثرت کا حکم اللہ تعالیٰ کی محبت کی طرف اشارہ کرتا ہے اور محبت الٰہی کو بجائے تصریح کے اشارہ سے اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ اہل محبت کونین کے جملہ تعلقات سے آزاد ہیں اور ایسے آزاد دلوں سے محبت کی بات اشارہ سے کی جاتی ہے اور محبت کے وجوب کی تصریح اس لیے بھی نہیں کی گئی کہ یہ ایک نعمت عظمیٰ ہے جو جملہ مخلوق کے بجائے مخصوص گروہ کے لیے مقدر میں ہے۔ کما قال تعالیٰ،

فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم و یحبونہ ۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

فاذکرونی اذکرکم یعنی تم میرے ساتھ محبت کرو میں تمہارے ساتھ محبت کروں گا ۔

ے

بدریائے محبت آشنا باش

صدف سان معدن در صفا باش

ترجمہ : دریائے محبت کا واقف ہو جا ، صدف کی طرح نورصفا کا گنجینہ ہو جا ۔

وَسَبِّحُوْہُ اور جو باتیں ان کی شان کے لائق نہیں ان سے اس کی تنزیہ بیان کرو ۔ المفردات میں ہے السبح بمعنے پانی میں تیز تیز تیرنا یا ہوا میں تیز اڑنا ۔ اور التسبیح بمعنے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ ۔ در اصل تسبیح بمعنے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں تیزی کرنا ، وہ عبادت قولی ہو یا فعلی یا اس کا تعلق نیت سے ہو۔

بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا صبح اور شام میں ۔ قاعدہ ہے کہ کسی شے کی دونوں طرفوں کا ذکر کر کے اس کا کل مراد لیا جاتا ہے ۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر وقت یاد کرو بالخصوص دونوں اوقات میں جو فضیلت والے ہیں اس لیے کہ ان دونوں وقتوں میں ملائکہ کی ڈیوٹی تبدیل ہوتی ہے ۔

حدیث شریف چنانچہ حدیث شریف میں ہے :

یتعاقبون فیکم ملائکۃ باللیل و ملائکۃ بالنہار ۔

(تم میں صبح و شام کے وقت رات اور دن کے فرشتے بدلتے ہیں)

ف : تسبیح کو علیحدہ بیان کرنے میں اس کی فضیلت کا اظہار مطلوب ہے اس لیے کہ یہ باب تحلیہ سے ہے ۔

حدیث شریف میں ہے ۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اربع لایمسك عنھن جنب سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ۔

(چار اذکار ایسے ہیں جن میں ہر وقت معروف رہنا چاہیے یہاں تک کہ جنب کی حالت میں بھی ،

(۱) سبحان اللہ

(۲) الحمد للہ

(۳) لا الٰہ الا اللہ

(۴) اللہ اکبر)

مسئلہ: جب جنب کو مشغول کا حکم ہے تو پھر بے وضو کو بطریقِ اولیٰ ان کے اذکار سے محروم نہیں رہنا چاہئے البتہ باوضو ہو کر ذکر میں مشغول رہنا اولیائے کرام کا طریقہ ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ سبحوہ بکرۃ میں صبح کی نماز کی طرف اور اصیلا میں عصر کی نماز کی طرف اشارہ ہے اور یہ تفسیر صحیح حدیث شریف کے موافق ہے:

حدیث شریف من استطاع منکم ان لا یغلب علیٰ صلاۃ قبل طلوع الشمس ولا غروبہا فلیفعل۔

(تم پر واجب ہے کہ تم اپنی نمازوں قبل طلوع الشمس و قبل غروب الشمس پر غالب رہو)

یعنی تم میں سے جو کوئی چاہتا ہے کہ اپنے امور سے مغلوب نہ ہو اُسے چاہیئے کہ وہ ان دو وقتوں یعنی صبح اور عصر کی نمازوں کو مخصوص ذکر سے ادا کرے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دو اوقات انسان کے کاروبار اور صبح سے پہلے نیند میں پڑے رہنے کے ہیں۔ اسی لیے ان اوقات میں انسان نماز سے رہ جاتا ہے یا کوتاہی کرتا ہے۔ علاوہ ازیں صبح کے وقت ملائکہ کی ڈیوٹی بھی تبدیل ہوتی ہے۔ کما قال تعالیٰ:

ان قرآن الفجر کان مشہودا۔

یعنی رات اور دن والے فرشتے اس وقت اکٹھے ہوتے ہیں۔ اور نمازِ عصر کی فضیلت کا ذکر قرآن مجید میں ہے کما قال تعالیٰ:

والصلوٰۃ الوسطیٰ۔

طلوعِ شمس سے پہلے وقت کی فضیلت

(۱) زمین چند امور سے مضطرب ہوتی ہے:

(i) خونِ حرام سے

(ii) زنا کے غسل سے

(iii) طلوعِ شمس سے پہلے نیند کرنے سے

(۲) اللہ تعالیٰ طلوعِ فجرِ صادق و طلوعِ شمس کے درمیان رزق تقسیم فرماتا ہے اور برکات نازل فرماتا ہے اور دعائیں قبول فرماتا ہے۔ انسان پر لازم ہے کہ اس مبارک گھڑی میں غفلت کو چھوڑ دے۔

(۳) حدیث شریف میں ہے:

من صلی الفجر فی جماعت ثم قعد یذکر اللہ تعالیٰ حتی تطلع الشمس ثم صلی رکعتین کانت لہ کاجر حجۃ وعمرۃ تامۃ تامۃ تامۃ۔

(جو صبح کی نماز پڑھ کر پھر وہاں بیٹھ کر ذکرِ الٰہی میں مصروف رہے یہاں تک کہ سورج نیزے

کے برابر ہو جائے اور دوگانہ پڑھ کر اُٹھے تو اُسے دو رکعت کے بدلے حج و عمرہ کا ثواب نصیب ہوگا)۔ یہ تین بار فرمایا۔

ف: یہی وجہ ہے صوفیاءِ کرام کی عادت ہے کہ نمازِ صبح کے بعد جمع ہوکر اشراق کی نماز تک ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔ ذکرِ الٰہی کے نفوس میں بڑی تاثیر ہے یہاں تک کہ تلاوتِ قرآن مجید سے ذکرِ الٰہی کو زیادہ مؤثر بتایا ہے۔ چنانچہ یہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی ثم قعد یذکر اللہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کذا فی شرح المصابیح۔

مسئلہ: قنیہ کی عبارت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ قنیہ میں لکھا ہے کہ اوقاتِ مکروہہ میں قرآن مجید کی تلاوت سے درود شریف، دُعا اور تسبیح افضل ہے۔

مسئلہ: محیط میں مذکور ہے کہ صبح صادق کے بعد نمازِ صبح تک بعض کے نزدیک سورج کے طلوع تک بعض کے نزدیک اشراق کی نماز تک گفتگو مکروہ ہے۔ یہی عزیمت ہے۔ یعنی اس پر عمل کرنے میں بہت بڑا ثواب ہے اگر کوئی ایسا نہ بھی کرے گناہگار نہ ہوگا۔

مسئلہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ جب طلوعِ شمس قریب ہو تو مسبعات شریفہ پڑھیے۔ یہی حضرت خضر علیہ السلام کا فرمودہ ہے۔ یہ وظیفہ آپ نے ابراہیم تیمی رحمہ اللہ کو سکھلایا اور فرمایا کہ انھیں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھایا۔ اس مسبعات شریف پر مداومت سے جملہ متفرق اوراد و وظائف پڑھنے کا ثواب نصیب ہوتا ہے اور وہ دس اشیاء ہیں جنھیں سات سات بار پڑھنا پڑتا ہے:

(۱) الفاتحہ

(۲) معوذتین

(۳) قل ھو اللہ احد

(۴) قل یا ایھا الکٰفرون

(۵) آیۃ الکرسی

(۶) سبحان اللہ

(۷) الحمد للہ

(۸) لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر

(۹) درود شریف

(۱۰) استغفار

درود شریف یہ پڑھے :

اللھم صل علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آل سیدنا محمد وسلم۔

استغفار یہ ہے :

اللھم اغفرلی ولوالدیّ ولجمیع المؤمنین والمؤمنات۔

اس کے بعد سات بار یہ دُعا پڑھے :

اللھم افعل بنا وبھم عاجلا وآجلا فی الدین والدنیا والآخرۃ ما انت لہ ولا تفعل بنا وبھم یا مولانا ما نحن لہ اھل انک غفور حلیم جواد کریم رؤوف رحیم۔

مسبعات شریف حضرت ابراہیم تیمی رحمہ اللہ نے حضرت خضر علیہ السلام سے سیکھ کر جب یہ دعا پڑھی تو اس رات خواب میں دیکھا کہ وہ بہشت میں پہنچے ہیں انھیں بہشت کا طعام کھلایا گیا۔

سبق ذکر کرنے والے پر لازم ہے کہ صبح کی نماز پڑھ کر قبلہ کی طرف مُنہ کرکے مسبعات شریف کو پڑھے۔ بہتر ہے کہ تنہائی میں کسی ایسے مقام پر پڑھے جہاں کسی سے بات وغیرہ نہ کرے بالخصوص غلط قسم اور مکروہ باتوں سے گریز کرے وہی وقت برکت کا ہے بالخصوص دنیوی باتیں عمل صالح باطل کرتی ہیں اور شرافت وقت کی برکت ضائع ہوجاتی ہے۔ زبان کو غیر ذکر الٰہی سے بچانا ضروری ہے ایسے ہی قلب کو غیر فکر حق سے محفوظ رکھنا لازم ہے جو زبان اور قلب محفوظ نہ ہو اس ذکر کی مثال اُس شخص کی ہے جو کسی کے دروازے پر خواہ مخواہ شور مچاتا پھرے۔ یا وہ چھت پر کھڑے ہوکر آواز دے رہا ہو۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱ ذکر آرد فکر را در اہتزاز
ذکر را خورشید این افسردہ ساز

۲ اصل خود جذبہ است لیک ای خواجہ تاش
کارکن موقوف آن جذبہ مباش

۳ زانکہ ترک کار چون نازی بود
نازکی در خور جانبازی بود

۴ نی قبول اندیش و نی رد ای غلام
امر او نہی را می بین مدام

۵ مرغ جذبہ ناگہاں پرد زعش
چون بدیدی صبح شمع آنکہ بکش

۶ چشمہا چون شد گذارہ نور اوست
مغزہا می بیند اودر عین پوست

۷ بیند اندر ذرہ خورشید بقا
بیند اندر قطرہ کل بحر را

ترجمہ : (۱) ذکر فکر کو حرکت میں لاتا ہے ، مرجھائے ہوئے کے لیے سورج کی طرح ہے۔
(۲) اصل جذبہ ہے لیکن اے بندۂ خدا کام آگے بڑھا اسی جذبہ پہ نہ ٹھہر۔
(۳) کام کا ترک ناز کی طرح نازوالا کسی کام کا نہیں بلکہ اس کی جان کا خطرہ ہے۔
(۴) نہ قبولیت کی فکر میں رہو نہ رد کی فکر میں، امر و نہی پر ہمیشہ نگاہ رکھو۔
(۵) مرغ جذبہ اچانک گھونسلے سے اڑ جائے گا۔ جب صبح روشن ہو جائے تو دیا بجھا دے۔
(۶) آنکھیں تو صرف نور کی گزرگاہ ہیں ان آنکھوں کے پوست میں ہی وہ مغز انور ہے۔
(۷) خورشید بقا ذرہ میں ہے جیسے دریا قطروں کا مجموعہ ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے ان حرکات کا سوال کرتے ہیں جو برکات کی موجب ہیں بیشک وہ قاضی الحاجات ہے۔

تفسیر عالمانہ هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وہ اللہ تعالیٰ جو تمہارے لیے رحمت و مغفرت اور تزکیہ کا ارادہ فرماتا ہے الاعتناء بمعنے عنایت و رعایت کرنا۔ وَمَلَائِكَتُهُ اس کا عطف ضمیر پر ہے جو یصلی میں مستتر ہے اور ضمیر مستتر پر اسم ظاہر کا عطف جائز ہے جب درمیان میں کوئی کلمہ فاصل ہو تو اس وقت تاکید کی ضرورت نہیں ہوتی یعنی ملائکہ بھی تمہارے لیے دعاء و استغفار کی رعایت کرتے ہیں اور یہاں پر صلوٰۃ کا مجازی معنی ہے جو رحمت و استغفار کو شامل ہے یعنی بندوں کی بھلائی اور ان کے جملہ امور کی بہتری کی رعایت کرنا۔

موسیٰ علیہ السلام کی وحی موسیٰ علیہ السلام سے بنی اسرائیل نے پوچھا کہ کیا ہمارا رب تعالیٰ ہم پر صلوٰۃ پڑھتا ہے۔ یہ کلام موسیٰ علیہ السلام کو ناگوار گزرا۔ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ انہیں فرما دیجئے کہ میری صلوٰۃ کا معنی یہ ہے کہ میں ان پر رحمت کرتا ہوں جس سے میرے غضب کی آگ ان پر ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔

لیلۃ المعراج کی آیت

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ معراج اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قف یا محمد فان ربك یصلی۔

(اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ٹھہریئے، آپ کا رب تعالیٰ صلوٰۃ پڑھتا ہے)

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً کہا:

ان ربی لغنی عن ان یصلی۔

(میرا رب صلوٰۃ پڑھنے سے بے نیاز ہے)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

انا الغنی عن ان اصلی لاحد و انما اقول سبحانی سبحانی سبقت رحمتی غضبی اقراء یا محمد هو الذی یصلی علیکم وملئکته الآیۃ فصلاتی رحمة لك ولامتك۔

(میں کسی کی صلوٰۃ پڑھنے سے واقعی بے نیاز ہوں لیکن میں کہتا ہوں میرے لیے پاکی ہے میرے لیے پاکی ہے میری رحمت میرے غضب پر سبقت کر گئی ہے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھیے ھو الذی یصلی علیکم وملئکته الآیۃ میری صلوٰۃ کا معنی یہ ہے کہ میری رحمت آپ کے لیے اور آپ کی اُمّت کے لیے ہے)

ف: اس سے ثابت ہوا کہ یہ آیت بلاواسطہ جبریل قاب قوسین کے مقام پر نازل ہوئی۔

دوسری روایتِ معراج

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جب ساتویں آسمان پر پہنچا تو مجھ سے جبرائیل نے کہا:

"تھوڑی دیر ٹھہریئے آپ کا رب تعالیٰ صلوٰۃ پڑھتا ہے۔"

میں نے کہا:

"کیا میرا رب صلوٰۃ پڑھتا ہے؟"

اس نے کہا:

"ہاں!"

میں نے کہا:

"وہ کیا پڑھتا ہے؟"

اس نے کہا: "وہ پڑھتا ہے: سبوح قدوس رب الملائکة والروح سبقت رحمتی غضبی۔

تفسیر صوفیانہ ۱ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم مجھے حادثات سے یاد کرتے ہو لیکن میں تم کو قدیم رحمت سے نوازتا ہوں کہ جس کا نہ اوّل ہے نہ آخر۔ اگر میری رحمت تمہارے لیے نہ ہوتی تو تم میرے ذکر کی توفیق نہ دیے جاتے۔ ایسے ہی اگر میری محبت تم پر نہ ہوتی تو تم میری محبت کی طرف ہدایت نہ پاتے۔ فرشتوں کی صلوٰۃ کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ تمہارے لیے دعا مانگتے ہیں کہ تمہاری برکت سے انھیں بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ صلوٰۃ کی موافقت نصیب ہو۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ کے مستحق نہ ہوتے تو وہ اس شرافت والے مرتبے کو نہ پاتے۔

تفسیر صوفیانہ ۲ عرائس البقل میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ کا معنیٰ یہ ہے کہ اس نے ازل میں اپنی معرفت و محبت کے لیے اپنے بندوں کو پسند فرمایا۔ جب انھیں اپنے لیے خاص فرمایا تو ان کی خطاؤں کو بخش دیا اور مقرب فرشتوں کو ان کی مغفرت کے لیے مقرر فرمایا تاکہ وہ بوجہ اشتغال باللہ اور اس کی محبت میں مستغرق ہونے کے استغفار کے محتاج نہ ہوں۔

تفسیر صوفیانہ ۳ حضرت ابوبکر بن طاہر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اپنے بندے کو نورِ ایمان سے مزین کرتا اور حلیۂ توفیق سے سنوارتا ہے اور اس کے سر پر صدق کا تاج رکھتا ہے اور اس سے گمراہ کرنے والی خواہشات کو مٹاتا ہے اور اس کے باطل ارادے ختم کر دیتا ہے اپنی رضا اور رحمت اس کے مقدر میں لکھتا ہے ؎

رضا بداده بده وز جبین گره بکشائے
کہ بر من و تو در اختیار نکشادست

ترجمہ: اللہ کی دی ہوئی تقدیر سے راضی ہو اور ماتھے پر بل نہ چڑھا اس لیے کہ میرے اور تیرے ہاتھ میں کوئی اختیار نہیں۔

تفسیر عالمانہ لِيُخْرِجَكُمْ تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس صلوٰۃ و عنایت سے نکالے لیخرجا کہ اس لیے نہیں فرمایا تاکہ وہم نہ ہو کہ اخراج میں ملائکہ کو بھی عمل دخل ہے یا وہ اس مجازی اخراج سے بندوں پر منت و احسان نہ ہو اور نہ ہی حقیقی طور پر وہ اس اخراج پر کچھ قدرت رکھتے ہیں۔ ہر کام کی ہدایت کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ظلمت بمعنے عدم النور، اس سے ظلمات الجہل والشرک والمعصیۃ والشرک والفسق ایسی اور خرابیاں مراد ہیں۔ ایسے ہی نور سے علم و توحید و طاعت، یقین، ہدایت، روحانیت اس کی صفات، تجلی ذات و صفات کے جذبات کے ساتھ ربوبیت۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و ملائکہ کی دعا کی وجہ سے تم مقصود کو پہنچے اور شہود کو حاصل کر لیا۔

اور نورِ شریعت سے منور اور سرِ حقیقت سے متحقق ہوئے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ اخراج سے ادامت و استقامت بر خروج مراد ہے اس لیے کہ خدا و ملائکہ کی صلوٰۃ کے وقت یہ لوگ ظلمات میں نہیں رہتے۔

وَكَانَ ایجاد الملائکۃ المقربین سے پہلے ازل میں ہے۔ **بِالْمُؤْمِنِيْنَ** تمام اہل ایمان کے ساتھ ان کے وجودات عینیہ سے پہلے **رَحِيْمًا** ۝ رحم کرنے والا۔ اسی لیے ان پر الطاف کریمانہ کئے۔ مثلاً ان کی اپنی ذاتی اور فرشتوں کے واسطے سے صلاح فرمائی۔ اسی لیے جو ازل میں سعادت مند ہوا اس کے لیے احوال رحمت کا تغیر نہ ہوگا۔

گرد عصیاں رحمت حق را نمی آرد بشور

مشرب دریا نگرد و تیرہ از سیلابہا

ترجمہ: عصیاں کی گرد رحمتِ حق کو شور میں نہیں لاتی ایسے ہی مشرب دریا سیلابوں سے تبدیل نہیں ہوتا۔

ربط: جب عنایت اولیٰ یعنی بندوں کو ہدایت الی الطاعۃ کو بیان فرمایا تو اب عنایت فی الآخرۃ کو بیان فرماتے ہیں۔

تَحِيَّتُهُمْ مصدر مفعول کی طرف مضاف ہے یعنی وہ امر جس سے وہ ایک دوسرے کو تحیۃ کہیں گے۔ تحیۃ سے درازیٔ عمر کی دعا مراد ہے۔ مثلاً کہتے ہیں:

حیاك الله۔ یعنی اللہ تعالیٰ تیرے لیے حیات بنائے۔

پھر ہر دعا کو تحیۃ کہا جانے لگا اس لیے کہ ان جملہ ادعیہ کو حیاۃ سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہوتا ہے یا وہ دُعا حیاۃ دنیوی یا اخروی کا سبب ہوتی ہے۔

يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ اس دن کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ملیں گے اس سے موت یا قبر سے اٹھنے یا دخولِ جنت کے وقت **سَلٰمٌ** ان کی تعظیم کی بنا پر اللہ تعالیٰ سے ان پر سلام ہوگا ۔

خوشست از تو سلامے بما در آخر عمر

چو نامہ رفت با تمام والسلام خوشست

ترجمہ: تیری طرف مجھے آخری عمر میں ایک سلام کافی ہے جب میرا عریضہ حاضر ہو اور آپ صرف ایک سلام سے نوازدیں۔

یا اس سلام سے ملائکہ کی جانب سے سلام مراد ہے جب وہ انہیں بہشت کی خوشخبری سنانے

آئیں گے یا ایسے ہی ان کی تعظیم وتکریم کی وجہ سے ہر حاضری پر ملائکہ انھیں سلام عرض کریں گے۔
کما قال تعالیٰ:

والملائکۃ ید خلون علیھم من کل باب سلام علیکم۔

(اور فرشتے ہر دروازے پر حاضر ہو کر انھیں سلام عرض کریں گے یا انھیں ہر دکھ اور تکلیف اور آفت اور شدۃ سے سلامت رہنے کی خوشخبری سناتے ہوئے)

ولی اللہ کو عزرائیل کا سلام

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ملک الموت اللہ تعالیٰ کے ولی کے ہاں حاضر ہوتا ہے تو انھیں پہلے سلام عرض کرتا ہے۔ ان کے سلام کا مضمون یہ ہے:

السلام علیك یا ولی اللہ قم فاخرج من دارك التی خربتھا الی دارك التی عمرتھا۔

(اے اللہ کے ولی! اٹھو اور اس ویران دار سے نکل کھڑا ہو اور اس دار کی طرف چل جسے تو نے آباد کیا)

اگر وہ ولی اللہ نہیں ہوتا تو اسے کہتے ہیں: اٹھ کھڑا ہو اے اللہ کے بندے! اس دار سے جسے تو نے آباد کیا اس دار کی طرف جسے تو نے برباد کیا۔

دنیا کی آبادی

فقیر (حقی علیہ الرحمۃ) کہتا ہے کہ دنیا کی تعمیر ان امور سے ہوتی ہے:

۱۔ اناج بونا
۲۔ قوت بڑھانا
۳۔ نہریں کھودنا
۴۔ درخت یعنی باغات لگوانا
۵۔ اونچی اور لمبی اور بہترین کوٹھیاں بنوانا
۶۔ محلات سنوارنا

آخرت کی آبادی

اور آخرت کی تعمیر (مندرجہ ذیل اعمال سے ہوتی ہے):

۱۔ اذکار
۲۔ اعمال
۳۔ اخلاق
۴۔ احوال

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

۱ یاد کن آنکہ در شبِ اسریٰ
یا حبیبِ خدا خلیلِ خدا

۲ گفت کوے از من اے رسول کرام
امت خویش را ز بعد سلام

۳ کہ بود پاک و خوش زمین بہشت
لیک آنجا کسے درخت نکشت

۴ خاک او پاک و طیب افتادہ
لیک ہست از درختہا سادہ

۵ غرس اشجار آں بسعی جمیل
بسملہ حمد لہ است پس تہلیل

۶ ہست تکبیر نیز ازاں اشجار
خوش کسے کش جز ایں نباشد کار

۷ باغ جنات تحتہا الانہار
سبز و خرم شود ازاں اشجار

ترجمہ : (۱) شبِ اسریٰ کو یاد کر کہ حبیبِ خدا کو خلیلِ خدا نے کہا
(۲) فرمایا : اے رسول کریم (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) ، اپنی اُمّت کو میرا اسلام کہنا
(۳) اور فرمایا کہ بہشت صاف سُتھری اور پاکیزہ جگہ ہے اس میں کسی نے کھیتی نہیں لگائی۔
(۴) وہ زمین پاک اور سادہ ہے اس میں تا حال کسی نے درخت نہیں بوئے۔
(۵) سعیِ بسیار سے درخت بوئے جا سکتے ہیں ، اس کے درخت بسم اللہ اور حمد اور لا الٰہ الا اللہ ہیں۔
(۶) تکبیر بھی اس کے درختوں سے ہے۔ وہ شخص خوش قسمت ہے جس کا یہی کام ہے۔
(۷) جنت کے باغ کے نیچے نہریں ہیں انہی سے یہ درخت سرسبز و شاداب ہوں گے۔

تفسیرِ صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ تحیۃ جب رؤیت سے اور لقائے الٰہی جب تحیۃ سے مقارن ہوتا ہے تو وہاں رؤیت و لقا سے رؤیت بصری مراد ہوتی ہے اور تحیۃ

ایک خطاب ہے جو بادشاہوں کی ملاقات کے وقت استعمال ہوتا ہے۔ اس سے ان کے علوِ شان اور رفعتِ درجات کا علم ہوتا ہے اس لیے کہ جب ان اولیاء کرام کو اس تحیۃ سے ہجر و فراق کی آفات سے بچا کر دائمی وصال سے نوازنا مطلوب ہوتا ہے۔

حضرت ابن عطا نے فرمایا کہ مومن کو بہشت میں سب سے بڑا عطیہ اللہ تعالیٰ کا بلا واسطہ السلام علیکم فرمانا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاَعَدَّ لَهُمْ اس تحیۃ کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے لیے تیار فرمایا ہے اَجْرًا كَرِيمًا۝ اچھا ثواب اور ہمیشہ کا۔ اس سے بہشت کی نعمتیں مراد ہیں۔ ان کے بہشت کے داخل ہونے پر انہیں جو رحمت ملی اس کے بعد اس رحمت فائقہ کا بیان ہے جو انہیں بہشت کے بعد ملے گی۔ اور جملہ اسمیہ لانا چاہیے تھا مثلاً کہا جاتا اجرھم اجر کریم وغیرہ۔ لیکن فعلیہ لایا گیا ہے صرف فواصل (آیات) کی رعایت ملحوظ تھی۔

تفسیر صوفیانہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی عنایت ازلیہ کی طرف اشارہ ہے جو اہلِ ایمان کے لیے ازل میں سابقاً فرمائی گئی اس سے اعداد دلالت کرتا ہے کہ ان کے لیے زمانہ سابق میں اللہ تعالیٰ نے تیار فرمایا اور اجر کریم سے وہ اجر مراد ہے جو عمل سے پہلے ہو۔ بلکہ عمل کرم کے نتائج سے ہے ؎

۱ قرب تو با سباب و علل نتواں یافت

بے سابقۂ فضل ازل نتواں یافت

۲ بر ہر چہ توان گرفتن او را بدلے

تو بے بدلے ترا بدل نتواں یافت

ترجمہ: (۱) تیرا قرب علل و اسباب سے نہیں ملتا سوائے تیرے فضل کے اس کا حصول مشکل ہے۔

(۲) ہر شے کا حصول بدلہ و عوض سے ہوتا ہے تیرا قرب بے بدل ہے اسے بدل کی حاجت نہیں۔

ف: یہ آیت اس امت کے لیے بہت بڑی نعمتوں سے ہے اور ان کی فضیلت کی بہت بڑی اور روشن دلیل ہے منجملہ ان کے ایک وہ ہے جو لیلۃ المعراج کو حضور علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی گئی کہ جنک بہشت انبیاء علیہ السلام پر حرام ہے جب تک اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ داخل نہیں ہوں گے ایسے ہی

جملہ امتوں پر بہشت حرام ہے جب تک اسے محبوب علیہ السلام! آپ کی اُمت داخل نہ ہو گی۔

ف : جب یہ امت بہشت کے داخلے میں سب سے پہلے ہو تو ان کی افضلیت اور بزرگی بطریقِ اولیٰ ثابت ہو ئی اور ان کا اجر و ثواب بھی بہت زیادہ ہے۔ یاد رہے کہ اس امت کے فقراء کو اغنیاء پر فضیلت ہے اور ان کی شان بھی بہ نسبت ان کے بلند و بالا ہے۔

حدیث شریف حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں فقراء کا قاصد ہوں۔ آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

مرحبابك وبمن جئت من عندهم جئت من عند قوم احبهم۔

(تم اور تمہارے بھیجنے والے خوش رہیں، تو ایسے لوگوں سے آیا ہے جو میرے محبوب ہیں)

قاصد نے عرض کی، یارسول اللہ! فقراء عرض کر رہے ہیں کہ ہر نیکی میں دولت مند ہم سے بازی لے جاتے ہیں (مثلاً حج پڑھتے ہیں اور ہم حج نہیں کر سکتے) وہ صدقات و خیرات کرتے ہیں ہم محتاج ہیں۔ وہ غلام آزاد کرتے ہیں ہم تنگ دست ہیں اور جب وہ بیمار پڑتے ہیں تو صدقہ کرتے ہیں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فقراء اپنی تنگ دستی پر صبر کریں تو انہیں دولت مندوں پر فوقیت حاصل ہو گی اور تین ایسی خصلتیں حاصل ہوں گی جن سے اغنیاء محروم رہیں گے:

(۱) بہشت میں ایک بالاخانہ ہے جو یاقوت احمر سے تیار کیا گیا ہے جسے بہشتی دور سے ایسے دیکھیں گے جیسے ہم یہاں زمین سے ستاروں کو دیکھتے ہیں۔ اس میں صرف نبی فقیر اور شہید فقیر اور مومن فقیر داخل ہوں گے۔

(۲) فقراء اغنیاء سے پانچسو سال پہلے بہشت میں داخل ہوں گے۔

(۳) جب تنگدست سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ و لا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر خلوصِ قلب سے کہتا ہے اور ایسے ہی دولت مند خلوصِ قلب سے کہتا ہے تو غنی فقیر کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکے گا اس سے دگنا تنگدست فقیر کو ملے گا اگرچہ دولت مند اس کے عوض میں دس ہزار درہم بھی خرچ کرے۔ ایسے ہی ہر نیکی کا اندازہ کر لیجئے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے قاصد یہ ارشاداتِ عالیہ سن کر لوٹا اور فقراء کو جا کر سنایا تو فقراء نے کہا: ہم اپنی تنگ دستی و فقر پر راضی ہیں۔ ذکرہ الیافعی فی روض الریاحین ۵

صائب فریب نعمت الوان نمی خوریم
روزیٔ خود ز خوان کرم می خوریم ما

ترجمہ: صائب! ہم مختلف نعمتوں سے دھوکا نہیں کھا سکتے اس لیے کہ ہم اپنے آقا کے خوانِ کرم سے روزی کھاتے ہیں۔

اور فرمایا: ؎

افتد ہمای دولت اگر در کمند ما
از ہمت بلند رہا می کنیم ما

ترجمہ: دولت کا ہما بھی اگر قابو میں آجائے تو بھی اپنی بلند ہمتی سے ہم اسے آزاد کردیں گے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

از کران تا بکران لشکر ظلمست ولے
از ازل تا با بد فرصت درویشانست

ترجمہ: لشکرِ ظلم ایک بوجھ سے دوسرے بوجھ سے پریشان ہے لیکن درویش از ازل تا ابد فرصت وفراغت رکھتا ہے۔

تفسیر عالمانہ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ یہ ندا کرامت وتعظیم کی ہے اس لیے کہ بزرگی والے ہی ایسے لقب سے پکارے جاتے ہیں۔ یہ ندائے علامت نہیں، جیسے یا آدم وغیرہ میں۔ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا[1]۔ شھادۃ اس قول کو کہتے ہیں جو علم سے صادر ہو اور وہ علم بصر یا البصیرۃ کے مشاہدہ

---

[1] بعض لوگ چکر چلاتے ہیں کہ شاھد بمعنے حاضر نہیں بلکہ گواہ ہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ شاھد بمعنے گواہ قرآن مجید اور دیگر جگہوں میں استعمال ہوا ہے۔ لیکن گواہ بھی اسی لیے شَاہِدٌ و شَہِیْدٌ ہے کہ وہ موقعہ پر موجود و حاضر ہوتا ہے۔ گواہی کے استعمالی آیات یہ ہیں:

شَہِدَ شَاہِدٌ — شَہِدَ اللّٰہُ
وَشَہِدُوْا اَنَّ الرَّسُوْلَ — فَاِنْ شَہِدُوْا
لِمَ شَہِدْتُّمْ عَلَیْنَا — شَہِدْنَا عَلٰۤی اَنْفُسِنَا
وَاَشْہَدَہُمْ عَلٰی — وَالْمَلٰٓئِکَۃُ یَشْہَدُوْنَ

(باقی برصفحہ آئندہ)

سے حاصل ہو (اسی تقریر پر ہم اہلسنت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر مانتے ہیں۔ تفصیل فقیر کی کتاب "دلوں کے چین" میں ہے۔ اویسی غفرلہٗ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۶)

وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ	وَاِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ
قُلْ لَّآ اَشْهَدُ	نَشْهَدُ اِنَّكَ
وَيُشْهِدُ اللّٰهَ	اُشْهِدُ اللّٰهَ
وَاَشْهَدُ بِاَنَّا	اَشْهَدُوْا
وَاَشْهِدُوْا اِذَا تَبَايَعْتُمْ	فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ
فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ	شَاهِدِيْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ
مَعَ الشّٰهِدِيْنَ	يَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ
كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ	عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا
شَهِيْدَيْنِ	وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ
مِنَ الشُّهَدَآءِ	وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ
كَتَمَ شَهَادَةً	شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ
اَلشَّهَادَةَ لِلّٰهِ	مِنْ شَهَادَتِهِمَا
لَشَهَادَتُنَا	

اسی طرح اہلِ لغت نے کہا کہ شَاهِدٌ جس کی جمع شُهُوْدٌ و شُهَّدٌ آتی ہے بمعنے گواہ ہے۔ اس لیے ان کا یہ جھگڑا بے سود ہے۔ بلکہ غور سے دیکھا جائے تو حاضر و ناظر کا اطلاق لغوی معنیٰ کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ پر بھی نہیں ہونا چاہیے کیونکہ حاضر و ناظر مکان کے معنیٰ کو مستلزم ہے اور اللہ تعالیٰ مکان و زمان سے پاک ہے۔

اہلِ لغت کہتے ہیں کہ حاضر کا مادہ "حضر" اور ناظر کا مادہ "نظر" ہے۔ حضر سے "الحضور" مصدر بنا جس سے حاضر مشتق ہوا۔ حضر، حضور اور حاضر کے بہت سے معنے کتبِ لغت میں مرقوم ہیں۔ مثلاً حضر کے معنی پہلو، نزدیکی، صحن، حاضر ہونے کی جگہ وغیرہ ہیں۔ اور حاضر کے معنی شہروں اور بستیوں میں رہنے والا، بڑا قبیلہ وغیرہ آتے ہیں۔ یہ تمام معانی منجد، مختار الصحاح اور مجمع بحار الانوار وغیرہ

(باقی بر صفحہ ۹۸)

شاهدًا" اور "ستانك" سے حال مقدرہ ہے اس لیے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بوقت ادا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۷)

کتابوں میں درج ہیں۔

ان کے علاوہ جن معنے سے ہماری بحث خصوصیت کے ساتھ متعلق ہے ان کی تفصیل یہ ہے حضر، حضرۃ، حضور سب کے معنیٰ ہیں سامنے ہونا، اور حاضر کے معنیٰ ہیں سامنے ہونے والا۔

جو چیز کھلم کھلا بے حجاب آنکھوں کے سامنے ہو اسے حاضر کہتے ہیں۔ منجد، صراح اور مختار الصحاح میں ہے کہ حضرۃ اور حضور غَیبۃ کی ضد ہیں اور لغتِ قرآن کی مشہور کتاب مفردات امام راغب اصفہانی میں یہ بھی لکھا ہے کہ جو چیز سامنے نہ ہو یعنی حواس سے دُور آنکھوں سے پوشیدہ ہو اسے غائب اور غیب کہتے ہیں۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ حاضر غائب کی ضد ہے اور اس کے بعد یہ بھی معلوم ہو گیا کہ غائب اسے کہتے ہیں جو حواس سے دُور ہو اور نگاہوں کے سامنے نہ ہو۔ تو اب یہ بات ثابت ہو گئی کہ حاضر اسی کو کہا جائے گا جو حواس سے پوشیدہ نہ ہو اور کھلم کھلا بے حجاب آنکھوں کے سامنے موجود ہو۔

ہمارے اس روشن بیان سے ناظرین کرام نے اچھی طرح سمجھ لیا ہو گا کہ لفظ حاضر اپنے حقیقی لغوی معنے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی شان کے ہرگز لائق نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ شہروں اور بستیوں میں رہنے اور قبیلہ ہونے سے پاک ہے۔ جتنے معانی لفظ حاضر کے منقول ہوئے اللہ تعالیٰ ان سب سے منزّہ و مبرّا ہے۔ قرآن کریم شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ حواس اور نگاہوں کے ادراک سے بھی بلند و بالا ہے۔ دیکھیے قرآن مجید میں ہے:

لا تدركه الابصار وهو يدرك الابصار وهو اللطيف الخبير۔

(آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں وہ تمام آنکھوں کا ادراک فرماتا ہے اور وہ لطیف خبیر ہے)

حاضر کے بعد لفظ ناظر کے معنی کی تحقیق سنیے۔ مختار الصحاح میں ہے آنکھ کے ڈیلے کی سیاہی کو جس میں آنکھ کا تل ہوتا ہے ناظر کہتے ہیں اور کبھی آنکھ کو ناظرہ کہا جاتا ہے۔

ناظر کا ماخذ نظر ہے۔ مفرداتِ راغب، مختار الصحاح، منجد اور صراح میں حسب ذیل معنیٰ منقول ہیں: کسی امر میں تدبّر اور تفکر کرنا، کسی چیز کا اندازہ کرنا، آنکھ کے ساتھ کسی چیز میں غور و تامل کرنا،

(باقی برصفحہ آئندہ)

شاہد تھے اور شہادت ارسال کے بعد ہے جیسے مررت برجل معہ صقر صائدا بہ غدا (میں ایسے مرد سے گزرا جس کے ساتھ شکرا تھا اور وہ اس کے ساتھ کل شکار کرے گا) اس میں بھی صائدا کو حال مقدرہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۸)

اور کسی چیز کا ادراک کرنے یا اسے دیکھنے کی غرض سے بصر و بصیرت کو پھیرنا۔ اس کے علاوہ نظر سے کبھی تامل و تلاش کے معنے بھی مراد لیے جاتے ہیں اور کبھی اس سے وہ معرفت اور رویت مراد ہوتی ہے جو تلاش کے بعد حاصل ہو۔

امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں کی طرف نظر فرمانے کے معنی دیکھنا نہیں بلکہ صرف یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر احسان فرماتا اور انہیں اپنی نعمتیں پہنچاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

ولا یکلمھم اللّٰہ ولا ینظر الیھم یوم القیٰمۃ۔

(اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کفار سے کلام نہ فرمائے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا)

مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن کافروں پر اللہ تعالیٰ کا کوئی انعام و احسان نہ ہوگا۔

تفسیر روح المعانی میں اسی آیۂ کریمہ کی تفسیر میں ہے:

لا ینظر الیھم کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کفار پر مہربانی اور رحم نہیں فرمائے گا۔ اس کے بعد صاحبِ تفسیر فرماتے ہیں کہ جس کے حق میں لفظ "نظر" کا استعمال جائز نہیں (جیسا کہ اللہ تعالیٰ) اس کیلیے اگر یہ لفظ کبھی استعمال ہوا ہے تو وہ اپنے اصلی معنی سے مجرد ہے اور صرف احسان کے معنی میں ہے۔

مجمع بحار الانوار لغت حدیث کی مشہور کتاب میں ہے کہ حدیث پاک ان اللّٰہ لا ینظر الی صورکم الی آخر الحدیث میں نظر کے معنے دیکھنا نہیں بلکہ یہاں پسندیدگی، رحمت اور مہربانی مراد ہے۔

اس کے بعد صاحبِ بحار الانوار فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نظر کے یہ معنے ہیں کہ وہ اپنے بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیتا ہے اور ان کا محاسبہ فرماتا ہے۔

اس روشن اور مدلل بیان کو پڑھ کر ہمارے ناظرین کرام نے اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا کہ ان دونوں لفظوں کے اصلی اور حقیقی معنی اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں بلکہ ان معنی سے اللہ تعالیٰ کا پاک ہونا یقینی امر ہے۔ اس کے بعد یہ حقیقت خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ جب حاضر و ناظر کے اصلی معنی سے اللہ تعالےٰ کا

(باقی بر صفحہ آئندہ)

بنایا گیا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے اپنی عظمت سے آپ کو رسول بنایا درانحالیکہ آپ کی شہادت آپ کی امت کی تصدیق و تکذیب کے لیے مقدر فرمائی جسے آپ قیامت میں ادا فرمائیں گے اور آپ کی شہادت شاہد عدل کی طرح قبول ہوگی۔ یعنی آپ کی شہادت کے بعد ان پر حکم عائد ہوگا۔ وَّ مُبَشِّرًا اور درانحالیکہ آپ اہل ایمان اور اہل طاعت کو بہشت کی اور اہل محبت کو رؤیت کی خوشخبری سنانے والے ہیں وَّ نَذِيْرًا ۝ اور درانحالیکہ آپ اہل کفر و معاصی کو نار سے اور اہل غفلت کو حجاب حق سے ڈرانے والے ہیں وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ اور درانحالیکہ آپ ﷺ کی ذات اور اس کی وحدانیت اور جملہ احکام الٰہیہ کو قبول کرنے والوں اور اس کے جملہ صفات و افعال کے اقرار کرنے کی طرف بلانے والے ہیں۔

سیدالرسل کی افضلیت کی دلیل

اس میں اشارہ ہے کہ ہمارے حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک خصوصیت ہے جو دوسرے انبیاء و رسل علیہم السلام میں نہیں۔ وہ یہ کہ آپ نے ہی خلقِ خدا کو ذاتِ حق کی دعوت دی بخلاف دوسرے انبیا کے کہ وہ دعوت الخلق الی الجنۃ کے لیے مامور تھے۔ دوسرے یہ کہ ہمارے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے اپنی طرف بلانے کے ذاتِ حق کی دعوت دی اور باوجودیکہ آپ رفیع الشان تھے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۹)

پاک ہونا واجب ہے تو ان لفظوں کا اطلاق بغیر تاویل کے ذاتِ باری تعالیٰ پر کیونکر ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں حاضر و ناظر کوئی نام نہیں اور قرآن و حدیث میں کسی جگہ حاضر و ناظر کا لفظ ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے وارد نہیں ہوا، نہ سلف صالحین نے اللہ تعالیٰ کے لیے یہ لفظ بولا۔ کوئی شخص قیامت تک ثابت نہیں کر سکتا کہ صحابہ کرام یا تابعین یا ائمہ مجتہدین نے کبھی اللہ تعالیٰ کے لیے حاضر و ناظر کا لفظ استعمال کیا ہو۔

اور اسی لیے متاخرین کے زمانہ میں بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر کہنا شروع کیا تو اس دور کے علماء نے اس پر انکار کیا بلکہ بعض علماء نے اس اطلاق کو کفر قرار دے دیا بالآخر یہ مسئلہ (کہ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر کہنا کفر ہے یا نہیں) جمہور علماء کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ چونکہ اس میں تاویل ہو سکتی ہے اس لیے یہ اطلاق کفر نہیں۔ اور تاویل یہ کی کہ "حضور" کو مجازاً علم کے معنے میں لیا جائے اور "نظر" کے مجازی معنی رؤیت مراد لے لیے جائیں۔ اس تاویل کے بعد جب اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر کہا جائے گا تو یہ اطلاق علیم و بصیر کی طرح ہوگا۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے فقیر کی کتاب "دلوں کا چین"۔ اویسی غفرلہٗ

لیکن عبودیت پر فخر کرتے رہے تاکہ آقا کی طرف بلانے کی دعوت کا دعویٰ حق اور ثابت ہو۔ اسی لیے جس نے آپ کی دعوت کو قبول کیا اس کے لیے دعوت سراجِ منیر ثابت ہوئی اور اس کے لیے سبیل رشد کی رہبر بنی اور اسے عیوبِ نفس اور اس کی گمراہی سے آگاہ کیا بِاِذْنِہٖ اللہ تعالیٰ کے اذن یعنی اس کی تیسیر و تسہیل سے اذن بول کر تیسیر و تسہیل مجازاً مراد لی گئی ہے ان میں سببیت کا علاقہ ہے اس لیے کہ دوسرے کے ملک میں تصرف کرنا متعسر ہوتا ہے۔ پھر اس نے اجازت دے دی تو اس میں تصرف کرنا سہل اور آسان ہو گیا اذن بھیجنے کی اجازت و رخصت کی خبر دینا لیکن یہاں اسے اپنے حقیقی معنے میں اس لیے استعمال نہیں کیا کہ ارسلناك و داعیًا الی اللہ ایک مشکل کام تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی امداد سے آسان ہو گیا۔ مشکل بایں معنیٰ کہ مخلوق سے منہ پھیر کر خالق کی طرف متوجہ ہونا ایک سخت کام ہے۔ وہ اس لیے کہ غیر معہود قلادہ گردنوں میں ڈالنا سخت کام ہے۔

تفسیر صوفیانہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ اذن سے یہاں مراد امرالٰہی ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے امر سے یہ امور سرانجام دے رہے ہیں۔ اس میں آپ کی اپنی طبع اور رائے کو کوئی دخل نہیں۔ وہ اس لیے کہ کاملین میں طبع نفسانی اور رائے شہوانی ہوتی ہی نہیں اس لیے کہ وہ قولاً فعلاً نہیں۔ بلکہ وجود کو کلی طور ذاتِ حق میں فنا کر کے دعوتِ الٰہی سرانجام دیتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا۝ آتش کا وہ شعلہ جو شمع کی بتی سے نمودار ہوتا ہے۔ اسے عربی میں سراج سے تعبیر کرتے ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے آپ کو چراغ روشن و درخشاں بنا کر بھیجا۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سراج منیر کہنے کے وجوہ (۱) حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو سراج اس لیے کہا گیا کہ آپ سے ہی جہل و غوایت کے بادل چھٹے اور آپ کے انوار سے ہی مناہج رشد و ہدایت نصیب ہوئے جیسے چراغ سے اندھیروں اور تاریکیوں میں مقاصد حاصل ہوتے ہیں۔ جیسے چراغ سے تاریکی مٹ جاتی ہے ایسے ہی آپ کے تشریف لانے سے ظلمت کفر عالم دنیا سے نیست و نابود ہوئی۔

چراغ روشن از نورِ خدائی
جہاں را داد از ظلمت رہائی

ترجمہ: نورِ خدا سے چراغ روشن ہوا۔ جہان کو ظلمت سے نجات بخشی۔

(۲) گھر میں کوئی شے گم ہو جائے تو اسے چراغ کی روشنی سے حاصل کیا جاتا ہے ... ...

دنیا والوں سے حقائق پوشیدہ تھے جب آپ کا ظہور ہوا تو وہ گم شدہ جواہر حقائق و معارف دنیا والوں کو مل گئے ؎

ازو جانرا بدانش آشنائیست
وزو چشم جہانرا روشنائیست
در گنج معانی بر گشادہ
وزاں صاحب دلانرا مایہ دادہ

ترجمہ:۔ اسی سے دانائی کو آشنائی ملی، اسی سے آنکھوں کو روشنی ملی۔ اسی سے گنج معانی کے دروازے کھلے۔ اسی سے صاحبانِ دل کو سرمایہ نصیب ہوا۔

(۳) چراغ گھر میں ہو تو گھر والوں کو راحت و سرور حاصل ہوتا ہے اور چور اس گھر میں نہیں گھستے۔ بلکہ وہاں جانے سے شرمساری اور خجلت و ذلت محسوس کرتے ہیں۔ بایں معنی حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ ایمان کے لیے موجبِ صد راحت اور ہزار سرور اور دشمنوں اور منکروں کے لیے حسرت و ندامت کا سبب ہیں۔

(۴) چراغ فیاض ہے کہ اس سے ہزاروں اس جیسے چراغ روشن کیے جا سکتے ہیں اور اس کے اپنے نور میں کبھی کمی واقع نہیں ہوتی۔

نورانیتِ مصطفٰے علیہ السلام اور اجماعِ اُمّت تمام اُمّت خواہ اہلِ ظواہر یا اہلِ سرائر سب کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جملہ مخلوق کو اپنے محبوب محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے پیدا فرمایا ہے باوجود اینہمہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور میں کمی نہیں ہوتی (لیکن وہابیوں دیوبندیوں نے سرے سے ہی آپ کی نورانیت کا انکار کر دیا)

موسیٰ علیہ السلام کا سوال اور اللہ تعالیٰ کا جواب اللہ تعالیٰ سے موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ یا الٰہ العٰلمین! میں تیرے خزانے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اپنے گھر کے سامنے آگ جلائیے پھر حکم دیجئے کہ تمام لوگ وہاں سے چراغ جلا کر لے جائیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے گھر کے سامنے آگ جلائی اور تمام لوگ وہاں سے چراغ روشن کر کے لے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے موسیٰ! کیا تمہاری آگ میں کچھ کمی ہوئی ہے؟ عرض کیا، کچھ کمی نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ایسے ہی میرے خزانوں کا حال ہے کہ اس سے کتنا ہی خرچ

ہوتا جائے اس میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔

حضور علیہ السلام کا فیض کائنات پر حقیقۃً جتنے علوم شریعت و فوائدِ طریقت وانوار معرفت و اسرار سنّے امت میں ظاہر ہو رہے ہیں تمام حضور نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار و اسرار سے حاصل ہوئے لیکن آپ کا فیض و کمال جُوں کا تُوں ہے۔

چاند اور سُورج کی مثال دیکھیے چاند سورج سے نور حاصل کر رہا ہے لیکن سورج کے نور میں ذرہ برابر کمی نہیں ہوتی۔

قصیدہ بُردہ شریف میں ہے:؎

فانہ شمس فضل ھم کواکبھا
یظھرن انوارھا للناس فی الظلم

ترجمہ: اس لیے کہ آپ فضل و کرم کے سورج ہیں اور دوسرے ستارے سب کے سب اندھیروں میں آپ کا نور ظاہر کرتے ہیں۔

تو مہر منیری ھمہ اختر ند
تو سلطان ملکی ھمہ لشکر ند

ترجمہ: آپ مہر منیر ہیں باقی سارے ستارے ہیں آپ تمام ملکوں کے بادشاہ ہیں اور اور باقی سارے آپ کے لشکر ہیں۔

شرح اشعار قصیدہ بُردہ ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم فضلِ الٰہی کے سورج بن کر عالم میں چمکے اور دوسرے انبیاء علیہم السلام چاند بن کر ظاہر ہوئے لیکن وہ آپ کے نور سے نور حاصل کر کے عالم کو منور فرماتے رہے۔ اور یہاں علوم اور حکمتیں ہیں جو انہوں نے عالم شہادت میں پھیلائے۔ لیکن وہ اس وقت تھا جب ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم میں تشریف نہیں لائے جب آپ سورج کی مانند تشریف لائے تو ان سب کے ادیان منسوخ ہوئے۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ جو چاند سے نور حاصل کرتا ہے وہ گویا درحقیقت سورج سے ہی نور حاصل کر رہا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے:؎

۱ گفت طوبیٰ من رآنی مصطفےٰ
والذی یبصر لمن وجہی رآی

۲ چون چراغ نور شمعی را کشید
ہرکہ دید آنرا یقین آن شمع دید

۳ ہمچنین تا صد چراغ از نقل شد
دیدن آخر لقائے اصل شد

۴ خواہ از نور پسین بستان تو آن
ہیچ فرقی نیست خواہ از شمعدان

ترجمہ: (۱) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھے دیکھا اور میرے چہرے پر نگاہ ڈالی

(۲) ایسے ہے جیسے چراغ نورِ شمع کا حاصل کرتا ہے۔ تو جو چراغ کو دیکھتا ہے گویا وہ شمع کو دیکھتا ہے۔

(۳) اسی طرح اس سے ہزاروں چراغ جلالو، دراصل دیکھنا تو اصل شمع کو ہوگا۔

(۴) تم اسی چراغ سے نور حاصل کرو اس لیے کہ اصل شمع اور اس میں کوئی فرق نہیں۔

(۵) جیسے چراغ چمکتا ہے تو اس سے ہر جگہ روشن ہوجاتی ہے ایسے ہی آپ جمیع عوالم کی جمیع جہات کے لیے چمکے ہیں خواہ کتنے ہی عوالم تھے سب کو آپ نے ہی روشن کیا یہاں تک کہ آپ نے اپنی امت کے جملہ جہات کو روشن فرمایا۔ آنکھ والے تو اس نور سے باخبر ہیں۔ ہاں ابوجہل اور اس کے متبعین نے نہ اس نور کو دیکھا نہ اس کی حقیقت کو سمجھا۔ کما قال تعالیٰ:

ینظرون الیک وھم لا یبصرون۔

(تیری طرف دیکھتے ہیں لیکن دیکھتے نہیں)

حکایت حضرت سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ کے ہاں حاضر ہوئے، تھوڑی دیر بیٹھ کر سوال کیا کہ آپ نے اپنے شیخ بایزید بسطامی قدس سرہٗ کو کیسے پایا؟ آپ نے فرمایا، وہ ایسے کامل تھے کہ جس نے انہیں دیکھا ہدایت پائی۔ سلطان محمود نے کہا: یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ ابوجہل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا لیکن جہالت کی تاریکی سے نہ نکل سکا (تو کیا شیخ بایزید بسطامی (معاذ اللہ) حضور علیہ السلام سے شان میں بڑھ گئے) حضرت ابوالحسن

خرقانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ابوجہل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہی نہیں ۔ بلکہ وہ تو محمد بن عبداللہ کو علیم سمجھ کر دیکھتا رہا ۔ اگر وہ آپ کو رسول اللہ سمجھ کر دیکھتا تو لازماً سعادت پاتا ۔ یعنی اگر ابوجہل حضور علیہ السلام کو بحیثیت رسول کے دیکھتا اور سمجھتا کہ آپ ہادی معلّم ہیں اس کی نگاہ اس خیال میں نہ رہتی کہ یہ تو بشر محض اور یتیم ہے تو یقیناً عرفان پاتا (وہابی دیوبندی سوچیں کہیں وہ حضور علیہ السلام کے متعلق اسی ابوجاہل کے عقیدے کو تو نہیں اپنا رہے) [1]

(۶) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم عالم سفلی سے عالم علوی کی طرف اور عالم ملک سے عالم ملکوت کی طرف، پھر وہاں سے عالم جبروت، کی طرف پھر وہاں جذبہ ادن منی کے ذریعہ عالم عظمت کی طرف پھر وہاں سے مقام قاب قوسین اور اقرب او ادنیٰ کی طرف وہاں سے ایسے مقام پر پہنچے جہاں آپ کے قلب کا سراج بلا واسطہ ملک اور نبی اللہ تعالیٰ کے نور سے منور ہو گیا ۔ اسی مقام پر پہنچ کر سرکار کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل ۔

میرا ایک ایسا وقت ہوتا ہے اس میں نہ کسی نبی مرسل کو گنجائش ہے نہ ملک مقرب کو ۔

اس لیے کہ یہ مقام الوحدۃ ہے یہاں کوئی بھی قدم نہیں رکھتا سوائے اس ذات کے جو فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہوں ۔ فانی ایسا کہ نور الٰہیہ کی نار اس کے وجود کی لکڑیوں کو ایسا جلا کر راکھ بنا دے کہ اس سے نفسی نفسی کا دھواں بھی نہ نکلے اور یہ مرتبہ صرف ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے ۔ چنانچہ سب کو معلوم ہے کہ کل قیامت کو دوسرے انبیاء علیہم السلام نفسی نفسی پکاریں گے اور آپ اُمتی اُمتی کہیں گے ۔

ہماری اس تقریر کی دلیل میں معراج کی رات کی حدیث موید ہے جبکہ آپ آسمانوں پر تشریف لے گئے تو ہر آسمان پر آپ کی جماعت انبیاء علیہم السلام سے ملاقات ہوتی رہی یہاں تک کہ آپ ساتویں آسمان پر پہنچے تو وہاں آپ کی حضرت ابراہیم علیہم السلام سے ملاقات ہوئی ۔ وہاں ابراہیم علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے ۔ وہاں سے گزر کر سدرۃ المنتہیٰ کے آخری حصے تک پہنچے ۔ وہاں جبریل علیہ السلام ٹھہر گئے ۔ اس کے بعد آپ کو رفرف پیش کی گئی ۔ آپ اس پر سوار ہوئے ۔ اس نے آپ کو مقام قاب قوسین پر پہنچایا ۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو نورِ خصوصی سے نواز کر خلق خدا کی رہبری کے لیے

---

[1] یہی حکایت مولانا جامی قدس سرہٗ نے نفحات الانس میں بتغیر یسیر لکھی ہے ۔ اویسی غفرلہٗ

بھیجا اور فرمایا:

قد جاءکم من اللہ نور۔

تاکہ آپ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو اپنی اتباع میں دعوتِ الی الحق دیں اور اللہ تعالیٰ نے بھی قانون بنا دیا کہ جس نے ان کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ جس نے ان سے بیعت کی اس نے اللہ تعالیٰ سے بیعت کی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ (قدرت) آپ کے ہاتھ پر ہے کیونکہ آپ فانی فی اللہ اور باقی باللہ تھے۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے جملہ صفات کا ظہور آپ میں بدرجہ اتم تھا اس لیے ان کا نفع پہنچانا اللہ تعالیٰ کا نفع پہنچانا ہے (لیکن وہابی دیوبندی نجدی مودودی پارٹی کو نہ معلوم حضور علیہ السلام کی ذات سے چڑ کیوں ہے کہ وہ ان کے لیے صفاتِ الٰہیہ ماننے پر شرک کا فتویٰ جڑ دیتے ہیں۔ مثلاً ہم کہیں حضور علیہ السلام حاضر و ناظر ہیں، علم غیب کی صفت سے موصوف ہیں، مدد فرماتے ہیں، نور ہیں، مختار ہیں وغیرہ وغیرہ تو وہ ہم پر شرک اور کفر کے فتووں کی بھرمار کر دیتے ہیں۔ مفسر روح البیان قدس سرہٗ کی مذکورہ بالا تقریر کو خوب ذہن نشین فرمائیے)[1]

ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو "منیر" کی صفت سے موصوف فرمایا۔

سوال: جب سراجًا کہا گیا تو پھر منیرًا کے اضافے کی کیا ضرورت تھی۔

جواب: اس لیے کہ بعض چراغ روشنی میں ناقص ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ میرے محبوب علیہ السلام کو ناقص چراغ نہ سمجھ لیا جائے اس لیے اضافہ فرما کر اپنے محبوب علیہ السلام کی شان کو اجاگر فرمایا ہے۔

نکتہ: کاشفی نے لکھا کہ منیرًا کے اضافہ میں تاکید ہے کہ میرا محبوب علیہ السلام وہ چراغ نہیں کہ کبھی روشن اور کبھی بجھا ہوا ہو۔ یہ وہ چراغ ہے کہ جب سے روشن ہوا تا ابد روشن اور تاباں ہے۔ پھر دوسرے چراغ ہواؤں کے جھونکوں سے بجھ جاتے ہیں لیکن یہ وہ چراغ ہیں کہ انہیں کوئی شے بجھا سکتی ہی نہیں۔ کما قال تعالیٰ:

یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔

(چاہتے ہیں کہ وہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں اللہ تعالیٰ اپنا نور مکمل کرے گا اگرچہ اس سے کافر کراہت کریں)

مثنوی شریف میں ہے۔ سے

---

[1] اضافہ از مترجم

۱ ہر کہ بر شمع خدا آرد پفو
شمع کے میرد بسوزد پوز او

۲ کے شود دریا ز پوز سگ نجس
کے شود خورشید از پف منطمس

ترجمہ: (۱) جو شمع خدا کو پھونکتا ہے تو اس کی پھونک سے یہ شمع کب بجھ سکتی ہے۔
(۲) کتے کی رال سے دریا پلید نہیں ہوتا، نہ کسی کی تھوک سے سورج کا نور بجھ سکتا ہے۔
دوسرے چراغ وہ ہیں جو صرف رات کو روشنی دے سکتے ہیں۔ لیکن آپ وہ چراغ ہیں کہ شب دنیا کی ظلمتوں کو نورِ دعوت سے روشن فرمایا اور آخرت کے دن میں پرتوِ شفاعت سے روشن اور منور ہوں گے ؎

شد بدنیا رخش چراغ افروز
شب ما گشت ز التفاتش روز

باز فردا چراغ افروزد
کہ ازان جرم عاصیاں سوزد

ترجمہ: دنیا میں اس کا چہرہ روشنی دینے والا ہے ہماری شب تاریک اس کی نظر کرم سے روشن ہو گی پھر کل قیامت میں جب چراغ روشن فرمائیں گے تو اس سے عاصیوں کے گناہ جل جائیں گے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج کو بھی سراج کہا ہے۔ کما قال:
وجعلنا سراجاً وھاجاً۔
اور ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی چراغ۔ لیکن ان دونوں کی کیفیت یہ ہے کہ سورج آسمان کا چراغ ہے تو آپ زمین کے لیے۔ وہ دنیا کے لیے چراغ ہے تو آپ دین کے لیے۔ وہ فلک کی منازل کا چراغ ہے تو آپ محافل ملک کے۔ وہ آب و گل کا چراغ ہے تو آپ جان و دل کے۔ اس سے لوگ نیند سے بیدار ہوتے ہیں تو آپ سے خواب عدم سے اٹھ کر عرصہ گاہ وجود میں آئے ؎

از ظلمات عدم راہ کہ بردے برد
گر نشدے نور تو شمع روان ہمہ

ترجمہ: ظلمات عدم سے کون اس کی طرف راہ پاتا اگر آپ کی شمع کا نور تمام ارواح کی رہبری نہ فرماتی۔

ف : اسی لیے مشائخ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام اقلیم عدم سے تشریف لائے تو آدم علیہ السلام کے لئے چراغ بنے تاکہ انھیں معلوم ہو کہ ان سے پہلے آپ کا نور ہے۔

ف : بعض علماء نے فرمایا کہ سراج سے شمس اور منیر سے قمر مراد ہے۔ آپ دونوں صفات سے موصوف ہیں۔ اور اس میں اشارہ ہے، آیت،

تبارك الذی جعل فی السماء بروجا و جعل فیها سراجا و قمرا منیرا۔

وہ ذات بابرکت ہے جس نے آسمان میں بروج بنائے اور بنایا ان میں چراغ اور چاند روشنی دینے والا۔
ہم نے سورج کو قمر پر اس لیے محمول کیا ہے کہ بہ نسبت چراغ سورج اور چاند کا نور اتم و اکمل ہے۔

نکتہ : بعض مشائخ نے فرمایا کہ سورج اور چاند کے بجائے چراغ سے اس لیے آپ کو موصوف کیا گیا کہ قیامت میں سورج اور چاند اور ستارے نہیں ہوں گے۔ علاوہ ازیں سورج اور چاند ستارے اپنے مراکز سے منتقل نہیں ہو سکتے بخلاف چراغ کے کہ اسے جہاں چاہو لے جاؤ۔ اسی لیے آپ مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کر گئے اور قیامت میں صرف آپ کی ذات مبارکہ کام دے گی۔

تفسیر عالمانہ : وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ اس کا عطف فعل مقدر پر ہے۔ یہ دراصل فراقب احوال امتك و بشر المؤمنین ہے۔ یعنی اپنی امت کے احوال کی نگرانی فرمائیے اور اہل ایمان کو خوشخبری سنائیے بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا کہ اہل ایمان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہ نسبت دوسرے انبیاء علیہم السلام کی امت کے بہت بڑا فضل ہے۔ اور انھیں ان پر زیادہ شرافت اور اجر اعمال عطا کیا گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور احسان ہے۔

العجوبہ : پہلی امتوں کو ایک نیکی پر ایک ثواب ملتا تھا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے ایک کے بدلے دس۔ اور بعض نیکی ایسی ہوتی ہے جس کا اجر و ثواب بے انتہا ہوتا ہے۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس سے بخشش بزرگ مراد ہے یعنی ایسے حضرات کو دولت دیدار سے نوازا جائے گا۔ دولت دیدار سے بڑھ کر اور کوئی بزرگی اور شرافت نہ ہو گی۔

ف : بعض علماء نے فرمایا کہ دعا مانگنے والے کو اجابت اور سیر الی اللہ والے کو منزل مقصود اور جد وجہد کرنے والے کو مدد اور شاکر کو زیادتی نعمت اور مطیع کو اجر و ثواب اور عاصی کو گناہوں کی معافی اور نادم کو رحمت اور محب کو کرامت اور مشتاق کو دیدار اور رؤیت نصیب ہو گی۔ خوشخبری سے یہی مراد ہے۔

ف : حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی و حضرت معاذ رضی اللہ عنہما کو بلا کر یمن کو روانہ کیا اور فرمایا کہ جا کر

اہلِ اسلام کو خوشخبری سناؤ اور متنفرنہ کرو اور آسانی دو اور مشکل میں نہ پھنساؤ۔ اس لیئے کہ مجھے میرے اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے۔ پھر یہی آیت تلاوت فرمائی۔ کذا فی فتح الرحمٰن

مسئلہ: آیت مذکور اور حدیث اور آیت و ذکّر فان الذکری تنفع المؤمنین سے ثابت ہوا کہ بیٹھ کر وعظ سنانا جائز ہے بشرطیکہ اس سے رضائے حق مطلوب ہو۔

مسئلہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب کو بعد نماز عشاء ذکر کی مجلس منعقد فرما کر گڑگڑا کر دُعائیں مانگتے۔ پھر اہلِ مجلس کو خوف و رجاء کا وعظ سناتے۔ یعنی آپ کے وعظ میں نہ تو تمام خوف کی باتیں ہوتیں اور نہ ہی تمام باتیں امید از رحمتِ الٰہی کی۔ یعنی درمیانہ وعظ ہوتا۔

مسئلہ: جو شخص کسی عذر سے ذکر نہیں کرتا اور اپنے بجائے دوسرے کو خلیفہ بنا کر مجالس ذکر منعقد کراتا ہے تو یہی جائز ہے۔

مسئلہ: مختلف شہروں اور قصبوں اور دیہاتوں میں ذکر کی مجالس منعقد کرنے کے لیے اپنے خلفاء بھیجے جائیں کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے بندوں کا بہت بڑا دینی فائدہ ہے۔ جیساکہ اہلِ ارشاد پر مخفی نہیں ہے۔

وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ اور کفارِ مکہ کی اطاعت نہ کیجئے **وَالْمُنٰفِقِيْنَ** اور نہ مدینہ طیبہ کے منافقین کی۔ اس سے مداومت مراد ہے یعنی آپ ان کی مخالفت پر مداومت کیجئے اور کبھی ان کی اطاعت اور اتباع نہ کرنا۔

ف: الارشاد میں ہے کہ امر دعوت اور تبلیغ میں نرمی کرنے اور ان کے انذار میں چشم پوشی سے روکا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ آپ ہر حال میں ان سے دُور رہیں اور ان سے سخت نفرت کریں اور انہیں اپنے کسی بھی معاملہ میں اپنا یار و مددگار نہ بنائیں۔

وَدَعْ اَذٰىهُمْ اور اگر وہ آپ کی انذار و تبلیغ کے معاملہ میں سخت گیری پر آپ کو ستائیں تو ان کی پروا نہ کیجئے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ایک دفعہ قسم کھائی تو انصاریوں میں کسی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی ہے لیکن اس سے ان کا ارادہ رضائے الٰہی کا نہیں ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سُنا تو آپ کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور فرمایا، موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ وہ مجھ سے

بہت زیادہ ایذا دیئے گئے لیکن پھر بھی صبر فرمایا ہے۔

صد ہزاران کیمیا حق آفرید

کیمیائے ہمچو صبر آدم ندید

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے بے شمار کیمیا پیدا فرمائے لیکن آدم کے صبر جیسا کوئی بہتر کیمیا نہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان کی عادات میں سے کسی کو نہ اپنایئے اور جس نے ہم سے رُوگردانی کی اور جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل بنا دیا اور جسے ہم نے گمراہ کیا یعنی کفار و منافقین اور اہل بدعت اور اہل جدال کی موافقت نہ کیجئے۔ اس میں صدق و سچائی سے ارباب طلب کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اس دعوت کا انکار کریں اور نہ اس سے غفلت برتیں جب انہیں خواہشاتِ نفسانی کی طرف میلان ہو یا ان سے راہِ حق کے انقطاع کے امور سامنے آئیں تو ان کی اطاعت نہ کریں اگرچہ وہ ہزاروں قسمیں کھا کر کہیں کہ ہم تمہارے خیر خواہ ہیں اور تمہارے لیے شفیق و کریم ہیں اور تمہیں نیکی کی دعوت دے رہے ہیں (جیسے آج کل تبلیغی جماعت کے بستر بند لوگ اہلِ اسلام کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسا رہے ہیں) وَدَعْ اَذٰىهُمْ ان سے بحث و تمحیص اور مناظرہ و مجادلہ نہ کیجئے کیونکہ وہ کلماتِ حق سے کوسوں دُور ہیں ان سے بات کر کے تضییع اوقات نہ کریں۔

تفسیر عالمانہ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اور جملہ امور بالخصوص دعوت و تبلیغ کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر بھروسا کیجئے وہ آپ کی کفایت فرمائے گا بالآخر نیک انجام آپ کے لئے ہے وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا اور اللہ تعالیٰ وکیل ہے یعنی جملہ احوال میں جملہ امور اسی کے سپرد کئے گئے ہیں۔ وکیل: وزن فعیل بمعنے مفعول ہے اور کفیٰ کے فاعل یعنی اللہ سے تمیز واقع ہے اور باء صلہ کی ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ازروئے کفالت کافی ہے اس لیے کہ دارین کی ہر ضرورت کا وہی پورا کرنے والا ہے۔

ف: جس کا یقین مستحکم ہو کہ بندوں کے جملہ امور اسی کے ہاتھ میں ہیں اور وہی سب کے کام کرتا ہے اور ہر ایک کی ضروریات پوری کرتا ہے۔ کسی حال میں کسی سے بھی دُکھ نہیں پایا اور نہ ہی اسے پریشانی ہوتی ہے۔

حکایت حجاج بن یوسف نے کسی سے کعبہ معظمہ کے گرد طواف کرتے ہوئے زور سے لبیک پڑھتے ہوئے سن کر فرمایا، اس شخص کو میرے یاں لاؤ۔ جب اسے لایا گیا تو حجاج نے اس سے پوچھا، تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں مسلمان ہوں۔ حجاج نے کہا، میری مراد یہ ہے کہ آپ کس شہر سے تشریف لائے ہیں؟ اس نے کہا، یمن سے آیا ہوں۔ حجاج نے پوچھا کہ محمد بن یوسف کا کیا حال ہے! اس نے کہا، بہت خوب۔ موٹا تازہ ہے۔ خوش لباس ہے، ہر وقت سواری پر نظر آتا ہے، کبھی شہر کے باہر کبھی اندر جاتا ہے۔ حجاج نے کہا: میں نے یہ نہیں پوچھا بلکہ میں پوچھتا ہوں کہ اس کے عادات کیسے ہیں؟ اس نے کہا، وہ بہت بڑا ظالم، خیانتی، ظالموں بدکاروں کا حامی اور خالق کا نافرمان انسان ہے۔ حجاج نے کہا کہ آپ بڑے جری ہیں، آپ کو معلوم نہیں کہ وہ میرا بھائی ہے اور بھائی کا گلہ بھائی برداشت نہیں کر سکتا۔ اس شخص نے کہا: آپ کو معلوم نہیں کہ میں کون ہوں! حجاج نے کہا، وہ کیسے؟ اس نے کہا، میں بھی اللہ تعالیٰ کا مہمان اور اس کے نبی ذیشان علیہ السلام کا غلام ہوں۔ یہ سن کر حجاج خاموش ہو گیا اس سے کوئی جواب نہ بن آیا۔ وہ شخص حجاج سے پوچھے بغیر اس کی مجلس سے نکل آیا اور پھر سیدھا کعبہ معظمہ کی طرف چلا گیا اور اس کے پردوں کو پکڑ کر کہا، اے اللہ! مجھے تیری پناہ چاہیے اور مجھے نجات عطا فرما اور تیری مہربانی قدیم ہے اور تو ہر ایک پر کرم نوازی فرماتا ہے۔

سبق شخص مذکور حجاج سے توکل کی برکت سے نجات پا گیا ورنہ حجاج کو اس کی باتیں کب گوارا تھیں وہ اپنے نافرمان کو قطعاً معاف نہ کرتا اور فوراً اسے تہِ تیغ کر دیتا۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ بحر العلوم میں ہے کہ النکاح بمعنے الوطی۔ پھر استعارۃً بمعنے عقد استعمال ہونے لگا۔ ایسے مجازات عرب میں عام ہیں کہ مسبب کو سبب کا نام دیتے ہیں۔ مثلاً عقد نکاح وطی مباح کا سبب ہے۔ اسی قاعدہ پر آیۃ الزانی لا ینکح الا زانیۃ میں ینکح بمعنے یتزوج ہے۔ ایسے ہی اہلِ عرب نبات کو غیث کہتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

رعیت الغیث۔

وہ اس لیے کہ غیث نبات کا سبب ہے۔ اور خمر سے گناہ مراد لیتے ہیں اس لیے کہ شراب گناہ کا سبب ہے۔

امام راغب نے المفردات میں لکھا ہے کہ در اصل نکاح بمعنے عقد ہے پھر استعارۃً جماع کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن یہ محال ہے کہ اس کا اصل معنیٰ جماع ہو اور پھر استعارۃً بمعنے عقد استعمال کیا جائے اس لیے کہ جماع کے جملہ اسماء کنایاتی ہیں اس لیے کہ اہلِ عرب اس کی تصریح کو اس کے ارتکاب

کی طرح قبیح سمجھتے ہیں اور پھر یہ بھی محال ہے کہ جس کا وہ ذکر بھی قبیح سمجھتے تو اسے مستحسن امر کے لیے استعارہ کریں۔
القاموس میں ہے کہ النکاح بمعنے وطی وعقد۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے ایمان والو! جب تم نکاح کرو الْمُؤْمِنٰتِ مومن عورتوں سے۔ یہاں صرف اہلِ ایمان عورتوں کی قید لگائی گئی اگرچہ کتابیات کے ساتھ بھی نکاح جائز ہے تاکہ تنبیہ ہو اہلِ ایمان صرف مومن عورتوں سے نکاح کرتے ہیں تاکہ نطفے کی حفاظت ہو اور فاسق عورتوں سے اجتناب۔ چہ جائیکہ وہ کافر عورتوں سے نکاح کرے۔ سورۂ مائدہ میں کتابی عورتوں سے نکاح کی تصریح ہے تاکہ اس کے جواز کا علم ہو اور یہاں مومن عورتوں پر اکتفا کیا گیا ہے تاکہ اہلِ ایمان کو معلوم ہو کہ ان کے لیے اہلِ ایمان عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا اولیٰ ہے اس لیے کہ جنس کو جنس کی طرف میلان ہوتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے۔ ؎

جنس سوئے جنس صد پرہ برد
بر خیالش بند ہا را بر درد

ترجمہ: جنس اپنی جنس کی طرف ہزار بار میلان رکھتی ہے بلکہ اسی کے تصور میں ہزاروں قید و بند توڑ ڈالتی ہے۔

آں یکے را صحبت اخیار خار
لاجرم شد پہلوے فجار جار

ترجمہ: دوسرے وہ ہیں جو بہتر لوگوں کی صحبت سے نفرت کرتے ہیں۔ اس لیے بُروں کے مصاحب بھی بُرے ہوتے ہیں۔

ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ طلاق کا لغوی معنیٰ ہے التخلیۃ من الوثاق (کسی کی قید و بند چھوڑ دینا) مثلاً کہا جاتا ہے:

اطلقت الناقۃ من عقالہا۔
(میں نے اونٹنی کا بند چھوڑا)

اور کہتے ہیں:

طلقہا وھی طالق وطلق بلا قید وغیرہ۔

اسی سے استعارہ کرکے کہتے ہیں:

طلقت المرأۃ ای خلیتہا فھی طالق۔

یعنی وہ میرے نکاح سے نکل گئی مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ جماع کرنے سے پہلے انہیں طلاق دو

تَمَسُّوْ اور لمس سے جماع مراد ہے۔

ف : لفظ ثُمَّ سے ایک وہم کا ازالہ کیا گیا ہے وہ یہ کہ طلاق کی تراخی عدت پر اثر انداز ہوگی جیسے نسب عدۃ پر اثر انداز ہوتا ہے اس لیے کہ غیر مدخولہ کی وہی عدت ہے جب اسے طلاق ملے گی خواہ نکاح کے فوراً بعد طلاق دے دے یا دیر کر کے۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ نکاح سے پہلے کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی اس لیے کہ طلاق کو نکاح پر مترتب کیا گیا ہے۔

اسی لیے بعض فقہاء نے کہا کہ نکاح ایک گرہ ہے جسے طلاق ہی کھولتی ہے۔ جب گرہ ہی نہ ہو تو پھر کھولنے کا کیا معنی!

مسئلہ : اسی قانون پر امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ نے الفاظ متی تزوجت فلانۃ او کل امرأۃ اتزوجھا فھی طالق (جب میں نے فلانہ سے نکاح کیا یا جس عورت سے میں نکاح کروں وہ مطلقہ ہے) سے طلاق کے عدم وقوع کا فتویٰ دیا ہے۔

ہمارے امام اعظم سیدنا ابوحنیفہ قدس سرہٗ نے وقوع طلاق کا حکم صادر فرمایا ہے آپ نے اسے طلاق معلق میں شامل فرمایا ہے۔

مسئلہ : قائل کا نکاح فضولی نے کیا تو قائل کی عورت مطلقہ نہ ہوگی۔ کذا فی المحیط۔ قال امام ابوحنیفہ۔

مسئلہ : اس صورت میں امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر معین عورت کا نام لے کر کہا یا کسی خاص قبیلہ یا کسی خاص شہر کی عورت کے لیے مذکورہ الفاظ کہے تو طلاق واقع ہوگی اور اگر عام اور مطلق کہا، مثلاً :

کل امرأۃ اتزوجھا من الناس کلھم۔

تو نکاح کرنے کے بعد طلاق واقع نہ ہوگی۔

مسئلہ : ایسی جگہ اپنی منکوحہ کے ساتھ تنہائی میں رہنا جہاں اسے جماع کرنا آسان تھا تو جماع کا حکم ثابت ہو جائے گا خواہ جماع نہ کرے۔ یہی امام اعظم ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کا مذہب ہے۔

ف : خلوۃ صحیحہ یوں کہ دروازہ بند کر کے کسی ایسے مکان میں رہنا جہاں جانبین (زن و شوہر) کے لیے کوئی شے جماع سے مانع نہ ہو۔

ف : مانع از جماع تین چیزیں ہیں :

(۱) حسّی جیسے بیماری، اس لیے کہ اس سے جماع میں رکاوٹ ہوتی ہے۔ ایسے ہی رتق یعنی عورت کے رحم کا انسداد جو جماع سے ہوتا ہے۔

(۲) شرعی جیسے روزۂ رمضان۔

مسئلہ: نفل اور قضا اور نذر و کفارہ کے روزے مانع نہیں ہیں۔ یہی صحیح ہے اس لیے کہ ان کے توڑنے سے کفارہ واجب نہیں۔ ایسے ہی احرام فرضی یا نفلی، اس لیے کہ جماع کرنے سے احرام ٹوٹ جاتا ہے اور اس پر دم لازم ہے اور قضا بھی۔

(۳) طبعی جیسے حیض و نفاس، کیونکہ طبائع سلیمہ ایسی حالت میں جماع سے نفرت کرتی ہیں۔

مسئلہ: ان موانع کے بغیر اگر عورت سے علیحدگی اختیار کی، یہاں تک کہ وہاں نابینا اور کوئی نیند کرنے والا بھی نہیں تھا اور ہر کسی کو ان کی خلوت (جماع) کا علم نہیں ہو سکتا جب تک وہ اجازت نہ دیں عورت مدخولہ سمجھی جائے گی اور مرد پر اس کا مہر ادا کرنا واجب ہوگا اس لیے کہ ایسی تنہائی میں عورت کو لے کر بیٹھنا خلوۃ صحیحہ کے حکم میں ہے اگرچہ مرد خصی ہو یا اس کے خصیے کٹے ہوں یا عنین (نامرد) ہو۔ یعنی وہ مرد جو وطی کرنے پر قدرت نہیں رکھتا ایسے ہی مجبوب (جس کا ذکر کٹا ہوا ہو) ۔ یہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ صاحبین اس کے خلاف ہیں۔

مسئلہ: فرضی نماز بھی فرضی روزے کی طرح مانع ہے اس لیے کہ نماز کے ترک پر وعید شدید ہے۔

مسئلہ: خلوت صحیحہ سے عدت واجب ہو جاتی ہے۔ اگرچہ مانع بھی ہو۔ یہ احتیاطی تدبیر ہے، اس لیے کہ ممکن ہے مرد کا پانی عورت کے رحم میں چلا گیا ہو اور یہ حقوق شرع میں سے ہے اور اولاد کی حفاظت کے لیے ہے۔

ف: حیض، نفاس، رتق عورت کے اعذار ہیں اور مرض مطلق، احرام، روزہ مشترک اعذار ہیں اس لیے کہ یہ اعذار مرد اور عورت دونوں کو لاحق ہوتے ہیں اس لیے یہ دونوں کے لیے مانع متصور ہوں گے۔ کذا فی تفسیر ابی اللیث۔

اب آیت کا معنی یوں ہوا کہ اے لوگو! جب تم اپنی عورتوں کو قبل از دخول اور بعد خلوۃ صحیحہ طلاق دو فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ پس نہیں تمہارے لیے ان مطلقہ عورتوں پر عدت کہ تم ان کے نکاح ثانی کا انتظار کرو۔

حل لغات: عدۃ سے وہ ایام مراد ہیں کہ جنہیں عورت گزارے گی تب کسی کے ساتھ نکاح ہوگا۔ تَعْتَدُّوْنَهَا محلاً مجرور ہے اس لیے کہ یہ عدۃ کی صفت ہے یعنی ان کے وہ ایام جنہیں تم

گنتے رہو گے اور انھیں گھروں میں بند رکھو گے تاکہ ان کے ایام حیض گزریں۔ یا حیض سے فارغ ہے تو تین ماہ گنے جائیں۔

ف : گنتی کا اسناد مردوں کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ عورتوں کی عدت کا انتظار کرنا مردوں کا حق ہے جیسا کہ فما لکم سے بھی معلوم ہوتا ہے۔

مسئلہ : آیت سے معلوم ہوا کہ غیر مدخولہ عورت کو عدت گزارنے کی ضرورت نہیں خواہ طلاق ملتے ہی کسی سے نکاح کرلے اس لیے کہ اس میں نطفۂ غیر کا کوئی وہم نہیں ہے۔ ایسے ہی وہ لونڈی جسے بیچا گیا تو اس کے ساتھ مالک نے بیچنے سے پہلے وطی نہیں کی اور یقین ہے کہ اس کے رحم میں غیر کا نطفہ نہ ہوگا تو اس لونڈی کو استبراء کی ضرورت نہیں۔ یہ امام ابو یوسف کا مذہب ہے۔ طرفین یعنی حضرت امام اعظم و حضرت امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر لونڈی باکرہ ہو یا ایسے شخص سے خریدی گئی جس سے وطی کا امکان نہیں۔ مثلاً عورت سے خریدی گئی یا بچے سے یا عنین ومجبوب سے یا بیچنے والے کو شرعی مانع تھا۔ مثلاً وہ ذی رحم محرم ہو یا رضاعی رشتہ دار یا حرمت مصاہرۃ۔ ایسے ہی وہ موجبات جن سے وطی کرنا اس پر حرام ہو ایسے ہی وطی کے دوسرے اسباب، جیسے بوسہ لینا اور گلے لگانا، اور شہوت سے اس کی فرج وغیرہ کو دیکھنا ایسے امور میں لونڈی کے لیے استبراء از حیض، یا اس کا معائنہ کر دیا کہ اس کے اندر حمل تو نہیں ٹھہر گیا۔ کذا فی شرح النقتانی۔

فَمَتِّعُوْهُنَّ تو انہیں متعہ دو۔ متعہ سے چادر، دوپٹہ اور قمیص مراد ہے۔ جیسا کہ اس سورۃ میں ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

مسئلہ : اگر عورت کے لیے نکاح کے وقت مہر مقرر نہیں ہوا تو متعہ واجب ہے۔ اگر مہر مقرر ہوا تو متعہ کے کپڑے دینا مستحب ہے۔ اگر غیر مدخول بہا کا مہر مقرر ہوا تو طلاق کے بعد نصف مہر دینا ہوگا متعہ دینے کی ضرورت نہیں۔ کما قال تعالیٰ :

وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن وقد فرضتم لھن فریضۃ فنصف ما فرضتم۔

(یعنی اگر عورتوں کو جماع سے پہلے طلاق دو تو تم کو مہر کا آدھا حصہ دینا ہوگا)

وَسَرِّحُوْهُنَّ اسی سورۃ میں تسریح کا معنیٰ تفصیل سے گزرا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ غیر مدخولہ عورتوں کو طلاق دینے کے بعد انہیں گھروں سے نکال دو اس لیے کہ ان پر عدت گزارنا واجب نہیں ہے۔

سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ اس سے مراد یہ ہے کہ انہیں گھروں سے نکالتے وقت نہ تو کوئی نقصان پہنچاؤ

اور نہ ہی ان کا کوئی حق روکو۔

مسئلہ: کشف الاسرار میں ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ انہیں جور غضب سے یا کسی کے کہنے پر طلاق مت دو اور نہ ہی بیک وقت تین طلاق دو اور نہ ہی ان کے مہر روکو۔

ف: تسریح کو طلاق سنی کے معنے پر محمول کرنا مناسب ہے اس لیے کہ طلاق سنی مدخول بہا کے لیے ہوتی ہے اور یہاں غیر مدخول بہا عورتوں کا ذکر ہو رہا ہے اور ضمیر بھی ان کی طرف راجع ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے آیت میں اشارہ ہے کہ انسان کو اخلاق بلند رکھنے ضروری ہیں یعنی اے مسلمانو! جب تم مومنہ عورتوں سے نکاح کرو اور ان کے دل بھی تمہاری طرف مائل ہیں پھر تم ان کے وصال سے پہلے انہیں اپنے سے جدا کرنا چاہتے ہو اور اپنے سے ان کے دل توڑنے کا ارادہ رکھتے ہو تو تمہیں ضروری نہیں کہ جدا کرنے کے بعد کسی عدت وغیرہ کا انتظار کرو، ہاں انہیں اپنے سے جدا کرتے وقت کچھ کپڑے وغیرہ دے دو تاکہ وہ بوقت جدائی تمہاری یادگار بن جائیں اور ان کپڑوں سے ان عورتوں کے دل جدائی کی وحشت سے مغموم و محزون نہ ہوں پھر انہیں اپنے سے اچھے طریقے سے چھوڑ دو یعنی جدائی کے بعد تم انہیں خیر اور بھلائی سے یاد کرو اور انہیں جو کچھ تم نے احسان و کرم کے طور پر عنایت کیا ہے ان سے مت چھینو۔ تمہارے لیے لازم ہے کہ انہیں جدائی کے ضرر کے ساتھ مال چھیننے کا نقصان نہ پہنچاؤ۔

سبق مومن پر واجب ہے کہ وہ کسی کا ناحق دل نہ دکھائے یہاں تک کہ کتا اور خنزیر بھی اس سے ایذاء نہ پائیں اور ذرہ برابر بھی کسی پر ظلم نہ کرے۔ اگر کسی کو رنج اور تکلیف پہنچائی تو اس سے معافی طلب کرے اور اسے راضی کرنے کی کوشش کرے۔ ہم اپنے دور میں بہت سے لوگوں کو دیکھ رہے ہیں کہ وہ لوگوں کو خواہ مخواہ تکلیف پہنچا کر بہت بڑے گناہوں میں مبتلا ہو رہے ہیں اور لوگوں سے مفت میں لڑائی مول لے کر پھر صلح و صفائی کے لیے مال اور دولت لوٹتے ہیں۔ یہ غریب موت کے کڑوے گھونٹ سے بے خبر ہیں۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ ہزار گونہ خصومت کنی بخلق جہان
زبسکہ در ہوس سیم و آرزوے زری

۲ ترا ست دوست زر و سیم و خصم صاحب دست
کہ گیری از کفش آنرا بظلم و حیلہ گری

۳ زمقتضائے خرد باشد و نتیجہ عقل
کہ دوست را بگزاری و خصم را ببری

ترجمہ: (۱) ہزار طرح خلقِ خدا سے جھگڑا کرتا ہے صرف اس لیے کہ تجھے سیم و زر کی ہوس ہے۔

(۲) تجھے سیم و زر سے پیار ہے لیکن اس کا مالک تو اس کا دشمن ہے جسے تو ہزار حیلہ و ظلم سے حاصل کرتا ہے۔

(۳) یہ تو عقل کے تقاضے اور دانش کے نتیجے سے باہر ہے کہ تو دوست کو چھوڑ کر دشمن کے گھر میں لے جائے۔

تفسیر عالمانہ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ الاحلال بمعنے حلال کرنا۔ دراصل حلال گرہ کھولنے کو کہا جاتا ہے۔ اسی سے استعارہ کر کے حل الشئ حلا بولتے ہیں کذا فی المفردات۔

اب معنی یہ ہوا کہ اے پیارے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے آپ کے لیے حلال کی ہیں اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وہ عورتیں جن کا آپ نے مہر ادا کیا ہے۔ عقد اور عقد کے قائم مقام کے عوض میں جو کچھ ادا کیا جائے اسے اجر سے تعبیر کرتے ہیں یعنی عمل دنیوی یا اخروی کے ثواب کا نام اجر ہے لیکن یہاں پر مہر مراد ہے وہ اس لیے کہ مہر بھی عورت کی بضع کا بدلہ ہے بضع بمعنے مباشرت اور عورت کا مرد کے حق میں زندگی بسر کرنا، مہر معجل ہو یا مؤجل، لیکن حضور علیہ السلام کے لیے مہر سے احلال کو متقید کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نکاح کے وقت اس کا ذکر بھی ضروری ہے یا اس کی نفی سے نکاح میں فرق آجاتے اس لیے کہ مہر کے عدم ذکر یا عدم تسمیہ سے نکاح ہو جاتا ہے۔ ہاں اس پر مہر ادا کرنا واجب ہوگا یا متعہ، جبکہ مہر کی نفی ہو۔ بلکہ اس سے زائد اشیا دینا افضل ہے وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ اور وہ لونڈیاں بھی ہم نے آپ پر حلال کی ہیں جن پر آپ نے قبضہ کیا مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الافاء بمعنے غنیمت کا مال دینا۔ بعض نے فئی اس غنیمت کو کہا ہے جو بلا مشقت حاصل ہو۔ اسے فئی بمعنے ظل یعنی سایہ سے تشبیہ دی گئی ہے تاکہ تنبیہ ہو کہ جیسے سایہ جلد ترمٹ جاتا ہے ایسے ہی مالِ دنیا کا حال ہے۔

مسئلہ: فقہاء کرام نے فرمایا کہ کفار سے جو کچھ غنیمت کے طور پر حاصل کیا جائے اسے فئی کہا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ فئی ہر اس فائدہ کو کہا جائے گا جو امیر لشکر کی طرف لوٹے گا۔ یہ فئی بمعنے فیئ سے ہے یعنی لوٹنا۔

خلاصہ یہ کہ جو شئے ہم کفار و مشرکین سے جنگ کے دوران غلبہ پاکر حاصل کریں گے اسے فئی سے تعبیر کیا جائے گا اور جزیہ کو بھی فئی کہا جاتا ہے۔ اور اہل صلح سے حاصل کردہ مال کو بھی فئی سے تعبیر کرتے ہیں اور خراج کو بھی فئی کہتے ہیں اس لیے کہ یہ جملہ اموال وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے چھین کر مسلمانوں کو

عطا فرمائے ہیں اور یہاں پر مطلق عطا مراد ہے اور مملوکہ کی حلت کو قید میں آجانے سے اس لیے مقید کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام کو ہر حال میں اولیٰ امر کے اختیار کرنے کا اختیار دیا گیا ہے اس لیے کہ خرید کردہ لونڈی مما افاء اللہ میں سے نہیں اور قید میں لائی ہوئی لونڈی مما افاء اللہ میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بی بی ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا مما افاء اللہ میں سے نہیں اس لیے کہ یہ بی بی قید ہو کر نہیں آئی تھیں بلکہ شاہ مصر ملقب بہ مقوقس نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدیہ کے طور بھیجی تھی۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی باندیاں

انسان العیون میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار باندیاں تھیں،

(۱) بی بی ماریہ قبطیہ اُمِّ ابراہیم رضی اللہ عنہ

(۲) ریحانہ

(۳) جاریہ جمیلہ جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بی بی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے ہبہ کیا۔

(۴) زلیخا القرظیہ

ریحانہ بنت یزید بنی نضیر کے قبیلہ سے تھیں۔ یہی قول زیادہ مضبوط ہے۔ ایسے ہی عراقی نے فرمایا۔ اور حافظ دمیاطی نے فرمایا کہ اہل علم کے نزدیک ترجیح اسی قول کو ہے۔ انھیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے شرفِ زوجیت حاصل ہوا اور صفیہ بنت حیی یا روئیہ خیبر کے غنائم سے حاصل ہوئیں اور جویریہ بنت الحارث بن ابی صوار الخزاعیہ المصطلقیہ یہ دونوں اگرچہ قیدی ہو کر آئیں لیکن حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر کے شرفِ زوجیت سے نوازا۔ اس معنے پر یہ دونوں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں شامل ہوں گی انھیں کنیزوں میں شامل نہ کرنا چاہیے۔ کتب سیر میں ایسے ہی وارد ہے حضرت مولانا ابو السعود صاحب تفسیر سے سوال ہوا کہ غازیوں کی حاصل کردہ لونڈیوں کو خرید کر انھیں بلا نکاح تصرف میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا، مکروہ ہے۔ اس لیے کہ آج کی تقسیم میں شک شبہ ہے اس لیے ہمارے دور میں شرعی تقسیم نہیں رہی۔ یہ ۹۴۸ھ کا دور ہے۔ ہاں اگر صحیح طریقۂ شرعیہ کے مطابق تقسیم ہو تو کوئی حرج نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی شک و شبہ ہے۔

ف: نفل اس مال کو کہا جاتا ہے جو غازی کو غنیمت کے علاوہ انعام کے طور پر دیا جاتا ہے۔ مثلاً اس وقت کا امیر اور حاکم کہہ دے جو جسے قتل کرے گا اس مقتول کا مال قاتل کو دیا جائے گا۔ یا یوں کہے کہ لونڈیوں میں سے جو بھی حاصل کرلے وہ اسی کی ہوگی یا اس کا چوتھا یا پانچواں حصہ ملے گا وغیرہ وغیرہ اس کے بعد وقت کے حاکم کو وعدہ کے مطابق زیادہ مال دینا ہوگا۔

وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ ۔ البنت والابنۃ ابن کی مونث ہے ۔ عم باپ کا بھائی یعنی چچا ، عمہ باپ کی بہن ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے آپ پر قریش کی عورتوں میں سے حضرت عبد المطلب کی اولاد سے حلال کی ہیں ۔

حضور علیہ السلام کے چچے

حضور علیہ السلام کے بارہ چچے تھے اور وہ یہ ہیں :

(۱) الحارث (۲) ابوطالب

(۳) الزبیر (۴) عبد الکعبہ (۵) حمزہ

(۶) المقوم بفتح الواؤ وکسر ہا مشددہ

(۷) جحل بتقدیم الجیم علی الحاء ، اس کا نام مغیرہ تھا اور جحل السقاء موٹے کو کہتے ہیں ۔ بعض نے لکھا بتقدیم الحاء المفتوحۃ علی الجیم ، اس کا اصل معنیٰ ہے خلخال ۔

(۸) حضرت عباس (۹) ضرار

(۱۰) ابولہب (۱۱) قثم

(۱۲) غیداق ، اس کا اصل معنیٰ مصعب یا نوفل تھا ۔ اس کی کثرتِ جود وسخا کی وجہ سے اسے غیداق کہا جاتا ہے ۔

ف : آپ کے جن چچاؤں نے آپ کا زمانۂ نبوت پایا ان میں صرف دو مسلمان ہوئے :

(۱) حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ

(۲) حضرت عباس رضی اللہ عنہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چچا زادیاں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چچا زادیوں کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں :

(۱) ضباعۃ بنت الزبیر بن عبد المطلب ۔ اور وہ حضرت مقداد کی منکوحہ تھیں ۔

(۲) ام حکیم بنت الزبیر ۔ یہ نضر بن حارث کی منکوحہ تھیں ۔

(۳) ام ہانی بنت ابی طالب ۔ ان کا نام فاختہ وجمانۃ بنت ابوطالب تھا ۔

(۴) ام حبیبہ بنت العباس بن عبد المطلب ۔

(۵) آمنہ " " "

(۶) صفیہ " " "

(۷) اروی بنت الحارث بن عبد المطلب ۔

حضور علیہ السلام کی پھوپھیاں

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھیاں چھ تھیں۔ ان کے اسمائے یہ ہیں :

(۱) اُم حکیم ، ان کا نام البیضا تھا

(۲) عاتکہ

(۳) برہ

(۴) اروی

(۵) امیمہ

(۶) صفیہ

بالاتفاق علماء ان میں سے سوائے بی بی صفیہ ام الزبیر بن العوام کے کوئی بھی مسلمان نہ ہوئی۔ بی بی صفیہ نے نہ صرف اسلام قبول کیا بلکہ ہجرت بھی کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فوت ہوئیں۔ عاتکہ اور اروی کے اسلام میں اختلاف ہے اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اعمام وعمات کی کسی لڑکی سے نکاح نہیں کیا سوائے بی بی زینب بنت جحش بن رباب کے اس لیے کہ ان کی والدہ کا نام امیمہ بنت عبد المطلب تھا۔ کذا فی التکملہ۔

وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ خال ماں کا بھائی اور خالہ ماں کی بہن کو کہتے ہیں۔ اس سے بنی زہرہ کی اولاد مراد ہے یعنی عبد مناف بن زہرۃ کی اولاد۔ نہ اس سے بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا کے بھائی کی اولاد مراد ہے اور نہ ہی آپ کی بہن کی، اس لیے کہ بی بی آمنہ بنت وہب اُمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بھائی نہ تھا۔ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ماموں اور خالہ ہی نہیں تھی تو پھر ان کی اولاد کیسے مراد ہو سکتی ہے ہاں اس سے آپ کی والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا کے قبیلہ کی اولاد مراد ہے اسی لیے بنو زہرہ کہا کرتے تھے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں ہیں وہ اس لیے کہتے تھے کہ آپ کی والدہ اسی قبیلہ سے متعلق تھیں۔ اسی بنا پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو فرمایا کرتے تھے،

هذا خالی (یہ میرے ماموں ہیں)

ف : آیت میں خال وعم کو مفرد اور عمات وخالات کو جمع لایا گیا ہے حالانکہ خال وعم میں بھی تو جمع مراد ہے چونکہ عم وخال مفرد ہو کر جنس کا معنیٰ دیتا ہے اور جنس کو صیغۂ جمع کی ضرورت نہیں اور پھر اس میں لفظی تخفیف بھی ہے اگرچہ عمہ وخالہ بھی اسم جنس کا معنیٰ دے سکتی ہیں لیکن ان میں تا واقع ہے

اور اس میں وحدت کا شبہ ہو سکتا ہے۔ اسی معنے پر انھیں جمع کے صیغے پر لایا گیا۔ اس کی نظیر مصدر ہے کہ اگر اس میں تا نہ ہو تو اسے صیغۂ جمع پر نہیں لایا جاتا۔ اگر تا ہو تو اس سے جمعیت مطلوب ہو تو پھر صیغۂ جمع پر لایا جاتا ہے ہکذا ذکرہ الشیخ ابو علی رضی اللہ عنہ کذا فی التکملہ۔

الّٰتی ھاجرن معک۔

یہ بنات کی صفت ہے اور مہاجرت بمعنے غیر کی مفارقت و متارکت۔ لیکن عرف شرع دار الکفر سے منتقل ہو کر دار الایمان کی طرف جانے کا نام ہجرت ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ عورتیں جو مکہ معظمہ کو چھوڑ کر آپ کے ساتھ مدینہ طیبہ میں ہجرت کر آئی ہیں یہاں پر معیت سے آپ کی اتباع فی الہجرۃ مراد ہے خواہ وہ آپ سے پہلے ہجرت کر آئی تھیں یا بعد کو، اور صرف آپ کے رشتہ داروں کے ذکر میں اشارہ ہے کہ آپ کا عقد نکاح قریبی رشتہ داروں میں زیادہ موزوں ہے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ ہجرت نکاح کی علت نہیں بلکہ اتفاقی وصف ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وربائبکم الّٰتی فی حجورکم۔

اس میں گود میں ہونا اتفاقی وصف ہے۔ ممکن ہے کہ یہ وصف تقییدی ہو اور یہ وصف حضور علیہ السلام کے لیے خاص ہو بایں معنی کہ جو آپ کی رشتہ دار عورتیں ہجرت کر آئیں اُن سے آپ کا نکاح حلال ہو اور جو ہجرت کر کے نہیں آئیں ان سے ناجائز ہو۔

شانِ نزول اس قول کی تائید بی بی اُمِّ ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہوتی ہے وہ فرماتی ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے لیے فرمایا لیکن میں نے معذرت کی۔ تو آپ نے بھی میری معذرت کو قبول فرمایا، اس پر آیت مذکورہ بالا نازل ہوئی۔ اس معنے پر میں آپ کے لیے حلال نہ ہو سکی کیونکہ میں آپ کے ساتھ ہجرت نہ کر سکی بلکہ میں طلقائے اسلام میں شامل تھی اور طلقاء ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے اس لیے کہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پکڑ کر اسلام کے قبول کرنے کی وجہ سے انہیں چھوڑ دیا۔

ف: چونکہ ہجرت کی قید میں یہی فائدہ مطلوب تھا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اولادِ عم و خال اور اولادِ عمات و خالات کے ذکر کا اعادہ فرمایا ورنہ محرمات نکاح کی آیت میں تو یہ حکم بیان ہو چکا تھا کما قال:

واحل لکم ما وراء ذٰلکم۔

ف: ھاجرن بمعنے اسلمن ہے۔ اس تقریر پر معنے یہ ہوا کہ آپ غیر مسلمہ عورتوں سے نکاح نہ کریں۔

وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اس کا عطف احللنا کے مفعول پر ہے اس لیے کہ یہاں احلال سے احلال ناجز کا انشاء مراد نہیں بلکہ احلال مطلق مراد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو ہر طرح کا اختیار ہے کہ آپ اپنی رشتہ داروں میں نکاح کریں یا کسی اور مسلمان عورت سے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ ہم نے آپ کو ہر مومنہ عورت سے نکاح کرنے کی خبر دی ہے۔ آپ کا جس مومنہ عورت سے نکاح کرنے کو جی چاہے نکاح کر سکتے ہیں لیکن مشرکہ عورت سے نہیں اگرچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر نکاح کی درخواست کرے۔

مسئلہ: کشف الاسرار میں ہے کہ علماء کا اختلاف ہے کہ کیا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہودیہ و نصرانیہ عورت سے مہر دے کر نکاح کر سکتے ہیں یا نہیں۔ صحیح تر یہ ہے کہ آپ کے لیے یہودیہ و نصرانیہ عورت سے نکاح جائز نہیں جبکہ قرآن مجید میں آپ کے لیے وامرأۃ مؤمنۃ کہا گیا ہے۔

اِنْ وَّهَبَتْ اگر وہ عورت مومنہ ہبہ کرے نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اپنا نفس نبی علیہ السلام کے لیے۔ یہاں التفات میں تنبیہ ہے کہ یہ حکم صرف سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے آپ کے سوا کسی اور کو جائز نہیں کیونکہ آپ شرف نبوت سے مشرف ہیں۔ الھبہ بمعنے اپنی مملوکہ شے دوسرے کو بلا عوض دے دینا۔

سوال: حرہ عورت نہ ہبہ کی جا سکتی ہے اور نہ بیچی جا سکتی ہے اور نہ خریدی جا سکتی ہے۔ یہاں اس کے لیے ھبہ کا کیا معنی؟

جواب: یہاں ہبہ بمعنے مہر کے بغیر اپنے آپ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سپرد کر دینا مراد ہے۔ اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ وہ نکاح جس میں مہر کا ذکر نہ ہو تو اسے ہبہ، صدقہ، تملیک، بیع، شراء، نکاح، تزویج جیسے الفاظ استعمال کرنا جائز ہے اور یہاں پر حرف شرط اتفاقی حیثیت سے ہے یعنی اتفاقاً کبھی ایسا ہو تو آپ کو کسی قسم کی رکاوٹ نہیں۔

اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا یہ شرط اول کی استیجاب حل کے بارے میں شرط ہے، یعنی اگر کوئی عورت آپ کو نکاح کا عرض کرے تو آپ پر اس کا قبول کرنا واجب نہیں بلکہ آپ کی مرضی پر موقوف ہے آپ اس کے ساتھ نکاح کرنا چاہیں تو کر لیں ورنہ صاف جواب دے دیں استنکاح بمعنے نکاح کی طلب و رغبت۔

اب معنی یہ ہوا کہ آپ ان سے ابتداءً وانتہاءً بلا مہر چاہیں تو نکاح کر لیں خَالِصَةً لَّكَ خالصۃ، کاذبۃ کی طرح مصدر ہے۔ دراصل عبارت یوں ہوگی خلص لک احلال المرأۃ

المؤمنة خالصة بمعنے خلوصا ۔ یا یہ وھبت کی ضمیر سے حال ہے ۔ یعنی اس ہبہ کرنے والی عورت کا حال یہ ہے کہ وہ خالص آپ کے لیے ہے مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ نہ دوسرے اہلِ ایمان کے لیے وہ اس لیے کہ ان کو مہر یا اس کی مثل اگرچہ مقرر نہ ہو تب بھی مہر ادا کرنا لازم ہوگا قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ ہمیں معلوم ہے وہ جو ہم نے ان پر یعنی اہلِ ایمان پر واجب کیا ہے ان کی عورتوں کے حقوق جن میں مہر بھی ہے لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ط یہ خالصۃ کے متعلق ہے اور لام کی پر تاکید کے لیے داخل ہوتی ہے یعنی تاکہ آپ کو نکاح کے معاملہ میں تنگی نہ ہو قد علمنا ما فرضنا الخ لکیلا یکون حرج اور خالصۃ لک من دون المؤمنین کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے حکم خالصۃ لک کے مضمون کی تقریر و تاکید کرتا ہے ۔ خلاصہ یہ کہ حکم مذکور یعنی شرائط عقد اور اس کے حقوق جس قدر دیگر اہلِ ایمان پر فرض کئے گئے آپ کی تعظیم و تکریم کے پیشِ نظر آپ پر کوئی فرض نہیں یہ صرف آپ کے لیے توسیع ہے ورنہ ہم نے دوسرے مسلمانوں پر عورتوں اور کنیزوں کے بہت سے حقوق فرض کر رکھے ہیں ۔ اور آپ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ بلا مہر و ولی و شہود وغیرہ کے نکاح کریں ۔ اور مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر فرضنا میں فرض سے مہر و ولی و شہود و نفقہ اور آزاد و کنیزوں کے درمیان پوری تقسیم اور آزاد عورتوں میں سے صرف چار سے نکاح کرنا اور کنیزیں بھی وہ جو ملک شرعی سے حاصل ہوں ، وہ کنیزیں نہ ہوں جو دوسروں کی ملک میں ہوں اور یہ خفیہ طور یارانہ جوڑ لیں ۔

حدیث شریف میں ہے :

الصلٰوۃ وما ملکت ایمانکم ۔

(نماز اور اپنی ملک والی کنیزوں اور غلاموں کے حقوق کی حفاظت کرو)

ف : حدیث شریف میں ممالیک کا نماز پر عطف ڈالا گیا ہے ۔ اس میں اشارہ ہے کہ جس طرح نماز کی پابندی ضروری ہے ایسے ہی ممالیک کے حقوق طعام و پوشاک و دیگر وہ امور جن کی انھیں ضرورت ہے پابندی لازمی ہے اور نہ ان سے وہ کام کرائے جائیں جو ان کی طاقت سے باہر ہوں اور نہ ہی ان کو سخت سزا دی جائے ۔

مسئلہ : نماز کے ساتھ ممالیک کے حقوق کو ملانے میں حضور علیہ السلام کی حدیث شریف سے اشارہ ثابت ہوا کہ آقاؤں پر ممالیک کے حقوق واجب ہیں ۔

۱ جواں مرد و خوشخوے و بخشندہ باش
چو حق بر تو پاشد تو بر خلق پاش

۲ حق بندہ ہرگز فرامش مکن
بہ سنت اگر نو شد و گر کہن

۳ چو خشم آیدت بر گناہ کسے
تامل کنش در عقوبت بسے

۴ کہ سہل است لعل بدخشاں شکست
شکستہ نشاید دگر بارہ بست

ترجمہ: (۱) جواں مرد خوش خصال اور سخی ہو۔ جب تجھ پر اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا ہے تو اس کی مخلوق پر رحم کر۔

(۲) بندگانِ خدا کے حقوق فراموش نہ کر تیرے تعلق میں نیا ہے یا پرانا۔

(۳) کسی کے گناہ پر اگر تجھے غصہ آجائے تو اس کے انجام پر غور کر۔

(۴) کیونکہ بدخشانی لعل توڑنا تو آسان ہے لیکن ٹوٹے ہوئے کو جوڑنا مشکل ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا وہ باتیں جن سے بچنا مشکل ہے ان کے لیے تم پر غفور ہے **رَّحِيْمًا** ۝ اپنے بندوں پر انعام فرماتا ہے کہ جہاں تنگی یا حرج ہوتا ہے ان میں بندوں کو وسعت بخشتا ہے۔

ہبہ کرنے والی بی بی کون تھی؟ کیا کسی عورت نے اپنا نفس حضور علیہ السلام کو ہبہ کیا؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے بعض نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے جس آزاد عورت سے نکاح کیا اسے از خود نکاح کا پیغام بھجوایا، کنیزوں سے عقد کیا۔ بعض نے فرمایا کہ آپ نے موہوبہ بی بی سے بھی نکاح کیا۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ وہ موہوبہ بی بی کون تھی!

(۱) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ بی بی حضرت میمونہ بنت الحارث الہلالیہ رضی اللہ عنہا تھیں جو کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ تھیں۔ مروی ہے کہ جب آپ نے ان سے عقد نکاح کیلئے فرمایا تو وہ اونٹ پر سوار تھیں۔ حضور علیہ السلام کا پیام سن کر عرض کی، اونٹ اور اونٹ پر جو کچھ ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

(۲) شعبی نے فرمایا کہ یہ زینب بنت خزیمۃ الانصاریہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

اُمّ المساکین کس کا لقب تھا؟

فقیر (اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اکثر مفسرین نے فرمایا کہ ام المساکین اسی بی بی زینب بنت خزیمہ الانصاریہ کا لقب ہے اگرچہ زمانۂ جاہلیت میں انھیں اس لقب سے پکارا جاتا تھا۔ اسلام میں ام المومنین بی بی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو یہ لقب ملا وہ اس لیے کہ وُہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے فقراء و مساکین پر خرچ کرتیں بوجہ سخاوت انہیں ام المساکین کہا جانے لگا۔

حدیث شریف مذکورہ بالا تقریر کی تائید حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی سے بھی ہوتی ہے جب آپ نے اپنی ازواجِ مطہرات سے فرمایا:

اسرعکن لحاقا بی اطولکن یدا۔

(تم میں سے بڑے لمبے ہاتھ والی میرے ہاں جلد آئے گی)

یعنی میرے وصال کے بعد تم میں سب سے پہلے وہ فوت ہوگی جو سخاوت میں تم سب سے بڑھی ہوگی۔ اس سے بی بی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا مراد ہیں۔ اس پر جملہ محدثین وفقہاء و مورخین کا اتفاق ہے۔ بی بی صاحبہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فوت ہوئیں جیسا کہ ہم نے پہلے تفصیل سے لکھا ہے۔

اور زینب بنت خزیمہ تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں ہی فوت ہوگئیں۔

(۳) کاشفی نے لکھا کہ اگر واہبہ سے بی بی زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا مراد ہیں۔ اور یہی قول مشہور تر ہے۔ یہ ہبہ رمضان المبارک ۳ھ میں ہوا۔ بی بی صاحبہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں آٹھ ماہ بسر کئے اور ربیع الآخر ۴ھ میں فوت ہوئیں۔

(۴) حضرت علی بن الحسین اور الضحاک و مقاتل نے فرمایا کہ یہ ہبہ کرنے والی ام شریک بر وزن زبیر بنت جابر تھیں۔ قبیلہ بنو اسد سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کا نام غزیہ تھا۔

بعض علماء نے فرمایا کہ آپ نے اسے قبول نہیں کیا تھا۔ بعض نے فرمایا کہ قبول تو فرما لیا تھا لیکن قبل از دخول اسے طلاق دے دی۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بی بی ام شریک کے دل میں اسلام کی محبت پیدا ہوئی اس وقت آپ مکہ معظمہ میں تھیں وہاں اسلام قبول کر کے خفیہ طور پر قریش کی عورتوں کو دعوتِ اسلام دینا شروع کر دی یہاں تک کہ اہلِ مکہ کو ان کی خفیہ کارروائی کا علم ہوگیا اور انھیں گرفتار کر لیا اور کہا کہ اگر یہاں تیری قوم کی عزت ملحوظ نہ ہوتی تو ہم وہ کرتے جو تو یاد رکھتی۔

بی بی ام شریک پر قریش کا ظلم اور بی بی کی کرامت

بی بی فرماتی ہیں کہ مجھے میری برادری میں پہنچانے کے لیے قریش نے مجھے ایسے اونٹ پر بٹھایا جس پر کوئی کپڑا وغیرہ نہ تھا اور تین شب و روز مجھے بھوکا پیاسا رکھا، یہاں تک کہ اس اثنا میں جس منزل پر اُترتے مجھے دُھوپ میں کھڑا کر دیتے اور خود سایہ میں آرام کرتے ایک دن وہ کسی منزل پر ٹھہرے اور مجھے حسبِ دستور دُھوپ میں کھڑا کیا اور خود سایہ میں آرام کر رہے تھے تو میں نے اپنے میں ٹھنڈک محسوس کی۔ میں نے دیکھا کہ پانی سے بھرا ہوا ایک ڈول تھا۔ میں نے اس سے تھوڑا سا پیا۔ پھر وہ ڈول ہٹا لیا گیا۔ اسی طرح کچھ دیر کے بعد ہُوا۔ ایسے متعدد بار ہُوا یہاں تک کہ میں نے جی بھر کر پیا۔ اس کے بعد مجھ پر پانی چھڑکا گیا یہاں تک کہ میرا جسم اور کپڑے تر ہو گئے اندریں اثنا وہ جاگ پڑے اور مجھ پر پانی کا اثر دیکھ کر مجھے کوسنے لگے اور کہا کہ تُو نے رسیاں توڑ کر ہمارے ڈول سے پانی لیا ہے۔ میں نے انہیں قسم کھا کر صحیح حال سنا دیا۔ انہوں نے کہا: اگر تو سچی ہے تو پھر تیرا دین ہمارے دین سے بہتر ہے۔ یہ کہہ کر اپنے ڈول دیکھے تو وہ جُوں کے تُوں پڑے تھے۔ میری اس کرامت سے متاثر ہو کر ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ میں اس کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنا نفس آپ کو مہر کے بغیر ہبہ کر دیا آپ نے قبول فرمایا اور زوجیت کے حق سے نوازا۔

سبق اس سے معلوم ہُوا کہ جو اللہ تعالیٰ پر بھروسا اور غیروں سے قطع تعلق کرتا ہے تو اسے غیب سے ایسے ہی نوازا جاتا ہے ؎

ہر کہ باشد اعتقادش بر خدا
آید از غیب خدایش صد غذا

ترجمہ: جس کا خدا تعالیٰ پر بھروسا ہوتا ہے اسے اللہ تعالیٰ غیب سے غذا عطا فرماتا ہے۔

(۵) حضرت عروہ بن الزبیر نے فرمایا کہ ہبہ کرنے والی خولہ بنت حکیم قبیلۂ بنی سلیم اور مہاجرات اوّل سے تھیں جنہیں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے پناہ دی اور پھر ان سے نکاح کر لیا۔

ام المومنین بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بی بی خولہ بنت حکیم ان بیبیوں سے ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہبہ کے طور پر پیش کیا۔

ف: ام المومنین رضی اللہ عنہا کے اس قول سے ثابت ہوا کہ ہبہ کرنے والی بیبیاں متعدد تھیں۔ حضور علیہ السلام نے جن بیبیوں کو پیغامِ نکاح بھجوایا وہ کل تیس تھیں بعض کے ساتھ عقدِ نکاح کی نوبت نہیں پہنچی بعض ان میں وہ ہیں جن کے ساتھ دخول نہ ہُوا۔ جن بیبیوں سے عقد ہوا وہ کل

تئیس تھیں اور جن بیبیوں سے دخول ہوا وہ بارہ تھیں ۔ حضرت ابواللیث رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چودہ بیبیوں سے نکاح کیا وہ یہ ہیں :

۱ - خدیجہ	۲ - سودہ
۳ - عائشہ	۴ - حفصہ
۵ - ام سلمہ	۶ - ام حبیبہ
۷ - جویریہ	۸ - صفیہ
۹ - زینب	۱۰ - میمونہ
۱۱ - زینب بنت خزیمہ	رضی اللہ عنہن

۱۲ - وہ بی بی جو بنو ہلال سے تھیں انھوں نے اپنے آپ کو حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا ۔

۱۳ - ایک عورت قبیلہ کندہ سے تھی جس نے حضور علیہ السلام سے استعاذہ کیا تو آپ نے اسے طلاق دے دی ۔

۱۴ - ایک بی بی بنی کلاب کے قبیلہ سے تھیں ۔

ف : انسان العیون میں ہے کہ مخفی نہ ہو کہ جن بیبیوں سے حضور علیہ السلام نے زوجیت سے نواز کر دخول فرمایا وہ کل بارہ تھیں :

۱ - حضرت خدیجہ	۲ - حضرت سودہ
۳ - حضرت عائشہ	۴ - حضرت حفصہ
۵ - حضرت زینب بنت خزیمہ	۶ - حضرت ام سلمہ
۷ - حضرت زینب بنت جحش	۸ - حضرت جویریہ
۹ - حضرت ریحانہ	۱۰ - حضرت ام حبیبہ
۱۱ - حضرت صفیہ	۱۲ - حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن

نکاح کرنے کی ترتیب بھی وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی ۔

اعجوبہ ایک بی بی نے جب سنا کہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہوا ہے تو وہ خوشی سے فوت ہو گئیں ان سے بھی دخول کی نوبت نہ پہنچی ۔ ان کا اسم گرامی بی بی عزاء تھا ۔ یہ حضرت دحیہ کلبی کی بہن تھیں ۔

وہ عورتیں جن سے نکاح تو ہوا مگر دخول نہ ہو سکا ،

(۱) سودہ قریشیہ کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا پیغام بھجوایا تو اس نے اپنے بچوں کی پرورش کا عذر کیا کیونکہ اس کے پانچ یا چھ بچے تھے۔ آپ نے فرمایا: اس کا بھلا ہو۔

(۲) وہ عورت جس نے حضور علیہ السلام سے پناہ مانگی اس کا نام اسما بنت معاذ کندیہ تھا۔ بعض عورتوں نے اسے کہا کہ اگر تو چاہتی ہے کہ تیرا شوہر (حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم) تیرے ساتھ خوشگوار زندگی بسر کرے تو آپ کے تشریف لاتے کہنا:

اعوذ باللہ منک۔

(میں تجھ سے پناہ مانگتی ہوں)

جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اس نے کہہ دیا: اعوذ باللہ منک (میں تجھ سے پناہ مانگتی ہوں)۔

اس بیچاری نے سمجھ رکھا تھا کہ یہ کلمۂ ادب ہے۔ جب حضور علیہ السلام نے اس سے استعاذہ سُنا تو آپ نے فرمایا:

عذت بمعاذ عظیم الحقی باھلک۔

(میں بہت بڑی پناہ گاہ کی پناہ چاہتا ہوں، تو اپنے قبیلہ کے ہاں چلی جا)

آپ نے اسے تین کپڑے عنایت فرمائے۔

(۲) دوسری وہ تھی جس نے آیۂ اختیار پر دُنیا کو اختیار کیا تھا اس کا نام فاطمہ بنت الضحاک تھا۔ وہ کہا کرتی تھی میں وہ بدبخت ہوں جس نے دنیا کو اختیار کیا تھا۔ (شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آخر کار اس کا حال اس حد تک پہنچا کہ کھجوروں کی گٹھلیاں اور ایک روایت میں ہے کہ مینگنیاں چنتی تھی۔ ایک شخص نے اسے دیکھا تو پوچھا، تو کون ہے؟ اس نے سر اٹھا کر کہا: میں وہی بدبخت ہوں جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر دُنیا کو اختیار کیا تھا)

(۳) ایک قتیلہ بہ صیغہ تصغیر تھی جس کا نکاح اس کے بھائی نے کر دیا۔ لیکن وہ حضرموت تھی جب وہ مدینہ طیبہ لائی گئی تو اس کے آنے سے پہلے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ جب وہ یہاں پہنچ جائے تو اسے اختیار ہے چاہے باپردہ رہے چاہے بے پردہ! اسے امہات المومنین میں شامل کیا گیا ہے۔ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ چاہے وہ نکاح کرلے چاہے میرے عقد میں زندگی گزار دے۔ چنانچہ اس نے حضرت عکرمہ سے حضرموت میں نکاح کیا۔

حدیث شریف میں ہے: "میں نے اپنا نکاح کیا یا اپنی کسی صاحبزادی کا نکاح کرایا تو وحیِ ربانی سے، جسے حضرت جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے لاتے۔"

تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ نافع وحمزہ وکسائی وحفص وابوجعفر نے ترجی کو بیاء ساکنہ پڑھا ہے باقی قرائنے اسے بہمزہ مضمومہ پڑھا، معنیٰ دونوں کا ایک ہے اس لیے کہ یاء ہمزہ سے تبدیل ہوئی ہے۔

قاموس میں ہے اَرْجَاءُ الامر بمعنے اخرہ۔ ایک لغت میں ہمزہ کو نہیں پڑھا گیا۔ ناقص یائی ہو ترارجا بمعنے تاخیر۔ یعنی کسی کو پیچھے ہٹانا۔

کشف الاسرار میں ہے کہ الارجاء بمعنے کسی عورت کو طلاق کے بغیر ہٹانا۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنی عورتوں میں جسے چاہیں مؤخر کریں اور کسی کی باری کی پابندی کرتے ہوئے اپنے ہاں نہ ٹھہرائیں **وَتُئْوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ** یہ ادی الی کذا سے ہے بمعنے الضم اور آواہ غیرہ ایواء۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان میں سے جسے جگہ دیں اور باری اور تقسیم کا لحاظ نہ کرتے ہوئے جسے اپنے ہاں ٹھہرانا چاہیں ان کی صحبت وغیرہ کے بارے میں آپ مختار ہیں جسے چاہیں جتنے دن چاہیں آپ کو کوئی رکاوٹ نہیں۔ اسی طرح کسی بی بی کے پاس تشریف نہ لے جائیں یا جسے طلاق دے دیں جسے ٹھہرائیں یا چھوڑے رکھیں یا جس بی بی سے نکاح کرنا چاہیں اپنی امت کی جملہ عورتوں کے آپ مالک ہیں کما فی بحر العلوم۔

وَمَنِ ابْتَغَیْتَ اور ان میں سے جسے چاہیں **مِمَّنْ عَزَلْتَ** جسے آپ نے علیحدہ کر دیا، اپنے سے دور کر دیا **فَلَا جُنَاحَ** نہ گناہ ہے نہ عتاب نہ ملامت نہ کوئی اور حرج **عَلَیْكَ** آپ پر امور مذکورہ ثلاثہ میں سے کوئی ایک بھی آپ پر ضروری نہیں کذا فی کشف الاسرار۔

ف: الکواشی میں ہے کہ من مبتدا بمعنے الذی ہے یا شرط ہے ابتغیت سے منصوب ہے اور یہ مبتدا کی خبر ہے دونوں تقدیروں پر شرط کا جواب فلا جناح ہے یہ اصل غرض بیان کرنے کی بہترین تقسیم ہے۔ مثلاً کہا گیا چاہے آپ انہیں طلاق دیں یا گھر پر رکھیں پھر اگر گھر پہ رکھیں تو انہیں صحبت سے نوازیں یا چھوڑے رکھیں اور ان کی باری مقرر فرمائیں یا نہ اور بصورت طلاق پھر بھی آپ کو اختیار ہے کہ مطلقہ کو واپس لے لیں یا نہ۔

مسئلہ: جمہور کا مذہب ہے کہ ازواج مطہرات کے درمیان آپ کے لیے برابر کی تقسیم واجب تھی

لیکن آیت ہذا کے نزول کے بعد آپ سے وجوب منسوخ ہو گیا اور اس کے بعد آپ کو اختیار دیا گیا اور یہ صرف آپ کی خصوصیت ہے ۔

روایت عجیبہ مروی ہے کہ جب ازواج مطہرات نے آپ سے نان و نفقہ اور زیب و زینت کے اسباب کا مطالبہ کیا تو آپ نے انہیں ایک ماہ چھوڑے رکھا یہاں تک کہ آیت تخییر نازل ہوئی اس کے بعد ازواج مطہرات کو خطرہ ہوا کہ کہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انہیں طلاق نہ دے دیں ۔ اس لیے عرض کی ،

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ ہمارے لیے جو حکم صادر فرمائیں ہم راضی ہیں لیکن ہمیں اپنے حال پر چھوڑ دیئے ۔

اس کے بعد آپ نے پانچ بیبیوں کو چھوڑے رکھا وہ یہ ہیں :

۱ ۔ ام حبیبہ

۲ ۔ میمونہ

۳ ۔ سودہ

۴ ۔ صفیہ

۵ ۔ جویریہ (رضی اللہ عنہن)

آپ ان کی تقسیم ویسے رکھتے جیسے آپ کی مرضی مبارک ہوتی ۔

چار بیبیوں میں برابر کی تقسیم رکھی وہ یہ ہیں :

۱ ۔ عائشہ

۲ ۔ حفصہ

۳ ۔ زینب

۴ ۔ اُمّ سلمہ (رضی اللہ عنہن)

ف : مروی ہے کہ باوجودیکہ آپ کو ازواج مطہرات کے متعلق ہر طرح کا اختیار رہتا لیکن آپ نے ان کی تقسیم برابر رکھی صرف بی بی سودہ کی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دی گئی اس لیے کہ اس پر بی بی سودہ نے خود راضی ہو کر اپنی باری حضرت عائشہ کو دے دی تھی اس لیے کہ بی بی سودہ نے عرض کی کہ آپ مجھے طلاق نہ دیں میں اپنی باری بی بی عائشہ کو ہبہ کرتی ہوں صرف اس آرزو پر کہ قیامت میں مجھے آپ کی ازواج مطہرات کے زمرہ میں شمولیت کا شرف نصیب ہو ۔

ذٰلِكَ وہ جو آپ کی مشیت پر امور کو مفوض کیا گیا ہے اَدْنٰىٓ اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ اس کے قریب تر ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ القر بالضم بمعنے ٹھنڈک۔

ف: سرور کے آنسو ٹھنڈے اور غم کے آنسو گرم ہوتے ہیں۔ یا یہ القرار سے مشتق ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ ان کی آنکھیں آپ کے معاملہ سے سکون پکڑیں اور اس سے انہیں ملال نہ ہو۔

قاموس میں ہے کہ قرت عینہ تقر بالکسر والفتح قرۃ اسے بالضم بھی پڑھا گیا۔ یعنی از باب ضرب وعلم ونصر۔ اور قرور اس کا مصدر آتا ہے بمعنے بردت یعنی اس کا رونا منقطع ہوگا اور ثابت اور ساکن ہوا استقر کی طرح ہے۔

وَلَا يَحْزَنَّ اور غمگین نہ ہوں وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ط اور جو کچھ آپ انہیں عنایت فرمائیں اس سے وہ خوش ہوں۔ جب انہیں معلوم ہے کہ جو کچھ آپ ان کے ساتھ ارجا، وایواء اور تقریب وتبعید کرتے ہیں بحکم خداوندی ہے اسی لیے انہیں ملال نہیں ہوتا کلھن مرفوع ہے یرضین کے فاعل کی تاکید ہے لیکن آپ کا معاملہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور ان کا محزون وملول نہ ہونا بلکہ سب کا راضی ہونا ان کے لیے قریب تر ہے اس لیے کہ ان سب کے لیے حکم یکساں ہے پھر جب ان کے ساتھ لطف وکرم کریں گے وہ اسے آپ کا فضل واحسان سمجھیں گی۔ اگر آپ ان میں کسی ایک کو کسی معاملہ میں ترجیح دیں گے تو وہ یقین کریں گی کہ یہ بھی حکم خداوندی ہے۔ اسی معنے پر ان کے نفوس مطمئن ہیں۔ ان سے تنافس وتنافر مٹ چکا ہے اور وہ آپ کے ہر معاملہ سے راضی ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کو یہ حکم فرمایا کہ آپ نہ انہیں طلاق دینا اور نہ ہی ان کے کسی اور مرد سے نکاح کرنا اور انہیں تمام اہل ایمان کی مائیں بنا دیا گیا۔ کما فی تفسیر جلالین۔

وَاللّٰهُ اور اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک يَعْلَمُ مَا فِىْ قُلُوْبِكُمْ جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں اسرار پوشیدہ ہیں اور جو خطرات وارد ہوتے ہیں فلہٰذا ان کے ساتھ احسان کرنے میں جہد وجہد کرو وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے علم والا ہے جو ظاہر کرتے ہو یا جو چھپاتے ہو سب کو جانتا ہے حَلِيْمًا ○ حوصلے والا ہے کہ کسی کی عقوبت وسزا میں عجلت نہیں کرتا اس کی تاخیر عقوبت سے دھوکا نہ کھاؤ۔ وہ مہلت تو دیتا ہے، لیکن چھوڑتا نہیں ہے

۱ نہ گردن کش را بگیرد بفور
نہ عذر آوران را براند بجور

۲ دگر خشم گیرد بکردار زشت
چو باز آمدی ماجرا در نوشت

۳ مکن یک نفس کار بد اے پسر
چہ دانی چہ آید باخر بسر

ترجمہ : (۱) نہ سرکشوں کو جلدی سے پکڑتا ہے نہ توبہ کرنے والوں کو دروازے سے ہٹاتا ہے۔
(۲) کسی بُرے کردار پر اگر ناراض ہوتا ہے تو اس برائی سے باز آجانے پر معاف کر دیتا ہے۔
(۳) ایک لمحہ بھی بُرا کام نہ کر اے عزیز! تجھے کیا معلوم کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے چونکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بالکل فانی ہو چکے تھے اسی لیے قیامت میں نفسی نفسی نہیں کہیں گے۔ اسی وجہ سے فرمایا :

اسلم شیطانی علی یدی۔

(میرا شیطان میرے ہاں مسلمان ہو گیا)

چونکہ آپ صفات قلبی سے موصوف تھے اور آپ سے خواہشات نفسانی مٹ چکی تھیں اسی لیے آپ اپنی خواہش نفسانی سے نہیں بولتے تھے کیونکہ آپ کی نفسانی خواہشات اخروی صفات سے تبدیل ہو چکی تھیں اسی لیے آپ کے لیے دنیوی چیزیں حلال تھیں بخلاف دوسروں کے کہ وہ دنیوی امور میں ؟ رہتے ہیں اگرچہ معمولی طور سہی اور دُنیا میں ہی آپ سے دنیاوی متعلقات آپ کے سینہ مبارک سے نکال لیے گئے ہیں اور دوسروں سے دنیوی امور آخرت میں نکالے جائیں گے کما قال تعالیٰ :

ونزعنا ما فی صدورھم من غل۔

(اور ہم نے ان کے سینوں سے کینے کھینچ لیے)۔

اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فرمایا :

الم نشرح لک صدرک۔ کیا ہم نے تمہارا انہیں کھولا۔

یعنی آپ کے سینہ مبارک سے دنیوی امور نکال لیے گئے ہیں۔ اور آپ کے لیے اسی لیے فرمایا :

ترجی من تشاء الخ یعنی آپ کے جی میں جو کچھ آجائے آپ اسے کر گزریں۔ آپ کے لیے کوئی حرج نہیں۔ یہ ایسے ہے جیسے آخرت میں دوسروں کو فرمایا جائے گا :

ولکم فیھا ما تشتھی الانفس وتلذ الاعین۔

(اور تمھارے لیے جو تمھارے نفس چاہیں اور آنکھیں لذت پائیں)

تفسیر عالمانہ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا اور اللہ تو آپ کی تاسیس بنیان کو ازل سے جانتا ہے کہ آپ میرے محبوب بھی ہوں گے، اور عیب بھی حَلِيْمًا ○ آپ سے جو کچھ صادر ہوتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ آپ کے لیے حلیم ہے اور آپ سے صادر شدہ امور پر اللہ تعالیٰ جتنا آپ کے لیے حوصلہ فرماتا ہے اتنا اور کسی کے لیے نہیں کرتا۔

حضور علیہ السلام کا سایہ نہ تھا (ہم اہلسنت وجماعت کہتے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نور تھے اس لیے آپ کا سایہ نہ تھا۔ یہی مسلک اسلاف رحمھم اللہ تعالیٰ کا تھا۔ چنانچہ صاحب روح البیان دو سو سال پہلے لکھ گئے:)

قیل انما لم یقع ظلہ علیہ السلام علی الارض لانہ نور محض ولیس للنور ظل۔[1]

(بعض علماء نے فرمایا کہ آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا اس لیے کہ آپ نور محض تھے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا)

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ آپ نے ظلی کونی وجود کو فنا کر لیا تھا اور آپ ظاہری بشریت کے جسم کے ساتھ تشریف لائے۔ آپ کے اندر معصیت کی ظلمت بالکل نہیں تھی اور آپ ازل سے اور اصل میں مغفور رہتے۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ بشر کے امکان سے باہر ہے کہ وہ ان انفاس بشری کے ساتھ سراً وعلانیۃً مراقبۂ الٰہی میں زندگی بسر کرے اس لیے کہ یہ صرف ملاءِ اعلیٰ کے فرشتوں کا خاصا ہے اور ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مرتبہ حاصل تھا اس لیے کہ انسان پر ذکرِ الٰہی یا واجب ہے یا مندوب یا مباح۔ اور ہمارے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام طریقوں میں اور ہر وقت ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔

(ازالۂ وہم وہابیہ یہاں پر وہابیہ و دیوبندیہ کے ایک وہم کا ازالہ ضروری ہے وہ یہ کہ اگر حضور علیہ السلام ہم جیسے بشر نہیں تھے تو پھر آپ بھولتے کیوں تھے اس لیے کہ بھولنا بشر کا خاصہ ہے۔ ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ آپ کا بھولنا ہماری طرح غفلت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ آپ کا بھولنا محض شرعی امور کے اجراء کی بنا پر تھا تاکہ امت کو معلوم ہو کہ اگر انسان بھول جائے تو

---

[1] روح البیان ج ۹، ص ۲۰۰ مطبوعہ استنبول

پھر کیا کرے! چنانچہ اسی مضمون کو صاحب روح البیان نے دو صدی پیشتر اپنی تفسیر میں لکھا کہ[1]

وما نقل من سھوہ علیہ السلام فی بعض الامور فھو لیس کسھو سائر الخلق الناشیٔ من سعونۃ الطبع وغفلتہ حاشاہ عن ذلک بل سھوہ تشریع لامتہ لیقتدوا بہ فیہ کالسھو فی عدد الرکعات حیث انہ علیہ السلام صلی الظہر رکعتین [2]

(وہ جو بعض امور میں آپ کا سہو منقول ہے تو وہ ایسا سہو نہیں جو عام مخلوق کو طبع کی خرابی سے پیدا ہوتا ہے یا غفلت۔ آپ کی ذات خرابی اور غفلت سے پاک تھی بلکہ آپ کا سہو تشریع امت کے لیے تھا تاکہ وہ آپ کی اقتداء کر سکیں جیسے عدد رکعات میں ہوا کہ آپ نے ظہر کی دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ آپ نے دو رکعت پڑھی ہے۔ اس پر آپ کھڑے ہوئے اور دو رکعت مزید پڑھی)

جواب ۲: آپ چونکہ ہمہ وقت مستغرق باللہ رہتے تھے اسی لیے دنیوی امور کی طرف آپ کی توجہ اس وقت ہوتی جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا۔ اسی بنا پر استغراق و انجذاب کی کیفیت طاری ہونا سہو کے منافی نہیں۔ چنانچہ اس کی دلیل کلمینی یا حمیراء والی حدیث شریف ہے۔

خلاصۂ جواب یہ کہ آپ کے احوال عامی مخلوق کی طرح نہیں تھے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر معاملہ میں ممتاز رکھا ہے اسی کو ہی قلوب و صدور کے مخفی امور کا علم ہے اور وہی مسائل و احکام کی کنہ و حقائق کو محیط ہے ہم اسی کی رضا جوئی پر اسی کی توفیق چاہتے ہیں۔ وہی ہر نبی و ولی کو فیض یاب فرماتا ہے اور ہر خفی و جلی امر کی رہبری کرتا ہے[3]

تفسیر عالمانہ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ لا یحل یاء کے ساتھ ہے اس لیے کہ النساء اس کا فاعل اگرچہ مونث ہے لیکن قاعدہ ہے کہ جب مونث غیر حقیقی ہو تو اس کے لیے صیغہ مذکر و مونث لانا جائز ہے بشرطیکہ درمیان میں فاصلہ بھی ہو۔ جیسے قال نسوۃ۔ اور یہاں تو فاصلہ ہے النساء اور النسوان اور النسوۃ بکسر یہ باب النسوۃ کی جمع ہیں اگرچہ ان کا واحد نہیں

---

[1] اللہ فداہ اویسی غفرلہ

[2] روح البیان ج ۲ ص ۲۰۸ طبع استنبول

[3] مزید تفصیل فقیر کی کتاب "این النسیان فی النبی آخر الزمان" بھی دیکھیے۔ اویسی غفرلہ

اور یہ بھی عرب میں جائز ہے۔ یعنی کوئی ایک عورت۔ وہ مسلمان ہو یا کتابیہ۔ ہم نے النساء کا واحد معنیٰ اس لیے کیا ہے کہ جس وقت جمع کے صیغے پر الف لام داخل ہو تو جمعیت کا معنیٰ ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ وہاں جنس کا معنیٰ آجاتا ہے پھر یہ اسم نکرہ کی طرح ہے کہ وہ بھی اثبات میں خاص اور نفی میں عام ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی نے قسم کھائی کہ لایتزوج النساء۔ یا کہا: لایکلم الناس۔ یا کہا: لایشتری العبید۔ ان صورتوں میں واحد کا معنیٰ پیدا ہو گیا کیونکہ ان میں ان کا اسم جنس حقیقی معنیٰ ہو گیا۔

مِنْ بَعْدُ ان نو ازواج مطہرات کے سوا جنکہ دنیا و آخرت میں آپ نے انہیں اختیار فرمایا اور یہی آپ کے لیے باب نکاح میں نصاب ہے جیسے آپ کی امت کا نصاب چار عورتیں۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اس دن کے بعد آپ نو سے زاید عورتوں سے نکاح نہ کرنا اگرچہ ان میں سے کوئی ایک فوت بھی ہو جائے، تب بھی اور کسی عورت سے نکاح نہ کرنا۔

ف: اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کے لیے صرف چار عورتوں پر اکتفا کیا۔ اپنے محبوب علیہ السلام کو چار سے زاید کی اجازت صرف اس لیے بخشی کہ آپ میں نبوت کی طاقت و عصمت تھی۔ اسی وجہ سے جتنی آپ کو قدرت حاصل تھی کسی اور کو کہاں! اسی لیے بعض امور آپ پر فرض تھے جو دوسروں پر نہیں۔ مثلاً نمازِ تہجد۔ ایسے ہی آپ جس عمل کو نفلی طور پر شروع فرماتے تو آپ پر وہ عمل فرض ہو جاتا اسی لیے آپ نے تراویح پر مواظبت نہیں فرمائی وغیرہ۔ اس ارادہ سے کہ آپ کی امت پر تراویح فرض نہ ہو جائے۔

نکتہ: امت کے لیے صرف چار عورتوں سے نکاح میں ایک راز تھا، وہ یہ کہ مراتب کل چار ہیں:

۱۔ مرتبۃ المعنیٰ

۲۔ مرتبۃ الروح

۳۔ مرتبۃ المثال

۴۔ مرتبۃ الحس

اور انسان کو جب وجود حاصل تو اسے مجموعہ اسماء غیبیہ و حقائق علمیہ و ارواح لوزیہ اور صور مثالیہ اور صور علویہ و سفلیہ و تولیدیہ اسی معنے پر اس کے لیے چار عورتوں سے نکاح کی اجازت بخشی گئی۔ مزید تحقیق کتب تصوف میں ہے۔

وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ تبدل دراصل تتبدل تھا۔ ایک تاء حذف کر دیا گیا۔ بدل بمعنے شے کا نائب کہا جاتا ہے تبدلہ بہ و ابدلہ منہ و بدلہ بمعنے اسے اپنا بدل بنایا۔ کما فی القاموس۔

امام راغب نے فرمایا:

التبدل والابدال والتبدیل ایک شے کو دوسری شے کا بدل بنانا۔ اور یہ لفظ عوض سے عام ہے۔ ایک شے کو دوسری شے کے بدلے دینا۔ اور تبدیل بمعنے تغییر، اگرچہ اس کے عوض کوئی شے نہ دی جائے۔

ف : من ازواج 'تبدل کا مفعول بہ ہے اور من زائدہ ہے نفی کی تاکید کرتا ہے جنس ازواج کی تحریم کے استغراق کا فائدہ دیتا ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ آپ کے جائز نہیں کہ آپ ان نو عورتوں کے سوا کسی اور سے نکاح کریں اور نہ ہی انہیں کل یا بعض کو طلاق دے کر کسی اور سے نکاح کریں۔

ف : ان بیبیوں نے چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دار آخرت کو اختیار کیا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی عزت افزائی فرمائی ہے۔ یعنی جب انہوں نے دنیا اور اس کی زینت کو ٹھکرا کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف انہی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا پابند فرمایا اور ان کی طلاق اور دوسری عورتوں کی تبدیلی سے روک دیا۔

وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ واؤ عاطفہ ہے اور اس کا معطوف حال محذوف ہے جو اس جملے سے پہلے ہے اور ایسے مواقع پر تو لَوْ جواب کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔

الاعجاب بمعنے تعجب کرنا اور خوش آنا۔ امام راغب نے لکھا:

العجب والتعجب ایک ایسی کیفیت کا نام ہے جو کسی وجہ سے بوقت جہل انسان کو عارض ہو اور کبھی ذوق بمعنے پسند کے لیے استعارۃً مستعمل ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

اعجبنی کذا ای راقنی۔ اور الحسن بمعنے شے کا طبع کے موافق آجانا۔ عرف عام میں الحسن بالتحقیق ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جو آنکھوں کو اچھی محسوس ہو۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ آپ کو جائز نہیں کہ آپ ان کے عوض میں کسی اور عورت کو نکاح میں نہ لائیں اگرچہ آپ کو اپنی عورتوں کا حسن و جمال اچھا نہ لگے اور ان کے بجائے دوسری عورتوں سے بھی نکاح نہ کرنا۔ اس میں آپ کو ہر حال میں دوسری عورتوں سے نکاح کرنے سے روکا گیا ہے۔ [۱]

---

(۱) یہ آیت منسوخ ہے اس کی ناسخ ترجی من تشاء الخ ہے۔ تفصیل فقیر کی کتاب "احسن البیان" میں ہے۔ اویسی غفرلہٗ

ف: جب حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو حضور علیہ السلام نے ان کی زوجہ اسماء بنت عمیس خثعمیہ سے نکاح کرنے کا ارادہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ نکاح کرنے سے روکا۔ پھر اس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا جبکہ انہوں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے ساتھ نکاح کی اجازت چاہی۔ ولو اعجبك حسنهن کے مضمون سے یہی بی بی مراد ہے۔ التکملہ میں ہے کہ اس سے حبابہ اخت الاشعث بن قیس مراد ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

شارطت ربی ان لا اتزوج الا من تکون معی فی الجنۃ۔

(میں نے اللہ تعالیٰ سے شرط منظور کرالی ہے کہ میں جس سے نکاح کروں وہ لازماً میرے ساتھ بہشت میں ہو)

ف: اس معنے پر بی بی اسماء یا حبابہ دنیا میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائق نہیں تھیں کہ وہ آپ کے ساتھ بہشت کے اعلیٰ مقام میں ہوں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے ساتھ نکاح کرنے سے روکا اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر بندے کو باطن سے دیکھتا ہے اس کے ظاہر کو نہیں دیکھتا۔

۱ چوں ترا دل اسیر معنی بود
عشق معنی ز صورت اولیٰ بود

۲ حسن معنی نمی شود سپری
عشق آں باشد از زوال بری

۳ اہل عالم ہمہ دریں کارند
بحجاب صور گرفتارند

ترجمہ: (۱) جب تیرا دل معنیٰ کا گرفتار ہوگا ظاہری صورت کے عشق سے معنیٰ سے محبت کرنا اولیٰ ہے۔

(۲) کیونکہ معنیٰ کا حسن ختم نہیں ہوتا اس کا عشق زوال سے پاک ہے۔

(۳) تمام جہان اسی کام میں ہے کہ وہ حجابات یعنی صورتوں کا گرفتار ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

ما تنکح امرأۃ لمالہا وجمالہا حرم مالہا وجمالہا ومن نکحہا

لہ منہا رزقہ اللہ مالہا وجمالہا۔

(جو شخص کسی عورت کے مال وجمال کی وجہ سے نکاح کرتا ہے تو وہ اس کے مال وجمال دونوں سے محروم رہے گا۔ اگر وہ اس کے دین کی وجہ سے نکاح کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مال و جمال دونوں سے مالا مال فرماتا ہے)

اِلَّا مَا مَلَكَتْ یہ النساء سے استثناء ہے کیونکہ لفظ النساء ازواج اور کنیزوں سب کو شامل ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ آپ کے لیے ان بیبیوں کے سوا اور کسی عورت سے نکاح جائز نہیں مگر وہ کنیزیں کہ جن کے آپ مالک ہیں آپ انہیں اپنے تصرف میں لائیں جس طرح چاہیں۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان بیبیوں میں سے ایک کنیز بی بی ماریہ قبطیہ ام سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ تھیں۔

ف : حضرت مجاہد نے فرمایا کہ آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ آپ کے لیے مسلمان عورتوں کے سوا یہود ونصاریٰ عورتوں سے آپ نکاح نہ کریں۔ اور نہ ہی ان کے عوض یہود ونصاریٰ عورتوں کو نکاح میں لائیں، تاکہ اہلِ کتاب عورتوں کو امہات المومنین کا رتبہ نہ ملے۔ ہاں ان میں سے کنیزیں بنا سکتے ہیں وہ آپ کے لیے جائز ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ۝ اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر نگہبان ہے۔ یہ رَقَبْتُہٗ سے ہے بمعنے حفظتہ والرقیب بمعنے الحافظ۔ یہ مراعات رقبتہ المحفوظ سے ہے یا دفعہ دقبتہ۔ الرقیب وہ جس کو غفلت اور ذہول طاری نہ ہو اور نہ ہی یہ چیزیں اس کے لیے جائز ہو سکیں۔ اسی لیے نہ اسے مذکر (یاد دلانے والے) کی ضرورت ہوتی ہے نہ منبہ (تنبیہ کرنے والے کی) کذا فی شرح الاسماء الزروقی۔ یعنی اللہ تعالیٰ حافظ و مہیمن ہے۔ اسی لیے تمہیں کسی کام کا حکم فرما کر تمہاری حفاظت فرماتا ہے اور چاہتا ہے کہ جہاں تمہیں حد بتادی ہے اس سے آگے نہ گزرو۔

فوائد آیت ھذا (۱) جمہور کے نزدیک یہ آیت محکمہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جائز نہ تھا کہ آپ ان ازواج مطہرات کے سوا کسی اور سے نکاح کریں۔

(۲) جب اللہ تعالیٰ نے امر نکاح میں وسعت بخشی تو نفس نے ہر گھاٹ کا پانی پینے کی ٹھان لی لیکن اگر اسے اس طرح عام چھٹی دی جاتی تو اس کے مزاج میں خلل پڑ جانے کا خطرہ تھا۔ جیسے انسان گرم اور میٹھا کھانا کھانے لگ جائے تو اس پر صفراء کا غلبہ ہو جاتا ہے تو پھر اسے ٹھنڈی اور کھٹی غذا

دی جاتی ہے تاکہ اس کا صفراوی مادّہ ختم ہو۔ اس سے اس کی صحت و تندرستی مطلوب ہوتی ہے۔ اسی معنے پر اللہ تعالیٰ نے لا یحل لک کہہ کر اپنے جبیب علیہ السلام کو کھٹی غذا کھلائی ہے تاکہ آپ کا قلبی و نفسی مزاج معتدل رہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کے محبت و پیار کی علامت ہے کہ وُہ اپنے حبیب علیہ السلام کی تربیت خود فرماتا ہے۔

(۳) ادھر ازواجِ مطہرات کو اپنے حبیب علیہ السلام کے ساتھ دنیاوی تنگ معاشی پر صبر پر مجبور کر کے اور پھر اپنے حبیب علیہ السلام کو نکاح کے معاملہ میں ہر عورت سے تزویج کی عام اجازت بخشی تو گویا ازواجِ مطہرات کو کھٹی اور ٹھنڈی غذا کھلائی قران کے منہ میٹھے کرنے کے لیے لا یحل لک النسا الخ فرمایا تاکہ ان کے مزاج ٹھنڈے ہوں اور ان کے دلوں کے لیے موجبِ سکون و راحت ہو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نوازش ہے کہ اس نے ازواجِ مطہرات کی تربیت خود اپنے ذمۂ کرم لگائی۔

(۴) حضور علیہ السلام اور ازواجِ مطہرات کے واقعات سے امت کے مردوں اور عورتوں کو تنبیہ فرمائی ہے تاکہ وُہ اپنی زندگی اور معاشی کی اصلاح کریں اس لیے وکان اللہ علی کل شیٔ رقیبا کا یہی معنی کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی علیہ السلام اور آپ کی ازواجِ مطہرات اور آپ کی امت کے احوال کی نگرانی یعنی ان کی مصلحتوں کو مدِ نظر رکھتا ہے۔

ازواجِ مطہرات کی تعداد

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ازواجِ مطہرات نو تھیں جو یہ ہیں:

۱۔ حضرت عائشہ	۲۔ حضرت حفصہ
۳۔ حضرت اُمِ حبیبہ	۴۔ حضرت سودہ
۵۔ حضرت ام سلمہ	۶۔ حضرت صفیہ
۷۔ حضرت میمونہ	۸۔ حضرت زینب

۹۔ حضرت جویریہ (رضی اللہ عنھن)

بی بی عائشہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ شوال میں مکہ معظمہ میں آپ کا نکاح ہوا۔ اس وقت بی بی کی عمر سات سال تھی اور شوال میں ہی آٹھویں ماہ ہجری کے پہلے سال میں حضور علیہ السلام آپ کو گھر میں لائے۔ اس وقت بی بی صاحبہ کی عمر نو سال تھی جس وقت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اس وقت بی بی صاحبہ ۱۸ سال کی تھیں۔ وصال کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سرِ مبارک بی بی صاحبہ کی گود میں تھا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

وصال کے بعد بی بی صاحبہ کے حجرہ میں آرام فرما ہوئے۔ بی بی صاحبہ تقریباً سڑسٹھ (۶۷) سال کی عمر میں رمضان المبارک ۵۸ھ میں فوت ہوئیں۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور رات کے وقت بقیع میں مدفون ہوئیں۔ یہ دور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تھا اور اس وقت مروان بن الحکم مدینہ طیبہ کے امیر تھے۔ لیکن یہ اس سال عمرہ کی وجہ سے مدینہ میں نہیں تھے اپنے پیچھے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو نائب بنایا تھا۔

بی بی حفصہ

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں آپ کی ماں کا نام زینب تھا اور یہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے رضاعی بھائی تھے۔ حضور علیہ السلام نے بی بی حفصہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہجری کے تیسویں ماہ کے بعد اور غزوۂ اُحد سے دو ماہ پہلے شعبان میں نکاح کیا اور بی بی صاحبہ کی ولادت اظہار نبوت سے پانچ سال پہلے ہوئی۔ آپ کی عمر تریسٹھ سال ہوئی اور شعبان ۴۵ھ میں مدینہ میں فوت ہوئیں۔ آپ کی نماز جنازہ مروان بن الحکم نے پڑھائی۔ اس وقت وہی مدینہ کا امیر تھا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کے جنازہ کو کاندھا دیا۔

اُم حبیبہ

آپ کا نام رملہ ہے۔ آپ ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔ آپ نے اپنے شوہر عبید اللہ بن جحش کے ساتھ دوسری ہجرت حبشہ کی طرف کی وہیں آپ کا شوہر عبید اللہ بن جحش نصرانی ہو گیا لیکن آپ اسلام پر ثابت قدم رہیں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہِ حبشہ کے ذریعہ بی بی اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کا پیغام بھجوایا۔ یہ پیغام عمرو بن امیہ الضمری نے پہنچایا۔ آپ کا نکاح حبشہ میں ہوا، اسی لیے آپ کی طرف سے مہر نجاشی بادشاہ نے ادا کیا یہ چار سو دینار تھے اور مہر کے علاوہ بی بی کو جہیز بھی نجاشی بادشاہ نے دیا اور ۶ھ میں حبشہ سے نجاشی نے بی بی کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں روانہ کیا۔

سودہ

سودہ بنت زمعۃ العامریہ رضی اللہ عنہا، آپ کی والدہ بنو نجار کے قبیلہ سے تھیں۔ اس لیے آپ کی والدہ سلمیٰ بن عبد المطلب کے بھائی کی صاحبزادی ہیں۔

اُم سلمہ

آپ کا نام ہند تھا ابی امیہ مخزومی کی صاحبزادی ہیں۔ جس وقت بی بی اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور علیہ السلام سے ہوا اس وقت بی بی صاحبہ کی چار صاحبزادیاں تھیں یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں بی بی صاحبہ فوت ہوئیں بوقتِ فوتیدگی آپ کی عمر ۸۴ سال تھی اور سن بھی ۸۴ھ۔ بقیع میں مدفون ہوئیں۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے پڑھائی۔

صفیہ بنت حیی بنو نضیر کے قبیلہ سے تھیں۔ آپ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھیں۔ حی بنو قریظہ کے ساتھ مقتول ہوا۔ اور یہ بنو نضیر کے سردار تھا۔ بی بی صاحبہ کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے منتخب فرمایا پھر آپ نے انہیں آزاد کر کے اپنے ساتھ نکاح کر لیا۔ آپ کے مہر میں آپ کی آزادی مقرر ہوئی۔ بی بی صاحبہ نے خواب میں دیکھا کہ ان کی گود میں چاند آیا ہے۔ اس کے بعد ان کا حضور علیہ السلام کے ساتھ نکاح ہو گیا۔ آپ کی عمر ستر سال پوری نہ ہوئی۔ آپ کا انتقال رمضان المبارک ۵۵ھ میں ہوا اور بقیع میں مدفون ہوئیں۔

میمونہ بنت الحارث الہلالیہ رضی اللہ عنہا سے حضور علیہ السلام نے بحالتِ احرام نکاح کیا، اور یہ احرام ۷ھ میں عمرۃ القضا کا تھا۔ احرام سے فراغت کے بعد آپ کے ساتھ رسم شادی ادا ہوئی۔ ۵۱ھ میں فوت ہوئیں اور بمقام سرف وفات پائی۔ اس وقت آپ کی عمر ۸۰ سال تھی اور وہیں مدفون ہوئیں۔

ف: سرف بروزن کتف قرب تنعیم میں ایک مقام کا نام ہے۔ یہ مکہ کے لیے دخول کا مقام ہے۔

زینب بنت جحش بن رباب اسدیہ رضی اللہ عنہا غزوۂ المصطلق میں قیدی ہو کر تشریف لائیں۔

جویریہ اس وقت ان کی عمر بیس سال تھی۔ مال غنیمت کی تقسیم میں ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں۔ انہیں مکاتبت کے طور آزاد کیا مکاتبت کا بدلہ حضور علیہ السلام نے ادا کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ آپ کے ملک میں تھیں آپ نے انہیں آزاد کر کے نکاح کر لیا۔ مدینہ طیبہ میں ۵۶ھ میں فوت ہوئیں۔ آپ کی عمر ستر سال تھی۔ آپ کی نماز جنازہ مروان بن الحکم نے پڑھائی جو اس وقت مدینہ کے حاکم تھے۔

یہ وہ نو بیبیاں تھیں جن کو وصال کے وقت حضور علیہ السلام نے چھوڑا۔ بعض نے اسے اشعار میں منظوم فرمایا ہے

توفی رسول اللہ عن تسع نسوة

الیهن تعزی المکرمات و تنسب

فعائشة میمونة و صفیة

وحفصة تتلوهن هند و زینب

جویریة مع رملة ثم سودة

ثلاث و ست ذکرهن لیعذب

ترجمہ: حضور علیہ السلام نو بیبیوں سے دنیا سے رخصت ہوئے ان کی طرف عزت و حرمت منسوب ہوتی ہے وہ نو بیبیاں یہ ہیں:

۱۔ عائشہ	۲۔ میمونہ
۳۔ صفیہ	۴۔ حفصہ
۵۔ ہند	۶۔ زینب
۷۔ جویریہ	۸۔ رملہ
۹۔ سودہ	

یہ وہ نو بیبیاں ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا۔

مسئلہ آیت سے ثابت ہوا کہ جس عورت سے نکاح کرنا مطلوب ہے اسے دیکھنا جائز ہے۔

حدیث شریف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے ایک انصاری عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انظر الیہا فان فی اعین نساء الانصار شیئا۔

(اسے اچھی طرح دیکھ لے اس لیے کہ انصاری عورتوں کی آنکھوں میں کچھ کجی ہوتی ہے)

ف: حضرت حمیدی نے فرمایا، اس سے مراد یہ ہے کہ ان کی آنکھیں چھوٹی ہوتی ہیں علاوہ ازیں منکوحہ کو نکاح سے پہلے دیکھنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے انس والفت میں اضافہ ہوتا ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رضاعی خالہ ام سلمہ کو فرمایا کہ میں فلاں عورت سے نکاح کا ارادہ رکھتا ہوں تو اس کے چہرے کو سونگھ لے۔

ف: عوارض سے چہرے کی دونوں طرفیں مراد ہیں تاکہ معلوم کیا جا سکے کہ اس کے منہ کی بُو اچھی ہے یا گندی۔

مسئلہ: عذر کے وقت انسان کے تمام اعضاء یہاں تک کہ فرج و ذکر کو بھی دیکھنا جائز ہے۔

ف: اعذار یہ ہیں:

(۱) گواہی دینے کے لیے، مثلاً زنا کرنے والوں کے عورت غلیظہ دیکھنا جائز ہے جبکہ گواہی دیتے وقت

یہ کہنا ہوگا کہ اس نے زنا کرتے وقت ایسے دیکھا ہے جیسے سرمہ دانی میں سرمہ کی سلائی۔

(۲) گواہی کے ادا کرنے کے لیے اس کے چہرے کو دیکھنا ہوگا جبکہ گواہی کے وقت کہے گا کہ میں نے اس شخص کے چہرے کو دیکھا تھا فلہذا اس کے لیے گواہی دیتا ہوں۔

(۳) قاضی کے حکم دینے سے پہلے محکوم کے چہرے کو دیکھ لے۔

(۴) دایہ کا ولادت کے وقت فرج کو دیکھنا۔

(۵) عنین یعنی نامرد کی عورت کی بکارت کو عورت کا دیکھنا تاکہ بعد میں گواہی دے سکے کہ واقعی اس عورت کی بکارت ٹوٹی ہے یا نہیں۔

(۶) ختنہ مرد و عورت کے وقت عورت و مرد کے ذکر و فرج کو دیکھنا۔ ختنہ مرد کے لیے سنت مؤکدہ اور عورت کے لیے مستحب ہے۔ ختنہ یعنی اس چمڑے کو کاٹنا جو پیشاب گاہ کے اوپر ہوتا ہے۔ وہ ایک باریک چمڑا مرغ کے سر کے بالوں کی طرح ہوتا ہے اسے کاٹنے کا نام ختنہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

الختان سنة للرجال مكرمة للنساء ويزيد لذتها ويجفف رطوبتها۔

(مرد کا ختنہ سنت اور عورت کا باعث تکریم۔ اس سے لذت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور عورت کے لیے فائدہ یہ ہے کہ اس کی فرج کی رطوبت خشک ہوتی ہے)

(۷) شے کے خریدتے وقت عیب دیکھ لینا۔

(۸) نکاح کے ارادہ سے عورت کا چہرہ دیکھنا جائز ہے اگرچہ شہوت بھی ہو لیکن شہوت کا ارادہ نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ عورت کو نکاح سے قبل دیکھنا جائز ہے۔ اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ صرف اعضاء جیسے چہرہ اور گردن اور قدم دیکھنا جائز ہے۔ اور باقی تین ائمہ نے فرمایا کہ صرف چہرے اور دو ہتھیلیوں کو دیکھنا جائز ہے۔ کذا فی فتح الرحمٰن۔

ف : آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا نگہبان ہے لیکن جب اس کی کسی پر خصوصی نگاہ ہو جاتی ہے تو اس شخص کی کسی دوسرے کی طرف توجہ نہیں رہتی۔

ف : جناب کاشفی نے فرمایا:

وکسے کہ از سر رقیبے حق آگاہ گردد اورا از مراقبہ چارہ نیست۔

(جس شخص کو رقیب کا راز سمجھ آ جاتا ہے اسے مراقبہ کی دولت نصیب ہوتی ہے)

ے

چو دانستی کہ حق دانا و بینا ست
نہان و آشکار خویش کن راست

ترجمہ: جب تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ دانا و بینا ہے اس لیے تمہیں اپنا ظاہر و باطن صحیح رکھنا چاہیے۔

تفسیر صوفیانہ اس نام (یعنی رقیب) کی برکت سے بندے کو اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوتا ہے اس کا طریقہ صحیح یوں ہوگا کہ بندہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے رہے اور سمجھے کہ وہی ہر وقت جانتا ہے اور اسے ہر وقت اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ ہو اور اسے یقین ہو کہ نفس اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اور شیطان اس کا اس سے اور بڑا دشمن ہے اس لیے کہ یہ دونوں فرضِ الٰہی سے غافل و کاہل بنانے کی جدوجہد کرتے ہیں اور چاہتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کے خلاف کرے۔ اسی لیے سالک پر لازم ہے کہ وہ نفس و شیطان کی شرارت کا خیال رکھے اور سمجھے کہ نفس ہمیشہ غلطی کرانے کے درپے رہتا ہے بلکہ نفس انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہر راستہ کو بند کرنے کی جدوجہد کرتا ہے اس لیے لازم ہے کہ انسان اپنے نفس کی نگرانی کرے اور اللہ تعالیٰ کے جملہ اوامر و احکام پر نفس کو پابند کرے۔

ف: اس اسم کا خاصہ یہ ہے کہ اس کی برکت سے گمشدہ چیزیں واپس آسکتی ہیں اور مال و اہل و عیال پر حفاظت نصیب ہوتی ہے جس کی کوئی چیز گم ہو جائے اسے زیادہ سے زیادہ پڑھے تو گم شدہ چیز مل جائے گی۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جہاں حمل گرنے کا خطرہ ہو اسے سات بار پڑھ کر دم کیا جائے۔

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ جو شخص سفر پر جانے کا ارادہ کرے یہ اسم مبارک سات بار پڑھ کر سفر کرنے والے کی گردن پر پھونک کر روانہ کرے۔ سفر سے واپسی تک وہ خود اور اس کے اہل و عیال حفاظت میں رہیں گے۔ ذکرہ ابو العباس فاسی فی شرح الاسماء الحسنیٰ۔

دعا اللہ تعالیٰ ہمیں رات و دن میں سرّاً و جہراً محفوظ فرمائے اور ہمیں اس دنیا سے لے کر آگے تک اپنی حفاظت میں رکھے۔ آمین۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ
غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا
مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا
يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ
اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا
اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۝ اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا
اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَا
اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ
وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝
اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا
تَسْلِيْمًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ
وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ
مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝

ترجمہ: اے ایمان والو نبی کے گھروں میں نہ حاضر ہو جب تک اذن نہ پاؤ مثلاً کھانے کے لیے بلائے جاؤ نہ یوں کہ خود اس کے پکنے کی راہ تکو، ہاں جب بلائے جاؤ تو حاضر ہو اور جب کھا چکو تو متفرق ہو جاؤ نہ یہ کہ بیٹھے باتوں میں دل بہلاؤ بے شک اس میں نبی کو ایذا ہوتی تھی تو وہ تمہارا لحاظ فرماتے تھے اور اللہ حق فرمانے میں نہیں شرماتا اور جب تم ان سے برتنے کی کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر مانگو اس میں زیادہ ستھرائی ہے تمہارے دلوں کی اور تمہیں نہیں پہنچتا کہ رسول اللہ کو ایذا دو اور نہ یہ کہ ان کے بعد کبھی ان کی بیبیوں سے نکاح کرو بیشک یہ اللہ کے نزدیک بڑی سخت بات ہے اگر تم کوئی بات ظاہر کرو یا چھپاؤ تو بے شک اللہ سب کچھ جانتا ہے ان پر مضائقہ نہیں ان کے باپ اور بیٹوں اور بھائیوں اور بھتیجوں اور بھانجوں اور اپنے دین کی عورتوں اور اپنی کنیزوں میں اور اللہ سے ڈرتی رہو بیشک اللہ ہر چیز اللہ کے سامنے ہے بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر، اے ایمان والو ان پر درود اور خوب سلام بھیجو بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور

اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے اور جو ایمان والے مردوں اور عورتوں کو بے کئے ستاتے ہیں انہوں نے بہتان اور کھلا گناہ اپنے سر لیا۔

تفسیر عالمانہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا (اے ایمان والو)

شانِ نزول مروی ہے کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی زینب کو بحکم ربانی نکاح کے لیے قبول فرمایا تو آپ نے ان کے ولیمہ کی دعوت پکائی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دعوت پر بلایا۔ جب صحابہ کرام نے دعوت کھالی تو بعض ان میں باتوں میں مشغول ہو گئے اور بی بی زینب گوشۂ تنہائی میں بیٹھی تھیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس انتظار میں تھے کہ یہ لوگ اٹھیں۔ کافی دیر ہو گئی بالآخر حضور علیہ السلام خود وہاں سے اُٹھ گئے۔ تب لوگ وہاں سے اُٹھے اور چلے گئے۔ لیکن تین آدمی پھر بھی محوِ گفتگو رہے۔ حضور علیہ السلام گھر سے باہر نکلے لیکن شرم کی وجہ سے انھیں کچھ نہ فرمایا۔ کافی دیر کے بعد آپ کو بی بی صاحبہ سے خلوت کا موقع ملا۔ اس پر یہ آیت حجاب نازل ہوئی۔

شانِ نزول دیگر مروی ہے کہ بعض اہلِ ایمان کھانا پکنے کے انتظار میں ہوتے جونہی حضور علیہ السلام کے گھر میں طعام پک جاتا تو وہ کھانے کے لیے آکر بیٹھ جاتے یہاں تک کہ کھانے سے فراغت کے بعد بھی وہیں بیٹھے رہتے۔ حضور علیہ السلام پر یہ ناگوار گزرا، اللہ جل جلالہٗ نے فرمایا، اے ایمان والو! لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ حضور علیہ السلام کے حجروں میں مت داخل ہو إِلَّا أَن يُؤْذَنَ لَكُمْ مگر جس وقت آپ تمہیں دعوت دے کر اپنے دولت کدہ میں حاضری کی اجازت بخشیں إِلَىٰ طَعَامٍ طعام کے لیے۔ یہ یؤذن کے متعلق ہے اس لیے کہ یُدعٰی کے متعلق ہے تاکہ معلوم ہو کہ دعوت پر اجازت کے بغیر جانا جائز نہیں اگر اجازت مل جائے تو پھر جائز ہے چنانچہ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ سے معلوم ہوتا ہے کہ لا تدخلوا کے فاعل سے حال ہے اور استثنا ظرف اور حال سے واقع ہے۔

اب معنی یوں ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدہ میں اجازت کے بغیر مت جاؤ اور نہ ہی ان کے ہاں طعام پکنے کا یا اس کے حصول کا انتظار کرو۔

الانا (بالقصر و بالکسر) الی الطعام کا مصدر ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب طعام

پک کر کھانے کے قابل ہو جائے۔

المفردات میں ہے کہ الانا جب بالکسر ہو تو اسے بالقصر پڑھنا ہوگا اگر بالفتح ہو تو اسے بالمد پڑھنا چاہیے۔

اہل عرب بولتے ہیں:

انی الشئی یانی۔

یہ اس وقت کہتے ہیں جب طعام پکنے کے قریب ہو۔

ایسے ہی آن یئین بمعنے حان یحین ہے۔

مسئلہ: اس میں اشارہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لینا اور آپ کے اوقات کی رعایت اور آپ کا احترام ضروری ہے۔

وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا۔ اور جب بلائے جاؤ تو (حاضر ہو) از دخول بغیر اذن کی نہی سے استدراک ہے

فائدہ:۔ اس میں واضح دلیل ہے کہ اذن سے طعام کی دعوت مراد ہے یعنی جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں طعام کے لیے گھر میں حاضری کی اجازت دیں اور تمہیں اس کی دعوت دی جائے تو پھر آپ کے دولت کدہ میں حاضر ہو لیکن ادب کو ملحوظ رکھنا تم پر واجب ہے اور آپ کی درگاہ کی حاضری کے احکام مدنظر رکھنا تم پر لازم ہے۔

فَاِذَا طَعِمْتُمْ پس جب تم کھانا کھا کر فارغ ہو جاؤ۔ الطعم بمعنے تناول الغذاء۔

فَانْتَشِرُوْا تو وہاں سے چلے جاؤ اور ٹھہرو مت۔ یعنی حضور علیہ السلام کے دولت کدہ سے دعوت کھا کر وہاں سے چلے جاؤ۔

مسئلہ: طعام کے لیے بلا اجازت کسی کے گھر چلے جانے میں کوئی حرج نہیں جبکہ دعوتِ طعام پہلے دی جا چکی ہو۔ ورنہ کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل ہونا ناجائز ہے۔ اسی طرح طعام سے فراغت کے بعد وہاں نہیں ٹھہرنا چاہیے۔

وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ الاستئناس بمعنے انس لینا۔ یہ وحشت ونفور کی نقیض ہے۔

لِحَدِيْثٍ قلیل وکثیر کلام کے لیے الحدیث مستعمل ہے اس لیے کہ تھوڑی تھوڑی بات زبان سے حادث ہوتی ہے اس کا ناظرین پر عطف ہے یا اس کا عطف فعل مقدر پر ہے یعنی نہ تو ایک دوسرے کی گفت گو میں مشغول ہو جاؤ اور نہ ہی گھر والوں کی باتیں سننے میں کان لگاؤ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب تمہاری ضروریات پوری ہو جائیں تو فوراً نکل جاؤ اور اس میں غفلت مت کرو۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ خلق کو دیکھ کر آپ کے حسنِ ادب میں کوتاہی نہ کرو اور نہ ہی آپ کے جاہ وجلال کو دیکھ کر ان سے دوری اختیار کرو۔ آپ کے حسنِ خلق نے انہیں آپ کے ساتھ کھل کر رہنے پر بیباک بنا دیا تھا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ ذٰلِكُمْ کھانا کھانے کے بعد باتوں میں لگ جانا كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتا ہے اس لیے کہ آپ کا حجرہ اقدس تنگ ہے۔ اس سے آپ کے اہل وعیال کو تنگی ہوتی ہے اور لایعنی باتوں میں مشغول رہنے میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچتی ہے۔

حلِ لغات: الاذی بمعنے ہر وہ امر جس سے انسان کو ضرر پہنچے۔ وہ ضرر نفس سے متعلق ہو یا جسم سے، وہ امر دنیوی ہو یا اخروی۔

فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ یہاں مضاف محذوف ہے دراصل من اخراجکم تھا جیساکہ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ معلوم ہوتا ہے۔ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں اپنے دولتکدہ سے باہر نکالنے سے حیاء کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ حق سے حیاء نہیں کرتا، اس لیے کہ وہ امر جس سے حیا کیا جا رہا ہے وہ حق ہے اور وہ صحابہ کرام سے متعلق ہے یعنی ان کا دولتکدۂ نبوی سے جانا یعنی تمہارا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دولتکدہ سے نکالا جانا حق ہے اسی لیے حیاء کر کے اس حق کا ترک اچھا نہیں ہے اسی لیے اللّٰہ تعالیٰ حیاء والوں کی طرح اسے ترک نہیں فرماتا۔ بلکہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ فوراً نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دولتکدہ سے نکل جاؤ۔

نکتہ ترک کے عدم کو عدم الاستحیاء سے تعبیر کرنے میں صرف مشاکلت مطلوب ہے یعنی جملہ اول میں لفظ استحیاء واقع ہوا۔ اسی کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے عدم استحیاء بیان فرمایا ہے۔

ف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ شرمیلے تھے اور عورت سے آنکھ بچانے میں بہت زیادہ احتیاط فرماتے تھے۔

اغضاء بمعنے جس شے سے طبع کو نفرت ہو اس سے آنکھ چھپانا، اور حیاء ایک ایسا امر جو انسان کے منہ پر واقع ہوتا ہے اس وقت جبکہ مکروہ فعل کے صدور کے وقوع کا امکان ہو یا ایسے فعل کے وقت کہ جس کا ترک کرنا اس کے کرنے سے بہتر ہو۔

المفردات میں ہے کہ حیا بمعنے نفس کا قبائح سے منقبض ہونا۔ اسی وجہ سے اس فعل قبیح کا ترک کرنا ہوتا ہے۔

سفید ریش کی فضیلت مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ ریش والے مسلمانوں سے حیا فرماتا ہے کہ اسے عذاب میں مبتلا کرے۔

ف : یہاں پر حیا بمعنے انقباض النفس الخ نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ایسے اوصاف سے منزہ اور پاک ہے یہاں پر مطلقاً عذاب نہ دینا مراد ہے۔ یہی تاویل (مندرجہ ذیل) حدیث میں جاری ہوگی:

ان اللہ تعالیٰ حیی۔

(اللہ تعالیٰ حیا والا ہے)

یعنی وہ قبائح کو چھوڑتا اور محاسن کو پسند فرماتا ہے۔

مسئلہ : آیت میں حد سے زیادہ کھانے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔ اسی لیے الاحنف نے فرمایا کہ آیت فاذا طعمتم فانتشروا بسیار خوروں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

مسئلہ : اسی لیے مہمان کو حکم ہے کہ وہ میزبان کے گھر میں جاکر ڈیرہ نہ جمالے بلکہ ضرورت مہمانی کے بعد فوراً میزبان کے گھر سے جانے کی کوشش کرے۔

مسئلہ : ایسے مزاج پرسی کرنے والوں کو حکم ہے کہ مریض کے ہاں جاکر اس کی مزاج پرسی کے فوراً بعد چلے جانا چاہیے۔

لطیفہ اعمش سے پوچھا گیا کہ آپ کی آنکھیں خراب کیوں ہیں؟ انہوں نے فرمایا: طبیع پر بوجھ ڈالنے والوں کو دیکھنے سے میری آنکھیں خراب ہو گئی ہیں سه

اذا دخل الثقیل بارض قوم

فما للساکنین سوی الرحیل

ترجمہ: جب طبیع پر بوجھ ڈالنے والے کسی علاقہ میں جاتے ہیں تو وہاں کے ساکنین کوچ کرنے کی جد وجہد کرتے ہیں۔

ف : اہل دل فرماتے ہیں کہ طبیع پر بوجھ ڈالنے والوں کی صحبت روح کا بخار ہے۔

حکایت نوشیرواں سے سوال ہوا کہ کیا وجہ ہے کہ لوگ بہت بڑے بوجھ تو سر پر رکھ لیتے ہیں لیکن طبیع پر بوجھ ڈالنے کے ساتھ بیٹھنے سے بہت گھبراتے ہیں۔ نوشیرواں نے کہا کہ بوجھ اٹھاتے وقت تمام اعضاء ساتھ دیتے ہیں لیکن طبیع پر بوجھ کی ثقالت کی حامل صرف روح ہے۔ اسی وجہ

سے روح اکیلی ہونے کی وجہ سے ایسا بوجھ اٹھانے سے کتراتی ہے۔

ف: اہلِ دل فرماتے ہیں کہ بزرگوں کے ہاں حاضری کے وقت قلب کلام اور ان سے جلد تر اٹھ کر واپس آنا بہتر ہوتا ہے۔

احمق کی علامت

احمق کی دو علامتیں ہیں:

(۱) کسی کے ہاں ضرورت سے زیادہ بیٹھنا۔

(۲) کسی کے پاس بے وقت جانا۔

مسئلہ: جب کسی بھائی کے ہاں جاؤ تو اس کے دروازے پر جا کر اجازت طلب کرو اور تین بار کہو:

السلام علیکم یا اھل البیت۔

(اے گھر والو! تم پر سلام)

اس کے بعد کہے کہ کیا تیرے گھر میں فلاں آسکتا ہے؟ اور ہر بار اتنا انتظار کرے جتنا وقت کھانا کھانے پر صرف ہوتا ہے یا وضو کرنے والا وضو کرتا یا چار رکعت نوافل پر وقت لگتا ہے۔

مسئلہ: گھر والا اجازت دے تو فوراً جا کر جلد لوٹے۔ اگر وہ اجازت نہ دے یا اندر سے کوئی جواب نہ پائے تو اس پر ناراضگی اور بغض و کینہ کیے بغیر واپس چلا جائے۔

مسئلہ: جس شخص کو گھر پر بلانے کے لیے قاصد بھیجا گیا اور وقت آنے کے بعد طعام گاہ میں جانے کے لیے مزید اجازت طلبی کی ضرورت نہیں ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ قال کی نہایت ادب پر ہے لیکن یہ ادب حال کی ابتداء ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ السلام کو پہلے ادب کی تعلیم سے آراستہ فرمایا اس کے بعد اپنی مخلوق کے ہاں رسول بنا کر بھیجا۔

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ادبنی ربی فاحسن تادیبی۔

(مجھے میرے رب نے ادب سکھایا اور خوب سکھایا)۔

ف: عام انسان کے لیے ہر عضو کا علیحدہ علیحدہ ادب ہے۔ اگر ہر عضو ادب نہ بجا لائے تو تباہ و برباد ہوتا ہے اور ہر خواص کے اعضاء باطنی کا بھی علیحدہ علیحدہ ادب ہے اگر وہ اس کی پابندی نہ کریں تو تباہی اور ہلاکت کا موجب ہوتا ہے اور خاص الخاص تو ہر وقت ادب کو ملحوظ رکھتے ہیں۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ ادبوا النفس ایہا الاحباب
طرق العشق کلہا آداب

۲ مایۂ دولت ابد ادب است
پایۂ رفعت خرد ادب است

۳ چیست آں داد بندگی دادن
بر حدود خدائے ایستادن

۴ قول و فعل از شنیدن و دیدن
ہمہ ازین شرع بسنجیدن

۵ با حق و خلق و شیخ و یار و رفیق
رہ سپردن بمقتضائے طریق

۶ حرکات جوارح و اعضا
راست کردن بحکم دین ہدا

۷ خطرات و خواطر و اوہام
پاک کردن ز شوب نفس تمام

۸ دین و اسلام در ادب طلبیست
کفر و طغیان ز شوم بے ادبیست

ترجمہ: (۱) اے دوستو! نفس کو ادب سکھاؤ اور عشق کے تمام طریقے آداب ہی ہیں۔
(۲) دولت کا سرمایہ ابدی ادب ہے خرد کی بلندی کا پایۂ ادب ہے۔
(۳) بندگی کی داد دینا کیا ہے، حدود اللہ پہ قائم رہنا۔
(۴) قول و فعل سے سننا اور دیکھنا اسی شرع سے بال سنگارنا۔
(۵) حق تعالیٰ اور خلقِ خدا اور شیخ و یار و رفیق کے ساتھ بمقتضائے طریق سے گزارنا۔
(۶) حرکات جوارح و اعضا کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر سیدھا رکھنا چاہیے۔
(۷) خطرات و خواطر و اوہام کو نفس کی ملاوٹ سے مکمل پاک رکھنا لازم ہے۔
(۸) دین و اسلام ادب طلبی میں ہے کفر و طغیان بے ادبی کی نحوست سے ہے۔
اللہ تعالیٰ سے آداب حسنہ اور افعال مستحسنہ کی توفیق چاہتا ہوں۔

وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا اور جب ان سے کوئی معمولی شے یا زیادہ استعمال کی چیزیں مانگو فَاسْئَلُوهُنَّ تو ان سے مانگو مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ باہر پردے سے۔ یعنی ان کے دروازے سے باہر ذٰلِكُمْ وہ پردے سے باہر سوال کرنا اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ یہ تمہارے اور ان کے قلوب کے لیے زیادہ پاکیزہ معاملہ ہے اس طرح سے تم خواطر نفسانیہ اور خیالات شیطانیہ سے محفوظ رہو گے اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ جب مرد اور عورت ایک دوسرے کو نہ دیکھیں تو قلب میں کسی کا خطرہ واقع نہیں ہوتا۔

ف : اللہ تعالیٰ نے بندوں کو عادت مالوفہ سے ہٹا کر معاملۂ شرعیہ کی طرف پھیرا ہے اور طریقہ عبادت و طاعت کا واضح فرمایا ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ انسان بالآخر انسان ہے خواہ وہ صحابی ہو یا زوجۂ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی لیے مرد ہو یا عورت، اسے اپنے نفس پر بھروسا نہیں کرنا چاہیے۔ اسی لیے شریعتِ مطہرہ نے تاکیدی حکم فرمایا ہے کہ کوئی مرد بھی کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھے جبکہ ان کے درمیان رشتۂ محرومیت نہ ہو۔

حدیث شریف حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یخلون رجل بامرأۃ فان ثالثھما الشیطان۔

(جہاں مرد و عورت تنہائی میں ہوتے ہیں وہاں تیسرا شیطان ہوتا ہے)

حضرت عمر اور آیتِ حجاب (۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ازواج النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پردہ کے متعلق سخت تقاضا تھا اور دل سے چاہتے تھے کہ بلا پردہ باہر نہ آئیں جائیں۔ اس کا بارہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کر چکے تھے اور آرزو رکھتے تھے کہ اس کے متعلق کوئی آیت قرآنی نازل ہو۔ اور ازواجِ مطہرات سے فرمایا کرتے تھے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عرض مان لیں تو تمہیں کوئی غیر دیکھ بھی نہ سکے اور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے ہاں ہر طرح کے انسان نیک اور برے حاضر ہوتے ہیں اگر آپ ازواجِ مطہرات کو پردے کا حکم فرمائیں تو بہتر ہے۔ چنانچہ یہی آیت نازل ہوئی۔

(۲) مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ازواجِ مطہرات پر گزر ہوا اور اس وقت بیبیاں دوسری عورتوں کے ساتھ مسجد میں تھیں آپ نے انہیں فرمایا کہ تم پردہ اوڑھ لیا کریں تو بہتر ہے۔ اس لیے کہ تم کو دوسری تمام عورتوں پر فضیلت حاصل ہے جیسے تمہارے شوہر گرامی تمام انسانوں

سے افضل ہیں۔ بی بی زینب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اے عمر بن الخطاب! (رضی اللہ عنہ) آپ کو ہمارے لیے غیرت ہے (تو مبارک)، لیکن قرآن تو ہمارے گھروں میں نازل ہوتا ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو آپ کی غیرت کی بھی ضرورت ہی نہیں۔"

یہی بات ہو رہی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے موافق یہی آیت نازل ہوئی۔

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے باہر تشریف لے جاتیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار ان کے لیے پردے کے بارے میں عرض کرتے لیکن حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حکم الٰہی کے بغیر اپنی طرف سے حکم نہ فرماتے۔ ایک دن بی بی سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا رات کے وقت باہر تشریف لے جا رہی تھیں، ان کا قد لمبا تھا، انہیں دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اے سودہ! میں نے تجھے پہچان لیا ہے۔"

اس سے آپ کی مراد یہ تھی کہ کہیں ان کو پردہ کرنے کا خیال آجائے۔ چنانچہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آیتِ حجاب نازل فرمائی۔

ف: آیتِ حجاب سے پہلے عورتیں مردوں کے سامنے بلا پردہ آتی جاتی نہیں لیکن جب یہ آیتِ حجاب اتری تو تمام عورتوں کو پردے کا حکم عام کر دیا گیا۔ پھر کسی کو اجازت نہیں تھی کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی زوجہ مکرمہ کو دیکھے خواہ وہ پردے میں ہوں یا نہ۔

مسئلہ: بعض علماء نے فرمایا کہ جس طرح سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی گواہی پردہ میں جائز ہے ایسے ہی نابینا کی گواہی جائز ہے گویا انہوں نے نابینا کو پردے پر قیاس کیا ہے بشرطیکہ آواز کا پورا یقین ہو۔ یہی امام مالک و احمد رحمہما اللہ کا مذہب ہے۔ لیکن ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ نے جائز نہیں رکھا خواہ وہ گواہی آواز سے تعلق رکھتی ہو یا نہ۔ ایسے ہی نابینا کا حکم ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نابینا کی گواہی اس وقت جائز ہے کہ اس نے واقعہ کو آنکھوں سے دیکھا پھر نابینا ہو گیا اس لیے کہ اسے گواہی کا علم آنکھوں کے دیکھنے سے ہوا ہے اس طریق سے بوقتِ ادائیگی شہادت اس کی گواہی قابلِ قبول ہو گی اس لیے کہ اس کی زبان میں کوئی فرق نہ پڑے گا اور نہ ہی مشہود علیہ کے تعارف میں فرق آنے لگا جبکہ اسے مشہود علیہ کا حسب و نسب اور نشان معلوم ہو۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ گواہی دینے وقت نابینا

مدعی اور مدعا علیہ کا امتیاز نہ کر سکے گا اس لیے کہ آوازیں ایک دوسرے کے مشابہ ہوتی ہیں۔ اسی بنا پر ممکن ہے اسے مخالف نے غلط بات بتا دی ہو ایسے ہی حسب نسب کا اعتبار نہیں اس لیے کہ بہت سے لوگ ایک ہی نام اور ایک ہی حسب نسب والے ہوتے ہیں۔

ف: یہ خلاف قرض اور زمین کے متعلق ہے ورنہ جائداد منقولہ کے متعلق بالاتفاق نابینا کی گواہی ناقابل قبول ہے اس لیے کہ جائداد منقولہ میں گواہی کے وقت اشارہ ضروری ہے اور قرض میں وصف و جنس لازمی ہے اور یہ دونوں نابینا سے ناممکن ہیں۔ زمین وغیرہ میں اس لیے جائز ہے کہ وہاں حدود متعینہ کا علم ضروری ہے اور حدود متعینہ کو نابینا بیان کر سکتا ہے اور اس میں التباس کا خطرہ بھی نہیں۔

مسئلہ: امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نابینا کی گواہی قبول فرماتے ہیں بشرطیکہ اس نے واقعہ کو آنکھوں سے دیکھا اور بعد میں نابینا ہو گیا اب ادائیگی نابینا ہونے کے وقت ہو ایسے ہی بہرہ پہلے صحیح تھا لیکن گواہی دیتے وقت بہرہ ہو گیا تو یہ دونوں قاضی (حاکم) کے سامنے اپنی صحت کے دور کی گواہی دے سکتے ہیں۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ اور تمہیں لائق نہیں کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاؤ (یعنی ان کی زندگی مبارک میں ایسے امور ان کے سامنے نہ لاؤ جو ان کی طبع مبارک کو ناگوار ہوں اور انہیں تمہارے ان امور سے ایذا پہنچے وَلَآ أَنْ تَنْكِحُوْٓا أَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖٓ أَبَدًا اور نہ ہی ان کی مدخول بہا ازواج مطہرات کے ساتھ نکاح کرو ان کے وصال کے بعد یا ان کے اپنے سے جدا کر دینے کے بعد اور ہمیشہ کی قید اس لیے ہے تاکہ امت کو معلوم ہو کہ آپ کی ازواج مطہرات ان کے لیے ہمیشہ کے لیے حرام ہیں اس لیے کہ آپ امت کے معنوی باپ اور آپ کی ازواج مطہرات امت کی مائیں ہیں علاوہ ازیں وہی بیبیاں جیسے دنیا میں آپ کی منکوحہ ہیں ایسے ہی آخرت میں، جیسا کہ حدیث گزری ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> "میں نے اپنے رب تعالیٰ سے شرط لی ہے کہ میرے ساتھ ان عورتوں کا نکاح ہو جو بہشت میں بھی میرے ساتھ ہوں۔"

اس لیے کہ اگر آپ کے وصال کے بعد اگر ان کا نکاح غیروں سے جائز رکھا جائے تو قیامت میں ہر عورت اپنے شوہر کے ساتھ ہو گی۔

حکایت اور وفاداری عورت مروی ہے کہ ام الدرداء رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے ان کی فوتیدگی کے وقت فرمایا کہ میرے

والدین سے دنیا میں میرا رشتہ مانگا انہوں نے تیرے ساتھ میرا نکاح کر دیا اب میں تجھ سے معاہدہ کرتی ہوں کہ مرتے دم تک کسی سے نکاح نہ کروں گی تاکہ آخرت میں میں تیرے ساتھ رہوں۔ یہی وصیت حضرت ابوالدرداؓ نے ام الدرداءؓ سے کی تو بی بی نے مذکورہ معاہدہ کیا۔ چنانچہ ان کی فوتیدگی کے بعد بی بی ام الدرداء کو حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے نکاح کا پیغام بھجوایا تو بی بی نے مذکورہ وصیت اور معاہدہ کا عذر کر کے نکاح سے انکار کر دیا۔

مختلف شوہروں میں سے جسے چاہے مذکورہ بالا تقریر کے خلاف بی بی ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جس عورت نے دنیا میں مختلف اوقات دو یا دو سے زیادہ مختلف شوہروں سے نکاح کیا ہو وہ آخرت میں کس شوہر کے پاس رہے گی!

آپ نے فرمایا:

جسے وہ چاہے گی لیکن وہ اسے چاہے گی جس نے دنیا میں اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا ہوگا۔

پھر فرمایا:

اے ام حبیبہ! حسن خلق دنیا و آخرت کو لے جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر اور ادب کا سبق امت پر واجب ہے کہ وہ اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بدل وجان تعظیم و توقیر اور ادب بجا لائے۔ آپ کی زندگی کے بعد بھی اسی طرح ادب و تعظیم لازم ہے جیسے آپ کی ظاہری زندگی میں۔

اہلسنت بریلویوں کو مژدہ بہار بفضلہ تعالیٰ ہم اہلسنت اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر اور ادب کو ایمان بلکہ جان ایمان سمجھتے ہیں بحمدہ تعالیٰ یہی ہمارے اسلاف کا عقیدہ تھا۔ چنانچہ صاحب روح البیان دو صدی پیشتر لکھ گئے:[1]

فانه بقدر ازدیاد تعظیمه و توقیره فی القلوب یزداد نور الایمان فیها۔ (ج ۷، ص ۲۱۶)

(قلوب میں رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی تعظیم و توقیر ہوگی اسی قدر اس کے نور ایمان میں اضافہ ہوگا)

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ

(اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ؎

نجدی مرتا ہے کہ کیوں تعظیم کی
یہ ہمارا دین تھا پھر تجھ کو کیا

ڈاکٹر اقبال لاہوری مرحوم نے فرمایا: ؎

آبروئے ما ز نام مصطفٰے است)

پیرومرشد کا ادب

پیرومرشد کا ادب اور تعظیم و توقیر بھی ضروری ہے اس لیے کہ شیخ اپنے مریدین میں ایسے ہوتا ہے جیسے اُمت کا نبی ۔ اس کی تفصیل ہم نے آیت وازواجہ امھاتھم میں لکھ دی ہے۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی نرالی شان

آیت میں اشارہ ہے کہ از جہت راضیہ مرضیہ اور مطمئنہ کے جملہ کمالات کے جملہ طبقات کے ساتھ نفس محمدیہ کے قوی منفرد ہیں اور دنیا و آخرت میں جتنے کمالات خاصہ ہیں وہ سب کے سب حضرت احمد کے لیے خاص ہیں اختصاص و تشریف کے شرف کا راز اسی میں ہے۔

مسئلہ: جن بیبیوں کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دے دی تھی کیا وہ اختصاص مذکورہ میں داخل ہیں یا نہیں۔ بعض علماء نے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور دلیل میں حدیث پیش کی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ازواجی فی الدنیا ھن ازواجی فی الآخرۃ۔

(میری عورتیں جو دنیا میں ازواج ہیں آخرت میں بھی وہی ہوں گی)

اس دلیل سے انہوں نے فرمایا کہ مطلقہ ازواج آیت مذکورہ کے اختصاص میں داخل نہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ مطلقہ بیبیاں بھی اس میں داخل ہیں بشرطیکہ حضور علیہ السلام کی مدخولہ ہوں۔ اس آیت میں وہ بیبیاں داخل نہیں جنہیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دخول نہیں فرمایا۔ چنانچہ مروی ہے کہ اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نے دور خلافت عمر رضی اللہ عنہ میں اس بی بی سے نکاح کرنا چاہا جس نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پناہ مانگی تھی اور اسے حضور علیہ السلام نے جدا کر دیا تھا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو فرمایا دونوں کو سنگسار کرو کیونکہ اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی منسوبہ سے کیوں نکاح کر لیا! اس نے گواہ پیش کر دئے کہ اس بی بی کو حضور علیہ السلام نے قبل دخول فارغ کر دیا تھا۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں سنگسار نہ کیا۔

شانِ نزول اور شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ طلحہ بن عبید اللہ تیمی نے کہہ دیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فوت ہونے کے بعد میں بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کروں گا۔ ایک اور روایت میں یہ ہے اس نے کہا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری برادری میں نکاح کیا لیکن ان کی ازواج ہم سے پردہ کرتی ہیں اور وہ خود ہمیں اپنے گھر میں آنے سے روکتے ہیں۔ یہ اس لیے کہا کہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا بنی تیم ابن مرہ کے قبیلہ سے تھیں۔ یہ کہہ کر اعلان کیا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد میں عائشہ (رضی اللہ عنہ) سے نکاح کروں گا۔ اس پر یہ آیت وما کان لکم ان تؤذوا رسول اللہ الخ نازل ہوئی۔

فائدہ عجیبہ حضرت علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس حدیث شریف کی صحت پر مجھے توقف اور تردد تھا کہ حضرت طلحہ تو عشرہ مبشرہ سے ہیں اور ان کا مرتبہ اور مقام بلند ہے۔ وہ ایسی خفیف حرکت نہیں کر سکتے۔ چنانچہ مجھے بعد کو تحقیق ہوئی کہ یہ طلحہ اور ہے جس کا نام و نسب وغیرہ حضرت طلحہ جیسا ہے۔ کذا فی انسان العیون۔

(فقیر اویسی کہتا ہے یہی ہمارا موقف ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے محبوبوں پر بدگمانی سے بچتے اور ان کے ساتھ حسنِ عقیدت کا دم بھرتے ہیں۔ فللّٰہ الحمد علیٰ ذالک)

اِنَّ ذٰلِکُمْ یعنی حضور علیہ السلام کو ایذا اور آپ کے وصال کے بعد آپ کی ازواج سے نکاح کرنا کَانَ عِنْدَ اللّٰہِ عَظِیْمًا ○ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا معاملہ ہے یعنی گناہِ کبیرہ اور ہولناک امر ہے اس لیے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم اور ادب حیاۃ اور وصال کے بعد برابر طور پر لازم اور واجب ہے بلکہ ادائیگی حقوق مصطفویہ کے لیے آپ کی حیات و ممات کا کوئی فرق نہیں اس لیے کہ دنیا میں آپ نیابت حق کے عہدے پر فائز تھے اور آخرت میں لباسِ شفاعت پہن کر عاصیوں اور مجرموں کو گلے لگا کر بہشت میں لے جائیں گے ؎

قبائے سلطنت ہر دو کون تشریفست
کہ جز بقامت زیبائے او نیامد راست

ترجمہ : دونوں عالم کی سلطنت کی قبا صرف آپ کو جچتی ہے بلکہ یہ قبا سوائے آپ کے قدِ مبارک کے اور کسی کو راست آئی ہی نہیں۔

ربط : اب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم میں کوتاہی کرنے والوں کو وعید شدید سنائی

اور مائیہ اکبہ فرمائی:

اِنْ تُبْدُوْا اگر تم ظاہر کرو شَيْئًا ایسا امر جس میں بھلائی نہ ہو۔ مثلاً کہنا کہ ہم حضور علیہ السلام کی رحلت کے بعد ان کی ازواج مطہرات سے نکاح کریں گے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ شیئا سے یہاں ترک ادب و ترک حفظ حرمت نبویہ اور ترک تعظیم شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہے۔

تفسیر عالمانہ اَوْ تُخْفُوْهُ یا اسے تم اپنے سینوں میں چھپاؤ اور اسے زبان پر نہ لاؤ۔ یہ اس لیے کہ بعض صحابہ کے دلوں میں یہی خیال گزرا تھا کہ حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد ہم بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کریں گے۔ کذا قال الکاشفی

فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝ بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے کے ظاہر و باطن کو خوب جانتا ہے اس لیے وہ تمہیں تم سے صادر شدہ اعمال کی جزا و سزا دے گا خواہ اعمال ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔ آیت میں عام معاصی کی طرف اشارہ فرمایا اس میں نکاح بہ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہے۔

سبق کشف الاسرار میں ہے کہ اے بندۂ خدا! جب تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہر و باطن اور تمہارے ہر چھوٹے بڑے عمل کو جانتا ہے تو پھر تم پر لازم ہے کہ دائماً اسی کی بارگاہ میں سر جھکا دو۔ بلکہ اپنے ہر عمل پر کڑی نگرانی رکھ کر صرف اسی کی اطاعت و فرمانبرداری میں زندگی بسر کرنے کی کوشش کرو۔ اکل حلال، صدق مقال ہر حال میں ضروری ہے ریاضتِ بدن اور تلاوتِ قرآن کی مداومت اور اپنے گناہوں کی معافی اور خلقِ خدا کو نصیحت و وعظ کر کے اس کی راہ پر لگانے اور اخلاق پاکیزہ اور بلند رکھنے میں جد و جہد ہو ہر وہ عمل جو راہِ دین کی غبار اور راہ طریقت میں حائل ہو مثلاً بخل، ریا، طمع، اسے دور کیجئے اور جو اعمال دین آراستہ و پیراستہ کرتے ہیں ان کے لیے سرگرم رہنا لازم ہے۔ مثلاً جود و سخا اور توکل و قناعت، کلمۂ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دونوں کو شامل ہے اس لیے کہ لَا اِلٰهَ آلائش دنیوی کو دھوڈالتا ہے اور اِلَّا اللّٰهُ میں اثبات ہے اس سے دینی آرائش و زیبائش نصیب ہوتی ہے۔ جب بندہ کہتا ہے لا الٰہ تو راہ حق کے درمیان کی جملہ آلائش اور رکاوٹیں کٹ جاتی ہیں اور جب الا اللہ کہتا ہے تو جمال حق سے پردے اُٹھ جاتے ہیں اور بندہ صفات آرائش و زیبائش سے مزین ہو جاتا ہے سو اللہ تعالیٰ نے اس کلمہ کو سنگار کر اُمتِ مصطفویہ کے لیے بطور تحفہ بھیجا تاکہ امت اُسے قبول کر کے اعلیٰ مراتب و کمالات حاصل کرے۔ جس شخص کے ظاہر پر اس کلمہ کا اثر نہیں پڑتا وہ کمال جلال حقیقی سے نوازا نہیں جاتا۔ نہ ہی قیامت میں حضور علیہ السلام اسے

اپنی شفاعت سے نوازیں گے بلکہ فرمائیں گے:

سحقًا سحقًا۔ (دُور ہوجا، دُور ہوجا)

حضرت جامی قدس سرّہٗ نے فرمایا: ؎

۱ "لا" نہنگیست کائنات آشام
عرش تا فرش او کشیدہ بکام

۲ ہر کجا کردہ آں نہنگ آہنگ
از من و ما نہ بوے ماندہ نہ رنگ

۳ گرچہ "لا" داشت تیرگیٔ عدم
دارد "الّا" فروغ نور قدم

۴ چوں کند "لا" بساط کثرت طی
دہد "الّا" ز جام وحدت مے

۵ تا نسازی حجاب کثرت دور
ندہد آفتاب وحدت نور

۶ گر زمانی ز خود خلاص شوی
مہبط فیض نور خاص شوی

۷ جذب آں فیض یابد استیلا
ہم ز "لا" واربی ہم از "الا"

۸ ہر کہ حق داد نور معرفتش
کائن بائن بود صفتش

۹ جان بحق تن بغیر حق کائن
تن ز حق جان ز غیر حق بائن

ترجمہ: (۱) لا وہ خونخوار ہے جو کائنات کے خون کا پیالہ ہے۔ عرش سے فرش تک اپنے حلق میں سب کو نگل سکتا ہے۔

(۲) وہ خونخوار جس طرف بھی ارادہ کرتا ہے من وشما اور رنگ و بو سب کو ختم کر ڈالتا ہے۔

(۳) اگرچہ لا عدم کی تیرگی رکھتا ہے لیکن الا اللہ نورِ قدیم کی روشنی رکھتا ہے۔

(۴) جب لا کثرت کی بساط لپیٹتا ہے تو الا اللہ وحدت کا جام پلاتا ہے۔

(۵) جب تک کثرت کا حجاب دُور نہ کرو گے آفتاب وحدت نور عطا نہ فرمائے گا۔

(۶) تھوڑی دیر کے لیے اگر خودی سے نجات پاؤ گے تو نور خاص کے فیض کی نزول گاہ بن جاؤ گے

(۷) اس فیض کا جذبہ غلبہ پائے گا۔ پھر لا و الا اللہ دونوں سے نجات پاؤ گے۔

(۸) جسے اللہ تعالیٰ نو معرفت بخشتا ہے اس کی کائن و بائن صفت ہوتی ہے۔

(۹) جان حق سے اور تن غیر حق سے کائن ہوگا اور تن حق سے جان غیر حق سے بائن ہوگی۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ یہ جملہ مستانفہ ہے اور بیان کرتا ہے کہ کن لوگوں سے عورتوں کو پردہ کرنا ضروری نہیں۔

شانِ نزول مروی ہے کہ جب آیتِ حجاب نازل ہوئی تو عورتوں کے آبا، وابنا، و دیگر اقارب نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا ہم غیروں کی طرح باہر کھڑے ہو کر کوئی بات بھی کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور آپ نے حکم دیا کہ محارم عورتوں کے ہاں بلا پردہ آجا سکتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا: عورتوں کو گناہ نہیں کہ وہ اپنے آبا کو اپنے چہرے دکھائیں۔

وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ

اور اپنے بیٹوں اور اپنے بھائیوں اور بھتیجوں اور بھانجوں سے پردہ نہ کریں۔ ان مذکورہ بالا لوگوں کو جائز ہے کہ وہ اپنی رشتہ دار عورتوں کے چہرے اور سر اور پنڈلیاں اور بازو دیکھ سکتے ہیں۔ نہ ان کی پیٹھوں کو دیکھیں نہ ان کے پیٹوں کو اور نہ ان کی رانوں کو۔ وہ ان کو دیکھنے کے مجاز اس لیے ہیں کہ ان لوگوں کا بار بار آنا جانا ہوتا ہے بلکہ انھیں بار بار آنے جانے کی ضرورت رہتی ہے۔

ماموں اور چچا کا نام اس لیے نہیں لیا گیا کہ وہ تو بمنزلہ باپ کے ہیں اسی لیے قرآن میں چچا کو اب کہا گیا ہے؛

واللہ اٰبآئك ابراهيم واسحٰق۔

(اور تیرے آبا ابراھیم و اسحٰق کے معبود کی)۔

یا ان کا ذکر اس لیے نہیں کہ ان کے بیٹوں سے نکاح کا جواز ہے تو پھر ان سے پردہ کا کیا معنیٰ؛ اسی لیے چچا اور ماموں سے پردہ کرنا مکروہ ہے۔

مسئلہ: عورتوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہروں کے سامنے دوسری عورتوں کے محاسن اور

صورت وشکل کا ذکر کریں کیونکہ کسی شے کے ذکر سے ایسا تصور بندھ جاتا ہے کہ اسے دیکھا جا رہا ہے بلکہ دیکھنے سے سُننے سے دل پر گہرا اثر ہوتا ہے اس لیے اس طرح سے فتنہ انگیزی ہوگی۔

وَلَا نِسَآئِهِنَّ اور مومنات عورتوں کا مومنات عورتوں کو دیکھنا جائز ہے لیکن عورت کو عورت کی ناف سے گھٹنوں تک دیکھنا ناجائز ہے۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک گھٹنوں کو بھی ڈھانپنا ضروری ہے۔

مسئلہ: نساء سے اہلِ ایمان کی اپنی ہم مذہب آزاد عورتیں مراد ہیں اسی لیے کتابی عورتوں کا مسلمان آزاد عورت کے ہاں جانا ناجائز ہے۔ نہ ہی آزاد مسلمان عورتیں ان کے سامنے اپنے چہرے وغیرہ کھولیں۔ یا آیت میں مسلمان اور کتابی عورتیں مراد ہیں۔

ف: نسائہن اس لیے کہا گیا ہے کہ عورت عورت کی ہمجنس ہوتی ہے اسی جنسیت کی وجہ سے اضافت کی گئی ہے اسی معنے پر مسلمان آزاد عورت کے ہاں کتابی عورت آجا سکتی ہے اس لیے کہ یہودیوں کی عورتیں باوجودیکہ کافرہ تھیں ان کا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے ہاں آنا جانا ہوتا تھا اور بیبیوں نے ان سے کبھی پردہ نہ کیا اور نہ ہی انہیں اللہ جل جلالہٗ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان سے پردہ کرنے کا حکم ہوا۔ ایسے ہی امام ابوحنیفہ و امام احمد و امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول ہے۔

وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اور نہ ان غلاموں اور کنیزوں کے آنے جانے سے گناہ ہے اس لیے کہ عورت پر اپنے غلام سے نکاح کرنا حرام ہے اسی لیے اس کا اپنی مالکہ کے گھر میں آنا جانا جائز ہے بشرطیکہ غلام کی مالکہ پاکدامن ہو اسی لیے اسے اپنی مالکہ کے چہرے کو دیکھنا جائز ہے۔

مسئلہ: بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مالکہ اپنے غلام کو دیکھ سکتی ہے اس لیے کہ غلام اپنی مالکہ کے لیے محارم کی مانند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے غلام ذکوان کو فرمایا کہ جب تم مجھے قبر میں اتار کر واپس ہٹو گے تو تم آزاد ہو گے۔ اور بعض نے کہا کہ یہ صرف کنیزوں سے خاص ہے یعنی کنیزیں تو گھر میں آجا سکتی ہیں لیکن غلام کو اجازت نہیں وہ اجنبی غیر محرم کے حکم میں ہے۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ یہی اقرب الی التقوٰی ہے اس لیے کہ عبد کا حکم اجنبی غیر محرم جیسا ہے۔

سوال: بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف کیوں فتوٰی دے رہے ہو؟

جواب : اگرچہ بی بی صاحبہ کا ارشادِ گرامی اپنے مقام پر صحیح ہے لیکن یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے ۔ اور اجتہادِ صحابہ اپنے تک محدود ہوتا ہے ۔ جب وُہ جمہور کے خلاف ہو پھر بی بی صاحبہ کا تقویٰ و طہارت کہاں اور دوسرے لوگ کہاں !

مسئلہ : غلام کا حکم اجنبی غیر محرم جیسا ہے اگرچہ وُہ خصی اور نامرد ہو یا جوانمرد ۔ اور بی بی صاحبہ پر قیاس کرنا چاہیے جیسا کہ ہم نے اُوپر عرض کر دیا ہے بالخصوص ہمارے پُرفتن دور میں تو اور نزاکت ہے یہی امام اعظم قدس سرہٗ کا قول ہے ۔ یہی جمہور کا مذہب ہے ۔ اسی لیے عورت کو اپنے غلام کے ساتھ اکیلا سفر کرنا ، حج پہ جانا ناجائز ہے ۔

مسئلہ : اگر شہوت کا غلبہ نہ ہو اور غلام اور مالکہ کو اپنے اوپر پورا اعتماد ہو تو غلام اپنی مالکہ کا چہرہ اور ہاتھ اور پاؤں وغیرہ دیکھ سکتا ہے ۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ مالکہ کا محرم ہو گیا ۔ اس مسئلہ کی تحقیق اور بعض مسائل سورۂ نور میں ہم نے لکھ دیے ہیں ۔ اس کا مطالعہ کیجئے اِن شاءاللہ پڑھ کر مسرور ہو گے ۔

وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو بالخصوص پردہ کے بارے میں جب کہ تمہیں اللہ تعالیٰ سے حکم ہوا ہے تو بے پردہ باہر نہ جاؤ یہاں تک کہ سوائے محارم مذکورہ کے تمہیں کوئی بھی بلا پردہ نہ دیکھے ۔ جہاں تک ممکن ہو تم پردہ میں احتیاط کرو ۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ پہلے غائب کا صیغہ اب خطاب ہے اس میں تشدید و مبالغہ مطلوب ہے گویا اللہ تعالیٰ انہیں اپنے حضور میں بلا کر تاکید فرماتا ہے کہ تم پردہ میں حکمِ الٰہی کے خلاف نہ کرنا ۔ اللہ تعالیٰ سے شرم و حیا اور اس کا خوف اور ڈر تمہارے لیے ضروری ہے ۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدًا بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے کو جانتا ہے اس سے کوئی شے مخفی نہیں ۔ تمہارے اقوال اس سے پوشیدہ نہیں ، نہ افعال اس کے علم کے آگے پوشیدہ ہیں نہ ماضی ، نہ حال ، نہ استقبال تمام احوال برابر ہیں ؎

۱ چونکہ خدا ہشد بحق یا گواہ
کرد شما را ہمہ لحظہ نگاہ

۲ دید بپوشید ز نا محرمان
دور شوید از رہ وہم و گمان

۳ در پس زانوے حیا و وقار
خوش بنشینید بصبر و قرار

ترجمہ :(۱) جب اللہ تعالیٰ تمام پوشیدہ امور پر مطلع ہے تم سب کو ہر لحظہ نگاہ میں رکھتا ہے۔

(۲) تو نامحرموں سے نگاہ چھپالے وہم وگمان کی راہ سے دور رہ۔

(۳) حیاء ووقار کے گھٹنوں میں صبر و قرار کے ساتھ خوش ہو کر بیٹھ جا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ جب ان کے عادات مالوفہ ان سے چھڑائے گئے تو ان کی تسکین قلبی ضروری تھی اس لیے انہیں تسکین دے کر شریعت مطہرہ اور مفروض عبادت کی طرف لایا گیا ہے۔ اس سے ان کے اقرباء کو خوش کیا گیا ہے تاکہ رخصت عام سے ان کو سہولت مل جائے کہ وہ جب چاہیں۔ جس وقت چاہیں ان سے ملیں اور ان کے گھروں میں جائیں اور عورتوں کو بھی احتیاط کا سبق دیا گیا یعنی التقین، اللہ فرما کر انہیں سمجھایا کہ خواطر کو جمع رکھیں اور نفوس کو غیروں کے تعلق سے محفوظ رکھیں ان اللہ کان علی کل شیء [1] بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے یعنی نفوس کے اور قلوب کے احوال پر شہیداً حاضر و ناظر ہے۔

شہید بمعنے حاضر و ناظر (ہم اہلسنت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر مانتے ہیں۔ اس کے استدلال میں آیت ویکون الرسول علیکم شہیداً" کا لفظ شہید پیش کرتے ہیں جسے وہابیہ و دیوبندیہ کہتے ہیں کہ یہ ایجاد بندہ ہے حالانکہ تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ شہید بمعنے حاضر و ناظر ہے۔ چنانچہ فقیر اویسی غفرلہ نے اس پر متعدد شواہد اپنی کتاب تسکین الخواطر المعروف "دلوں کا چین" میں لکھے ہیں۔ ان میں سے ایک عبارت صاحب روح البیان کی بھی ہمارے شواہد میں شامل ہے ملاحظہ ہو :)

شہیداً حاضراً و ناظراً الیھا قال ابو العباس الفاسی الشہید ھو الحاضر الذی لا یغیب عنہ معلوم ولا مرئی و لا مسموع۔

(روح البیان ج ، ص ۲۱۹ تحت آیت ہذا)

(شہید وہ ہے جو ان پر حاضر و ناظر ہو ابو العباس الفاسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شہید وہ حاضر کہ جس سے کوئی شے غائب نہ ہو معلومات سے ہو یا مرئیات سے یا مسموعات سے)

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

ف : جو شخص یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شہید یعنی اس کے جملہ احوال پر مطلع ہے تو وہ کبھی اس کے روکے ہوئے امور کی خلاف ورزی نہیں کرے گا اور نہ ہی اس کے اوامر کے برعکس چلے گا بلکہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے علم کے تصور میں رہ کر اپنے اوپر کنٹرول کرے گا بہرحال اللہ تعالیٰ کے علم سے نہ دنیا کی کوئی شے مخفی ہے نہ آخرت کی۔ اور وہ قیامت میں اپنے بندوں کے جملہ اعمال کی خبر دے گا اس کے بعد ان کی جزا و سزا مرتب فرمائے گا ؂

۱ ذرۂ نیست در مکین و مکان
که نہ علمش بود محیط بر آن

۲ عدد ریگ در بیابانہا
عدد برگہا بر بستانہا

۳ ہمہ نزدیک او بود ظاہر
ہمہ در علم او بود حاضر

ترجمہ : (۱) مکین و مکان کا کوئی ایسا ذرہ نہیں جس پر اس کا علم محیط نہ ہو۔

(۲) جنگلوں میں ریت کے ذرات ہوں یا باغات کے پتے۔

(۳) اس کے ہاں سب ظاہر ہیں اور تمام کے تمام اس کے علم کے آگے حاضر ہیں۔

ف : لفظ شہید کی خاصیت یہ ہے کہ اس اسم کا ورد کرنے والا باطل سے رجوع کر کے حق کی طرف راغب ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اگر کسی کی اولاد عاق ہو یا اس کی عورت نافرمان ہو تو ان پر پڑھ کر دم کیا جائے تو فرماں بردار ہو جائیں گے اور ان کے معاملات سنور جائیں گے۔ کذا فی شرح الاسماء للفاسی۔

دعا : ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمارے احوال و اقوال و افعال کی اصلاح فرمائے اور ہماری جملہ آرزوؤں کا رخ اپنی ذات کی طرف متوجہ فرمائے۔ آمین

تفسیر عالمانہ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ اکابر اولیاء اہلِ کشف کے نزدیک ملائکہ دو قسم کے ہیں،

(۱) مرتبۂ ارواح سے نزول کر کے مرتبۂ اجسام میں آنے والے، ان کے اجسام لطیفہ ہیں جیسے انسانوں کے اجسام کثیفہ ہیں۔ انہی ملائکہ کو آدم علیہ السلام کو سجدے کا حکم ہوا تھا۔ اسی قسم میں جملہ اقسام ملائکہ ارضیہ و سماویہ اصاغر و اکابر داخل ہیں جیسے جبریل علیہ السلام وغیرہ۔ ان میں سے

کوئی ایک بھی سجدۂ آدم علیہ السلام سے فارغ نہ تھا۔
(۲) عالمِ ارواح میں ارواح ہی رہے انہیں اجسام نہیں دئے گئے نہایت لطیف ہیں ان کا جسم نہ کثیف ہے نہ لطیف۔ وہی ذاتِ حق میں ہر وقت محو ہیں۔ ان کے متعلق "ام کنت من العالین" میں اشارہ ہے انہیں آدم علیہ السلام کے سجدے کا حکم نہ تھا کیونکہ انہیں نہ اپنا شعور ہے نہ کسی دوسرے کا، وہ شہودِ باری تعالیٰ میں ایسے مستغرق ہیں کہ ان کو موجودات میں مطلقاً کسی کی خبر نہیں۔

شرافت انسانی انسان ان دونوں سے افضل ہے (دیوبندی وہابی اسی کلیہ سے عوام کو بہکائیں گے کہ جب بشریت نورانیت سے افضل ہے تو پھر حضور علیہ السلام کو بشر کہنا افضل ہے۔ ہم کہیں گے کہ مطلقاً بشریت افضل نہیں بلکہ مرتبۂ کمال و شرافت حال کا اعتبار ضروری ہے۔ چنانچہ صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا:)

والانسان افضل من هذین القسمین فی شرف الحال و رتبة الکمال۔ (ج ۷ ص ۲۱۹)

(شرفِ حال و رتبۂ کمال میں انسان ان دونوں قسموں سے افضل ہے)

(اگر یہ اعتبار مدِنظر نہ ہو تو کیا وہابی دیوبندی ابوجہل و فرعون، شداد وغیرہم کو حضرت جبریل علیہ السلام وغیرہ پر فضیلت کے قائل ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً بشریت نورانیت سے افضل ہے بلکہ بشریت کی نسبت و اضافت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں انبیا و رسل بشر جملہ ملائکہ سے افضل ہیں پھر رسل ملائکہ اولیاء اللہ و جملہ بشر سے افضل ہیں پھر اولیاء اللہ مقربین کے ملائکہ کے علاوہ جملہ ملائکہ سے افضل ہیں۔ دیکھئے شرح عقاید و نبراس وغیرہ۔ باقی رہا حضور علیہ السلام کو بشر کہنا۔ ہم آپ کی بشریت کے قائل ہیں، یہ محض وہابیہ و دیوبندیہ کا ہم پر الزام و بہتان تراشی ہے کہ اہلسنت والجماعت حضور علیہ السلام کو بشر نہیں مانتے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہیں تو بشر لیکن ہم جیسے نہیں۔ وہی عقیدہ رکھتے ہیں جو امام زرقانی رحمہ اللہ نے لکھا ؎

محمد بشر لا کالبشر
الیاقوت حجر لیس کالحجر

ہاں ہم آپ کے لیے لفظ بشر کے اطلاق کے قائل نہیں، وہ اس لیے کہ یہ لفظ عام ہے جو ہر ہندو سکھ، مسلمان فاجر، فاسق وغیرہ کے لیے استعمال ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ جو لفظ عام استعمال ہو وہ حضور علیہ السلام کے لیے استعمال کرنا بے ادبی اور گستاخی ہے۔ تفصیل فقیر کے رسالہ "بشریۃ النبی" میں دیکھیے۔ اویسی غفرلہٗ)

انسان کی افضلیت کی علت صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے ملائکہ پر انسان کی افضلیت کی علت لکھی ہے:

لانہ مخلوق بقبضتی الجمال والجلال بخلاف الملائکۃ فانھم مخلوقون بید الجمال فقط کما اشیر الیہ بقولہ ؎

ملائک را چہ سود از حسن طاعت
چو فیض عشق بر آدم فرو ریخت

(وہ جمال وجلال کے دونوں ہاتھوں سے بنایا گیا ہے بخلاف ملائکہ کے کہ وہ صرف جمال کے ہاتھوں سے بنائے گئے ہیں۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا:

(ترجمہ: ملائکہ کو اچھی طاعت کا کیا فائدہ جب عشق کا فیض آدم کو نصیب ہو)

عشق کی فضیلت وجہ یہ ہے کہ عشق محنت طلب ہے اور عشق کا وطن دنیا ہے اسی لیے آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اتارا گیا تاکہ وہ عشق میں کمال حاصل کر سکے اور محنت سے تربیت ہوتی ہے اس لیے کہ تربیت جلال کے آثار سے ہے اور انسان ہی جلال کا مظہر ہے جیسے وہ جمال کا بھی مظہر ہے اور ملائکہ صرف جمال کے مظہر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں عشق عطا نہیں ہوا اور عشق انسان کو نصیب ہوا۔

ف: یہاں پر ملائکہ سے پہلی قسم مراد ہے کیونکہ وہ اہل ایمان انسان جمال اور وجود جسمانی میں شریک ہیں جیسے انسان اہل ایمان سب کے سب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہدیۂ درود وصلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ ایسے ہی ملائکہ بھی درود وسلام کے تحائف بارگاہِ نبوی میں پیش کرتے ہیں اور عقلاً بھی اس کی تائید ہوتی ہے تعظیم و توقیرِ نبوی کا تقاضا یہ ہے کہ درود وسلام عرض کرنے والے کثیر التعداد ہوں اور تعداد میں کثرت ملائکہ کی قسم اول ہے۔ عقل سلیم رکھنے والے اور فہیم وذکی انسان کو اس قاعدہ سے انکار نہیں ہو سکتا۔

(فقیر اویسی غفرلہ کہتا ہے کہ یہ دولت یعنی ہدیۂ درود وسلام کی دولت ہم اہلسنت کو نصیب ہے اور یہ عطیۂ رب العزت ہے)

یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ نبی علیہ السلام پر درود پڑھتے ہیں یعنی آپ کی بھلائی اور آپ کے جملہ امور کی صلاحیت چاہتے ہیں اور آپ کے شرف اور تعظیم شان کا اظہار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ بمعنے رحمت اور ملائکہ کی صلوٰۃ بمعنے دعا و استغفار۔ اس تقریر پر یصلون میں عموم المجاز ہے اس لیے معنے مشترک بیک وقت مراد لینا جائز نہیں اور مشترک میں مطلقاً عموم نہیں ہوتا۔ ان معانی

مشترکہ میں منافاۃ ہو یا نہ۔

ف : القہستانی میں فرمایا کہ الصلوٰۃ من اللہ بمعنے رحمت اور ملائکہ سے بمعنے استغفار اور انس و جن سے بمعنے قیام و رکوع و سجود و دُعا وغیرہ اور طیور وہوا سے بمعنے تسبیح۔ اور یہ تصلیۃ کا اسم ہے درود میں دونوں یعنی تصلیۃ وصلوٰۃ مستعمل ہیں بخلاف الصلوٰۃ بمعنے اداء الارکان۔ وہاں اس کا مصدر یعنی تصلیۃ استعمال نہیں ہوتا۔ مثلاً صلیت تصلیۃ نہیں کہا جائے گا بلکہ صلیت صلوٰۃ کہا جائے گا۔

ف : بعض علماء نے فرمایا کہ الصلوٰۃ من اللہ بمعنے الرحمۃ ہوگا۔ لیکن غیر نبی علیہ السلام کے لیے اور نبی علیہ السلام کے لیے تشریف بمزید الکرامۃ کے معنیٰ میں ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ رحمۃ عام ہے اور الصلوٰۃ خاص۔ جیسا کہ اولٰئک علیہم صلوات من ربہم ورحمۃ میں عطف تغایر سے معلوم ہوتا ہے۔

بعض نے فرمایا کہ صلوات اللہ غیر نبی پر ہو بمعنے رحمۃ اور اگر نبی علیہ السلام پر ہو تو قولاً بمعنے ثنا و مدح اور فعلاً بمعنے توفیق و تائید۔ اور صلوٰۃ الملائکہ غیر نبی کے لیے ہو تو بمعنے استغفار اور نبی علیہ السلام کے لیے ہو تو قولاً بمعنے فضیلت و مدح اور فعلاً بمعنے نصرت و معاونت۔ اور مومنین کی صلوٰۃ غیر نبی پر بمعنے دُعا اور نبی علیہ السلام پر قولاً بمعنے طلب شفاعت اور فعلاً اتباع السنۃ مراد ہوگی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ اے ایمان والو! تم بھی صلوٰۃ وسلام کا اہتمام کرو کیونکہ تم ان پر درود وسلام عرض کرنے کے زیادہ حقدار ہو وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا اور بہت زیادہ سلام عرض کرو۔ مثلاً کہو اللّٰھم صل علیٰ سیدنا محمد وسلم یا کہو صلی اللہ علیہ وسلم یا یوں کہو: اللّٰھم صل علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آل سیدنا محمد۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف اذا صلیتم علیّ فعمموا۔

(جب تم مجھ پر صلوٰۃ پڑھو تو عام صیغہ استعمال کرو)

یعنی میرے سوا اوروں کو بھی صلوٰۃ وسلام میں شامل کرو۔ ورنہ آپ پر صلوٰۃ وسلام ناقص رہیگے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کذا فی شرح القہستانی۔

ف : حضرت امام سخاوی نے مقاصد حسنہ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اس لفظ کے ساتھ مجھے کہیں نہیں ملی۔ ممکن ہے اس کا یہ معنیٰ ہو کہ آپ پر اور جملہ انبیاء علیہم السلام پر صلوٰۃ وسلام عرض کرو، اس لیے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنا کر مبعوث فرمایا ہے اسی طرح انھیں بھی۔

ف : صیغۂ درود وسلام میں لفظ اللّٰھم کے بجائے یا رب یا یا رحمٰن اس لیے نہیں کہا جاتا کہ لفظ اللّٰھم جامع ہے اور الوہیت پر دلالت کرتا ہے۔ اور اسلام کی علامت لا الٰہ الا اللہ کے کلمہ کا جز ہے اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کے لیے اسی اسم کو مخصوص کیا گیا وہ اس لیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نعوت کمال کے جامع اور اسرار جمال وجلال کے خزینہ وگنجینہ ہیں۔

ف : صلوٰۃ وسلام میں لفظ محمد اس لیے مناسب ہُوا کہ محمد بمعنے بار بار حمد کیا ہوا۔ اس معنے پر مقامِ مدح وثنا میں یہی اسم لایا گیا ہے۔

مسئلہ : آلہٖ سے آپ کی امت کے متقی لوگ مراد ہیں۔ اس معنے پر درود شریف میں بنو ہاشم اور حضور علیہ السلام کی ازواجِ مطہرات وغیرہم بھی داخل ہیں۔

ف : شرح کشاف وغیرہ میں ہے کہ اللّٰھم صل علیٰ محمد کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ! حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں اعلائے دین واسلام میں معظم فرما اور آپ کے ذکر کو عام اور آپ کی دعوت کو عام اور آپ کی شریعت کو تا قیامت باقی رکھ اور آخرت میں آپ کی اُمت کے بارے میں آپ کی شفاعت قبول فرما اور آپ کے اجر وثواب کو دگنا فرما اور اوّلین وآخرین میں آپ کی فضیلت کو واضح فرما اور آپ کو جملہ انبیاء ومرسلین کا مقتدا بنا۔

نکتہ چونکہ ہم حضور علیہ السلام پر درود وسلام کے اہل نہیں اسی لیے ہم اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں اے اللہ! تُو ہی اپنے حبیبؐ علیہ السلام پر اس طرح درود وسلام بھیج جس طرح ان کی شان ہے۔ اس معنے پر اللہ تعالیٰ ہماری استدعا قبول فرما کر خود اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر تحفۂ صلوٰۃ وسلام بھیجتا ہے ؎

سلام من الرحمٰن نحو جنابہ
لان سلامی لا یلیق بجنابہ

(ترجمہ : اللہ تعالیٰ ہی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس کے مطابق ان پر سلام بھیجے کیونکہ ہمارا سلام تو ان کی شان کے لائق نہیں ہے۔

سوال : اگر یہی معنیٰ ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں صلوٰۃ وسلام کا حکم کیوں فرمایا ہے؟

جواب : اس سے صلوٰۃ کے لیے محبت کا اظہار مطلوب ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنی حمد کے لیے فرمایا ، وقل الحمد للہ ورنہ وہ درحقیقت اپنی حمد خود فرماتا ہے ورنہ ہم کب اس کے اہل ہیں کہ

اس کی حمد کر سکیں ۔ اب مسلم کا معنی یہ ہوا کہ اے اللہ! اپنے حبیب علیہ السلام کو ہر دکھ اور تکلیف سے صحیح سالم رکھ ۔ کذا قال القہستانی ۔

ف : بعض علماء نے فرمایا ، التسلیم یہاں پر بمعنے آفرین کرنا نیز بمعنے پاک کرنا ، سپرد کرنا اور عاجزی کرنا اور سلامتی دینا بھی آیا ہے ۔

الفتوحات المکیہ میں ہے کہ السلام کے لیے اہلِ ایمان کو اس لیے حکم ہے کہ انبیاء علیہم السلام ایسے مقام پر فائز ہوتے ہیں کہ جہاں ان پر اعتراض کرنا فطری امر ہے کیونکہ وہ ایسے امور کا حکم فرماتے ہیں جو ان کی خواہشات کے مخالف ہوتا ہے بنا بریں مومن عرض کرتا ہے ، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو میری طرف سے اطمینان ہو کہ میں آپ کا غلام ہوں آپ پر ہرگز اعتراض نہیں کروں گا ۔ ایسے ہی نیک بندوں پر سلام کرنے کا یہی مطلب ہے کہ وہ حضرات بوراثت نبی علیہ السلام بندگانِ خدا کو نفسانی خواہشات سے روکتے ہیں انہیں اپنے سلام عرض کرنے سے تسلی دی جاتی ہے کہ ہم آپ حضرات کے نیاز مند ہیں ۔ ہماری طرف سے آپ پر اعتراضات نہیں ہوں گے ۔ ایسے ہی اپنے اوپر سلام کا مطلب یہ ہے کہ ہم اغلاط اور جرائم و معاصی کے ارتکاب میں مشہور ہیں اسی لیے لازم ہوا کہ ہم اپنے لیے سلامتی کی دعا مانگیں اور ایک دوسرے کو اعتراض کا نشانہ نہ بنائیں ۔

حضور علیہ السلام کی تشہد

اس کے متعلق کوئی روایت نہیں ملتی جس میں تصریح ہو کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشہد میں کیا پڑھتے تھے ، کیا ہماری طرح السلام علیک ایہا النبی پڑھتے یا السلام علی یا کچھ نہ پڑھتے اور صرف السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین پر اکتفا فرماتے ۔ اگر آپ ہماری طرح السلام علیک ایہا النبی پڑھتے تو اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں :

(۱) آپ پر حق تعالیٰ سلام کہتا آپ اس کی ترجمانی فرماتے ، جیسے سمع اللہ لمن حمدہ میں ہم حق تعالیٰ کی ترجمانی کرتے ہیں ۔

(۲) آپ ملائکہ کے قائم مقام ہو کر السلام علیک ایہا النبی کہتے یعنی اسی حیثیت سے آپ ایک اجنبی کی طرح ہوتے ہیں اپنے آپ کو شخص دیگر تصور کر کے السلام علیک ایہا النبی کہتے ۔

حیاۃ النبی کا عقیدہ اور اس کے دلائل

اگر کوئی سوال کرے کہ سلام تو زندہ پر ہوتا ہے اور آپ تو فوت ہو چکے تھے ۔ تو اس کا جواب یہ ہے ، ہمارا عقیدہ ہے مومن نہیں مرتا ، صرف اتنا ہوتا ہے کہ روح جسم سے جدا ہو جاتی ہے اور

نبی علیہ السلام کا بدن شریف گلنے سڑنے اور ٹکڑے ہونے سے پاک ہے اور عالم برزخ میں زندہ ہیں چنانچہ حدیث شریف میں ہے :

حدیث شریف ان اللہ ملائکۃ سیاحین یبلغونی من امتی السلام۔

(بے شک اللہ تعالیٰ کے سیاح فرشتے ہیں جو میری امت کا سلام میرے ہاں پہنچاتے ہیں)

اور حدیث شریف :

ما من مسلم یسلم علیّ ردّ اللہ علیّ روحی حتی ارد علیہ السلام۔

(کوئی مسلمان مجھ پر سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری رُوح کو جسم میں لوٹاتا ہے تو میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں)

دلالت کرتی ہے۔

ف : اس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ برزخ دنیوی سے دائمی طور زندہ ہیں اس لیے کہ عالم دُنیا میں کوئی وقت خالی نہیں جس میں کوئی درود و سلام نہ پڑھتا ہو اور آپ اس کے سلام کا جواب نہ دیں۔

ازالہ وہم ردّ اللہ علیّ روحی الخ کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے اندر برزخ میں خیالی حسی کا شعور اور سمع و نطق کا ادراک حواس باقی رکھتا ہے حس و شعور کلی روح محمدی سے جُدا نہیں ہوتا آپ کے حواس سے ادراک کو غیبوبت نہیں ہے اس لیے آپ جملہ عالم کی روح اور آپ کی توجہ ذرّہ کائنات میں جاری و ساری ہے۔

امام سیوطی کی تقریر رُوح کو جسم کے ساتھ اتصال ہے اسی لیے ہر انسان مرنے کے بعد عالم برزخ میں سُنتا سمجھتا اور سلام کا جواب دیتا ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم رفیق اعلیٰ میں ہیں اور آپ کی روح اقدس بدن مبارک کے ساتھ متصل ہے اس لیے جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو آپ اپنے مقام پہ رہنے کے باوجود ہر سلام عرض کرنے والے کو سلام کا جواب دیتے ہیں۔

ازالہ وہم یہاں پر لوگوں کو غلط فہمی ہو جاتی ہے وہ غائب کا شاہد پر قیاس کر کے کہتے ہیں کہ جیسے جسم ایک جگہ پر ہو تو دوسری جگہ نہیں ہو سکتا ایسے ہی روح کا حال ہوگا حالانکہ یہ غلط ہے اس لیے کہ روح کی پرواز کا طور طریقہ اور ہے اور جسم کا حکم اور۔ مثلاً حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو شب معراج دیکھا کہ وہ قبر انور میں نماز پڑھ رہے تھے حالانکہ آپ اس وقت

رفیق اعلیٰ میں تھے اور ان دونوں معاملات میں منافات بھی کوئی نہیں اس لیے کہ ارواح و ابدان علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں اسی لیے ان کے احکام بھی علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اگر رُوح کی لطافت حق نہ ہوتی تو اولیاء کرام دیواروں سے باہر نہ نکل جاتے اور نہ ہی قبر میں میت کھڑے ہو کر نماز پڑھتی۔ میت کو ہزاروں ٹن مٹی اور تابوت وغیرہ حائل نہیں ہوتا وُہ قبر میں ہر شے دیکھتا، سنتا، جانتا ہے۔

اعجوبہ قیامت میں ایک وقت بندہ آٹھوں بہشتوں کے آٹھوں دروازوں میں داخل ہو سکے گا وہ صرف اس لیے کہ وہاں اس کی روحانیت کو غلبہ ہوگا حالانکہ اسے اس عالم میں اتنی قوت و طاقت حاصل نہیں تھی اور نہ ہی اتنی بہت بڑی پرواز اسے ممکن تھی۔

سورج کی مثال دیکھیے سُورج یہاں سے کتنی دور ہے (چوتھے آسمان میں ہونے کے باوجود) ارواح کی طرح تیز پرواز رکھتا ہے کہ زمین کے چپہ چپہ میں اس کی شعاعیں موجود ہیں۔

مردہ قبر سے باہر والوں کو جانتا پہچانتا ہے

حدیث شریف میں ہے: ما من عبد یمر بقبر رجل کان یعرفہ فی الدنیا فیسلم علیہ الا عرفہ ورد علیہ السلام۔

(قبر پر جب کوئی گزرتا ہے تو اہلِ قبر اسے پہچانتا ہے اور اسے سلام کا جواب دیتا ہے)

ف: اس سے ان کا زبان حال کا جواب مراد ہے۔ قولی جواب اس لیے مراد نہیں کہ دنیا میں اس کے اعمال کا انقطاع ہو گیا بلکہ وہ اس انقطاع سے نہ صرف افسوس کرتے بلکہ انھیں بہت بڑی سخت حسرت ہوتی ہے کہ کاش اسے وہی وقت نصیب ہوتا کہ جس سے وہ سلام کا جواب دے کر ثواب پاتا۔ لیکن تحقیق وہی ہے کہ الشیخ المظہر نے فرمایا کہ مُردوں کا سلام اسی طرح ہے جیسے زندوں کا ہوتا ہے۔

سوال: اگر یہی قول تحقیقی ہے تو پھر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کا مطلب کیا ہے جبکہ فرمایا:

علیکم السلام تحیۃ الموتیٰ۔

موتیٰ کا تحیہ سلام ہے یعنی علیکم کو السلام سے پہلے کہنا عرب کی عادت میں شامل ہے کہ جب وہ گورستان میں جاتے تو علیکم السلام کہتے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے عرب کے عرف کے مطابق فرمایا:

علیکم السلام تحیۃ الموتیٰ۔

ردِ شیعہ درود شریف میں لفظ علیٰ ضروری ہے۔ مثلاً کہے :

اللّٰھم صلّ علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آل سیدنا محمد۔

یہی اہلسنت کا طریقہ ہے کہ لفظ آل پر لفظ علیٰ کو داخل کرنا چاہئے اور شیعہ کہتے ہیں کہ لفظ علیٰ لفظ آل پر داخل نہ کرنا چاہیے اور وہ اپنے دعویٰ کے لیے حدیث :

"من فصل بینی وبین آلی بعلی لم ینله شفاعتی" قالہ القہستانی والعصام وغیرہما
(جو شخص میرے اور میری آل کے درمیان فاصلہ ڈالتا ہے اسے میری شفاعت نصیب نہ ہوگی)

پیش کرتے ہیں۔

شیعہ کی دلیل کا رد امام محمد گردی نے فرمایا: یہ حدیث غیر ثابت ہے۔ اگر صحیح ہو تو یہاں پر آل سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد لیں وہ اس لیے کہ صرف حضرت علی کو آل میں شامل کیا جائے اور دوسروں کو آل سے ہی علٰحدہ رکھا جائے حضور علیہ السلام نے ایسے لوگوں کے لیے فرمایا کہ میرے اور میری آل کے درمیان فاصلہ نہ رکھا جائے۔ جیسا کہ شیعہ کا طریقہ ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حد سے زیادہ بڑھاتے اور ناجائز طریقے سے ان سے محبت کرتے ہیں۔

رافضی وخارجی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آپ کی وجہ سے دو قسم کے لوگ تباہ و برباد ہوں گے،

۱۔ آپ سے بہت زیادہ محبت کرنے والے
۲۔ آپ سے بغض رکھنے والے

(اس سے شیعہ اور بعض متشدد وہابی مراد ہیں جیسا کہ ہمارے دور میں خاندانِ نبوت کے خلاف بہت زیادہ کیچڑ اچھالا جا رہا ہے۔

پہلے گروہ کا روافض اور دوسرے کا نام خوارج ہے اور بحمدہٖ تعالیٰ ہم اہلسنت صراطِ مستقیم پر ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کی شان کے مطابق محبت کرتے ہیں اور بغض رکھنے والوں کے لیے برسرِ پیکار رہیں۔

مسئلہ صلوٰۃ میں "وارحم محمداً" نہ کہے، اس لیے یہ دعا آپ کی تقصیر پر دلالت کرتی ہے۔ اس لیے رحمت کی دعا اس کے لیے کی جاتی ہے جس سے کوتاہی واقع ہو اور اسے اس کوتاہی پر ملامت کی جائے۔ یہی اصح تر ہے۔ کذا قال شرف الدین الطیبی فی شرح المشکوٰۃ۔

اور الدرر میں ہے کہ ارحم محمداً (صلی اللہ علیہ وسلم) کہنا مکروہ ہے یہی صحیح ہے۔

مسئلہ: الشیخ علی نے اسئلۃ الحکم میں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر صدقہ حرام ہے اس لیے کہ صدقہ دینے والا جسے صدقہ دیتا ہے اسے قابلِ رحم تصور کر کے صدقہ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ وہ اپنے محبوب علیہ السلام کو غیر کی رحمت کا محتاج بنائے۔ اسی لیے کہ فقہاءِ کرام نے نماز میں حضور علیہ السلام پر رحمت کی دعا سے روکا ہے کہ اس میں بارگاہِ رسالت کی سوء ادبی و گستاخی ہے اگرچہ ایک روایت میں رحمت کا صیغہ بھی وارد ہے۔ کما ذکرہ صدر الشریعۃ۔

مسئلہ: ایسے ہی بعض فقہاء نے فاتحہ میں نبی علیہ السلام اور جملہ انبیاء علیہم السلام کی ارواحِ مقدسہ کے نام لینے سے روکا ہے (مثلاً کہا جائے کہ اس کلام وطعام کا ثواب حضور علیہ السلام اور انبیاء علیہم السلام کی ارواحِ مقدسہ کو پہنچے) اس لیے کہ عام عادت ہے کہ فاتحہ گنہگاروں کے لیے دلائی جاتی ہے اسی لیے عام لوگوں اور انبیاء علیہم السلام میں فرق نہ رہے گا حالانکہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کسی اور کو برابر نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ علاوہ ازیں اس طرح سے ان کی تحقیر و خفت کا پہلو نکلتا ہے۔ لیکن امام اعظم رضی اللہ عنہ اور آپ کے اصحاب نے جائز رکھا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض انبیاء علیہم السلام کے لیے اپنی دعا میں رحمت کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ مثلاً فرمایا:

رحم اللّٰہ اخی موسٰی۔

(میرے بھائی موسٰی (علیہ السلام) پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے)

اور فرمایا:

رحم اللّٰہ اخی لوطا۔

(میرے بھائی لوط (علیہ السلام) پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے)

اور حضور علیہ السلام نے نماز کے دو سجدوں کے درمیان میں یہ دعا مانگی:

اللّٰھم اغفر لی وارحمنی۔

(اے اللہ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما)

اور التحیات میں ہم روزانہ کہا کرتے ہیں:

السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ۔

اس سے معلوم ہوا کہ رحمتِ الٰہی کا ہر ایک محتاج ہے اور فاتحہ میں ایصال ثواب کا اجر و ثواب

ہمیں ملتا ہے نہ یہ کہ انبیاء علیہم السلام ہماری دعاؤں کے محتاج ہیں۔

ف : حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ نماز وغیرہ میں حضور علیہ السلام کو صلوٰۃ و سلام بطور دعا نمازی غائبانہ دُعا عرض کرتا ہے اور غائبانہ کسی کے لیے دُعا کرنا مستجاب ہوتی ہے۔

حدیث شریف چنانچہ حدیث شریف میں ہے :

ان من دعالاخیه بظهرالغیب قال له الملك ولك بمثله۔

(جو شخص غائبانہ کسی کے لیے دعا مانگتا ہے تو فرشتہ فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تجھے اس جیسی دعا کی قبولیت عطا فرمائے)

ایک اور روایت میں ہے :

ولك بمثیله۔

(فرشتہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ تجھے اس کی دوہری قبولیت بخشے)

اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ نے یایها الذین اٰمنوا صلوا علیه و سلموا بیان فرمایا ہے تاکہ درود پڑھنے والے کو فرشتے کی طرف سے دعائیں نصیب ہوں۔

ف : دعا میں ایک عجیب اور عظیم الشان حکمت ہے۔

وسیلہ کی تحقیق وسیلہ بہشت میں بلند مقام کا نام ہے یعنی جنت عدن میں ایک درجہ ہے جو صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص ہے جو امت کی دعاؤں کی وجہ سے آپ کو ملے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس میں حکمت پوشیدہ رکھی ہے تاکہ ہم ان کے طفیل اللہ تعالیٰ سے یہ مرتبہ پائیں۔ انہی کی بدولت ہم خیر امت ہوئے اور انہی کے صدقے ہم خاتم الامم ٹھہرے جبکہ آپ خاتم الانبیاء ہیں اور وہ ہمارے جنس میں بشر بن کر تشریف لائے تاکہ ہمیں ان سے اور انہیں ہمارے ساتھ ہم کلامی کا موقع میسر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں ہر ایک کو ایک خاص وجہ سے نوازا ہے اور ہمیں اسی وسیلہ سے نوازا کہ ہم اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ کی دُعا مانگیں تاکہ ہمیں سعادت نصیب ہو۔ اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی غیرت ہے کہ اس نے مخلوق میں ہر ایک کو ایک دوسرے سے مربوط فرمایا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس کمال اختصاص سے واضح کرنا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کی بہت بڑی شان ہے اور ان پر اللہ تعالےٰ کا بہت بڑا فضل و کرم ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فضلِ الٰہی کی خصوصیت کا یہ معنیٰ ہے کہ

آپ کے لیے ایسی صلوٰۃ کا حکم فرمایا ہے کہ ہم اس کے معنی و مطلب سے بالکل بے خبر ہیں۔ اس کی شان صرف وہی جانتا ہے اور امت کی شان یوں کہ انہیں اپنے محبوب علیہ السلام پر درود پڑھنے کا حکم فرمایا اور اس کے ایک درود پر اپنی طرف سے دس بار صلوات کے عطیہ کا وعدہ فرمایا اور ہر سلام پر دس سلام۔ کیونکہ قاعدہ ہے جو ایک نیکی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں دس اجر و ثواب بخشتا ہے اور یہ خصوصیت صرف ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمت کو نصیب ہوئی اور بس۔

صلوٰۃ کے مراتب اللہ تعالیٰ کے بندوں پر صلوٰۃ بھیجنے کے دس مراتب ہیں۔ مراتب بندوں کے مراتب پر ہیں اور وہ مراتب یہ ہیں:

۱۔ رحمت	۲۔ مغفرت
۳۔ وارد	۴۔ شواھد
۵۔ کشوف	۶۔ مشاہدہ
۷۔ جذبہ	۸۔ قرب
۹۔ شرب	۱۰۔ رمی
۱۱۔ سکر	۱۲۔ تجلی
۱۳۔ فنا فی اللہ	۱۴۔ بقا باللہ

یہ تمام مقامات درود شریف کے ہیں جو بندے کو مراتب کے اعتبار سے نصیب ہوتے ہیں۔

ف : بعض مشایخ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی صلوات کا معنیٰ یہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مقامِ محمود پہ فائز کرنا اور مقام محمود کا مقصد ہے آپ کی امت کے لیے آپ کی شفاعت کا قبول کرنا۔ اور ملائکہ کی صلوٰۃ کا معنی یہ ہے کہ آپ کے مراتب کی بلندی کے لیے دعا کرنا اور آپ کی امت کے لیے استغفار اور آپ کی امت کی صلوات کا معنی یہ ہے کہ آپ کی تابعداری اور آپ سے محبت کرنا اور ذکر جمیل سے آپ کی تعریف کرنا۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آدم علیہ السلام کے درمیان فرق اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ملائکہ سے سجدہ کروا کر ان کی عزت افزائی فرمائی لیکن اپنے محبوب علیہ السلام کی صلوٰۃ کے تحفہ سے جو عزت بڑھائی وہ اس سے بڑھ کر ہے اس لیے سجود ملائکہ میں اللہ تعالیٰ خود شریک نہ تھا لیکن صلوٰۃ میں جہاں

ملائکہ اور اہل ایمان کو صلوٰۃ کا حکم فرمایا تو اپنے لیے صلوٰۃ کی خبر دی ؎

عقل دور اندیش میداند کہ تشریفی چنیں
ہیچ دین پرور ندید و ہیچ پیغمبر نیافت

ترجمہ: عقل دُور اندیش کو معلوم ہے کہ ایسی شرافت اور بزرگی کسی دین پرور اور کسی نبی پیغمبر کو نصیب نہیں ہوئی۔

؎

یصلی علیہ اللہ جل جلالہ
بھذا بدا للعالمین کمالہ

ترجمہ: اللہ جل جلالہٗ اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صلوٰۃ بھیجتا ہے اس سے جہان کو معلوم ہوا کہ ہمارے آقا بہت بڑی شان والے ہیں۔

؎

بجامہ خانۂ دین خلعت درود و سلام
چو کشت دوختہ بر قامت تو آمد راست
نشان حرمت صلوا علیہ بر نامت
نوشتہ اند چنین منصبی شریف تراست

ترجمہ: خانۂ دین میں جو درود و سلام کی خلعت کا جامہ سِل گیا تو وہ آپ کے قد مبارک پر فِٹ آیا۔ صلوا علیہ کی حرمت کا نشان آپ کے لیے لکھا گیا اور یہ بلند و بزرگ صرف آپ کو سجتا ہے۔

حضور علیہ السلام کی خوشی بعد از نزول آیت ہذا حضور علیہ السلام کا چہرہ مبارک مسرور ہوا اور فرمایا کہ مجھے مبارک دو کہ مجھے وہ آیت عطا ہوئی ہے جو مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے ؎

نورے از روزن اقبال در افتاد مرا
کہ ازاں خانۂ دل شد طرب آباد مرا

ترجمہ: وہ نور جو مجھے دریچۂ اقبال سے نصیب ہوا، جس سے خانۂ دل خوشی سے [illegible] ہوا۔

حکایت اصمعی سے منقول ہے کہ میں نے مہدی کو بصرہ کے منبر پر کہتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ کا ایسا امر فرمایا ہے کہ اس کا آغاز اپنی ذات سے فرمایا اس کے بعد ملائکہ کا نام لیا اس میں اشارہ ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جملہ انبیاء و رسل علیہم السلام سے افضل و اعلیٰ ہیں اور ہمیں جملہ اُمم سے افضل بتایا اس لیے ہمیں اس کی نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اس امر میں اپنا نام اس لیے لیا تاکہ محبوب علیہ السلام کی شرافت اور بزرگی کا اظہار ہو اور لوگوں کو معلوم ہو کہ ان کی شانِ اقدس بہت بلند و بالا ہے اور امت کو اس امر کی ترغیب دلائی ہے کہ درود شریف ایک ایسا امر ہے کہ اللہ تعالیٰ باوجودیکہ مستغنی ذات ہے وہ بھی محبوب علیہ السلام کی ذات پر درود شریف پڑھتا ہے ۔ تو اُمت کے لیے زیادہ ضروری ہے کہ وہ ہدیۂ صلوٰۃ و سلام پیش کرے کیونکہ امت کو اپنی شفاعت کی زیادہ ضرورت ہے نیز اللہ تعالیٰ کی صلوات سے ملائکہ و مومنین کی صلوٰۃ کو تقویت ملتی ہے اس لیے کہ صلواتِ الٰہی حق ہے اور ملائکہ و اہلِ ایمان کی صلوٰۃ رسمی ہے اور رسمی شے تحقیقی کی مقارنت سے تقریب چاہتی ہے ؎

از کنہ وصف تو کہ تواند کہ دم زند
وصفے سزائے تو نکند خدائے تو

ترجمہ: آپ کے وصف کے کُنہ کی کسے طاقت ہے کہ دم مارے آپ کا وصف صرف اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم انوارِ جمال و جلال کا صاف و شفاف آئینہ ہیں اور نعوت کمال کے کامل مظہر اور جامع ہیں ۔ آپ کی برکت سے ہم سب کو اللہ تعالیٰ کے فیوضات و برکات نصیب ہوئے اور آپ کے صدقے وجود کو ظہور ملا ۔ اپنے ساتھ ملائکہ قدس کو درود شریف میں اس لیے شامل فرمایا کہ ملائکہ خلقت کے لحاظ سے پہلے اور نوازل قضا سے بنی آدم کی طرح خائف اور ابلیس پر لعنت پڑنے اور ہاروت و ماروت پر غضبِ الٰہی کے ورود کے بعد اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے رہتے ہیں اسی لیے وہ بھی حضور علیہ السلام پر درود بھیجنے کے محتاج ہیں تاکہ درود شریف کی برکت سے انہیں جمعیت خاطر اور بلیات و آفات سے حفاظت نصیب ہو نیز ملائکہ کی صلوٰۃ میں ایک فائدہ یہ ہے کہ ان کے درود شریف کی موافقت سے اہلِ ایمان کی صلوٰۃ قبول ہو ، جیسے نماز میں لفظ آمین کی موافقت میں اہلِ ایمان کو فائدہ نصیب ہوتا ہے ۔

نورِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم آدم علیہ السلام کی پیشانی میں

جب آدم علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ پاک آدم علیہ السلام کی پیشانی میں چمکتا تھا۔ جسے فرشتوں نے دیکھ کر صلوٰۃ وسلام عرض کیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالمِ دنیا میں تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے فرمایا:

ھذا ھو الذی کنتم تصلون علیہ وھو نور فی جبین آدم فصلوا علیہ وھو موجود بالفعل فی العالم۔

(یہ وہی نورِ مبارک ہے جو تم نے آدم علیہ السلام کی پیشانی میں دیکھا تھا اس پر تم نے درود شریف پڑھا تھا اس معنے پر وہ ہر عالم میں موجود بالفعل رہے اسی لیے تم ان پر درود شریف پڑھو)

اُمت کو درود کا حکم کیوں!

اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان جن ہو یا انس سب کو درود شریف کا حکم اس لیے فرمایا کہ اہلِ ایمان آپ پر درود شریف بھیجنے کے محتاج ہیں وہ اس لیے کہ حضور علیہ السلام نے اہلِ ایمان کو دعوتِ حق دی تو اس کا حق ادا کرنا ضروری تھا، اس کی ادائیگی درود شریف سے ہوتی۔ دوسرے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جملہ اہلِ ایمان کے روحانی باپ ہیں بلکہ آپ نے اہلِ ایمان کی بہترین تربیت فرمائی اور احسن طریق سے انہیں تبلیغ وارشاد فرمایا بلکہ بہت زیادہ شفقت ورحمت فرمائی۔ اس معنے پر ضروری ہوا کہ اُمت آپ پر درود شریف بھیجے کیونکہ قاعدہ ہے کہ شاگرد پر استاد کی تعریف واجب ہے ایسے ہی بیٹے پر باپ کا شکر ضروری ہے

میان باغ جہان از زلال فیض حبیب
نہال جان مرا صد ہزار نشو و نماست

ترجمہ: جہان کے باغ میں فیض حبیب کے پانی سے میری جان کو ہزار بار نشوونما نصیب ہوتی ہے۔

ف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنے میں اشارہ ہے کہ اہلِ ایمان پر ضروری ہے کہ وہ اللہ کا شکر کریں کہ انہیں افضل الرسل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بنایا گیا اور ان کے طفیل انہیں افضل الامم کا خطاب نصیب ہوا نیز درود شریف سے اہلِ ایمان کی حقِ شفاعت کی ادائیگی بھی ہو رہی اس لیے کہ درود شریف گویا شفاعت کا ثمن ہے اب دنیا میں جب ثمن ادا کریں گے تو کل قیامت میں اس کا ثمر حاصل کریں گے ؎

بضاعت بچندانکہ آری بری
اگر مفلسی شرمساری بری

ترجمہ : جتنی پونجی لاؤ گے اتنا سامان پاؤ گے ۔ اگر تم مفلس ہو تو شرمسار ہو گے۔

ے

ألا ایہا الاخوان صلّوا و سلّموا
علی المصطفیٰ فی کل وقت و ساعۃ
فان صلاۃ الہاشمی محمد
تنجی من الاھوال یوم القیامۃ

ترجمہ : اے بھائیو! صلوٰۃ و سلام پڑھو، مصطفیٰ علیہ السلام پر ہر وقت اور ہر گھڑی۔ اس لیے کہ ہاشمی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا درود قیامت کی ہولناکیوں سے نجات بخشتا ہے۔

فضائلِ درُود

(۱) درود شریف کی مقدار پر اُمتی کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف نصیب ہوتا ہے۔

(۲) بروزِ قیامت بکثرت درود شریف پڑھنے والے کی زبان سفید اور نہ پڑھنے والے کی سیاہ ہو گی اور قیامت میں اُمتِ مصطفوی کی یہی علامت ہو گی۔

(۳) اس سے نبی علیہ السلام کے مراتب میں اضافہ ہوتا ہے تو اُمت کو بھی مراتب نصیب ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ تابع کے مراتب متبوع کے مراتب کے تابع ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت مولانا جلال الدین رومی اپنے رسالہ معراجیہ میں لکھتے ہیں ؎

صلوات بر تو آرم فزوده باد قربت
چه بقرب کل بگردد همه جزوها مقرب

ترجمہ : درود شریف پیش کر رہا ہوں خدا کرے اس سے قربت نصیب ہو اس لیے کہ آپ کے قرب سے جملہ جزو کل بن جاتے ہیں۔

(۴) درود شریف کی برکت سے نبی علیہ السلام کی محبت بڑھتی ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ:

من احب شیئًا اکثر ذکرہ۔

یعنی جو کسی سے محبت کرتا ہے اس کا اکثر ذکر کرتا رہتا ہے۔

ف: بعض علماء نے فرمایا کہ صیغۂ مضارع یصلون دلالت کرتا ہے کہ ملائکہ کرام آپ پر بالدوام درود شریف پڑھتے ہیں پھر درود شریف پڑھنے والے کو ان سے مشابہت ہو جاتی ہے اور قاعدہ ہے:

من تشبہ بقوم فھو منھم۔

(جو کسی قوم سے مشابہت کرتا ہے وہ انہی میں شمار ہوتا ہے)

پھر ایسے شخص کی شان یہ ہو جاتی ہے کہ اسے ملائکہ کرام کی طہارت و عصمت جو ملائکہ کی لازمۂ ذات ہے سے حصہ وافر نصیب ہوتا ہے اسی وجہ سے اسے بھی عالم روحانی سے آشنائی حاصل ہوتی ہے سہ

یا سید انام درود و صلات تو

ورد زبان ماست ھر و سال وصبح و شام

نزدیک تو چہ تحفہ فرستیم ما ز دور

در دست ما ہمین صلاتست والسلام

ترجمہ: اے سید انام! آپ کا درود و سلام ہماری زبان کا ورد ہے ہر مہینے اور ہر سال ہر صبح و شام ہمارے ہاں سوائے آپ کے درود شریف کے اور کوئی بہتر تحفہ نہیں اور ہمارے ہاتھ میں بس یہی درود و سلام ہے۔

نکتہ درود شریف میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو شامل فرمایا اور ملائکہ کو بھی۔ پھر اہل ایمان کو حکم فرمایا۔ یہ ایک ایسی عبادت ہے جس کی نظیر نہیں ملتی کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے خود شمولیت کرنے کا حکم فرمایا ہو۔ قال سہل بن عبد اللہ التستری قدس سرہٗ۔

مقولہ صدیق سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ درود شریف ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب ہے اور اس کا ثواب گردن آزاد کرنے سے بھی زیادہ ہے اس لیے کہ گردن آزاد کرنے سے جہنم سے آزادی اور بہشت میں داخلہ ملتا ہے اور حضور علیہ السلام پر درود شریف پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام نصیب ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سلام کا مقابلہ ایک ہزار نیکی بھی نہیں کر سکتی۔

ف: حضرت واسطی نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف نہایت نیازمندانہ طریقے سے پڑھا جائے اس میں گنتی کو دخل نہ دیا جائے۔ اس لیے کہ آقا کے ساتھ حساب کیسا!

اور ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ دل میں کبھی تصور نہ لایا جائے کہ اس طرح سے میں اپنے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا کر رہا ہوں بلکہ یوں تصور ہو کہ اس کے صدقے سے میں رحمت سے

مالا مال ہوں گا۔

ایک فرشتہ کل کائنات پر حاضر و ناظر ہیں

حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب سے رخصت ہوں گا کہ میری قبر انور پر ایک ایسا فرشتہ مقرر ہوگا جو تمام مخلوق کی آواز سنے گا۔ پر اُمتی مجھ پر صلوٰۃ و سلام عرض کرے گا تو وہ کہے گا کہ آپ پر آپ کے فلاں بن فلاں نے درود شریف پڑھا اور اتنی مقدار میں۔ پھر اس بندے پر اللہ تعالیٰ ہر ایک درود کے بدلے میں دس بار سلام بھیجتا ہے۔

حضور علیہ السلام ہمیں، ہمارے تمام اور ہمارے تمام قبیلے کا نام جانتے ہیں

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اذا صلیتم علی فاحسنوا علی الصلاۃ فانکم تعرضون علی باسمائکم واسماء ابائکم وعشائرکم واعمالکم۔

(جب تم مجھ پر درود شریف پڑھو تو حسین و جمیل صورت میں، اس لیے کہ تم میرے سامنے اپنے اسماء اور اپنے آباء کے اسماء اور قبائل و اعمام کے اسماء کے ساتھ پیش کیے جاتے ہو)

ف : حسین و جمیل کا معنیٰ یہ ہے کہ حضورِ قلب و جمعیتِ خاطر کے ساتھ درود پڑھا جائے۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا درود شریف طاعت و قربت اور وسیلہ و استجابت ہے۔ جب بندہ تحیہ و توسل و تقرب بحضرت احمدیہ کی نیت سے درود شریف پڑھتا ہے تو اسے قربتِ حضرت احمدیہ نصیب ہوتی ہے جیسے قمر کے قرب سے شمس کا قرب حاصل ہوتا ہے کیونکہ چاند سورج کا آئینہ ہے اور سورج کے انوار چاند پر چمکتے ہیں۔

ف : جو شخص حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک دفعہ درود شریف پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ نگران فرشتے کو فرماتا ہے کہ تین دن تک اس کے گناہ نہ لکھنا۔

حکایت

ایک عورت نے اپنے لڑکے کو اس کی موت کے بعد خواب میں دیکھا کہ اسے عذاب ہو رہا ہے۔ اس سے سخت غمگین ہوئی۔ پھر دیکھا اس کے بیٹے کو نور و رحمت سے نوازا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ پوچھی تو بیٹے نے کہا کہ قبرستان سے کوئی شخص گزرا ہے جس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھ کر اس کا ثواب قبرستان والوں کو بخشا ہے اس سے مجھے بھی حصہ ملا ہے اسی کی برکت یہی ہے جو تو نے دیکھ لی۔

حکایت حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم کعبہ کا طواف کر رہے تھے ایک شخص کو دیکھا کہ بجائے لبیک پڑھنے کے ہر قدم پر درود شریف پڑھتا ہے میں نے کہا یہ کیا، تسبیح و تہلیل چھوڑ کر تم درود شریف پڑھتے ہو تمہارے پاس اس کا کوئی شرعی ثبوت ہے! اس نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و عافیت بخشے آپ کا اسم گرامی کیا ہے! میں نے کہا، مجھے سفیان ثوری کہتے ہیں۔ اس نے کہا: اگر آپ مسافر نہ ہوتے اور مجھے یقین ہوتا کہ آپ میرا راز فاش نہیں کریں گے تو آپ کو یہ حال بتا دیتا بہرحال حقیقت یہ ہے کہ میں اور میرا والد حج کو آ رہے تھے راستہ میں میرا والد سخت بیمار ہو گیا حتیٰ کہ مر گیا اور بدقسمتی سے اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا، آنکھیں نیل ہو گئیں اور پیٹ پھول گیا۔ اس پر میں خوب رویا اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ افسوس کہ میرے والد کی موت سفر میں ہوئی اور ایسی بُری کہ جسے بتایا نہیں جا سکتا۔ میں اپنے والد کا چہرہ چادر سے ڈھانپ کر سو گیا، خواب میں دیکھا کہ ایک حسین و جمیل شخص آیا ہے جس کی شکل و صورت کبھی نہ دیکھی تھی اور نہایت خوب صورت لباس میں ملبوس تھا اور خوشبو سے معطر۔ میرے والد کے قریب ہو کر ان کے چہرے سے کپڑا اتار کر چہرے پر ہاتھ پھیرا تو میرے والد کا چہرہ دودھ سے زیادہ سفید ہو گیا اور ان کے پیٹ پر ہاتھ پھیرا تو وہ پہلے کی طرح ہو گیا۔ اس کے بعد وہ حسین و جمیل ہستی واپس جانے لگی۔ میں نے بڑھ کر عرض کی: آپ کو اس ذات کی قسم جس نے آپ کو میرے والد کے لیے رحمت بنا کر بھیجا، آپ ہیں کون؟ فرمایا، میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں، اگرچہ تیرا والد بہت گنہگار تھا لیکن مجھ پر درود شریف بکثرت پڑھتا تھا جب اسے یہ مصیبت پہنچی تو اس نے مجھے پکارا، میں نے اس کی فریاد رسی کی ہے۔ جو مجھ پر کثرت سے درود شریف پڑھتا ہے تو دارِ دنیا میں میں اس کی فریاد رسی کرتا ہوں۔ اس کے بعد میں بیدار ہوا تو دیکھا کہ میرے والد کا چہرہ سفید اور پیٹ صحیح و سالم تھا۔

۵

یا من یجیب دعا المضطر فی الظلم

یا کاشف الضر والبلوی مع السقم

شفع نبیك فی ذلی و مسکنتی

واستر فانك ذو فضل و ذو کرم

ترجمہ: اے مضطروں کی ظلم میں دُعا قبول کرنے والے اور بیماریوں کے ساتھ دکھ درد ٹالنے والے! میری ذلت و مسکینی میں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت

قبول فرما اور میرے گناہ ڈھانپ لے اس لیے کہ تُو بہت بڑے فضل و کرم والا ہے۔

ف : حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب آیت یاایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما نازل ہوئی تو ہم حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہم آپ پر سلام پڑھنے کا طریقہ تو جانتے ہیں۔ یہ فرمایئے ہم آپ پر صلوٰۃ کیسے عرض کریں؟ آپ نے فرمایا، پڑھو :

اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید وبارک علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما بارکت علیٰ ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید۔ کما فی تفسیر التیسیر۔

یہ وہی درود ابراہیمی ہے جسے نماز کی آخری تشہد میں پڑھا جاتا ہے۔ یہی صحیح ہے ذکرہا الزاہدی روایۃ عن محمد۔

ف : اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اے اللہ! اپنے محبوب علیہ السلام پر کامل درود شریف بھیج۔ کامل کی قید صل علیٰ محمد کے علی الاطلاق کے استعمال سے معلوم ہوتا ہے وعلیٰ آل محمد عطف الجملہ علی الجملہ کے قبیل سے ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اے اللہ! حضور علیہ السلام کی آل پر اسی طرح درود بھیج جیسے تُو نے ابراہیم علیہ السلام پر درود بھیجا۔ اس سے وُہ اشکال دُور ہوگیا جو مشہور ہے کہ مشبّہ بہ مشبّہ سے اقویٰ ہوتا ہے اور یہاں پر مشبّہ بہ ابراہیم علیہ السلام اور حضور علیہ السلام مشبّہ ہیں۔ اس معنے پر ابراہیم علیہ السلام کو حضور علیہ السلام پر اقویٰ ماننا پڑے گا حالانکہ یہ حق مذہب کے خلاف ہے اس لیے کہ حضور علیہ السلام علی الاطلاق ہر پیغمبر سے اقویٰ و افضل و اکمل ہیں (ذکرہ القہستانی)۔

تشبیہ کے جوابات

مذکورہ بالا تقریر میں ہم نے سوال کی نوعیت عرض کر دی ہے۔ اس کا ایک جواب بھی نکل آیا ہے اب دیگر جوابات ملاحظہ ہوں۔

(۲) ایضاء المعنوی میں ہے کہ یہ تشبیہ اصل صلوٰۃ میں ہے جس پر درود پڑھا جا رہا ہے اس میں تشبیہ مطلوب نہیں اس لیے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہیں۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اے اللہ! اپنے حبیب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی طرح درود بھیج جیسے ان کی قدر و منزلت اور شرافت و بزرگی ہے جیسے تُو نے ابراہیم علیہ السلام پر ان کی قدر و منزلت کے مطابق درود بھیجا۔ اس تقریر کی نظیر فاذکروا اللہ کذکرکم آباءکم ہے یعنی اللہ تعالےٰ

کو یاد کرو اس کی نعمتوں اور رحمتوں کی مقدار میں جیسے تم اپنے آباء کا ذکر کرتے ہو ان کے تمہارے اوپر انعامات و احسانات کی وجہ سے۔
اور قاعدہ ہے کہ شے کو دوسری شے سے وجہ واحد کی بنا پر تشبیہ دی جاتی ہے اگرچہ ان کو آپس میں من کل الوجوہ مشابہت نہ ہو جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
ان مثل عیسی عند اللہ کمثل آدم۔
(عیسیٰ کی مثل اللہ تعالیٰ کے ہاں آدم علیہما السلام جیسی ہے)
اس میں عیسیٰ علیہ السلام کو آدم علیہ السلام کے مشابہ کہا گیا ہے صرف ایک وجہ سے۔ اور وہ ہے تخلیق بلا اب یعنی باپ کے بغیر جیسے آدم علیہ السلام پیدا ہوئے ویسے ہی عیسیٰ علیہ السلام میں۔
(۳) شرح مشکوٰۃ میں مذکور ہے کہ کما صلیت کی تشبیہ الحاق ناقص بکامل کے قبیل سے نہیں بلکہ مالا یعرف کے حال کو ما یعرف کے بیان کے باب سے ہے یعنی نزول آیت رحمۃ اللہ و برکاتہ علیکم اھل البیت انہ حمید مجید سے ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی آل پر درود الٰہی کے متعلق اہل ایمان کو خوب معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی آل پر درود بھیجا۔ اس پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ ایمان کو فرمایا کہ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے درخواست کرو کہ وہ مجھ پر اسی طرح درود و سلام بھیجے جیسے ابراہیم علیہ السلام پر بھیجا تھا۔
(۴) بعض مشائخ نے فرمایا کہ کما میں لفظ کاف تاکید وجودی کا ہے یہ وہ کاف نہیں کہ وقوع میں ایک دوسرے کو ملائے جیسے:
وقل رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا۔
(اور کہہ اے میرے رب! ان پر رحم فرما جیسے انہوں نے میری بچپن میں تربیت کی)
میں کاف تاکید وجودی کا ہے اس لیے کہ تربیت تو والدین سے واقع ہے لیکن ان کے لیے رحمت مطلوب الوقوع ہے۔ اس معنے پر کاف وجود رحمت میں تاکید کے لیے ہوگا۔
اب آیت کا معنی یہ ہوگا کہ میرے والدین کے لیے وہ رحمت ایجاد فرما جو محقق و مقرر ہے۔ اس تقریر پر درود ابراہیمی کا معنی یوں ہوگا کہ اے اللہ! اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج اور اس درود کو ایجاد فرما جیسے ان سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کا درود شریف ایجاد فرمایا تھا۔ یہی معنی "الضیاء المعنوی" کے قریب تر ہے جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا ہے۔
(۵) بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس تشبیہ میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ادب

تواضع سکھایا ہے اور واضح فرمایا ہے کہ آباؤ اجداد کی تعظیم و توقیر یوں ہونی چاہیے کہ باوجودیکہ میری صلوٰۃ درود ابراہیم سے اکمل و اشرف ہے اور میں ان سے مرتبہ میں اقویٰ و ارفع و اعلیٰ ہوں لیکن ان کی تعظیم و تکریم بجا لاتا ہوں اس لیے کہ وہ میرے دادا ہیں اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طرح کی کسرِ نفسی اور نفس کے تکبّر کو مٹانے کی مثالیں احادیث میں بکثرت موجود ہیں۔ مثلاً فرمایا:

انا اول من ینشق عنہ الارض ولا فخر وانا حبیب ولا فخر وانا اکرم الاولین والآخرین علی اللہ ولا فخر ولا تفضلونی علی موسیٰ ولا تخیرونی علی ابراھیم ولا ینبغی لاحد ان یقول انا خیر من یونس۔

(میں وہ ہوں کہ سب سے پہلے اس سے زمین شق ہوگی اس میں فخر نہیں اور میں محبوبِ خدا ہوں میں فخر نہیں کرتا اور میں اولین و آخرین سے اللہ تعالیٰ کے ہاں مکرم ہوں اور میں فخر نہیں کرتا اور مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت مت دو اور مجھے ابراہیم علیہ السلام سے افضل مت مانو اور کسی کو لائق نہیں کہ وہ مجھے یونس علیہ السلام سے بہتر کہے۔

(یہ تمام مضمون تواضع و انکساری پر مبنی ہے)

ابراہیمی درود کی علّت اور اصلی غرض و غایت

(۱) ہم ابراہیم علیہ السلام پر اس لیے درود بھیجتے ہیں کہ انہوں نے جب تعمیرِ کعبہ سے فراغت پائی تو تمام حجاج کو حجِ بیت اللہ کی دعوت دی۔ ہم اس کے بدلے میں درود کا تحفہ پیش کرتے ہیں۔

(۲) امام نیشاپوری نے فرمایا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ! اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے ایک نبی مبعوث فرما۔ کما قال:

ربنا وابعث فیھم رسولا منھم۔

اسی لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا:

انا دعوۃ ابی ابراھیم۔

(میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دُعا ہوں)

اس معنے پر حضور علیہ السلام نے ان کا بدلہ یوں دیا کہ آپ نے ان پر درود بھیجنے کا حکم فرمایا۔

ف: حضور علیہ السلام نے جس صلوٰۃ کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک فرمایا وہ یہی درود ہے جو اللہ تعالیٰ آپ پر بھیجتا ہے اس لیے کہ حضور علیہ السلام ہی مظاہرِ حق کے اکمل اور تجلیاتِ ذات کے مشاہدہ

کرنے والے اور مجامع اسرار ہیں۔

حدیث شریف میں ہے:

ابراہیم علیہ السلام کی آرزو

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں ایک بہت بڑا باغ دیکھا جس کے پتوں پر لکھا تھا:

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

جبریل علیہ السلام سے اس کی حقیقت پوچھی تو انہوں نے تمام ماجرا سنایا اس وقت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی:

یا اللہ! میرا ذکر بھی امتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبانوں پر جاری فرما۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا مستجاب فرمائی۔ اسی وجہ سے درود میں ان کے ذکر کو حضور علیہ السلام کے ذکر کے ساتھ فرمایا۔

ف: حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ہمارا قبلہ چونکہ ایک ہے اسی لیے ہم درود میں ان کا اسم گرامی لیتے ہیں یعنی حج کے مناسک جس طرح ہم ادا کرتے ہیں وہ بھی اسی طرح ادا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں کعبہ کی بنیاد بھی انہوں نے رکھی تھی اور پھر بہت سی امتوں کو ان کی ملت کی اتباع کا حکم ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے امتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی ثنا کا حکم دیا۔

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ

صاحبِ روح البیان کی تقریر

ابراہیم علیہ السلام توحید ذاتی کے قطب ہیں۔ اسی لیے دوسرے انبیاء علیہم السلام کی بہ نسبت ان پر درود پڑھنا اولیٰ ہوا علاوہ ازیں بہ نسبت دوسری امتوں کے آپ کی امت میں استعداد زائد تھی یہاں تک کہ انہیں جمیع مراتب افعال وصفات وذات کے لیے مامور کیا گیا اگرچہ اجمالی طور، ورنہ تفصیلی طور ان مراتب کو امتِ محمدی علیٰ صاحبہ السلام سے مخصوص کیا گیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی تعمیر میں لگانے میں اسی طرف اشارہ ہے کہ وہ توحید ذاتی کے قطب تھے اسی لیے حج کی عبادت مکرر طور فرض نہیں کی گئی جیسے دوسری عبادات مکرر ہوتی ہیں۔ یعنی حج زندگی میں صرف ایک بار فرض ہے بخلاف نماز وروزہ کے کہ وہ اوقات کی وجہ سے بار بار ادا کی جاتی ہیں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کو ان کی ملت کی اتباع کا حکم فرمایا یعنی باعتبار جمع کے ورنہ باعتبار تفصیل کے تو تکمیل ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی کسی اور نبی علیہ السلام کو یہ مرتبہ نصیب نہیں ہوا۔ اسی بنا پر صرف آپ ہی خاتم الانبیاء ٹھہرے۔ مذکورہ بالا

وجوہ سے ابراہیم علیہ السلام کو درود میں شامل کیا گیا اور آپ کے درود شریف کو بھی ان کے درود شریف کے ساتھ اسی وجہ سے تشبیہ دی گئی ورنہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے درود بھی تو ہاں لیکن ان میں کسی کے ساتھ تشبیہ نہیں دی گئی۔ اسے اچھی طرح سمجھ لو۔

مسئلہ : آیت سے ثابت ہوا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا واجب ہے۔

وسیلۂ عظمیٰ : حضور علیہ السلام پر درود شریف بھیجنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ نفس انسانی اکثر علائق بدنیہ وعوائق طبعیہ میں مشغول رہتا ہے مثلاً کھانا پینا وغیرہ اور اوصاف ذمیمہ واخلاق ردئیہ میں مصروف ہوتا ہے اور ذات باری تعالیٰ سے فیض کرنا ہے لیکن وہ ذات نہایت تنزہ وتقدس میں ہے انسان کو اس ذات سے ذرہ برابر بھی مناسبت نہیں تاکہ اس کے فیوض و برکات حاصل کرسکے۔ ہاں ان کے مابین کوئی ایسا واسطہ ضروری ہے جو دونوں جہتوں سے متعلق ہو یعنی اس میں تجرد و تعلق دونوں جہتیں ہوں۔ اس واسطہ کو یوں سمجھو کہ تر لکڑی کو جلانے کے لیے آگ اور تر لکڑی کے درمیان میں سوکھی لکڑی کو واسطہ بنانا پڑے گا ایسے ہی ہڈی اور گوشت کے درمیان غضروف واسطہ ہے۔ ایسے ہی ہمارے اور رب تعالیٰ کے درمیان ہمارا وسیلۂ عظمیٰ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے بحیثیت تجرد فیض لیتے ہیں اور بحیثیت تعلق ہم غریبوں کو وہ فیض پہنچاتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود جیسے شرعاً واجب ہے ایسے ہی عقلاً بھی واجب ہے۔

مسئلہ : یہ علی الاطلاق واجب ہے۔ دوسری عبادات کی طرح اس کا مکرر نہیں ہوتا، جیسے اذکروا اللہ ذکراً کثیراً کا وجوب مکرر نہیں۔

مسئلہ : امام طحاوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جونہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی زبان پر آئے یا کسی سے سنا جائے تو درود شریف پڑھنا واجب ہے۔ بحر العلوم میں ہے کہ یہی قول صحیح ہے اس لیے کہ اگرچہ امر تکرار کا مقتضی نہیں لیکن یہ قاعدہ تو مسلّم ہے کہ سبب کے تکرار سے وجوب مکرر ہوتا ہے جیسے وقت کے تکرار سے وجوب مکرر ہوتا ہے۔

حدیث شریف : حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

من ذکرت عندہ فلم یصل علیّ فدخل النار فابعدہ اللہ۔

(جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود شریف نہ پڑھے وہ جہنم میں داخل ہوگا اور اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے دور کر دے گا)

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

حدیث شریف ۱ لا یری وجھی ثلاثۃ اقوام احدھا العاق لوالدیہ والثانی تارک سنتی والثالث من ذکرت عندہ فلم یصل علیّ ۔

(تین گروہ قیامت میں میرے دیدار سے محروم ہوں گے :

(۱) والدین کا نافرمان

(۲) میری سنّت کا تارک

(۳) میرا نام سنے اور درود نہ پڑھے)

میں ہے :

حدیث شریف ۲ اربع من الجفاء ان یبول الرجل وھو قائم وان یمسح جبھتہ قبل ان یفرغ وان یسمع النداء فلا یشھد مثل یشھد المؤذن وان اذکر عندہ فلا یصلی علیّ ۔

(چار امور ظلم میں شامل ہیں :

(۱) کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ۔

(۲) نماز کی فراغت سے پہلے ماتھے سے مٹی جھاڑنا ۔

(۳) اذان سنے اور نماز پر حاضری نہ دے ۔

(۴) میرا نام سُنے اور مجھ پر درود شریف نہ پڑھے)

سوال : ہر درود میں حضور علیہ السلام کا ذکرِ گرامی ہے تو جب بھی ہم آپ کا نام لیں تو پھر درود شریف پڑھنا واجب ہوگا اس طرح تو زندگی درود شریف پڑھتے ہی گزر جائے گی اور یہ تکلیف مالایطاق ہے ۔

جواب : یہاں پر اسم گرامی کا ذکر زبان پر لانے اور سننے سے مراد یہ ہے کہ جس نام کے لینے اور سُننے سے صلوٰۃ واجب ہو جائے وہ اسم گرامی مراد نہیں جو صلوٰۃ کے ضمن میں ہے ۔

مسئلہ : بعض مشائخ نے فرمایا کہ ہر مجلس میں ایک بار درود پڑھنا واجب ہے یہی صحیح ہے اگرچہ آپ کا اسم گرامی بار بار پڑھا سنا جائے جیسا کہ آیت سجدہ میں سجدۂ تلاوت کا حکم ہے یا چھینک والے کے جواب کا مسئلہ ہے اگرچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ :

"چھینکنے والے کا جواب واجب ہے لیکن جب وُہ تین کے اُوپر چھینکے تو جواب دینے والا مختار ہے چاہے جواب دے یا خاموش رہے ۔"

مسئلہ : ہر دعا کے اول و آخر میں درود شریف پڑھنا ضروری ہے۔
مسئلہ : بعض علماء نے فرمایا کہ زندگی میں ایک بار درود شریف پڑھنا واجب ہے جیسے شہادتین کا اظہار زندگی میں ایک بار واجب ہے۔ اس کے بعد درود شریف و شہادتین کا پڑھنا مندوب ہے۔

فیصلہ آخری فیصلہ اس مسئلہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے بلند شان کا تقاضا یہی ہے کہ آپ کا ذکر گرامی جب پڑھا سُنا جائے تو درود شریف پڑھنا واجب ہو جاتا ہے۔

کذا فی فتح الرحمٰن۔

لیکن امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے کہ حضور علیہ السلام کے ذکر گرامی کو بار بار پڑھنے اور سننے پر درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ فتویٰ اسی پر ہے۔ تفسیر الکاشفی میں لکھا ہے کہ ہر بار پڑھنے اور سننے کی مجلس میں ایک بار درود شریف پڑھنا واجب ہے پھر ہر بار سنت۔ اسی پر فتویٰ ہے یعنی ذکر بار بار پڑھنے سننے کے وقت درود شریف پڑھنا مستحب ہے بخلاف سجود تلاوت کے کہ ایک ہی مجلس میں بار بار آیتِ سجدہ پڑھی جائے تو صرف ایک بار سجدہ واجب ہے۔ درود اور سجدۂ تلاوت میں فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مستغنی ہے سجدوں کا محتاج نہیں بخلاف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ کو صلواتِ الٰہی کی ضرورت ہے۔ کذا فی حواشی الہدایہ للامام الخبازی۔

مسئلہ : اگر اللہ تعالیٰ کا نام کسی مجلس میں بار بار لیا جائے تو علحٰدہ علحٰدہ اللہ تعالیٰ کی ثنا لازمی ہے مثلاً کہا جائے سبحان اللہ، تبارک اللہ، جل جلالہٗ وغیرہ۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تکریم ہر زمان و ہر مکان میں لازم ہے اگر کسی نے نہیں کہا بخلاف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درود شریف کے کہ اگر وہ ترک کر دیا جائے تو بھی اسے پڑھنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تجدد ہوتا رہتا ہے اور وہی اس کی مدح و ثنا کا موجب ہیں۔ اسی لیے اس کے ذکر کے بعد ثنا نہ ہو تو قضا نہیں کیونکہ قضا کا وقت ہی بچتا بخلاف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درود شریف کے کہ آپ کے ذکر پاک کے بعد درود نہ پڑھنا بندے کے ذمہ قرض رہتا ہے جب تک درود نہ پڑھے گا وہ قرض اس کے گلے میں رہے گا اور اسے جب بھی پڑھا جائے وہی اس کی ادائیگی کا وقت ہے۔

مسئلہ : قاضی خان میں ہے کوئی شخص قرآن مجید پڑھ رہا ہے اس میں حضور علیہ السلام کا اسمِ گرامی آ جائے تو پڑھنے سننے والے کے لیے ضروری ہے کہ اس وقت درود شریف نہ پڑھیں اس لیے کہ نظم قرآن کو ترتیب وار اور مسلسل پڑھنا سننا واجب ہے اس کے درمیان میں غیر عبارت کو ملانا حرام ہے اس لیے واجب ہو گا کہ درمیان میں درود شریف نہ پڑھا جائے۔ ہاں فراغت کے بعد درود شریف

پڑھ دیئے جائے تو بہتر ہے۔ اگر نہ بھی پڑھے تب بھی کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ: تشہد اخیرہ میں درود شریف پڑھنا سنّت ہے۔ یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ امام مالک بھی یہی کہتے ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ نے جوازِ نماز کی شرط بتایا ہے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے درود شریف کو نماز کا رکن لکھا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس شخص کی نماز باطل ہوگی جس نے نماز کی تشہد اخیرہ میں درود شریف نہیں پڑھا عمداً یا سہواً۔

ان کی دلیل یہ حدیث شریف ہے:

لا صلاۃ لمن لم یصل علیّ فی صلاتہ۔

(اس کی نماز ہی نہیں جس نے نماز میں مجھ پر درود نہ بھیجا)

ہم احناف اس کا جواب دیتے ہیں کہ حدیث شریف میں نماز کے کمال کی نفی نہیں ہے۔ اگر درود شریف نماز میں فرض ہوتا تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اعرابی کو نماز سکھائی تھی تو اس میں آپ اسے درود شریف بھی سکھاتے۔ اعرابی کو درود شریف نہ سکھانا اس کی عدمِ فرضیت کی دلیل ہے۔

بعض معاصرین کا رد (ہمارے دور میں بعض علماء شیعوں کے مذہب سے عدمِ واقفیت کی بنا پر لکھ بیٹھے کہ حضرت علی کی طرح دوسرے اہلِ بیت کرام مثلاً حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو "علیہ السلام" کہنا لکھنا جائز ہے ہم نے انہیں کہا اسلافِ صالحین کا مذہب ہے کہ انبیاء و ملائکہ کو تو لکھنا جائز ہے لیکن غیر انبیاء و ملائکہ پر براہِ راست ناجائز ہے البتہ بواسطہ جائز ہے۔ اس پر ہم نے متعدد حوالہ جات لکھے ہیں۔ چند حوالے فقیر اویسی اپنے رسالہ "القول الاسلم فی کراہتہ کتابتہ صلعم" میں لکھے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے جو روح البیان ج ۷، ص ۲۲۸ سے لیا گیا کہ:)[1]

واما الصلاۃ علی غیر الانبیاء فتجوز تبعا بان یقول اللھم صل علی محمد و علی آلہ ویکرہ استقلالا وابتداء کراھۃ تنزیہ کما ھو الصحیح الذی علیہ الاکثرون فلا یقال اللھم صل علی ابی بکر لانہ فی العرف شعار ذکر الرسل ومن ھنا کرہ ان یقال محمد عزوجل مع کونہ عزیزا جلیلا ولتأدیتہ الی الاتہام بالرفض لانہ شعار اھل البدع وقد نھینا

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

عن شعارهم وفي الحديث :

من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يقف مواقف التهم ۔

واما السلام فهو في معنى الصلاة فلا يستعمل الغائب فلا يفرد به غير الانبياء فلا يقال علي عليه السلام كما تقول الروافض وتكتبه وسوآ في هذا الاحياء والاموات ۔

(ہاں غیر انبیاء پر صلوٰۃ جائز ہے لیکن تبعاً مثلاً کہے اللھم صل علی محمد وعلی آلہ لیکن مستقل طور مکروہ اور ابتداءً مکروہ تنزیہی، یہی صحیح ہے اور یہی اکثر کا مذہب ہے مثلاً اللھم صل علی ابی بکر نہ کہا جائے گا کیونکہ عرف میں یہی ہے کہ یہ انبیاء کا شعار ہے اسی لیے محمد عزّ وجل کہنا مکروہ ہے اگرچہ آپ لاکھوں درجہ عزیز وجلیل ہیں ۔ علاوہ ازیں ایسا طرز رفض وشیعیت سے متہم ہوتا ہے کیونکہ یہ ان بدعتیوں کا طریقہ ہے کہ وہ اپنے مذہب میں اہل بیت پر براہ راست کہہ دیتے ہیں اور ہم ان کے اشعار سے روکے گئے ہیں ۔ حدیث میں ہے :

جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ ایسے مواقع پر نہ آئے جن سے تہمت کا نشانہ بننا پڑے ۔

ایسے ہی سلام چونکہ صلوٰۃ کے معنیٰ میں ہے اسی لیے غائب کے صیغہ کے ساتھ کسی کو نہ کہا جائے " علیہ السلام " سوائے انبیاء (علیہم السلام) کے ۔ اسی لیے علی علیہ السلام نہ کہا جائے جیسے رافضی کہتے اور لکھتے ہیں اس میں زندہ اور اہل اموات سب کا ایک ہی حکم ہے)

مسئلہ : حاضر کو مخاطب کر کے ' السلام علیک ' یا ' علیکم ' یا ' سلام علیک ' یا ' علیکم ' کہنا جائز ہے ۔ اس پر علماء کا اتفاق ہے ۔

مسئلہ : اہل قبور کو قبر پر حاضر ہو کر اسی طرح سلام کیا جائے جیسے زندوں کو کیا جاتا ہے ۔ اس کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے ۔

مسئلہ : حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صرف ' السلام ' یا صرف ' الصلوٰۃ ' پر اکتفاء کرنا جائز ہے اس میں علماء کی عبارات مختلف نہیں ۔ بعض تو دونوں کے قائل ہیں اور اسے مکروہ بھی نہیں کہتے اور فرماتے ہیں کہ " وسلموا " میں واؤ مطلق جمع کے لیے آئی ہے اس میں

معیت یعنی دونوں صلوٰۃ وسلام کا ہونا اکٹھے ہونا ضروری نہیں۔

مسئلہ: حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مثلاً کوئی شخص حضور علیہ السلام کے لیے صرف "علیہ السلام" کہہ دے تو گویا اس نے السلام والصلوٰۃ دونوں کو ملا کر کہا ہے۔ جیسا کہ قل الحمد وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ سے معلوم ہوتا ہے لیکن صرف صلوٰۃ پر اکتفا کرنا اچھا نہیں۔ جو کوئی حضور علیہ السلام پر صلوٰۃ پڑھے یا لکھے تو اسے چاہیے کہ وہ صیغہ سلام بھی ضرور ساتھ ملائے۔

(**کم علم دیوبندیوں اور عوام سُنّیوں کا رد** ہمارے دور میں یہ مرض عام ہے کہ اولیاء کرام یا علماء عظام کے لیے رضی اللہ عنہ کہا یا لکھا جائے تو کم علم دیوبندی اور عوام سُنّی کہتے ہیں کہ ایسا کہنا غلو ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ رضی اللہ عنہ کہنا لکھنا صرف صحابہ رضی اللہ عنہم سے خاص ہے۔ ہم نے ان کے رد میں رسالہ "القول الاسلم" میں بہت حوالے لکھ دیئے ہیں منجملہ ان کے ایک حوالہ "روح البیان" کا لیجیے۔ فرمایا:) [1]

ویستحب الترضی والترحم علی الصحابۃ والتابعین فمن بعدھم من العلماء والعباد وسائر الاخیار فیقال ابوبکر وابوحنیفہ رضی اللہ عنہ او رحمہ اللہ او نحو ذلک فلیس رضی اللہ عنہ مخصوصا بالصحابۃ بل یقال فیھم رحمہ اللہ ایضا۔ (ص ۲۲۸)

(رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور رحمۃ اللہ علیہ کہنا لکھنا صحابہ تابعین اور ان کے بعد کے علماء صلحاء اور تمام نیک لوگوں کے لیے جائز ہے مثلاً کہا جائے ابوبکر رضی اللہ عنہ یا ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ یا رحمہ اللہ یا اس جیسے اور الفاظ یہ رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ انہیں رحمہ اللہ بھی کہہ سکتے ہیں)

مسئلہ: جن حضرات کی نبوت میں اختلاف ہے یا امم سابقہ میں بزرگ شخصیتیں گزری ہیں مثلاً حضرت لقمان و بی بی مریم و خضر و سکندر، تو ان کے لیے رضی اللہ عنہ یا عنہا کہنا لکھنا چاہیے یہی راجح تر ہے اگر کسی نے علیہ السلام یا علیہا السلام کہہ دیا یا لکھا تو بھی کوئی حرج نہیں۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

ف : امام یافعی رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں لکھا کہ میرے نزدیک صلوٰۃ و سلام اور رضی اللہ عنہ اور رحمہ اللہ اور عفی عنہ وغیرہ میں فرق ضروری ہے وہ یہ کہ مذہب صحیح میں یہ ہے کہ صلوٰۃ صرف انبیاء کرام و ملائکہ عظام علی نبینا و علیہم السلام سے مخصوص ہے اور جملہ " رضی اللہ عنہ " صحابہ و اولیاء و علماء کے لیے ہے اور رحمہ اللہ ان کے ماسوا کے لیے اور عفی عنہ گنہگاروں کے لیے اور السلام، صلوٰۃ و ترضی کا درمیانی مرتبہ ہے اس لیے یہ ان کے لیے استعمال کیا جائے جو ان دونوں مراتب کا درمیانی مرتبہ رکھتے ہیں۔ مثلاً ان حضرات کے لیے جن کی نبوت میں اختلاف ہے جیسے لقمان، خضر اور ذوالقرنین۔ ان کے ماسوا کے لیے لفظ ' السلام ' کا اطلاق نہ کیا جائے۔

کتابت صلعم (ہمارے دور میں عوام کے علاوہ بہت بڑے مشاہیر علماء اور لیڈروں میں مرض ہے کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اقدس کے لکھنے پر صلعم، صللم، ص، عم وغیرہ لکھ دیتے ہیں یہ سخت گناہ اور محرومی کی علامت ہے۔ فقیر اویسی غفرلہ نے اس مسئلہ کے لیے ایک رسالہ " القول الاسلم " لکھا ہے اس میں دلائل کے علاوہ اسلاف صالحین کے حوالہ جات بھی لکھے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک صاحب روح البیان کا بھی ہے وہ یہ ہے :[1]

ویکرہ ان یرمز للصلاۃ والسلام علی النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فی الخط بان یقتصر من ذلک علی الحرفین ھکذا " عم " او نحو ذلک کمن یکتب " صلعم " یشیر بہ الی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(نبی علیہ السلام کے لیے رمز و اشارہ مکروہ ہے مثلاً ایک دو حرف پر اکتفا کیا جائے یا لکھا جائے جیسے عم یا بعض لوگ لکھتے ہیں صلعم، اور اس سے حضور علیہ السلام کی طرف اشارہ ہوتا ہے)

مسئلہ : صلوٰۃ و سلام میں کسی ایک کو حذف کر کے ایک پر اکتفا کرنا بھی مکروہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے :

من صلی علیّ فی کتاب لم تزل صلاتہ جاریۃ لہ ما دام اسمی فی ذلک الکتاب۔ کما فی انوار المشارق لمفتی حلب۔

(جو مجھ پر درود شریف پڑھ کر کتاب میں لکھے تو جب تک وہ درود لکھا رہے گا اسے ثواب ملتا رہے گا)

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

بوقتِ اذان انگوٹھے چومنے کا ثبوت

(ہم اہلسنت کا معمول ہے کہ اذان و اقامت کے وقت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سُن کر انگوٹھے چُومتے ہیں۔ وہابی، دیوبندی اور مودودی کے لواحقین اور تبلیغی جماعت کے لوگ اسے بدعت گردانتے ہیں حالانکہ یہ ان کی غلطی ہے اس لیے کہ اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کا اسی طرح عمل رہا ہے جیسے ہم اہلسنت کا ہے۔ چنانچہ اس موضوع پر اعلیٰحضرت شاہ احمد رضا خان قدس سرہٗ نے رسالہ "منیر العینین" لکھا ہے۔ فقیر اویسی غفرلہٗ نے اس سے اقتباس کر کے "انگوٹھے چومنے کا ثبوت" لکھا ہے۔ اس میں اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کے حوالے لکھے ہیں منجملہ ان کے روح البیان کا مندرجہ ذیل حوالہ بھی لکھا ہے:)[۱]

ثم ان للصلوات والتسليمات مواطن فمنها ان يصلى عند سماع اسمه الشريف فى الاذان - قال القهستانى فى شرحه الكبير نقلا عن كنز العباد اعلم انه يستحب ان يقال عند سماع الاولى من الشهادة الثانية (صلى الله عليك يا رسول الله) وعند سماع الثانية (قرة عينى بك يا رسول الله) ثم يقول (اللهم متعنى بالسمع والبصر) بعد وضع ظفر الابهامين على العينين فانه صلى الله عليه وسلم يكون قائدا له الى الجنة انتهى۔ (روح البيان ج ۷ ص ۲۲۸)

(صلوات وتسلیمات کے مقامات میں سے ایک یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم گرامی اذان میں سُن کر درود شریف پڑھا قہستانی نے شرح کبیر میں کنز العباد سے نقل کر کے لکھا کہ شہادتین میں سے پہلی شہادت میں کہے:

صلى الله عليك يا رسول الله۔

اور دوسری شہادت میں کہے:

قرة عينى بك يا رسول الله۔

اس کے بعد کہے:

اللهم متعنى بالسمع والبصر۔

بعد میں دونوں انگوٹھے آنکھوں پر رکھے تو قیامت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اسے بہشت میں ساتھ لے جائیں گے)

---

[۱] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

مسئلہ: بعض علماء نے فرمایا کہ انگوٹھے کی پشت آنکھ پر مل کر یہ دعا پڑھی جائے اللھم متعنی بالسمع والبصر۔

مسئلہ: صلوات نجمی میں ہے کہ انگوٹھوں کو آنکھوں پر رکھنا چاہیے نہ یہ کہ انہیں کھینچا جائے۔

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انگوٹھے چومے

محیط میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور مسجد کے ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے سامنے بیٹھے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اُٹھے اور اذان پڑھنا شروع کی۔ جب کہا اشھد ان محمدا رسول اللہ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دونوں انگوٹھوں کے ناخن چوم کر اپنی دونوں آنکھوں پر رکھ کر کہا:

قرۃ عینی بک۔ یارسول اللہ۔

جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان سے فارغ ہوئے تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے ابوبکر! میرا نام سن کر جو کوئی تمہاری طرح انگوٹھے چومے گا اور آنکھوں سے لگائے گا اللہ تعالیٰ اس کے نئے اور پرانے تمام گناہ بخش دے گا اگرچہ عمداً کئے ہوں یا خطاً"۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا دوسرا واقعہ

حضرت شیخ امام ابوطالب محمد بن علی المکی رفع اللہ درجاتہ نے قوت القلوب میں روایت لکھی ہے، فرمایا کہ ابن عیینہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم دسویں محرم کے دن مسجد میں تشریف لائے، وہ جمعہ کا دن تھا جمعہ کی نماز کے بعد ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھے تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے پاس بیٹھے تھے جب بلال رضی اللہ عنہ نے اذان پڑھی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انگوٹھے آنکھوں پر ملے اور کہا: قرۃ عینی بک یارسول اللہ۔ تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے ابوبکر! جو آپ کی طرح انگوٹھے چوم کر مذکورہ بالا کلمات کہے گا اور اسے میرے دیدار کا شوق ہوگا تو اس کے نئے اور پرانے عمداً و خطاً اور ظاہری و باطنی تمام گناہ بخش دے گا اور میں بھی اس کی شفاعت کروں گا۔"

'مضمرات' میں بھی اسی طرح منقول ہے۔

آدم علیہ السلام کا شوقِ دیدارِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور انگوٹھے چومنا

قصص الانبیاء وغیرہا میں ہے

کہ حضرت آدم علیہ السلام حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کے مشتاق ہوئے ۔ جب بہشت میں تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں وحی بھیجی کہ وہ تیری اولاد سے ہیں اور وہ آخر الزمان نبی علیہ السلام ہیں۔ اس پر آدم علیہ السلام نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دیدار کے بارے میں عرض کی تو اللہ تعالیٰ نے نورِ محمدی کو ان کی دائیں جانب کی شہادت کی انگلی میں رکھا وہ نور تسبیح پڑھنے لگا ۔ اسی روز سے اس انگلی کا نام مسبحہ پڑ گیا ۔ کذا فی الروض الفائق ۔ (برناباس کی انجیل (جو اصل انجیل ہے) میں یہ واقعہ بڑی تفصیل سے لکھا ہے)

یا یوں ہوا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آراء کو آدم علیہ السلام کے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں میں رکھا تو وہ شیشے کی طرح رکھا تو وہ شیشے کی طرح چمکتا ہوا محسوس ہوا اس پر آدم علیہ السلام نے اپنے انگوٹھے چوم کر اپنی آنکھوں پر ملے اسی روز سے آپ کی اولاد کے لیے انگوٹھے چومنا سنت ہوا ۔ یہی واقعہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا تو آپ نے فرمایا ،

من سمع اسمی فی الاذان فقبل ظفری ابہامیہ ومسح علیٰ عینیہ لم یعم ابدا ۔ (روح البیان ج ، ص ۲۲۹)

(جس نے اذان میں میرا نام سن کر انگوٹھے چوم کر دونوں آنکھوں پر رکھا تو وہ اندھا نہ ہوگا)

تنقید بر حدیث حضرت امام سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے المقاصد الحسنہ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح اور مرفوع نہیں ۔ اور مرفوع وہ حدیث ہے جو صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرے (لیکن ملا علی قاری نے فرمایا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ والی روایت صحیح اور مرفوع ہے اس کی سند معتبر ہے ۔ موضوعات کبیر) [1]

ایک غیر مقبول قول شرح الیمانی میں ہے کہ انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھنا مکروہ ہے اس لیے کہ اس موضوع کی کوئی حدیث صحیح نہیں ۔ (یہ قول اس لیے غیر مقبول ہے کہ شرح الیمانی ایک غیر معروف حوالہ ہے اگر اس کا کوئی اعتبار بھی ہو تو ایک قول کی کیا وقعت، جب سیکڑوں علماء جواز کے قائل ہیں ۔ چنانچہ صاحب روح البیان قدس سرہٗ اس قول کو نقل کر کے اس کے رد میں لکھتے ہیں کہ :) [2]

قد صح عن العلماء تجویز الاخذ بالحدیث الضعیف فی العملیات فیکون

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ
[2] ایضاً

الحدیث المذکور غیر مرفوع لا یستلزم ترك العمل بمضمونه۔

(علماء سے ثابت ہے عملیات میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا۔ یہ حدیث غیر مرفوع ہے اس سے کب لازم آتا ہے کہ اس سے عمل کا ترک کیا جائے)

(اسی لیے تو ہم اسے استحباب کا درجہ دیتے ہیں ورنہ یہ سنت ہ۔ ہوکے حکم میں ہوتا اگر یہ صحیح مرفوع حدیث سے ثابت ہوتا)[1]

ف: قہستانی اس فیصلہ میں حق پر ہیں اس لیے انہوں نے اسے مستحب لکھا ہے۔

قوت القلوب کے مصنف کا تعارف

(انگوٹھے چومنے کی سند پر اعتراض کرنے والے یہ نہیں سمجھتے کہ اس موضوع کی روایات کے ناقل کیسے معتبر ہیں اور یہ بھی احادیث کے قواعد میں ہے کہ ناقل جید اور ثقہ ہو تو وہ روایات اگرچہ ضعیفہ سہی لیکن فی نفسہٖ مسئلہ حق ہوتا ہے۔ اب ہم علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ کی زبانی صاحب قوت القلوب کا تعارف کراتے ہیں۔ فرمایا،)

وکفانا کلام الامام المکی فی کتابہ فانہ قد شھد الشیخ السھروردی فی عوارف المعارف بوفور علمہ وکثرۃ حفظہ وقوۃ حالہ وقبل جمیع ما اوردہ فی کتابہ قوت القلوب وللہ در ارباب الحال فی بیان الحق وترك الجدال۔ (روح البیان ج ۷ ص ۲۲۹)

(ہمیں قوت القلوب میں امام مکی کا قول کافی ہے جبکہ عوارف المعارف میں شیخ سہروردی نے اس کے وفور علمی کی شہادت دی اور کثرت حفظ و قوت حال کی گواہی دی اور جو کچھ انہوں نے قوت القلوب میں فرمایا سب نے اسے قبول فرمایا ارباب حال کا خدا بھلا کرے وہ فرماتے ہیں حق لو اور جھگڑا نا چھوڑو)

اذان سننے کے بعد کہے:

دُعا بعد اذان

اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوٰۃ القائمۃ اٰت محمدٌ الوسیلۃ والفضیلۃ والدرجۃ الرفیعۃ وابعثہ مقاما محمودٌ الذی وعدتہ۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

حضور علیہ السلام نے فرمایا:

جو اس دعا کو پڑھے گا اسے میری شفاعت نصیب ہوگی۔

مسئلہ: وضو کی ابتدا میں درود شریف پڑھ کر پھر بسم اللہ پڑھے اور وضو کی فراغت کے بعد بھی درود شریف پڑھے اس واسطے کہ درود شریف کی برکت سے رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

حدیث شریف حدیث مرفوع میں ہے:

لا وضو لمن لم یصل علی النبی علیہ السلام۔

(اس شخص کا وضو نہیں جو نبی کریم علیہ السلام پر درود نہیں پڑھتا)

مسئلہ: مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے درود شریف پڑھے پھر کہے:

اللهم افتح لی ابواب رحمتك۔

مسجد سے نکلتے وقت درود شریف پڑھے اس کے بعد کہے:

اللهم افتح لی ابواب فضلك واعصمنی من الشیطان۔

مسئلہ: مساجد سے گزرتے وقت بھی درود شریف پڑھے۔

مسئلہ: جب کسی مسجد پر نگاہ پڑے تو درود شریف پڑھے۔

مسئلہ: تشہد اخیر میں درود شریف پڑھے اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

مسئلہ: ہر دعا سے پہلے اور دعا کے بعد درود شریف پڑھے اس لیے کہ درود شریف لامحالہ قبول ہوگا پھر یہ ناممکن ہے کہ اس کے درمیان والی دعا قبول نہ ہو۔

حکایت المصابیح میں ہے حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک شخص مسجد نبوی میں داخل ہوا اور نماز پڑھ کر کہا:

اللهم اغفر لی وارحمنی۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے فلاں! تو نے عجلت کی۔ جب تو نے نماز پڑھی اور بیٹھ گیا تو تجھے چاہیے تھا کہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا جیسا کہ اس کی شان ہے اس کے بعد مجھ پر درود شریف پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا۔

اس کے بعد ایک اور شخص آیا اس نے نماز پڑھ کر حمد الٰہی کے بعد سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا۔ آپ نے اسے فرمایا: اب اللہ تعالیٰ سے سوال کر تیرا سوال پورا ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے:
ما من دعا الا بینه وبین الله حجاب حتی یصلی علی محمد و علی آل محمد فاذا فعل ذلك انخرق الحجاب ودخل الدعاء واذا لم یفعل ذالك رجع الدعاء. کذا فی الروضہ
(جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور محمد کی آل پر درود شریف نہ پڑھا جائے اس وقت تک بندے کی دعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حجاب رہتا ہے۔ جب محمد اور آپ کی آل پر درود شریف پڑھا جائے تو وہ حجاب پھٹ جاتا ہے اور قبولیت حق میں دعا داخل ہو جاتی ہے ورنہ دعا واپس آ جاتی ہے)

ف: اس کی وجہ ہم نے پہلے عرض کر دی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان وسیلۂ عظمیٰ ہیں اسی لیے طلب سے پہلے وسیلہ کی تقدیم ضروری ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
وابتغوا الیه الوسیلة۔

بے بدرقۂ درود او ہیچ دعا
البتہ بمنزل اجابت نرسد

ترجمہ: درود کے وسیلہ کے بغیر اجابت کی منزل کو پہنچنا مشکل ہے۔

وسیلۂ آدم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام نے سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہِ حق میں وسیلہ بنایا تب ان کی دعا و توبہ قبول ہوئی۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:
جب آدم علیہ السلام نے اپنی لغزش کا اعتراف کیا تو عرض کی: اے اللہ! میں تجھ سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اپنی مغفرت کا سوال کرتا ہوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تو نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے پہچان لیا حالانکہ ابھی تک میں نے انہیں پیدا ہی نہیں کیا۔ عرض کی کہ جب تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا اور میرے اندر اپنی روح پھونکی، میں نے اپنا سر اٹھایا تو میں نے عرش کے ستونوں پر دیکھا لکھا تھا: لا الٰه الا الله محمد رسول الله (صلی الله علیه وسلم)۔ میں نے سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے جس ذات کو اپنے ساتھ ملایا ہے وہ اس کی محبوب ترین مخلوق

ہو گی اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اے آدم ! تم سچ کہتے ہو واقعی وہ تمام مخلوق سے مجھے محبوب ترین ہیں اسی لیے ان کے طفیل میں نے تجھے بخش دیا اور تمہیں یاد رہنا چاہیے کہ اگر محمد نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا ہی نہ کرتا ۔ رواہ البیہقی فی دلائلہ ۔

ے

از نسل آدمی تو ولے بہ ز آدمی

شک نیست اندر این کہ بود در بہ از صدف

سلطان انبیاء کہ بدرگاہِ کبریا

چون او نیافت ہیچ کسے عزت و شرف

ترجمہ : آپ نسلِ آدمی سے ہیں لیکن نسلِ آدم سے بہتر ہیں ۔ اس میں شک نہیں کہ دُر صدف سے بہتر ہوتا ہے ۔ درگاہِ کبریا میں آپ سلطان الانبیاء ہیں ، آپ جیسی عزت و شرافت کسی نے نہیں پائی ۔

مسئلہ : نمازِ جنازہ کی دوسری تکبیر میں درود شریف پڑھنا مستحب ہے ۔ یہی امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے اور امام شافعی اور احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک واجب ہے ۔

مسئلہ : خطبہ عیدین و جمعہ میں درود شریف پڑھنے کا مذکورہ بالا اختلاف ہے ایسے ہی استسقاء کے خطبہ میں امام شافعی کے نزدیک واجب ہے لیکن امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک سرے سے خطبہ ہے ہی نہیں بلکہ ان کے نزدیک نہ اذان ہے نہ اقامت ہے بلکہ ان کے نزدیک نماز با جماعت بھی نہیں ۔ اس میں فقط دُعا و استغفار ہے ۔

ف : ہر صبح و شام کو دس دس بار درود شریف پڑھنا چاہیے ۔ نمازِ صبح اور مغرب کے بعد ایک ایک سو بار درود شریف پڑھا جائے تو اللہ تعالیٰ اس بندے کی سو حاجات پوری کرے گا جن میں سے تیس دنیا کی اور ستر آخرت کی ہوں گی ۔

ف : قرآن مجید کے ختم کے بعد درود شریف پڑھنا چاہیے اس لیے کہ یہی موقعہ دعا کی قبولیت کا ہے ۔

ف : ذکرِ الٰہی اکیلا کرے یا حلقہ باندھ کر ، پہلے درود شریف پڑھنا چاہیے اس لیے کہ مجالسِ ذکر میں ملائکہ حاضر ہو کر اہلِ مجلس کے ساتھ ذکر و دُعا اور درود شریف میں موافقت کرتے ہیں ۔

ف : ہر نیک کام شروع کرنے سے پہلے درود شریف پڑھا جائے ۔

ماہِ شعبان کی فضیلت شعبان کے دنوں اور راتوں میں بکثرت درود شریف پڑھا جائے اس لیے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے تاکہ اس مہینہ میں آپ کی اُمت زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھے۔

آثار میں ہے کہ آسمان میں ایک دریا ہے اسے دریائے برکات کہتے ہیں، اس کے کنارے پر ایک درخت ہے اسے درختِ تحیات سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس درخت پر ایک پرندہ ہے جسے مرغِ صلوات کہا جاتا ہے۔ اس مرغ کے بہت پَر ہیں جب کوئی مسلمان ماہِ شعبان کی آخری تاریخوں تک درود شریف پڑھتا ہے تو وہ پرندہ دریا میں غوطہ لگاتا ہے۔ غوطہ لگا کر درخت پر بیٹھ کر اپنے پروں کو جھاڑتا ہے اس کے ہر پر سے اللہ تعالیٰ فرشتہ پیدا فرماتا ہے۔ وہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ ان فرشتوں کی تمام عبادات کا ثواب شعبان میں درود شریف پڑھنے والے کے عملنامہ میں لکھ دیا جاتا ہے۔

ایک اور حدیث شریف میں وارد ہے:

"شعبان میں ایک بار درود شریف پڑھنا دوسرے مہینوں کے دس بار پڑھنے کے برابر ہے۔"

شعبان شهر رسول الله فاغتنموا

صيام ايامه الغرا الميامين

صلوا على المصطفیٰ فی شهره وارجوا

منه الشفاعة يوم الحشر والدين

ترجمہ: شعبان رسول اللہ کا مہینہ ہے اسے غنیمت سمجھو اس میں روزے رکھنا بالخصوص پہلے چاندنی راتوں میں، اسی ماہ میں آپ پر درود بکثرت پڑھو۔ مجھے امید ہے کہ آپ یومِ محشر میں ضرور شفاعت فرمائیں گے۔

ف: جمعہ کے دن اور رات کو درود شریف پڑھا جائے کیونکہ جمعہ سید الایام ہے اور یہ دن صرف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے اسی لیے اس دن بہ نسبت دوسرے دنوں کے درود شریف پڑھنے سے زیادہ ثواب و قرب و درجات حاصل ہوتے ہیں۔

یومِ جمعہ کی فضیلت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے دنوں میں سے افضل یومِ جمعہ ہے۔ اسی دن میں آدم علیہ السلام پیدا ہوئے، اسی میں نفخ صور ہوگا، اسی میں حساب و کتاب کے لیے قیامت میں اٹھنا ہوگا، اسی دن میرے اوپر بہت زیادہ درود پڑھو اس لیے کہ تمہارا درود شریف میرے ہاں پیش ہوتا ہے۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے درود آپ کے ہاں کیسے پیش ہوں گے جبکہ آپ تو مٹی میں مل جائیں گے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے اجسادِ مبارک کا کھانا حرام کر دیا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

من صلی علی یوم الجمعۃ ثمانین مرۃ غفرت لہ ذنوب ثمانین سنۃ ومن صلی علی کل یوم خمسمائۃ مرۃ لم یفتقر ابدا۔

(جو مجھ پر جمعہ کے دن اسی دفعہ درود پڑھتا ہے اس کے اسی سال کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں اور جو مجھ پر روزانہ پانچسو بار درود شریف پڑھتا ہے وہ کبھی تنگ دست نہ ہوگا)

حدیث شریف از ہار الاحادیث میں ہے:

اللہ تعالیٰ بعض ملائکہ مقربین کو خمیس کے دن دائرۂ چرخ سے زمین کی طرف بھیجتا ہے ان کے ہاں چاندی کے صحیفے اور سونے کے قلم ہوتے ہیں تاکہ ان لوگوں کے درود لکھیں جو وہ شب جمعہ اور یوم جمعہ کو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھیجتے ہیں۔

بروز جمعہ درود محمد عربی
زروئے قدر ز ایام دیگر افزونست

ترجمہ: جمعہ کے دن محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا بہ نسبت دوسرے دن کے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

زیارتِ نبوی کا وظیفہ بعض مشائخ سے منقول ہے کہ جو جمعہ کی رات کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر تین ہزار بار درود شریف پڑھتا ہے وہ خواب میں آپ کی زیارت سے مشرف ہوگا۔ ذکرہ علی الصفی فی الرشحات

مسئلہ: سواری پر سوار ہوتے وقت بھی درود شریف پڑھے یعنی سواری پر سوار ہوتے ہوئے پہلے کہے:

بسم اللہ واللہ اکبر وصل محمد خیر البشر۔

اس کے بعد پڑھے:

سبحان الذی سخرلنا ھذا وما کنا لہ مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون۔

مسئلہ : مکہ معظمہ کا راستہ طے کرتے ہوئے درود شریف پڑھے یعنی راستہ طے کرتے ہوئے جب بلندی پر چڑھے تو اللہ اکبر کہے اور جب نیچے کو چلے تو درود شریف پڑھے۔

مسئلہ : استلام الحجر کے وقت کہے :

اللھم ایمانًا بك و تصدیقًا بکتابك و سنة نبیك۔

اس کے بعد درود شریف پڑھے۔

مسئلہ : صفا و مروہ کی پہاڑیوں پر بھی درود شریف پڑھے۔ تلبیہ سے فراغت کے بعد اور مشعر الحرام کے وقوف کے وقت درود شریف پڑھے۔

مسئلہ : مدینہ طیبہ کا راستہ طے کرتے وقت ایسے ہی جب گنبد خضرا نظر آئے اور پھر گنبد خضرا کے اردگرد گھومتے وقت اور جب قبر انور کی طرف متوجہ ہو تو درود شریف پڑھے۔

فائدہ قضائے حاجات جو شخص سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کے قریب کھڑے ہو کر ان اللہ وملئکته یصلون علی النبی سالم آیت پڑھنے کے بعد ستر بار کہے :

صلی اللہ علیك یا محمد۔

اسے فرشتہ جواب میں کہتا ہے :

اللہ تعالیٰ تجھ پر رحمت فرمائے اب مانگ جو تیرا جی چاہے ، اس وقت تیری کوئی دعا رد نہ ہوگی۔

مسئلہ : منبر نبوی اور قبر مصطفوی کے درمیان بھی درود شریف پڑھے۔ پھر تکبیر کہہ کر دعا مانگے۔ ایسے ہی جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سنے تو بھی درود شریف پڑھے۔ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی کہے یا لکھے تو چاہیے کہ زبان سے درود شریف پڑھے اور قلم سے لکھے۔

مسئلہ : درس حدیث اور تبلیغ سنن کے ابتداء میں درود شریف پڑھے مثلاً کہے ،

الحمد للہ رب العالمین اکمل الحمد کل حال والصلاۃ والسلام الاتمان و الاکملان علی سید المرسلین کلما ذکرہ الذاکرون وکلما غفل عن ذکرہ الغافلون اللھم صل علیه وعلی اٰله وسائر النبیین و اٰل کل وسائر الصالحین نهایة ما ینبغی ان یسئله السائلون۔

مسئلہ : وعظ و تذکیر کی ابتداء میں بھی درود شریف پڑھے۔ یعنی حمد و ثنا کے بعد درود ضروری ہے اس لیے

کہ یہ وقت وہ ہے کہ وہ علم جو حضور علیہ السلام سے ملا اُسے ہم آپ کی اُمت تک پہنچا رہے ہیں۔

مسئلہ : جب غم والم کا حملہ ہو ایسے ہی طلبِ مغفرت کے وقت اور کفارہ ذنوب کی ادائیگی میں اس لئے کہ درود شریف گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

مسئلہ : نیند سے پہلے اور نیند سے اُٹھ کر درود شریف پڑھنا چاہیے۔

مسئلہ : بازار میں داخل ہوتے وقت درود شریف پڑھا جائے تاکہ آنحضرت کی تجارت میں نفع ہو۔

مسئلہ : اہلِ اسلام کے ساتھ مصافحہ کرتے وقت درود شریف پڑھے۔

مسئلہ : طعام کے شروع کرتے وقت درود شریف پڑھے۔ مثلاً کہے :

اللھم صل علیٰ محمد و علیٰ آل محمد وطیّب ارزاقنا وحسن اخلاقنا۔

مسئلہ : الشرعۃ والسنۃ میں ہے :

فی اکل الفجل بضم الفاء وسکون الجیم بالفارسیۃ [ترب] ان یذکر النبی علیہ السلام فی اول قضمۃ ، [در اول دندان بر وزدن] لئلا یوجد ریحۃ : یعنی [نا دریافتہ نشود رائحہ آن]

ف : مولی کھاتے وقت پہلی بار کاٹ کھانے میں درود شریف پڑھے تاکہ اُس کی بُو کا احساس نہ ہو۔

ف : فارسی میں ترب ، اردو میں مُولی کہتے ہیں۔

بعض مشائخ نے فرمایا ، اس سے مولی کے پتے مراد ہیں۔ چنانچہ مشہور ہے کہ حمام بول کر پسینہ مراد لیا جاتا ہے۔ ایسے ہی الفجل سے پتے مراد ہوتے ہیں۔

مسئلہ : طعام کی فراغت پر درود شریف پڑھا جائے۔ مثلاً کہے :

الحمد للہ الذی اطعمنا ھذا ورزقناہ من غیر حول منا وقوۃ الحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات وتنزل البرکات اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد وسلم۔

مسئلہ : مجلس سے اُٹھتے وقت درود پڑھا جائے۔ مثلاً کہا جائے :

صلی اللہ وملٰئکتہ علیٰ محمد وانبیائہ۔

اس لیے کہ یہ لہو ولغو جو اس مجلس میں واقع ہوں گی اس کا کفارہ بن جائے گا۔

مسئلہ : بعض کے نزدیک چھینک آئے تو درود پڑھے۔ لیکن اکثر علمائے کرام نے اس وقت درود شریف پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے۔ جیسا کہ الشرعۃ اور اس کی شرح میں ہے اس میں لکھا ہے کہ چھینک کے وقت

حضور علیہ السلام کا اسم گرامی نہ لیا جائے بلکہ الحمد للہ کہا جائے۔

مسئلہ: ذبح کے وقت درود شریف نہ پڑھا جائے یہاں تک کہ اگر کہے گا بسم اللہ و اسم محمد۔ تو مذبوحہ حلال نہ ہوگا۔ (وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ غیر اللہ کا نام لینا ذبح میں ناجائز ہے تاکہ بت پرستوں سے مشابہت نہ ہو) اسی لیے ایسا ذبیحہ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے نہ ہوا۔

مسئلہ: اگر ذبح کے وقت بسم وصلی اللہ علی محمد کہے تو مکروہ ہے۔

مسئلہ: تعجب کے وقت بھی درود شریف نہ پڑھے بلکہ تعجب کے وقت کہے: سبحان اللہ۔

مسئلہ: جب کان میں آوازیں سنائی دیں تو درود پڑھ کر کہے:

ذکر اللہ بخیر من ذکرنی۔

مسئلہ: خطبۂ نکاح میں کہے:

الحمد للہ الذی احل النکاح وحرم السفاح والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد الداعی الی اللہ القادر الفتاح وعلیٰ آلہ واصحابہ ذوی الفلاح والنجاح۔

گلاب کا پھول

جب گلاب کا پھول سونگھے تو درود شریف پڑھے۔

(۱) مسند الفردوس میں ہے کہ شب معراج میں سفید گلاب کو میرے پسینے سے اور سرخ گلاب کو جبریل علیہ السلام کے پسینے سے اور زرد گلاب براق کے پسینے سے پیدا کیا گیا۔

(۲) حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مجھے شب معراج آسمانوں پہ بلایا گیا تو میرے بعد زمین روئی تو پھر زرد گلاب پیدا ہوا، جب میں معراج سے واپس ہوا تو مجھ سے پسینہ ٹپکا تو اس سے سرخ گلاب پیدا ہوگیا۔ جو شخص میری خوشبو سونگھنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ سرخ گلاب کو سونگھے۔

ف: حضرت ابوالفرج اصفہانی نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت بڑے کمالات سے یہ ادنیٰ کمال ہے اس سے بڑھ کر فضائل و مناقب آپ کو منجانب اللہ عطا ہوئے ہیں۔ یہ بھی آپ کے فضائل اور بلند مراتب کا ایک نشان ہے۔ کذا فی مقاصد الحسنہ۔

شعر

زگیسوئے او نافہ بو یافتہ
گل از روئے او آبرو یافتہ

ترجمہ: آپ کے گیسو مبارک سے نافہ نے خوشبو پائی۔ گلاب نے آپ کے چہرۂ اقدس سے آبرو پائی۔

حدیث شریف میں ہے:
"جو شخص خوشبو سونگھ کر مجھ پر درود شریف نہیں پڑھتا وہ مجھ پر ظلم کرتا ہے۔"

مسئلہ: جونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال دل میں آئے، درود شریف پڑھے۔

ف: جب کوئی بات دل سے بھول جائے تو درود شریف کی برکت سے بھولی ہوئی بات یاد آ جائے گی۔

مسئلہ: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی بے وضو نہ لینا چاہیے اور اسی میں ہے جیسا کہ ہم نے سلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی حکایت آیت ماکان محمد ابا احد من رجالکم کے تحت لکھی ہے۔

مسئلہ: حدیث شریف کو بیان کرتے وقت آواز بلند کرنی چاہیے۔

ردّ وہابی دیوبندی (ہم اہل السنت والجماعت درود شریف بہت زور سے پڑھتے ہیں تو وہابی دیوبندی اس سے روکتے ہیں۔ ان کا روکنا دلالت کرتا ہے کہ یہ غریب منافقین سے کوئی تعلق رکھتے ہیں اس لیے کہ زور سے درود شریف پڑھنے سے منافقت دور ہوتی ہے)[1]

چنانچہ حدیث شریف میں ہے:
حدیث شریف "درود شریف پڑھتے وقت آواز بلند کرو اس لیے کہ بلند آواز سے درود شریف پڑھنا صیقل ہے کہ اس سے منافقت کا زنگ اور مخالفت کی غبار اڑتی ہے اور قلوب کو جلا نصیب ہوتی ہے۔"[2]

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

[2] روح البیان کی اصل عبارت ملاحظہ ہو:
"در آثار آمدہ کہ بردارید آواز خود را در اداے صلوات کہ رفع الصوت بوقت اداے درود صیقل سنت کہ غبار شقاق و زنگار نفاق را از مرایاء قلوب می زداید۔"
اس سے خود سمجھ لیں کہ اذان سے پہلے یا بعد کو بلند آواز سے درود شریف (باقی برصفحہ آئندہ)

۵

نام تو صیقلست کہ دلہائے تیرہ را
روشن کند چو آئینہائے سکندری

ترجمہ: آپ کا اسم گرامی وہ صیقل ہے کہ اس سے دل کی ظلمت دور ہوتی ہے پھر وہ آئینہ سکندری کی طرح صاف و شفاف ہو جاتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) پڑھنے والے حق بجانب ہیں ورنہ آہستہ درود شریف پڑھنا اذان کے بعد ہر مؤذن اور سامع کو حکم ہے اور صحابہ کرام اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم پڑھا کرتے تھے۔ اب ہم پر اعتراض کرنے والے سوچیں کہ کہیں وہ بھی ایک اچھے کام سے روک کر منافقین کے کھاتے میں تو نہیں شامل ہو رہے۔ ورنہ صدیوں پہلے یہ مسئلہ طے ہو گیا۔

چنانچہ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ جو کہ ملا علی قاری شارح مشکوٰۃ کے استاد ہیں سے اذان کے متعلق چند سوالات کئے گئے، موصوف نے اپنے فتاویٰ کبریٰ میں بارہ جوابات لکھے۔ ان سوالات میں سے تین سوالات یہ بھی تھے:

۱- نبی علیہ السلام پر اذان سے قبل درود شریف پڑھنا مسنون ہے یا نہیں؟

۲- اذان ختم ہونے کے بعد صلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے محمد رسول اللہ کہنا مسنون ہے یا نہیں؟

۳- اذان کے فوراً بعد محمد رسول اللہ کہنے اور قبل الاذان صلوٰۃ علی النبی سے روکا جائے گا یا نہیں؟

علامہ موصوف نے تمہید جواب کے طور پر فرمایا:

اما الصلوٰۃ والسلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد الاذان والاقامت فانهما سنۃ وبان۔

یعنی اذان اور اقامت کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام پڑھنا مستحب ہے۔ اس کے بعد فرمایا:

ولم نری فی شئ منها التعرض للصلوٰۃ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل الاذان ولا الی محمد رسول اللہ بعدہ ولم نری ایضاً فی کلام ائمتنا تعرضا لذلک فحینئذ کل واحد من هذین لیس بسنۃ فی محلہ المذکور فیہ اتی بواحد منهما فی ذلک

(باقی بر صفحہ ۲۰۸)

ف : حضورِ قلبی اور خلوت سے ہٹ کر درود شریف پڑھنا چاہیے اور نیت صرف یہ ہو کہ درود شریف اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی تعمیل اور اس کی رضا طلبی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی امید پر درود شریف پڑھ رہا ہوں۔ اور ظاہر و باطن میں یکسانیت ہو اس لیے کہ ذکرِ لسانی فکرِ جنبانی کا ترجمان ہے۔ اسی لیے ان دونوں کا آپس میں مطابق ہونا ضروری ہے ورنہ حضورِ قلبی کے بغیر زبانی ذکر سے کوئی فائدہ نہیں۔

حضور حاضر و ناظر (ہم اہلسنت اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر سمجھتے ہیں اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ ہماری ہر بات کو جانتے اور ہمارے قریب ہیں یہی عقیدہ اسلاف صالحین کا تھا۔ چنانچہ صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ درود شریف پڑھنے کے آداب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۷)

معتقداً سنیتہ فی ذٰلک المحل المخصوص نہی عنہ ومنع منہ لانہٗ تشریع بغیر دلیل ومن شرع بلا دلیل یزدجر عن ذٰلک ویُنہٰی عنہ۔

یعنی اذان کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود، صلوٰۃ وسلام کا امر حدیث میں صراحۃً وارد ہے اور قبل الاذان ہم نے یہ حکم کسی حدیث میں نہیں دیکھا اور اذان کے بعد محمد رسول اللہ کہنے کا حکم بھی ہم نے کسی حدیث میں نہیں پایا۔ لہٰذا ان میں سے کوئی بھی اپنے محل مذکور میں سنت نہیں۔ جو شخص ان دونوں میں سے کسی ایک کام کو بھی اس کے محل مخصوص میں اس کے سنت ہونے کا معتقد ہو کر کرے گا اُسے روکا جائے گا۔

ف : اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ صلوٰۃ وسلام قبل الاذان اور لفظ محمد رسول اللہ بعد الاذان مطلقاً منہی عنہ نہیں۔ نہی اس وقت کی جائے گی جب ان کے محل مخصوص میں ان کی سنیت کا اعتقاد کر کے یہ کام کرے۔ یعنی اس کا یہ اعتقاد ہو کہ صلوٰۃ وسلام قبل الاذان سنت ہے اور اگر اس محل کی خصوصیت کے ساتھ اس کی سنیت کا معتقد نہ ہو بلکہ آیت کریمہ صلوا علیہ وسلموا تسلیما کے مطابق وہ مطلقاً صلوٰۃ وسلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلوب عند الشرع اعتقاد کر کے اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے تو وہ یقیناً صلوٰۃ وسلام کے اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔ اور اس کا یہ صلوٰۃ وسلام ممنوع نہ ہوگا اور اسے اس صلوٰۃ وسلام سے روکا نہ جائے گا۔ کیونکہ نہی اور زجر کی علتِ تشریع بلا دلیل اسی وقت پائی جائے گی جب کہ وہ اس کے محل مذکور کی خصوصیت کے ساتھ مقید کر کے اس کے سنت ہونے کا اعتقاد رکھے۔ مزید تفصیل فقیر کی کتاب "رجم الشیطان عند الصلوٰۃ والسلام عند الاذان" میں ہے۔ اویسی غفرلہٗ

میں لکھتے ہیں: ؎۱

وان یصلی رسول اللہ علیہ وسلم مشہو دلدیہ کما یقتضیہ الخطاب فی قولہ السلام علیک فان لم یکن یراہ حاضرا و سامعا لصلاتہ فاقل الامر ان تعلم انہ علیہ السلام یری صلاتہ معروضۃ علیہ والا فھی مجرد حرکۃ لسان و رفع صوت ؎۲

(درود پڑھتے وقت یہ عقیدہ رکھے کہ حضور علیہ السلام حاضر ہیں جیسا کہ السلام علیک کے خطاب کا تقاضا ہے اگر یہ تصور نہیں جما سکتا کہ آپ حاضر ہیں اور میرے درود کو سن رہے ہیں تو کم از کم یہ تصور کرے کہ حضور میرے پیش ہونے والے درود کو ملاحظہ فرما رہے ہیں ورنہ صرف زبان ہلانا اور آواز نکالنا ہوگا)

صیغہائے درود شریف کی تعداد درود شریف کے صیغے مختلف ہیں۔ بعض نے چار ہزار بتائے ہیں، بعض نے بارہ ہزار۔ جیسا کہ الشیخ سعد الدین حموی قدس سرہٗ سے منقول ہے اور وہ ہر ایک جملہ اہل شرق و غرب کے ہاں مختار ہیں۔ اور یہ وہ درود مبارک ہیں جن کے ذریعے پڑھنے والوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رابطہ نصیب ہوا اور انہی کے ذریعہ انھیں فوائد و خواص حاصل ہوئے۔ چند ایک کا بیان اسی آیت کے اول میں ہم نے بیان کیا ہے۔

(۱) ان میں ایک یہ ہے:

اللھم صل علیٰ محمد و علی آل محمد و سلم۔

فضیلتِ درود مذکور ریاض الاحادیث میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بہشت میں ایک درخت بنام مجوبہ مشہور ہے اس کے میوے انار سے چھوٹے اور سیب سے بڑے ہیں اور وہ میوہ دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا اور مکھن سے زیادہ نرم ہے۔ اسے وہ کھائے گا جو درود مذکورہ پر مداومت کرتا ہے۔ وہ درود یہی ہے اللھم صل علیٰ محمد و علیٰ آل محمد وسلم۔"

(۲) اللھم صل علیٰ محمد النبی کما امرتنا ان نصلی علیہ و صل علیٰ محمد

؎۱ اضافہ از اویسی غفرلہٗ

؎۲ روح البیان ج، ص ۲۳۳

النبی کما ینبغی ان یصل علیہ وصل علیٰ محمد بعدد من صلی علیہ و
صل علیٰ محمد النبی بعدد من لم یصل علیہ وصل علیٰ محمد النبی
کما تحب ان یصلی علیہ۔

ف : جو شخص اس درود شریف پر مداومت کرتا ہے اس کے اعمال مقبول ہو کر آسمان پر جائیں گے اور اسے وہ قبولیت نصیب ہوگی جو امت مصطفویہ میں اور کسی کو نصیب نہیں ہوگی اور وہ ہر خوفناک امر سے محفوظ ہوگا بالخصوص جہاں چوروں اور ڈاکوؤں کا خطرہ ہو ؂

ہست از آفات دوران و مخافات زمان
نام او حصن حصین و ذکر او دار الامان

ترجمہ : زمانہ کے آفات و مکافات سے درود حصن حصین اور دار الامان ہے۔

(۳) اللھم صل علیٰ محمد عبدك ورسولك وعلی المؤمنین والمؤمنات و
المسلمین والمسلمات۔

ف : جو شخص اس درود پر مداومت کرے گا وہ دنیوی اسباب سے مالامال ہوگا۔

(۴) اللھم صل علیٰ محمد و آلہ عدد ما خلقت اللھم صل علیٰ محمد و آلہ
ملیٔ ما خلقت اللھم صل علیٰ محمد و آلہ عدد کل شیٔ اللھم صل علیٰ
محمد و آلہ عدد ما احصاہ کتابك اللھم صل علیٰ محمد و آلہ ملیٔ ما
احصاہ کتابك اللھم صل علیٰ محمد و آلہ عدد ما احاط بہ علمك اللھم
صل علیٰ محمد و آلہ ملیٔ ما احاط بہ علمك۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ یہ آٹھ درود شریف ہیں جو آٹھ نجبا کی طرف منسوب ہیں اور یہ آٹھ ہر زمانے میں ہوتے ہیں نہ بڑھتے ہیں نہ کم ہوتے ہیں۔

حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ نے فتوحات مکیہ میں فرمایا کہ یہ اہل علم ہیں اور آٹھ صفات سے موصوف ہیں۔ ان کا مقام کرسی ہے۔ یعنی ان کا کشف کرسی سے متجاوز نہیں ہوتا اور کواکب کے علوم میں قدم راسخ رکھتے ہیں لیکن انھیں یہ علم اصطلاح نجوم کی حیثیت سے نہیں بلکہ ان کا کشفی علم ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے حرم مسجد اقصیٰ میں انہیں قبۃ الملائکہ میں دیکھا اور ہر ایک نے انہی کلمات کو سیکھا ہے اور فرمایا کہ ہمیں انہی کلمات مبارکہ سے تعرف کل حاصل ہے اور ہمیں احوال و مواجید کا غلبہ ہے تو انہی کلمات کی برکت سے۔ علاوہ ازیں اس کے اور فوائد بھی ہیں۔ منقول ہے کہ

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ نے اپنی بقیہ عمران کلمات پر مواظبت رکھی۔

(۵) اللھم صل علیٰ سیدنا محمد مفرق فوق الکفر والطغیان و مشتت بغاۃ جیوش القرین والشیطان وعلیٰ آل محمد وسلم۔

ف: حضرت شیخ المشائخ سعدالدین الحموی قدس سرہٗ سے مروی ہے کہ اگر کسی کو شیطان کے وسوسہ اور دبدبہ نفس اور خواہشات نفسانی کا غلبہ ہو تو وہ اس درود شریف پر مداومت کرے تو اسے شر شیطان اور اس کے وسوسوں سے حفاظت و امان نصیب ہوگی۔

(۶) اللھم صل علیٰ سیدنا محمد و آلہ وصحبہ وسلم بعدد ما فی جمیع القرآن حرفا حرفا و بعدد کل حرف الفا الفا۔

ف: حفاظ القرآن اپنی منزل قرآن کی تلاوت کے بعد اگر اس درود شریف کو پڑھ لیا کریں تو دنیوی و اُخروی برکتوں سے مالامال ہوں گے اور ظاہری و باطنی فوائد سے مستفید ہوں گے

(۷) اللھم صل علیٰ سیدنا محمد ما اختلف الملوان و تعاقب العصران وکرّ الجدیدان واستقبل الفرقدان و بلغ روحہ وارواح اہل بیتہ منا التحیۃ والسلام و بارک وسلم علیہ کثیرا۔

ف: حضرت سلطان محمود غزنوی قدس سرہٗ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں عرصۂ دراز سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا اشتیاق رکھتا تھا اور خواہش تھی کہ کبھی خواب میں زیارت ہو اور دل کے تمام درد سناؤں ؎

ہمہ شب دیدہ بعمدا نکشایم از خواب
بو کہ در خواب بدان دولت بیدار رسم

ترجمہ، تمام رات عمداً آنکھیں بند رکھیں اس امید پر کہ ممکن ہے دیدار ہو قضائے الٰہی سے مجھے سعادت ملی کہ گزشتہ شب دیدار حبیب خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مشرف ہوا ہوں۔

اس رخسار جہاں آرا کو دیکھا جو چودھویں کی رات اور لیلۃ القدر کی روح کی مانند تھا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسرور پا کر عرض کی:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں ہزار درہم کا مقروض ہوں اس کی ادائیگی سے عاجز ہوں ڈرتا ہوں اگر موت آجائے تو وہ قرض میری گردن میں ہوگا۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
محمود سبکتگین کے پاس جاؤ وہ تمہارا قرض اتار دے گا۔
میں نے عرض کی: وہ کب اعتماد کرتے ہیں ان کے لیے کوئی نشانی دیجئے۔
آپ نے فرمایا: اسے جاکر کہو: اے محمود! تم پہلی رات میں تیس ہزار بار درود پڑھتے ہو اور پھر بیدار ہو کر آخر رات کو تیس ہزار بار اور پڑھتے ہو۔ اس نشانی کے بتانے سے وہ تمہارا قرض اتار دے گا۔

محمود نے جب یہ پیغام سُنا تو رونے لگا اور تصدیق کرتے ہوئے اُس کا قرض اتار دیا اور ہزار درہم اور پیش کیا۔ ارکانِ دولت متعجب ہوئے کہ اس شخص نے ایک محال امر سنایا ہے۔ لیکن آپ نے اس کی تصدیق کر دی حالانکہ ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں آپ نے کبھی اتنی مقدار میں درود شریف نہیں پڑھا اور نہ ہی کوئی رات میں اتنی بار درود پڑھ سکتا ہے۔
سلطان محمود نے فرمایا: تم سچ کہتے ہو لیکن میں نے علماء سے سنا ہے کہ جو شخص مذکورہ بالا درود شریف ایک بار پڑھتا ہے تو وہ گویا دس ہزار بار درود شریف پڑھتا ہے۔ میں اول شب میں اس درود شریف کو تین بار پڑھ لیتا ہوں اور آخر شب میں بھی تین بار پڑھ لیتا ہوں۔ اس طرح سے میرا گمان تھا کہ گویا میں نے ہر رات ساٹھ ہزار بار درود شریف پڑھا۔ جب اس شخص نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا ہے مجھے اس درود شریف کی تصدیق ہو گئی۔ اور گریہ کرنا خوشی سے تھا کہ علماء کا فرمودہ صحیح ثابت ہوا۔

(۵) اللھم صل علیٰ محمد وآل محمد بعدد کل داء ودواء۔

ف: مولانا شمس الدین کیشی کے علاقے میں ایک دفعہ وباء کا حملہ ہوا تو انہیں خواب میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کوئی ایسی دعا بتائیے جس کی برکت سے وباء دفع ہو۔ آپ نے مذکورہ بالا درود شریف بتا کر فرمایا: جو شخص اسے پڑھے گا طاعون اور وباء سے محفوظ رہے گا۔

؎

اگر ز آفت دوران شکستہ حال شوی
امان طلب ز جناب مقدس نبوی
دگر سہام حوادث ترا نشانہ کند
پناہ بر حصار درود مصطفوی

ترجمہ: اگر دورِ زمانہ کی آفات سے تم شکستہ حال ہو گئے ہو تو جناب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے پناہ تلاش کرو اگر تمہیں حوادثِ زمانہ نے اپنے تیر کا نشانہ بنایا ہے تو درود مصطفوی کے حصار سے پناہ ڈھونڈو۔

(۹) اللھم صل علیٰ محمد بعدد ورق ھذہ الاشجار، وصل علیٰ محمد بعدد الورد والانوار، وصل علیٰ محمد بعدد قطر الامطار، وصل علیٰ محمد بعدد رمل القفار، وصل علیٰ محمد بعدد دواب السباری والبحار۔

ف: ذخیرۃ المذکرین میں ہے کہ ایک ولی اللہ موسم بہار میں جنگل میں تشریف لے گئے۔ درختوں، پھولوں وغیرہ کی رونق دیکھ کر مذکورہ بالا درود شریف پڑھا تو ہاتفِ غیب نے آواز دی کہ اے درود پڑھنے والے! تم نے کراماً کاتبین کو تکلیف میں ڈال دیا کہ ان کلمات کا اجر و ثواب لکھتے لکھتے وہ چکنا چور ہو گئے ہیں۔ اب تمہیں مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے گناہ بخش دئے ہیں۔

(۱۰) اللھم صل علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آل سیدنا محمد وسلم صلاۃ تنجینا بھا من جمیع الاھوال والآفات، وتقضی لنا بھا جمیع الحاجات وتطھرنا بھا من جمیع السیئات، وترفعنا بھا عندک اعلی الدرجات وتبلغنا بھا اقصی الغایات، من جمیع الخیرات فی الحیاۃ وبعد الممات۔

ف: شفاء السقم میں ہے کہ حضرت فاکہانی اپنی کتاب فجرِ منیر میں شیخ ابوموسیٰ ضریر رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ ہم ایک جماعت کے ساتھ کشتی میں بیٹھے تھے اچانک بادِ مخالف جو نہایت تیز اور سخت آندھی کی شکل میں تھی، چلی۔ جس نے کشتی کو تہ و بالا کر دیا۔ ملاحوں نے اعلان کر دیا کہ اب بچنے کی صورت مشکل ہے کشتی والوں سے آہ و فغاں کا شور اٹھا اور سب نے موت کے منہ میں جانے کی تیاری شروع کر دی۔ مجھے اسی اثناء میں نیند آگئی خواب میں مجھے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف ملا اور مجھے فرمایا کہ اے ابوموسیٰ! کشتی والوں سے کہنے کہ درود مذکورہ بالا کو ہزار بار پڑھیں نجات مل جائے گی۔ میں نے بیدار ہو کر کشتی والوں سے کہا تو سب نے پڑھنا شروع کر دیا۔ ابھی تین سو بار ہی پڑھا تھا کہ ہوا ٹھہر گئی اور کشتی بسلامت کنارے لگی۔

؎

علی المصطفیٰ صلوا فان صلاتہ

امان من الآفات والخطرات

تحیتہ اصل الميامين فاطلبوا

بھا جملۃ الخیرات والبرکاتہ

ترجمہ: حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو کیونکہ آپ کا درود آفات و خطرات کی امان ہے اور آپ کی صلوٰۃ جملہ برکتوں کی اصل ہے اسی کے وسیلہ سے جملہ خیرات و برکات طلب ہوں۔

(۱۱) الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ، الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ
الصلوٰۃ والسلام علیک یا خلیل اللہ، الصلوٰۃ والسلام علیک یا صفی اللہ
الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی اللہ، الصلوٰۃ والسلام علیک یا خیر خلق اللہ
الصلوٰۃ والسلام علیک یا من اختارہ اللہ، الصلوٰۃ والسلام علیک یا من زینہ اللہ
الصلوٰۃ والسلام علیک یا من ارسلہ اللہ، الصلوٰۃ والسلام علیک یا من شرفہ اللہ
الصلوٰۃ والسلام علیک یا من عظمہ اللہ، الصلوٰۃ والسلام علیک یا من کرمہ اللہ
الصلوٰۃ والسلام علیک یا سید المرسلین، الصلوٰۃ والسلام علیک یا امام المتقین
الصلوٰۃ والسلام علیک یا خاتم النبیین، الصلوٰۃ والسلام علیک یا شفیع المذنبین
الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول رب العالمین، الصلوٰۃ والسلام علیک یا سید الاولین
الصلوٰۃ والسلام علیک یا سید الآخرین، الصلوٰۃ والسلام علیک یا قائد المرسلین
الصلوٰۃ والسلام علیک یا شفیع الامۃ، الصلوٰۃ والسلام علیک یا عظیم الھمۃ
الصلوٰۃ والسلام علیک یا حامل لواء الحمد، الصلوٰۃ والسلام علیک یا صاحب المقام المحمود
الصلوٰۃ والسلام علیک یا ساقی الحوض المورود، الصلوٰۃ والسلام علیک یا اکثر الناس تبعا یوم القیامۃ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا سید ولد آدم،

الصلوٰۃ والسلام علیک یا اکرم الاولین والآخرین،

الصلوٰۃ والسلام علیک یا بشیر،

الصلوٰۃ والسلام علیک یا نذیر،

الصلوٰۃ والسلام علیک یا داعی اللہ باذنہ والسراج المنیر،

الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی التوبۃ،

الصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی الرحمۃ،

الصلوٰۃ والسلام علیک یا مقفی ،

الصلوٰۃ والسلام علیک یا عاقب ،

الصلوٰۃ والسلام علیک یا حاشر ،

الصلوٰۃ والسلام علیک یا مختار ،

الصلوٰۃ والسلام علیک یا ماحی ،

الصلوٰۃ والسلام علیک یا احمد ،

الصلوٰۃ والسلام علیک یا محمد صلوٰت اللہ و ملٰئکتہ و رسلہ و حملۃ عرشہ وجمیع خلقہ علیک و اٰلک و اصحابک و رحمۃ اللہ و برکاتہ ۔

ف : اسے صلواتِ فتح کہتے ہیں ، اس کے کل چالیس کلمات ہیں اور علما کے نزدیک بہت مشہور ہیں ۔ انھیں ہر مراد کے حصول کے لیے پڑھا جاتا ہے اور ان کلمات کی برکت سے ہر مراد حاصل بھی ہو جاتی ہے ۔ جو شخص صبح کی نماز کے بعد پڑھے گا اس کی مشکل حل ہو گی اور دشمن پر فتح پائے گا اور اگر قید میں ہو تو رہائی پائے گا ۔ اس کے خواص اور بہت ہیں ۔ حضرت عارف صمدانی امیر سید علی ہمدانی قدس سرہٗ نے صلوات کے بعض صیغوں کو اپنی کتاب " اورادِ فتحیہ " کے آخر میں لکھا ہے ۔

حضرت ہمدانی قدس سرہٗ نے درود شریف پڑھنے کے لیے **حضور اکرم علیہ السلام حاضر و ناظر** شرط لگائی ہے کہ حضور علیہ السلام کو حاضر جانے اور یوں سمجھے کہ میں انھیں بالمشافہ صلوٰۃ و سلام عرض کر رہا ہوں ۔

(۱۲) السلام علیک یا امام الحرمین ، السلام علیک یا امام الخافقین ، السلام علیک یا رسول الثقلین ، السلام علیک یا سید من فی الکونین و شفیع من فی الدارین ، السلام علیک یا صاحب القبلتین ، السلام علیک یا نور المشرقین و ضیاء المغربین ، السلام علیک یا جد السبطین الحسن و الحسین علیک و علیٰ عترتک و اسرتک و اولادک و احفادک و ازواجک و افواجک و خلفائک و نقبائک و نجبائک و اصحابک و احزابک و اتباعک و اشیاعک سلام اللہ و الملائکۃ و الناس اجمعین الیٰ یوم الدین والحمد للہ رب العالمین ۔

ف : اسے تسلیمات سبعہ کہتے ہیں ۔ جسے مشکل پڑی ہو اور کام نہ ہوتا ہو تو سات روز ہر نماز کے بعد درود شریف پڑھ کر ان تسلیمات سبعہ کو بار بار پڑھے (ان شاء اللہ) مشکل حل ہو گی اور مقصد

پورا ہو گا ۔

۱ یا نبی اللہ السلام علیک
انما الفوز والفلاح لدیک

۲ بسلام آمدم جوابم دہ
مرہمی بر دل خرابم نہ

۳ پس بود جاہ و احترام مرا
یک علیک از تو صد سلام مرا

۴ زاریٔ من شنو تکلم کن
گریۂ من نگر تبسم کن

۵ لب بجنبان پے شفاعت من
منگر در گناہ و طاقت من

ترجمہ :(۱) اے نبی اللہ! آپ پر سلام، بے شک فوز و فلاح آپ کے ہاں ہے۔
(۲) میں سلام عرض کروں آپ جواب دیں میرے خستہ دل پر مرہم لگائیے۔
(۳) مجھے یہ بہت بڑا اعزاز نصیب ہو گا کہ آپ میرے صد بار سلام کے جواب میں ایک بار کہہ دیں وعلیک السلام۔
(۴) میری زاری سن کر ایک بار تو بات کیجئے میرا رونا دیکھ کر ایک بار تو تبسم فرمائیے۔
(۵) میری شفاعت کے لیے لب اطہر کو حرکت دیجئے میرے گناہوں اور اطاعت کو نہ دیکھو۔ (اپنے کرم اور فضل کو دیکھو)

ف : جناب کاشفی نے اپنی تفسیر میں اور تحفۃ الصلوات میں لکھا کہ صلوٰۃ کی کیفیت میں احادیث مختلف طور پر وارد ہوئی ہیں۔

امام نووی نے فرمایا کہ افضل یہی ہے کہ احادیث کے طرق کو جمع کیا جائے کیونکہ اکثر روایات درود شریف کے بارے میں صحیح ہیں اس لیے چاہیے کہ تمام واردہ الفاظ لائے جائیں۔ مثلاً یوں کہا جائے :

اللھم صل علیٰ محمد عبدك ورسولك النبی الامی وعلیٰ آل محمد وازواجه وذریته کما صلیت علیٰ ابراهیم وعلیٰ آل ابراهیم وبارك علیٰ محمد النبی الامی وعلیٰ آل محمد وازواجه وذریته کما بارکت علیٰ ابراهیم وعلیٰ آل ابراهیم فی العالمین

انك حميدٌ مجید۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ یہ اذی یوذی اور اذی و اذیۃ و اذایۃ سے ہے ایذاء نہ کہا جائے۔ کما فی القاموس۔ لیکن اہلِ تصنیف و اہلِ علم و عوام میں ایذاء مشہور ہے کما فی التنبیہ لابن کمال۔ تاذی کا حقیقی معنی آزردہ ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے یہ معنی محال ہے۔ لیکن اب معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ لوگ ایسا کام کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف ہے۔ مثلاً ایمان نہ لانا، اس کے امور کے خلاف کرنا اور اپنی خواہشات کے مطابق عمل کرنا، اس کی طرف اولاد منصوب کرنا، اس کا شریک ٹھہرانا، اس کے اسماء و صفات میں الحاد کرنا، اس کی قدرت کی نفی کرنا۔ مثلاً کہنا کہ مارنے کے بعد نہیں اٹھائے گا اور الدہر کو گالی دینا، تصویریں اور فوٹو کھینچ کر اس کی تخلیق کے مشابہ ہونا وغیرہ وَرَسُوْلَہٗ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذائیں مشہور ہیں مثلاً انھیں شاعر، ساحر، کاہن، مجنون کہنا اور بی بی صفیہ حضرت ہارون کی اولاد ہونے کی وجہ سے ان کے ساتھ آپ کے نکاح کرنے پر انھیں مطعون کرنا، یہ قولی ایذائیں تھیں اور فعلی یہ کہ مثلاً آپ کے دانت مبارک شہید کرنا اور چہرہ مبارک لہولہان کرنا جیسا کہ غزوۂ اُحد میں ہوا، آپ پر مٹی پھینکنا اور مُہرِ نبوت پر گندگیاں ڈالنا۔

ایذائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واقعہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجدِ حرام میں نماز پڑھتے دیکھا، آپ سربسجود ہوئے تو کافروں نے آپ کے اوپر گندگی پھینک دی۔ یہاں تک کہ آپ بدستور سجدے میں رہے حتیٰ کہ بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف لائیں اور آکر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے گندگی ہٹاکر ایذا دینے والوں کو بُرا بھلا کہا۔ اس طرح کی فعلی ایذائیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی گئیں۔

ف : بعض علماء نے فرمایا کہ ایذاء اللہ و رسولہ سے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانا مراد ہے اور اللہ تعالیٰ کا نام محض تعظیم و تکریم اور تبرک کے لیے ہے۔ علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینا درحقیقت اللہ تعالیٰ کو ایذا دینا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر معاملے کو اپنا معاملہ بتایا۔ کما قال،

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔

اس معنے پر جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی۔

ف : امام سہیلی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمیں لائق نہیں کہ ہم کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

والدین نار میں ہیں، کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا،

لا تؤذوا الاحیاء بسبب الاموات۔

(مُردوں کی وجہ سے زندوں کو ایذا نہ دو)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ الآیۃ

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو جہنمی کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینا ہے اور اس طرح سے لعنت کا مستحق ہونا ہے۔

گستاخیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قانون

انبیاء علیہم السلام کے حق میں ایسی باتیں کرنا، لکھنا جو عیب ونقص پر دلالت کریں تو وُہ بھی ایذا میں شامل ہے۔

ادب کا سبق

حضرت ابو سہلہ بن جلاد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک مرد لوگوں کو نماز پڑھا رہا تھا۔ اس نے قبلہ کی طرف تھوکا، حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ رہے تھے، جب نماز سے فارغ ہُوئے تو فرمایا؛

آیندہ تمہیں یہ شخص نماز نہ پڑھائے۔

بعد کو وہی شخص نماز پڑھانے لگا تو لوگوں نے منع کیا اور کہا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یہ شخص تمہیں نماز نہ پڑھایا کرے۔

وہ شخص حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مقدمہ لے کر حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: ہاں میں نے ہی روکا تھا اس لیے کہ تُو نے قبلہ کی طرف تھوک کر اللہ جل جلالہٗ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دی۔ کما فی الترغیب للمنذری۔

مسئلہ: علمائے کرام نے اس حدیث سے استدلال کیا کہ جو امام مکروہات کا ارتکاب کرتا ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ متولی اور دوسرے بااثر لوگوں کو ضروری ہے کہ ایسے شخص کو نماز کی امامت سے ہٹا دیں جیسا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے محض قبلہ کی طرف تھوکنے سے امام کو امامت سے معزول فرما دیا۔

مسئلہ: وسواسی شخص کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے اس لیے کہ وُہ نماز کی ادائیگی میں ارکانِ صلوٰۃ میں شک کرتا رہے گا۔ کما فی فتح القریب۔

مسئلہ: اس امام کو ایسے لوگوں کی امامت کرنا مکروہ ہے جس کی امامت سے لوگوں کو نفرت اور کراہت ہو اس لیے کہ ان کی کراہت بوجہ اس کے مکروہ فعل کے ارتکاب کے ہو گی یا اس سے بہتر اور امام حاصل ہوگا۔ ہاں اگر ان کی کراہت محض اپنے ذاتی عناد سے ہو تو پھر امام کو امامت سے نہ ہٹنا چاہیے اس لیے کہ ان کی کراہت غیر مشروع ہے اسی لیے غیر معتبر ہے۔

عبرت برائے وہابی دیوبندی حضور سرورِ عالم نورِ مجسّم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اسم گرامی القاب وآداب اور درود وسلام کے بغیر لینا یا لکھنا بھی ایذاء میں شامل ہے۔

مثنوی شریف میں ہے۔ ؎

۱ آں دہاں کژ کرد واز تسخر بخواند
مر محمد را دہانش کژ بماند

۲ باز آمد کاے محمد عفو کن
اے ترا الطاف علم من لدن

۳ من ترا افسوس می کردم ز جہل
من بدم افسوس را منسوب واہل

۴ چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ پاکاں برد

۵ ور خدا خواہد کہ پوشد عیب کس
کم زند در عیب معیوباں نفس

ترجمہ: (۱) وہ منہ جو ٹیڑھا ہو کر مسخری کے طور حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بلایا تو اس کا چہرہ فوراً بگڑ گیا۔

(۲) پھر بارگاہِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں حاضر ہو کر معافی طلب کی اور عرض کی کہ آپ کو الطاف من لدن (منجانب اللہ) نصیب ہیں۔

(۳) میں نے آپ کے ساتھ از رو جہالت تمسخر کیا ہے، میں افسوس کی طرف منسوب ہوں اور اسی کا مستحق ہوں۔

(۴) جب اللہ تعالیٰ کسی کی پردہ دری کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی طبیعت کا میلان نیکوں پر طعن وتشنیع

کی طرف پھیرتا ہے۔

(۵) اگر کسی کی عیب پوشی کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ عیب والوں پر بھی عیب کے اظہار کا دم نہیں مارتا۔

لَعَنَهُمُ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے دُور کر دے گا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ دنیا و آخرت میں بایں طور کہ دارین میں انہیں ذرہ برابر بھی رحمتِ حق سے کچھ نصیب نہ ہوگا وَاَعَدَّ لَهُمْ علاوہ ازیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے تیار کر رکھا ہے عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ اہانت دینے والا عذاب جو انہیں آخرت میں پہنچے گا۔ یعنی ایک خاص قسم کا عذاب ہوگا جس سے ان کی بے عزتی اور رسوائی ہوگی۔ اس سے ان کی عزت ملیا میٹ ہوگی اور ان کی تمام اکڑ ختم ہو جائے گی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جیسا کہ اہلِ ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طاعت اور ان کی صلوٰۃ سے رحمتِ الٰہی کے مستحق ہیں۔ ایسے ہی کافر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور ان کی ایذا کی وجہ سے لعنتِ حق کے حقدار ہیں۔ دنیا میں ان کے لیے لعنت یہ ہے کہ وہ حضرتِ حق سے دُور اور ایمان سے محروم ہوئے۔ آخرت میں ان کے لیے لعنت یوں ہوگی کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور بہشت سے انہیں دُور رکھا جائے گا وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا کا حقیقی معنیٰ یہی ہے۔

مسئلہ: فتح الرحمٰن میں ہے کہ نبی علیہ السلام کی اذی بالقول والفعل بالاتفاق حرام ہے۔

مسئلہ: نبی علیہ السلام کو (العیاذ باللہ) گالی دینے کے متعلق ائمہ کا اختلاف ہے۔ سیدنا امام ابو حنیفہ و امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ارتداد کی طرح کفر ہے۔ یہ شخص توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دینا واجب ہے۔ امام مالک و امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے شخص کی توبہ قبول نہیں اسے قتل کرنا واجب ہے۔ قتل بوجہ حد کے ہوگا کفر کی وجہ سے نہیں۔

مسئلہ: کافر جس نے پہلے سے ہی حضور علیہ السلام کی تکذیب کی ہے اس کے باوجود وہ حضور علیہ السلام کو گالی دیتا ہے تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسے قتل نہ کیا جائے اس لیے کہ اس کفر کے لیے وہی سزا کافی ہے جو اسے مرنے کے بعد ملے گی البتہ تعزیز و تادیب شدید سے اسے ایسا سمجھایا جائے کہ اسے پھر ایسی جرأت نہ ہو۔ اور امام شافعی و امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا معاہدہ (امان) توڑ دیا جائے اس کے بعد حاکمِ وقت اسے اختیار دے چاہے قتل ہونا منظور کرے چاہے غلام بننا۔ حاکمِ وقت اسے معاف کر دے یا اس سے فدیہ لے تو بھی جائز ہے لیکن

اسے امان ہرگز نہ دے اس لیے کہ یہ ایسا بدکافر ہے کہ اس نے نبی علیہ السلام کو گالی دے کر اپنی امان کو مٹا ڈالا ہے اگرچہ ابتداءً اس سے اس قسم کا معاہدہ نہ بھی کیا ہو۔

مسئلہ: اگر وہ حضور علیہ السلام کے حق میں اپنے عقیدے کے مطابق کوئی بات کرتا ہے۔ مثلاً آپ کی تکذیب کرتا ہے یا کوئی اور کلمہ جو آپ کی تکذیب پر دلالت کرتا ہے تو اس کا معاہدۂ امان نہ ٹوٹے گا اگر ابتداءً معاہدہ کیا گیا اور اس نے اس کے خلاف کیا تو اس کی امان ٹوٹ جائے گی۔

مسئلہ: امام مالک و احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اگر ایسا کافر اسلام قبول نہ کرے تو اسے قتل کر دیا جائے۔

وہابیوں بالخصوص مودودی اور دیوبندیوں کو تازیانۂ عبرت

وہابی بالخصوص مودودی اور نجدی ابنِ تیمیہ کو اپنا امام برحق مانتے ہیں اور اس کے فیصلے کو حرفِ آخر سمجھتے ہیں، اس کا فیصلہ گستاخِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے سنیئے[1]

امام احمد کے بعض پیروکاروں میں سے شیخ تقی الدین بن تیمیہ نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والے (عیب و نقص بیان کرنے والے) کو مطلقاً قتل کر دینا ضروری ہے اور کہا کہ ھوالصحیح من المذھب۔ (مذہب حق میں یہی صحیح ہے)

مسئلہ: جملہ انبیاء و ملائکہ علیہم السلام کو گالی دینے کے احکام وہی ہیں جو ہمارے نبی علیہ السلام کے متعلق ہیں۔

مسئلہ: کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کو گالی دے (العیاذ باللہ) بشرطیکہ وہ مرتد نہ ہو گیا ہو، ایسے وہ کافر جو اپنے اعتقاد میں پہلے سے گالی دیتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کی اولاد ثابت کرتا ہے جیسے عزیر و عیسیٰ علیہما السلام کو خدا کا بیٹا کہنا وغیرہ اس کے علاوہ اور کوئی گالی بکے تو اس کے وہی احکام ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق گزرے ہیں[2]۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

[2] ایسا شخص مرتد ہو جاتا ہے اور مرتد کی سزا قتل ہے جیسا کہ سابقہ ادوار میں اسلامی حکومتوں میں ایسوں کے ہزاروں قتل مشہور ہیں۔

علامہ شاطبی جو آٹھویں صدی کے مشہور امام ہیں اپنی کتاب الاعتصام (باقی بر صفحہ آئندہ)۔

ہم اللہ تعالیٰ سے عصمت و ہدایت کا سوال کرتے ہیں، سہو و زلل و غوایۃ سے پناہ مانگتے ہیں۔ وہی حافظ و رقیب ہے۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ اور وہ لوگ جو مومن مرد اور عورت کو ایذا دیتے ہیں یعنی ان کے حق میں وہ باتیں کرتے یا ان کے ساتھ وہ کام کرتے ہیں جس سے انہیں رنج پہنچتا ہے بِغَیۡرِ مَا اکۡتَسَبُوۡا بغیر ضرورت کے کہ وہ دکھ اور رنج پہنچانے کے مستحق بھی نہ تھے۔

ف: اس آیت میں ایذاء کو مقید اور آیت بالا میں علی الاطلاق ایذاء میں اشارہ ہے کہ اللہ جل جلالہٗ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دینا ہر حال میں ناحق ہوگا اور دوسروں کے بارے میں کبھی ایذاء حق ہوتا ہے کبھی ناحق۔

مسئلہ: آیت عام ہے اس میں ہر مومن مرد اور عورت کو ناحق ایذاء دینا حرام ہے خواہ وہ مرد یا عورت کسی مرتبہ کے بھی ہوں۔ چنانچہ مضامین مندرجہ ذیل سے ظاہر ہے:

(۱) ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر سے نکلے تو ایک نوجوان عورت کو دیکھا کہ وہ بناؤ سنگار کر کے ایسے طریقے سے کھڑی ہے گویا وہ فسق و فجور کی طرف میلان رکھتی تھی۔ آپ نے اسے مارا، اس کے گھر والوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیں[۱]۔

(۲) منافقین (خوارج) حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کھلم کھلا گالی دیتے اور آپ کے حق میں ایسی بکواسات کرتے جسے عام آدمی کا برداشت کرنا مشکل تھا[۲]۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۱) میں ان مرتدین کی فہرست درج کی ہے جنہوں نے نبوت یا وحی و عصمت کا دعویٰ کیا ان میں ایک فازازی بھی تھا اس نے مرزا قادیانی کی طرح نبوت کا دعویٰ کیا تو علمائے وقت نے اس پر الحاد و زندقہ کا فتویٰ دیا۔ چنانچہ اس وقت کے امام حضرت ابو جعفر ابن زبیر رحمہ اللہ کے فتویٰ سے قتل کر دیا گیا۔ فقیر اویسی غفرلہٗ عرض گزار ہے کہ آج بھی اگر ایسے مرتدین کو برسر دار لٹکایا جائے تاکہ کسی کو گستاخی رسول و انبیاء و اولیاء پر جرأت نہ ہو۔

[۱] یہ تو معمولی معاملہ ہے، شیعہ تو ہزاروں بکواسات کرتے ہیں لیکن ان کے منہ میں لگام دینے والا کوئی نہیں۔

[۲] اب وہابیوں کا ایک گروہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ہے۔ اویسی غفرلہٗ

(۳) قصۂ افک میں گزرا کہ منافقین نے حضرت عائشہ و حضرت صفوان پر بہتان تراشا۔

(۴) زانی بدمعاش لوگ عورتوں کے درپے ہوتے جب وہ رات کے وقت پانی لینے یا قضاءِ حاجت کے لیے جاتیں۔ اکثر کنیزوں کے پیچھے رہتے۔ چونکہ آزاد عورتوں اور کنیزوں کا لباس ایک سا ہوتا اس لئے وہ کبھی آزاد عورتوں کے پیچھے بھی پڑ جاتے۔ علاوہ ازیں اور بھی واقعات ہیں جو بُرے لوگ ہمیشہ نیک لوگوں کے درپے آزار رہتے ہیں۔

فَقَدِ احْتَمَلُوْا احتمال اور اکتساب لفظاً و معناً ایک ہیں۔ کما فی بحر العلوم

بعض مفسرین نے فرمایا کہ اکتسبوا بمعنے تحملوا، جس کا فارسی میں معنی ہے برداشتن یعنی اٹھانا بُهْتَانًا بمعنے افتراءً وکذباً علیهم۔ یہ بهتهٔ فلان بهتانا سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کے حق میں ایسی بات کرے جو اس نے نہ کی ہو، یعنی بہت بڑا جھوٹ۔

وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا۝ بمعنے ذنباً ظاهراً۔ کاشفی نے لکھا کہ ایسے لوگ بہتان تراشی کی وجہ سے سزا اور گناہ ظاہری کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہیں۔

ف: آیت میں اہلِ ایمان کے ایذا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایذا کے ساتھ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایذا کو اللہ تعالیٰ کے ایذا کے ساتھ ملانے میں اشارہ ہے کہ جو اہلِ ایمان کو ایذا دیتا ہے وہ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتا ہے اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو ایذا دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو اللہ و رسول (جل جلالہٗ و صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایذا دے کر لعنت کا مستحق ہے۔ ایسے ہی اہلِ ایمان کو ایذا دینے والا دنیا و آخرت میں لعنت کا مستحق ہے۔

ف: کسی نے حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کو گالی دی تو انہوں نے یہی آیت پڑھ کر سنائی۔

حدیث معراج حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ میں شب معراج ایک قوم پر گزرا جو اپنی زبانوں کے ساتھ لٹکے ہوئے ہیں، میں نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا، یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے فرمایا، یہ وہ ہیں جو اہلِ ایمان مرد اور عورتوں پر ناحق بہتان تراشتے تھے۔

حدیث قدسی میں ہے، (اللہ تعالیٰ نے فرمایا)

من آذى لى وليا فقد بارزنى بالمحاربة۔

(جو میرے کسی ولی کو ایذا دیتا ہے جنگ کے طور میرا مقابلہ کرتا ہے)

یعنی جو میرے اولیاء کو دُکھ اور رنج پہنچاتا ہے وہ میرے ساتھ جنگ کر رہا ہے اور میرے ساتھ جنگ کرنے والے کا یہ حال ہوتا ہے کہ میں اس کے لیے غیبی لشکر بھیج کر اسے ذلیل وخوار کرتا ہوں اور دنیا بھر میں وُہ ذلیل وخوار مشہور ہو جاتا ہے۔

ولی اللہ کعبہ سے[1] افضل

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ایک روز کعبہ سے گزرے اسے مخاطب ہو کر فرمایا،

ما اعظمك و اعظم حرمتك و المؤمن اعظم حرمة عند الله منك۔

(اے کعبہ! بے شک تُو اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت عظمت والا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں مومن (کامل) تجھ سے زیادہ عظمت اور قدر ومنزلت رکھتا ہے)

ولی اللہ کی شان

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاں اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اگر مخلوق کو میرے اولیاء کاملین کی شان معلوم ہو جو میں نے انہیں مجلیٰ قدسیں اور دار کرامت میں بخشی ہے تو لوگ ان کے قدم چُومتے بلکہ ان کے قدموں کی خاک ہو جاتے اور آرزو کرتے کہ اولیاء کرام انھیں اپنے قدموں کی خاک بنائیں۔ مجھے اپنی عزت وجلال اور بزرگی کی قسم میں انھیں اپنا چہرہ دکھاؤں گا یعنی انہیں بلا حجاب زیارت کا شرف بخشوں گا اور ان کا دل خوش کروں گا۔ وہ جس کے لیے شفاعت چاہیں گے میں انہیں عام اجازت دوں گا اگرچہ وہ کتنا ہی گنہ گار کیوں نہ ہو۔ مجھے اپنی عزت کی قسم، اولیاء سے زیادہ مجھے اور کوئی عزیز نہیں، مجھے اپنے جلال کی قسم ان سے بزرگ تر میرے نزدیک اور کوئی نہیں۔ میں نے جہنم ان کے دشمنوں کے لیے بنائی ہے اور ان کے اعداء کو جہنم سے بھروں گا۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

۱ نکو کار مردم نباشد بدش
نورزد کسے بد کہ نیک آیدش

۲ نہ ہر آدمی زادہ از دد بہست
کہ دد ز آدمی زادۂ بد بہست

۳ بہست از دد انسان صاحب خرد
نہ انسان کہ در مردم افتد چو دد

---

[1] اس موضوع پر فقیر اویسی غفرلہ نے رسالہ "القول الجلی فی ان الکعبۃ تذہب الی زیارۃ الولی" لکھا ہے جو بار ہا مطبوع ہوا۔ اویسی غفرلہٗ

(۱) اچھے لوگوں سے برائی سرزد نہیں ہوتی کوئی برائی کا مرتکب ہو تو اسے نیکی کا پھل نہ ملے گا۔
(۲) ہر آدم زادہ درندوں سے بہتر نہیں۔ بدآدمی سے درندہ بہتر ہے۔
(۳) وہ آدمی درندہ سے بہتر ہے جو عقلمند ہے نہ وہ آدمی جو درندوں کی طرح عوام کو دُکھ درد پہنچاتا ہے۔
یعنی اللہ تعالیٰ کے ولی کے دشمن کے ساتھ دشمنی کرے گا یعنی مثلاً شیر کی طرح اس پر حملہ کرے گا (اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ولی اللہ کا دشمن خود بخود تباہ و برباد ہوگا)

صوفیانہ سبق حضرت فضیل رحمہ اللہ نے فرمایا، سالک پر لازم ہے کہ وہ کتے اور خنزیر کو بھی بلا وجہ ایذا نہ دے چہ جائیکہ وہ مسلمان کو ایذا دے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده۔
(مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان باسلامت رہیں)
یعنی مسلمان وہ ہے جو مسلمانوں کے خون ناحق اور اموال واعراض کے درپے آزار نہ ہو۔

نکتہ زبان کو ہاتھ سے اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ زبان سے کسی کو بہت زیادہ رنج پہنچایا جاتا ہے اور دیگر اعضاء کی بجائے صرف ہاتھ کا ذکر بھی اسی لیے ہے کہ زیادہ تر امور اسی سے صادر ہوتے ہیں۔

سبق جب کسی کو کسی سے رنج اور دکھ پہنچے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس پر صبر کرے اس لیے کہ اسی میں بہت بڑا اجر و ثواب ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایذا دینے والا اسے اجر و ثواب کا مستحق بنا رہا ہے اس کا اسے ممنون ہونا چاہیے۔

حدیث شریف اسی لیے حدیث شریف میں ہے:
واحسن الی من اساء الیك۔
(جو تجھے دکھ پہنچائے تم اس کے ساتھ احسان کرو)
وہ اس لیے کہ دُکھ پہنچانے والا اگرچہ شرعاً گنہگار ہے لیکن حقیقت میں وہ محسن ہے ؎

بدی را بدی سهل باشد جزا
اگر مردے احسن الی من اساء

ترجمہ: برائی کا بُرا بدلہ دینا آسان ہے۔ اگر تم جوانمرد ہو تو بُرے پر احسان کرو۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ
مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○
لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِى
الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَاۤ اِلَّا قَلِيْلًا ○ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ
اَيْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ○ سُنَّةَ اللّٰهِ فِى الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ
وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ○ يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا
عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ○ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ
وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ○ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ○
يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِى النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَاۤ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ○
وَقَالُوْا رَبَّنَاۤ اِنَّاۤ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ○ رَبَّنَاۤ
اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ○

ترجمہ: اے نبی اپنی بیبیوں اور صاحبزادیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرما دو کہ اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے منہ پر ڈالے رہیں یہ اِس سے نزدیک تر ہے کہ ان کی پہچان ہو تو ستائی نہ جائیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے اگر باز نہ آئے منافق اور جن کے دلوں میں روگ ہے اور مدینہ میں جھوٹ اڑانے والے تو ضرور ہم تمہیں ان پر شہ دیں گے پھر وہ مدینہ میں تمہارے پاس نہ رہیں گے مگر تھوڑے دن پھٹکارے ہوئے جہاں کہیں ملیں پکڑے جائیں اور گن گن کر قتل کیے جائیں اللہ کا دستور چلا آتا ہے ان لوگوں میں جو پہلے گزر گئے اور تم اللہ کا دستور ہرگز بدلتا نہ پاؤ گے لوگ تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے اور تم کیا جانو شاید قیامت پاس ہی ہو بیشک اللہ نے کافروں پر لعنت فرمائی اور ان کے لیے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے اس میں ہمیشہ رہیں گے اس میں نہ کوئی حمایتی پائیں گے نہ مددگار جس دن ان کے منہ الٹ الٹ کر آگ میں تلے جائیں گے کہتے ہوں گے ہائے کسی طرح ہم نے اللہ کا حکم مانا ہوتا اور رسول کا حکم مانا ہوتا اور کہیں گے اے ہمارے رب ہم اپنے سرداروں اور بڑوں کے کہنے پر چلے تو انہوں نے ہمیں راہ سے بہکا دیا اے ہمارے رب انہیں آگ کا دونا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت کر۔

تفسیر عالمانہ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ اے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی ازواجِ مطہرات کو فرما دیجئے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات نو تھیں ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

(۱) عائشہ	(۲) حفصہ
(۳) ام حبیبہ	(۴) ام سلمہ
(۵) سودہ	(۶) زینب
(۷) میمونہ	(۸) صفیہ
(۹) جویریہ رضی اللہ عنہن	

ان تمام بیبیوں کے متعلق تفصیل نسب اور اوصاف و احوال گزر چکی ہے۔

وَبَنَاتِكَ اور اپنی صاحبزادیوں کو۔ یہ کل آٹھ تھیں، چار صلبی جو بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

۱۔ زینب
۲۔ رقیہ
۳۔ ام کلثوم
۴۔ فاطمہ رضی اللہ عنہن

سوائے بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے باقی تمام حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری زندگی میں فوت ہوئیں۔ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد چھ ماہ زندہ رہ کر وفات پا گئیں۔

اور چار ربیبہ تھیں جن کے اسماء یہ ہیں:

۱۔ ام سلمہ اسے برہ بھی کہا جاتا۔
۲۔ سلمہ
۳۔ عمرہ
۴۔ درہ رضی اللہ عنہن

وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ اور اہل ایمان کی وہ عورتیں جو مدینہ طیبہ میں ہیں يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ یہ قُل کا مقولہ ہے۔

حلِ لغات الادنا، بمعنے نزدیک کرنا الس نو سے ہے بمعنے القرب (قریب ہونا) الجباب بڑی چادر سے چھوٹا اور دوپٹہ سے بڑا اور اوسع ہوتا ہے جسے عورتیں سر پر اوڑھ کر بقایا کپڑا اپنے جسم سے لپیٹ کر پاؤں تک چھوڑتی ہیں یعنی پردہ کی چادر۔ اور من تبعیضیہ ہے اس لیے کہ عورتیں پردہ کی اس چادر کے بعض حصہ کو جسم پر لپیٹتی اور بعض کو پاؤں تک چھوڑتی ہیں۔ التلفع بمعنے کپڑا سر سے پاؤں تک لپیٹنا۔

اب معنٰی یہ ہُوا کہ آپ انھیں فرما دیں کہ ضرورت کے لیے گھر سے باہر جائیں تو چہرے اور بدن پر بڑی چادر اوڑھ لیا کریں، کنیزوں کی طرح چہرے اور بدن کو کھلا کر کے نہ نکلیں تاکہ بُرے لوگ انھیں کنیزیں سمجھ کر ان کے درپے نہ ہوں۔

ف : سدی نے کہا کہ انہیں حکم دیں کہ وہ ایک آنکھ اور چہرے کو دونوں حصے چھپا کر اور ایک آنکھ کھلی کر کے نکلیں۔

ذٰلِكَ وہ جو اوڑھنی اوڑھنے کا حکم مذکور ہوا ہے وہ **اَدْنٰٓى** زیادہ قریب ہے **اَنْ يُّعْرَفْنَ** یہ کہ پہچانی جائیں اور امتیاز کیا جا سکے کہ یہ لونڈیاں اور کنیزیں یا آزاد عورتیں ہیں تاکہ زانی اور بُرے لوگ ان کے درپے آزار نہ ہوں جیسے کنیزوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں **فَلَا يُؤْذَيْنَ** تو وہ ایذا نہ دی جائیں گی یعنی فاجر و فاسق ان کے درپے آزار نہ ہوں گے۔

حضرت عمر کا دُرہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک کنیز چہرہ ڈھانپ کر گزری آپ نے اس کو دُرہ دکھا کر دھمکایا اور فرمایا، چہرہ کھول کر چل تاکہ معلوم ہو سکے کہ تو آزاد عورت نہیں بلکہ کنیز ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا اور اللہ تعالیٰ غفور ہے اس کے لیے جو اُن سے کوتاہیاں ہوئیں اور پردہ کا ترک کیا۔ **رَّحِيْمًا ○** بندوں کے لیے رحیم ہے کہ ان کے ہر چھوٹے بڑے معاملے میں مصالحت کی رعایت فرماتا ہے۔

ف : آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے :

(۱) عورتوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو محفوظ رکھیں، پاکدامن رہیں۔ بُرائی سے بچنے کی ہر ممکن تدبیر کریں۔

(۲) ان کے لیے جائز ہے کہ گھر میں سنگھار کریں۔ اور اپنی عزت اور قدر و منزلت پہچانیں۔

(۳) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی بہت قدر ہے۔

(۳) فلا یؤذین میں اشارہ ہے کہ ان سے اطماع فاسدہ اور اقوال کاذبہ منسوب نہ ہوں۔

وکان اللہ غفوراً میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان عورتوں کے لیے غفور ہے جو ان کے اوامر کی فرماں برداری کرتی ہیں رحیما اور ان کے لیے رحیم ہے کہ انہیں اعلیٰ درجات سے نوازنے کا ارادہ فرماتا ہے۔ کذا فی التاویلات النجمیہ۔

نیز آیت سے دو فائدے دیگر حاصل ہوئے :

(۱) دورِ نبوت کی عورتوں کی عادت تھی کہ قضائے حاجت کے لیے رات کے وقت گھر سے باہر نکلتیں اور پاکدامنی کو ملحوظِ خاطر ان کا شیوہ تھا اگر وہ دن کو بھی باہر نکلتی ہیں تو چادر اوڑھنے میں بہت زیادہ کوشش کرتی اور ادب و وقار کی جد و جہد کرتی اور مردوں سے آنکھ بچا کر جاتی ہیں خواہ وہ مرد نیک ہوں یا بُرے۔ اور نہایت پُرانے اور میلے کچیلے کپڑے پہنتی ہیں۔

مسئلہ : جو عورت اپنے گھر سے باہر نکلتی ہے خوشبو لگا کر اور زیب و زینت ظاہر کر کے، اور مردوں کو اپنا سنگار دکھاتی ہے۔ ایسی عورت پر زانیوں جیسا گناہ ہے۔

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا : ؎

۱ چو زن راہ بازار گیرد بزن
وگرنہ تو در خانہ بنشین چو زن

۲ ز بیگانگاں چشم زن کور باد
چو بیروں شد از خانہ در گور باد

ترجمہ : (۱) جب عورت بازار جانے لگے اسے مار۔ ورنہ تو عورت بن کر گھر بیٹھ۔
(۲) بیگانوں کے دیکھنے سے عورت کی آنکھ خدا کرے اندھی ہو، گھر سے باہر نکلے تو خدا کرے سیدھی قبر میں جائے۔

نیک عورت کی علامت اہلِ حقیقت کے نزدیک نیک عورت کی علامت یہ ہے کہ وہ خوفِ الٰہی کو اپنا حسن، قناعت کو غنا اور عفت کو زیور سمجھے یعنی برائیوں اور مفاسد اور تہمت کے مواقع سے بچنے کو اپنا سنگار سمجھے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ عورت کبوتری کی مانند ہے کہ جب اس کے پَر پیدا ہوتے ہیں تو اڑتی ہے۔ مرد جب عورت کو بہترین کپڑے پہنائے گا تو وہ گھر میں نہیں بیٹھے گی بلکہ باہر نکل کر اپنا بناؤ سنگار لوگوں کو دکھانے کی کوشش کرے گی ؎

۱. چو بینی کہ زن پاے بر جاے نیست
ثبات از خرد مندی و راے نیست

۲ گریز از کفش در دہان نہنگ
کہ مردن بہ از زندگانی بہ ننگ

ترجمہ:(۱) جب دیکھو کہ عورت گھر پر نہیں رہتی، اسے دانائی اور اچھی رائے نہیں کہا جا سکتا۔

(۲) ایسی عورت سے بھاگ کر مگرمچھ کے منہ میں جانا بہتر ہے اس لیے کہ ننگ وعار کی زندگی سے موت بھلی۔

حضرت جامی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ؎

چو مرد از زن بخوش خوئی کشید بار
ز خوش خوے ببد بوے کشد کار

مکن بر کار زن چندان صبوری
کہ افتد رخنہ در دیوار غیوری

ترجمہ: جب مرد عورت سے خوش اسلوبی کا بار کھینچتا ہے۔ عورت کے بُرے کاموں پر صبر نہ کر۔ غیرت کی دیوار میں رخنہ پیدا ہوگا۔

ف: بعض مشایخ نے فرمایا کہ کافرہ عورتوں میں خیر و بھلائی ہرگز نہیں رہتی اس لیے کہ انہیں بر سر بازار ذلیل وخوار کیا جاتا ہے اور فاسقوں اور فاجروں کے فسق و فجور کا نشانہ بنی رہتی ہیں گویا وہ عام بازاری عورتیں ہیں ان کی طرف سنجیدہ طبقہ آنکھ اٹھا کر دیکھنے کا روادار نہیں اور ان عورتوں کی نگاہ بھی غیروں کی طرف لگی رہتی ہے بلکہ وہ ہر چیچھے کی دیگ ہوتی ہیں۔

رابعہ بصریہ کی کہانی رابعہ بصریہ عدویہ رحمہا اللہ کی شان کو کون پہنچ سکتا ہے۔ منقول ہے کہ بی بی مرحومہ سخت بیمار ہو گئیں ان سے مرض کا اصلی سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ میں نے بہشت کو جھانک کر دیکھا تو میرا رب کریم ناراض ہو گیا کہ میں نے غیر اللہ کی طرف کیوں دیکھا! اللہ تعالیٰ کی جھڑکی سے مجھے تپ نے گھیر لیا۔

سبق: جب بہشت کی طرف جھانکنے کی یہ سزا ہے حالانکہ بہشت اللہ تعالیٰ کے انعام واکرام کا مرکز ہے بلکہ اس کی تجلیات خاصہ بہشت میں نصیب ہوں گی۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ ہمارا کیا حال

ہوگا۔ جب ہم ہر وقت دنیا اور اس کے نقش و نگار اور اس کی خواہشات میں مستغرق رہتے ہیں۔

(۲) دنیا فسق و فجور سے خالی نہیں یہاں تک خیر القرون قرن اول میں بھی اس کے فسق و فجور سے بعض حضرات سے محفوظ نہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جو اس دنیا سے آنکھیں بند کر کے نکل گیا اور اجنبی عورتوں کے دیکھنے سے آنکھ بچالینا مرد مجاہد کا کام ہے۔

(ہمارے شیخ المشائخ حضرت محکم الدین سیرانی قدس سرہٗ نے زندگی بھر شادی نہ کی بلکہ اتقا کا یہ عالم تھا کہ اجنبی عورت کے پاؤں کا نقش جس راستہ پر نظر آتا آپ اسے چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار فرمالیتے) اس لیے کہ اجنبی عورت کی دید دل میں شہوت کا بیج بوتی ہے، سب سے بڑا فتنہ عورت ہے (بحیثیت شہوت اور خواہش نفسانی کے)

حکایت حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے خواب میں ایک عورت کو دیکھا تو فوراً خیال آیا کہ اجنبی عورت کو دیکھنا گناہ ہے اس پر میں نے آنکھ بند کرلی (یہ ان کے تقویٰ کی دلیل ہے)

اجنبی عورت کے متعلق ہدایات (۱) اجنبی عورت بالخصوص جس نے خوشبو وغیرہ لگائی ہو نہ تو اس کے قریب آنا جانا چاہیے نہ اس کے ساتھ بیٹھنا چاہیے۔

(۲) اسے ہاتھ نہ لگائے۔

(۳) اس سے ہاتھ نہ ملائے۔

(۴) اس سے گفتگو نہ کرے۔

(۵) اس سے ہنسی مذاق نہ کرے۔

(۶) اس سے میٹھی میٹھی باتیں نہ کرے۔

(۷) اس کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھے، اس لیے کہ شیطان تنہائی میں شہوت پر ابھارتا ہے اور بسا اوقات برائی کرا دیتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جس نے کسی اجنبی عورت سے بلا وجہ اور ناجائز گفتگو کی تو قیامت میں ہر کلمہ کے بدلے میں اسے ایک ہزار سال جہنم میں مقید رکھا جائے گا۔ اگر

لہ لطائف سیر یہ و ضیائے نورانی۔ حضرت سیرانی رحمہ اللہ کے حالات کی تفصیل فقیر کی کتاب "ذکر سیرانی" میں ہے۔ اضافہ اویسی

بیگانی عورت کو گلے لگائے گا تو اسے شیطان کے ساتھ زنجیروں میں جکڑ کر جہنم میں دھکیلا جائے گا۔
(العیاذ باللہ من دار البوار)

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ لام قسمیہ ہے الانتہاء بمعنے رُک جانا۔ یعنی بخدا اگر منافقین اپنی منافقت وغیرہ اور ان احکام سے باز نہیں آتے جو نبی علیہ السلام اور اہل ایمان کو ایذاء دینے کے موجب ہیں وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے یعنی ان کا ایمان کمزور ہے اور اس پر ثابت قدم نہیں یا فسق و فجور سے ان کا ایمان متزلزل ہے یا ایسے امور میں پھنسے ہوئے ہیں جن میں ذرہ برابر خیر و بھلائی نہیں یا وہ زنا اور فواحش کا ارتکاب کر رہے ہیں۔
وَالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ۔

حلِ لغات

الرجف بمعنے الاضطراب الشدید۔ مثلاً کہا جاتا ہے:
رجفت الارض والبحر۔
(زمین کا اور دریا تھرتھرایا)
بحر رجاف (تھرتھرانے والا دریا)۔ الرجفۃ بمعنے الزلزلۃ۔ الارجاف بمعنے ایقاع الرجفۃ والاضطراب یعنی زلزلہ و اضطراب واقع کرنا۔ ارجاف قولاً بھی ہوتا ہے اور فعلاً بھی۔ جھوٹی خبر دینا ارجاف سے موصوف ہوتی ہے اس لیے کہ ایسی خبر متزلزل اور غیر ثابت ہوتی ہے۔ التاج میں ہے کہ الارجاف بمعنے جھوٹی خبر دینا۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اگر مذکورہ فریقین جھوٹی خبر اڑانے سے باز نہیں آتے۔ یعنی یہ جو مسلمانوں کے جنگی حالات غلط طریق سے عوام میں پھیلاتے ہیں کہ مسلمان شکست کھا گئے یا مارے گئے یا گرفتار ہو گئے یا ان کی ہزیمت ہوئی یا اہلِ اسلام کو کہیں تمہارے ہاں دشمن آ رہے ہیں۔ اس طرح ایسی جھوٹی خبریں جن سے مسلمانوں کے دل دکھیں یا ان کے دل ٹوٹ جائیں یا ان پر غیروں کا رعب چھا جائے۔
لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ قسم محذوف کا جواب ہے۔

حلِ لغات

الاغراء بمعنے کسی کو کسی شے پر برانگیختہ کرنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے:
غرا بہ بمعنے لہج و لصق۔
یہ الغراء سے ہے۔ ہر وہ شے جو کسی دوسری شے سے چمٹ جائے۔ ایسے ہی فلانا بکذا اغراء بمعنے الھجۃ بہ۔ اور بہم کی ضمیر منافقین و مرجفین کی طرف راجع ہے۔
یعنی بالضرور ہم ان کے ساتھ جنگ کرنے اور ان کے عزیب الوطن بنانے کا حکم دیں گے یا ایسا

حکم صادر فرمائیں گے جو انہیں جلاوطنی پر مجبور کردے گا یا آپ کو ان کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے برانگیختہ فرمائیں گے۔ خلاصہ یہ کہ ان کی غلطی پر ہم آپ کو ان کے ساتھ لڑائی کے لیے برانگیختہ کریں گے اور آپ کو ان پر مسلط کردیں گے اور حکم فرمائیں گے کہ ان کو قتل کردو۔ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوْنَكَ فِیْهَآ اس کا عطف جواب قسم پر ہے اور ثُمَّ دلالت کرتا ہے کہ جلاوطنی اور ان کا جوارِ رسول سے دُور ہونا بہ نسبت دیگر مصائب کے عظیم مصیبت ہے یعنی پھر وہ آپ کے ساتھ نہیں ٹھہر سکیں گے یعنی آپ کی مدینہ طیبہ کی ہمسائیگی سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جائیں گے۔

حل لغات: الجار بمعنے ہمسایہ، اور المجاورۃ بمعنے کسی کے ساتھ ہمسائیگی کرنا۔

اِلَّا قَلِیْلًا مگر تھوڑی دیر یا ہمسائیگی کا تھوڑا سا حصہ، یہاں تک کہ وہ یہاں سے کوچ کریں۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ اس سے وہ وقت مراد ہے جو وہاں سامان اور اہل و عیال کو لے جائیں۔

مَلْعُوْنِیْنَ درانحالیکہ وہ مدینہ طیبہ سے یا رحمتِ الٰہی سے دُور ہو جائیں گے۔ اس کا منصوب ہونا شتم و ذم کی وجہ سے ہے۔ اس سے پہلے اشتم یا ذم محذوف ہے یا یہ حال ہے اس تقریر پر حرف استثنا ظرف اور حال پر بہ یک وقت داخل ہوگا۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ آپ کی ہمسائیگی میں جتنی دیر ٹھہریں گے لعنتی ہو کر رہیں گے اَیْنَمَا ثُقِفُوْٓا جہاں پائیں جائیں۔

حل لغات: امام الراغب نے لکھا کہ الثقف بمعنے کسی شے کے حاصل کرنے میں مکمل مہارت پانا۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

ثقفت کذا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی شے کو آنکھ سے دیکھ لے۔ یہ آنکھ کی مہارت پر دلالت ہوگی۔ پھر مجازاً ادراک پر استعمال ہونے لگا اگرچہ وہاں مہارت وحذاقت نہ بھی ہو۔

اُخِذُوْٓا پکڑے جائیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ انہیں پکڑ لینا ضروری ہے وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا ۝ اور انھیں خوار و ذلیل کرکے قتل کردیا جائے۔ یعنی ان کا حکم یہ ہے کہ گرفتار کرکے انھیں قتل کردیا جائے بشرطیکہ وہ اپنی غلط کاریوں سے باز آجائیں۔ کذا فی تفسیر ابو اللیث۔

ف: حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نہ منافقین وغیرہ نے شرط پوری کی نہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم مذکور کا امر فرمایا۔ اور وعید میں عفو جائز ہے وہ خلف وعید میں داخل نہ ہوگا۔ کذا فی کشف الاسرار۔

سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ یہ مصدر مؤکد ہے۔ دراصل عبارت

یوں تھی :

سنۃ اللہ ذٰلک فی الامم الماضیہ الخ

یعنی اللہ تعالیٰ نے امم سابقہ میں یہ جاری رکھا ہے اور اپنی حکمت سے اسے مقرر فرمایا وہ حکمت یہ تھی کہ منافقین کا طریقہ تھا کہ وہ انبیاء علیہم السلام کو شہید کر ڈالتے اور ان کے امور شرعیہ کی توہین کے درپے رہتے تھے اور ان کا ہمیشہ دستور رہا کہ ان کے متعلق بری خبریں پھیلاتے اور عوام کو ان سے بدظن کرتے وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا اور اللہ تعالیٰ کے طریقہ معینہ میں ہرگز تبدیلی نہ پاؤ گے یعنی اسے کوئی تبدیل نہیں کر سکتا اس لیے کہ اس کی بنیاد حکمت ایزدی پر ہے اور اسی حکمت پر دور تشریع گھومتا ہے یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اسے تبدیل کرنے کی کسی کو قدرت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مقدر فرمایا ہے وہ لازماً ہو کر رہے گا۔

مسئلہ : آیت میں منافقوں کو صراحۃً تہدید ہے ایسے ہی ان جاہل اور نااہل صوفیوں کو دعویٰ تو حق کے طالب ہونے کا کرتے ہیں لیکن ان کے کردار منافقوں سے بھی بدتر ہیں۔ لباس تو ان کے عارفین کے ہیں اور وہ اپنے آپ کو اہل باطن گردانتے ہیں لیکن ان کی سیرت بتاتی ہے کہ یہ دین کے ڈاکو اور اسلام کے چور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر انہوں نے اپنے طور طریقے کو نہ بدلا تو ان کا حشر وہی ہوگا جو ان سے پہلے دین کے ڈاکوؤں اور چوروں کا ہوا۔ اور ہر گروہ کو اسی قسم کی سزا ملتی ہے جس طرح اس کے کردار ہوتے ہیں۔

عالم کی سزا حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا : عالم دین کی سزا کیا ہے اگر اس سے غلطی سرزد ہو جائے ؟ آپ نے فرمایا : اس کی سزا یہ ہے کہ اس کا دل مردہ بنا دیا جاتا ہے۔ میں نے عرض کی : دل کس طرح مردہ ہوتا ہے؟ فرمایا : دنیا کی محبت سے!

سبق : انسان پر لازم ہے کہ دل کو زندہ رکھے اور باطل کو صاف کرے۔

حکایت منقول ہے کہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ ہمیشہ عالمانہ لباس پہنتے تھے۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ درویشانہ لباس کیوں نہیں پہنتے؟ آپ نے فرمایا : اگر قیامت میں مجھ سے سوال ہو کہ آپ نے لباس درویشانہ پہنا تھا لیکن آپ کی سیرت درویشانہ نہیں تھی، پھر میں کیا جواب دوں گا! اسی لیے یاد رہنا ضروری ہے کہ لباس درویشانہ ضروری نہیں بلکہ باطنی صفائی ضروری ہے ۔

۱ اے درونت برہنہ از تقوٰی
وز برون جامۂ ریا داری

۲ پردۂ ہفت رنگ در مگذار
تو کہ در خانہ بوریا داری

ترجمہ: (۱) اے فلاں! تیرا باطن تو تقوٰی سے خالی ہے لیکن ظاہر میں ریا کا لباس پہن رکھا ہے۔

(۲) ہفت رنگ لباس ترک کر دے جبکہ گھر میں ٹاٹ سے گزارہ کرتا ہے۔

حکایت منقول ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ شام کے وقت حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کی عبادت گاہ سے گزرے اور وہ نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ نے الحمد شریف پڑھی لیکن اسے الہمد پڑھا تو حضرت حسن قدس سرہٗ نے فرمایا: میں ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا جبکہ وہ قرأت صحیح نہیں پڑھتے۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے علٰحدہ نماز پڑھی، رات کو سو گئے تو اللہ تعالٰی کی زیارت ہوئی۔ عرض کی: یا اللہ! تیری رضا کس معاملہ میں ہے؟ اللہ نے فرمایا: میری رضا کو تُو خوب جانتا ہے اگر تم حبیب عجمی کے پیچھے نماز پڑھ لیتے تو تیری تمام نمازیں اس کے صدقے قبول ہو جاتیں اس لیے کہ تیری عبادت میں سقم تھا اور حبیب عجمی کی عبادت مکمل تھی کیونکہ میں خلوص قلبی کو دیکھتا ہُوں، زبان اور قلب میں بہت زیادہ فرق ہے۔

سبق عقلمند پر لازم ہے کہ شقاوت اور منافقت کی طرف مائل نہ ہو بلکہ اخلاص اور امورِ حق میں توافق کی جد و جہد کرے۔

ف: ان دونوں آیتوں سے ثابت ہُوا کہ ہر ملت کے لیے زندیق قتل قلبی کا موجب ہیں۔ کما فی کشف الاسرار۔

زندیق وہ بے دین جو ظاہر میں دین کا مدعی ہو لیکن باطن میں کفر کو چھپائے رکھے۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ زندیق کو قتل کرنا ضروری ہے اگرچہ وُہ کہے کہ میں اپنی غلطی سے توبہ کرتا ہُوں۔

مسئلہ: بعض علمأ نے فرمایا کہ زندیق وُہ ہے جو دہر کو قدیم مانے۔ یعنی وہ اللہ تعالٰی کی ذات کا قائل نہ ہو اور نہ ہی مرنے کے بعد قیامت میں جی اُٹھنے کا اقرار کرے بلکہ کسی شے کی حرمت مانتا ہی نہیں اور کہے ہر شے مشترک کھاتہ ہے یعنی حلال بھی حلال اور حرام بھی حلال ہے۔

مسئلہ: ایسے بے دین کی توبہ کے متعلق دو روایتیں ہیں صحیح قول یہ ہے کہ ایسے بدبخت کو خدا تعالیٰ تباہ و برباد کرے۔ ایسے ہی اس کے عقیدت مندوں کو۔ اور اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر ایک پر الگ الگ لعنت بھیجے۔ اللہ تعالیٰ زمین کو ان کے ظہور و شرور سے محفوظ رکھے۔

یَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ آپ سے لوگ قیام قیامت کے وقت سوال کرتے ہیں

حل لغات: الساعة زمان کے ایک جزء کو کہا جاتا ہے۔ اس سے عرفاً قیامت مراد ہوتی ہے اسے ساعۃ سے اس لیے تشبیہ دی جاتی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لے گا۔

چنانچہ فرمایا:

وھو اسرع الحاسبین۔

شانِ نزول مشرکین حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے بارے میں یوں سوال کرتے تھے کہ اگر اس کا وقوع یقیناً ہے تو جلد تر ہو۔ اس سے ان کا مقصد صرف استہزاء و تعنت (تکبر) اور انکار تھا۔ اور یہودیوں کا سوال بھی قیامت کے بارے میں ہوتا اور وہ اس قسم کا سوال آزمائش کے طور پر کرتے اس لیے کہ انہیں معلوم تھا کہ قیامت مخفی علوم میں سے ہے اسے اللہ تعالیٰ ظاہر نہیں فرمائے گا۔ یہی تورات میں تھا اور یہی دیگر کتب سماویہ میں تھا (اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا ایسے سوال کا جواب دینا یہودیوں کے عقیدہ کو اپنے متعلق واضح کرنے کے لیے تھا اس سے تو الٹا آپ کے علمِ غیب کا ثبوت ملا باوجودیکہ تورات و دیگر کتب سماویہ نہیں پڑھیں لیکن جواب عین حقیقت ہے)[1]

قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ فرمائیے اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے نہ کوئی ملک مقرب اس پر مطلع ہوا اور نہ کوئی نبی مرسل۔

اعجوبہ خلفائے بنو عباس میں کسی نے خواب میں ملک الموت علیہ السلام کو دیکھ کر ان سے پوچھا، میری عمر کے باقی کتنے ماہ ہیں؟ ملک الموت نے پانچ انگلیوں کا اشارہ فرمایا۔ تعبیر کے بارے میں بڑے بڑے علماء و فقہاء حیران تھے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ ان پانچ علوم سے ہے جس کا علم کسی کو نہیں اور وہ پانچ علوم آیت ان اللہ عندہ علم الساعۃ میں ہیں۔ خلیفہ نے حق جواب پا کر حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو ایک

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

پوشاک انعام کے طور پر پیش کی لیکن امام اعظم رضی اللہ عنہ نے قبول نہ فرمائی۔

وَمَا يُدْرِيكَ اور تمہیں کیا معلوم۔ اس کا لغوی معنیٰ یہ ہے کہ کیا شے ہے جو تمہیں جاننے والا بنادے تاکہ تمہیں قیامت کے وقوع کا علم ہو جائے۔ یعنی کوئی ایسی شے دنیا میں ہم نے بنائی ہی نہیں کہ جس کے ذریعے سے وقوعِ قیامت کا علم ہو جائے جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے بتائے۔

فیصلہ کن عبارت (اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ وقوعِ قیامت کا تعین حضور علیہ السلام کو ہے۔ اور یہ بھی ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے ہوا۔ حضور علیہ السلام نے از خود کسی دنیوی ذریعہ اور خارجی آلہ سے اسے معلوم نہیں کیا اور نہ ہی کسی کو اللہ تعالیٰ کے بتلائے بغیر اس کا علم ہو سکتا ہے اور وہابی دیوبندی نجدی مودودی وغیرہم کا عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام کو اس کا کوئی علم نہیں بلکہ ایسا عقیدہ رکھنا شرک ہے ہم انہیں اسلاف کی تصریحات پیش کرتے ہیں منجملہ ان کے ایک روح البیان کی مندرجہ ذیل عبارت ہے، ملاحظہ ہو:)[1]

وليس من شرط النبي ان يعلم الغيب بغير تعليم من الله تعالىٰ۔ (روح البيان ج ۷، ص ۲۴۳)

(نبوت کی شرائط میں نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے بغیر غیب جانیں)

لَعَلَّ السَّاعَةَ شاید قیامت **تَكُونُ** ہو **قَرِيبًا ۝** قریب۔ یعنی قیامت عنقریب واقع ہو اس معنیٰ پر کان تامہ ہے اور قریباً کا منصوب ہونا علی الظرفیۃ ہے۔ اس میں قیامت کے وقوع کی عجلت کرنے والوں اور نبوت نبی علیہ السلام سے سرکشی کے طور سوال کرنے والوں کی تہدید ہے۔

علامات قیامت (۱) قیامت کے علامات سے ایک یہ ہے کہ انسان کسی سے یا اپنے طور وعدہ کرے کہ کل یہ کام یوں کروں گا لیکن جونہی کل آئے تو وعدہ کے خلاف عمل کرے۔

(۲)، شرارتیوں کی عزت ہوگی۔

(۳)، شرفاء کو ذلیل کیا جائے گا۔

(۴) دینی علم اُٹھ جائے گا۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

(۵) جہالت عام ہوجائے گی۔

(۶) زنا کھلم کھلا ہوگا۔

(۷) کنجریاں ناچ کریں گی۔

(۸) فسق و فجور کا دور دورہ ہوگا۔

(۹) شراب کھلے بندوں پی جائے گی۔

(۱۰) موت اچانک ہوگی (جیسے آج کل بسوں، ٹرکوں، ہوائی جہازوں اور دیگر عام اسباب دل فیل ہوجانا، بیٹھے بیٹھے مرجانا عام ہوگیا ہے) [1]

(۱۱) فساق و فجار کا مساجد میں چیخ چیخ کر کے بولنا (جیسے الیکشن کے دور میں سیاسی لیڈر مساجد میں گھس کر دھواں دار تقریر کرتے ہیں، اس کے علاوہ اور بھی اسباب آگے بڑھ رہے ہیں [2]

(۱۲) بے وقت بارش کا ہونا۔

حدیث شریف میں ہے:

لاتقوم الساعة حتی یظهر الفحش والتفحش وحتی یعبد الدرهم والدینار۔

(قیامت قائم نہ ہوگی جب تک فحش اور تفحش ظاہر نہ ہو اور یہاں تک کہ دراہم و دنانیر کی پرستش نہ ہو)

ف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے ایسے علامات بتائے جو حضور علیہ السلام کے زمانۂ اقدس میں ان کا تصور تک نہ تھا اور چند ایک ہمارے دور ۱۳۹۸ھ تک ظاہر ہو چکے ہیں لیکن بہت سے آنے والے دور میں ظاہر ہوں گے۔ (اسے ہم اہلسنت علمِ غیب نبوی سے اور ہمارے مخالفین پیشگوئی سے تعبیر کرتے ہیں) [3]

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ کریمہ تھی کہ جب سخت آندھی چلتی تو آپ کا رنگ بدل جاتا یعنی آپ خوفزدہ اور پریشان حال جیسے معلوم ہوتے اور فرماتے:

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ [2] ایضاً
[3] ایضاً

تخوفت الساعة۔

(میں وقوعِ قیامت سے ڈرتا ہوں)

پھر فرمایا:

ما امد طرفی ولا اغضہ الا ادا ظنن الساعة قد قامت۔

(اپنی ہر گھڑی میں یہاں تک کہ آنکھ کھلتے اور جھپکتے وقت اس تصور میں ہوتا ہوں کہ قیامت قایم ہو گئی)

اس سے مراد موت ہے اس لیے کہ موت قیامت صغریٰ ہے۔ یعنی ہر انسان کی موت اس کے لیے قیامتِ صغریٰ ہے۔ ایسے ہی ہر قرن کے لوگوں کا مرنا قیامتِ وسطیٰ ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے تدارکِ حال کا سوال کرتے ہیں۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ کار امروز را مباش اسیر
بہر فردا ذخیرہ برگیر

۲ روز عمرت بوقت عصر رسید
عصر تو تا نماز شام کشید

۳ خفتن خواب مرگ نزدیک ست
موج گرداب مرگ نزدیک ست

۴ فانتبہ قد اقیمت الساعہ
ان عمر الخلائق ساعہ

ترجمہ: (۱) آج کے امور کی قید میں نہ گزار، کل کے لیے ذخیرہ جمع کر۔

(۲) تیری عمر کا سورج عصر کے وقت کو پہنچ گیا ہے عصر کا وقت تجھے مغرب کے وقت کی طرف کھینچ رہا ہے۔

(۳) نیند کرنے کا کیا معنیٰ جب موت قریب ہے گرداب موت کی موج بالکل نزدیک ہے۔

(۴) جاگ۔ قیامت آگئی، ویسے تمام مخلوق کی عمر پل بھر ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَعَنَ الْکٰفِرِیْنَ بے شک اللہ تعالیٰ نے کافروں پر لعنت فرمائی اس سے مطلقاً جملہ کفار مراد ہیں۔ نہ صرف منکرین حشر و قیامت بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاندین مراد ہیں۔ اور

لعنت سے مراد یہ ہے کہ وہی رحمت عاجلہ و آجلہ سے دور فرما دیتا ہے کیونکہ انہوں نے حق سے استہزاء کیا کہ جس کی مخلوق میں ہر فرد کو نہایت ضروری اور اس کی استعداد کا اہتمام کرنا وَاَعَدَّ لَهُمْ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تیار فرمائی ہے سَعِيْرًا ○ ایسی آگ جو سخت بھڑکائی ہوئی ہے خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے یعنی بھڑکائی ہوئی آگ میں ان کا ہمیشہ رہنا مقدر فرمایا اَبَدًا ہمیشہ کے لیے۔ یعنی وہ ایسی حالت میں ہوں گے کہ دائمی طور بھڑکتی ہوئی آگ میں معذب رہیں گے۔ خلود کو تابید و دوام سے موکد فرمانے میں مبالغہ مقصود ہے لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا اپنے لیے ایسا مددگار نہ پائیں گے جو ان کی حفاظت فرمائے وَّلَا نَصِيْرًا ○ اور نہ ہی ایسا معاون پائیں گے جو ان سے عذابِ الٰہی کو دور کر سکے یا انہیں عذاب خدا سے چھڑا سکے۔ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ یہ عدم وجدان کے لیے ظرف ہے اس دن کہ جہنم میں ان کے منہ ایک طرف سے دوسری طرف پھیرے جائیں گے جیسے گوشت کو پکانے کے لیے ہنڈیا میں ایک طرف سے دوسری طرف پھیرا جاتا ہے تاکہ وہ اچھی طرح پک سکے یا انہیں جہنم میں الٹا کر کے پھینکا جائے گا اور چہرے کی تخصیص صرف اسی لیے ہے کہ یہ تمام اجزائے انسانی سے اشرف و اکرم ہے اگرچہ یہاں پر ان کا تمام جسم مراد ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے حسن کو قبح سے تبدیل کیا جائے گا یعنی انہیں سفیدی سے سیاہی سے بدلا جائے گا يَقُوْلُوْنَ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ اور سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ جب ان کے چہرے تبدیل ہو جائیں گے تو وہ کہا کریں گے اس کے جواب میں فرمایا کہ وہ اپنی غلطی کا احساس کرتے ہوئے کہیں گے يٰلَيْتَنَآ یہاں پر منادیٰ محذوف ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حرف ندا محض تنبیہ کے لیے اس میں کوئی خاص فرد مراد نہیں اس کا معنی ہے کاش اَطَعْنَا اللّٰهَ ہم دار دنیا میں جیسے ہمیں حکم ہوا تھا اسے بجا لاتے اور جن امور سے ہمیں روکا گیا ان سے ہم رک جاتے اور ہم اطاعت کرتے اللہ تعالیٰ کی وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا اور جن امور کی ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دی ہم ان کی دعوت کو قبول کر کے ان کی اطاعت کرتے تو یہ دن نہ دیکھتے اور نہ ہی ایسے سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوتے وَقَالُوْا اور کافروں کی اتباع کرنے والے کہیں گے۔ اس کا عطف یقولون پر ہے اور مضارع سے ماضی کی طرف عدول کرنے میں اشارہ ہے کہ ان کا یہ قول قول سابق کا مسبب نہیں بلکہ یہ ان کے اعذار میں سے ایک عذر ہے۔ اس سے ان کی مراد صرف یہ تھی کہ جو لیڈران کے ایسے عذاب میں مبتلا ہونے کا موجب بنے انہیں سخت عذاب دیا جائے تاکہ ان کے عذاب سے ان کی تشفی ہو۔ اگرچہ انہیں یقین تھا کہ ان کے ایسے اقوال سے ان کی جان رہائی نہ ہو سکے گی رَبَّنَآ اے ہمارے پروردگار اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا ہم نے اپنے سرداروں اور

بڑوں کی اطاعت کی۔ اس سے ان کے وُہ بڑے لیڈر مراد ہیں جنھوں نے انہیں کفر و شرک کی تلقین کی۔ اور ان کا انہیں سادات وکبرا سے تعبیر کرنا اپنے عذر کی تقویت و تائید کے لیے ہوگا ورنہ ان کے لیڈر اس وقت نہایت ذلت وخواری کی حالت میں ہوں گے۔

حلِ لغات السادات ' سادۃ کی جمع ہے اور سادۃ ' سید کی۔ گویا سادات جمع الجمع ہے اس میں کفار کے لیڈروں کی کثرت کی طرف اشارہ ہے۔ الوسیط میں ہے کہ عرب میں سادۃ احسن الاستعمال ہے وہ سادات کو بہت کم استعمال کرتے ہیں۔ الکبراء ' کبیر کی جمع ہے۔ یہ صغیر کے بالمقابل ہے۔ یہاں پر کبراء سے کافروں کے وہ بڑے لیڈر مراد ہیں جو ان میں رتبہ وحال میں بڑے تھے۔

فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا تو انہوں نے ہمیں کفر و شرک کی باتیں بہتر سے بہتر سُنا کر طریقِ اسلام و توحید سے پھیرے رکھا۔

حلِ لغات جیسے اضلہ عن الطریق کہا جاتا ہے۔ واضلہ الطریق کا ایک معنٰی ہے بمعنے اخطاء بہ عنہ۔

اب معنٰی یہ ہُوا کہ انھوں نے ہمیں گمراہ کیا یعنی انہوں نے ہمیں فسون و فسانوں سے سیدھی راہ سے ہٹا دیا۔

ف : الرسولا و السبیلا میں الف زائد ہے صرف آواز کو بڑھانے کے لیے بڑھایا گیا ہے اس لیے کہ ان آیات کے آخر میں الف ہے اور ایسے ہی اہلِ عرب اپنے خطبات و اشعار میں بوجہ ضرورت الف کو بڑھا دیتے ہیں۔

ف : بحرالعلوم میں ہے کہ ابن کثیر و ابوعمرو و حمزہ و حفص و کسائی نے واطعنا الرسول فاضلوا السبیل وصل میں الف کے بغیر پڑھا ہے اور حمزہ و ابوعمرو و یعقوب نے وقف و وصل دونوں حالتوں میں بغیر الف کے پڑھا ہے اور باقی قراء نے دونوں حالتوں میں الف کے ساتھ پڑھا ہے تاکہ قوافی کے ساتھ فواصل کو مشابہت ہو۔ الف کی زیادتی آواز کو مطلق چھوڑنے کے لیے ہے اس سے وقف کا فائدہ ہوتا ہے تاکہ پتا چلے کہ یہاں کلام ختم ہوگیا ہے اور اس کے مابعد جملہ مستانفہ ہے، اسے حذف کرنا وصف و وقف میں قیاس ہے۔

ربَّنَا کلام کو دُعا بالنداء اور پھر مکرر لانے میں مبالغہ مطلوب ہے کہ وُہ اپنے لیڈروں کو عذاب میں مبتلا ہونے کے بڑے مشتاق تھے اور چاہتے ہیں استدعا قبول ہو اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ

مِنَ الْعَذَابِ اے اللہ! ہمارے عذاب سے انہیں دوہرے عذاب میں مبتلا فرما کیونکہ وہ خود گمراہ ہوئے اور ہمیں بھی گمراہ کیا ایک عذاب ان کی اپنی گمراہی کی وجہ سے دوسرا ہمیں گمراہ کرنے کے باعث ، وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ۝ اور انہیں بہت زیادہ اور سخت ترین عذاب میں مبتلا فرما۔ اور الکبیر والعظیم ہر دو اعیان میں مستعمل ہیں پھر معانی میں استعمال ہونے لگا۔

خلاصہ یہ کہ انہوں نے اپنے لیڈروں کے لیے اللہ تعالیٰ سے استدعا کی کہ انہیں اپنی درگاہ سے ایسا دور فرما کہ انہیں کوئی بھی اپنے ہاں نہ آنے دے اور ظاہر ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ اپنی درگاہ سے ہٹا دے اُسے پھر کون اپنے ہاں آنے دیتا ہے ؎

ہر کرا قہر تو راند کہ تواند خواندن
وانکرا لطف تو خواند نتوانش راندن

ترجمہ ، جسے تیرا قہر ہٹائے اسے کون بلا سکتا ہے اور جسے تیرا لطف بلائے اسے کون ہٹا سکتا ہے۔

ف : کثیراً بھی ایک قرأت میں آیا ہے بمعنے کثیر العدد۔

اب معنیٰ ہوگا کہ ان پر لعنت در لعنت بھیج۔ کثرت کے معنے کی تائید آیت اولئک علیھم لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین سے بھی ہوتی ہے۔

کشف الاسرار میں ہے ، محمد بن ابی السری اللہ تعالیٰ کا ایک نیک بندہ تھا ، نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مسجد عسقلان میں ہوں۔ کوئی شخص قرآن مجید پڑھ رہا تھا اس نے آیت والعنھم لعنا کبیراً پڑھی ، میں نے اسے لقمہ دیتے ہوئے کہا ، کثیراً۔ اس نے کہا ، کبیراً۔ اسی اثناء میں مجھے حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت ہوئی ایسے محسوس ہوا کہ آپ درمیانِ مسجد سے منارہ کی طرف جانا چاہتے ہیں میں آگے کی طرف سے عرض گزار ہوا کہ ، یا رسول اللہ! میرے لیے بخشش کی دعا فرمائیے۔ آپ نے دوسری طرف چہرہ مبارک پھیر کر چلنے کا ارادہ فرمایا میں اسی طرف حاضر ہوا اور عرض کی ، استغفرلی۔ آپ نے بسوئے دیگر منہ پھیرا تو میں نے عرض کی۔ مجھے محمد بن المنکدر سے انہیں جابر بن عبداللہ سے خبر ملی کہ آپ کی عادت کریمہ ہے کہ آپ کسی سوال کو رد نہیں فرماتے اور کبھی اپنی زبان مبارک پر لا نہیں لاتے۔ لیکن اب آپ میرا سوال رد فرما رہے ہیں۔ میری اس عرض سے آپ نے تبسم فرما کر فرمایا ، اللّٰھم اغفرلہ۔ اس کے بعد میں نے عرض کی ، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس شخص اور میرے درمیان اختلاف ہے وہ آیت میں کبیراً پڑھتا ہے اور میں کثیراً؟

بتاتا ہوں۔ آپ نے بدستور منارہ کی طرف جاتے ہوئے تین بار فرمایا ، کثیراً کثیراً کثیراً۔

ف : آیات مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے عذاب کی خبر دی ہے اور ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ انھیں اس عذاب سے کس طرح ندامت ہوگی لیکن اس وقت وہ ندامت انہیں کوئی فائدہ نہ دے گی ۔ اس وقت ملامت و عقوبت کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔

۱ حسرت از جان او بر آرد دود
وان زمان حسرتش ندارد سود

۲ بسکہ ریزد ز دیدہ اشک ندم
غرق کردہ ز فرق تا بقدم

۳ آب چشمش شود دران شیون
آتشش را بخاصیت روغن

۴ کاش این گریہ پیش ازین کردی
غم این کار پیش ازین کردی

۵ ای بمہد بدن چو طفل صغیر
ماندہ در دست خواب غفلت اسیر

۶ پیش ازان کت اجل کند بیدار
گر بمردی ز خواب سر بردار

ترجمہ : (۱) حسرت کا دھواں اس کی جان سے نکلے گا لیکن اس وقت حسرت کس کام کی !
(۲) آج اگر تیری آنکھ سے ندامت کے آنسو بہہ نکلیں تو سر سے پاؤں تک کے گناہ دھل جائیں گے۔
(۳) کل قیامت میں تیرے یہ آنسو رنگ لائیں گے ان کی آتش روغن خالص بن جائے گی۔
(۴) اے آنسو کاش آج سے پہلے تم میرے نصیب ہوتے ۔ لیکن یہ غم بہت بے وقت ہو رہا ہے ۔
(۵) اے فلاں ! تو تو بدن میں اس چھوٹے بچے کی طرح ہے جو گہوارہ میں ہے تو خواب غفلت کے ہاتھ میں قیدی پھر رہا ہے ۔
(۶) اس سے قبل کہ تجھے اجل بیدار کرے اگر تو جوانمرد ہے تو خواب غفلت سے سر اٹھا۔

دعا : اے اللہ تعالیٰ ہمیں غفلت سے بیدار فرما اور ہم سے کوتاہیوں کو دور فرما اور ہم سے ان اچھے اعمال کی خدمت لے جن سے تو راضی ہو ۔ آمین

ترجمہ: اے میرے مولا! اگر میں تیرے ہاں گرا ہوا ہوں تو پھر تیرے غیر کے ہاں میری کیا وقعت ہوگی!

مثنوی شریف میں ہے:

کے شود دریا ز پوز سگ نجس
کے شود خورشید از پف منطمس

ترجمہ: دریا کتے کی تھوتھنی سے کب پلید ہو سکتا ہے، سورج کسی کی تھوک سے کب بے نور ہو سکتا ہے!

بستان میں ہے:

امین و بد اندیش طشتند و مور
نشاید در و رخنہ کردن بزور

ترجمہ: امانت دار اور دشمن تھال اور چیونٹی کی طرح تھال میں بزور سوراخ نہیں کیا جا سکتا۔

موسیٰ علیہ السلام کی ایذاء کے اسباب

اس میں اختلاف ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی ایذاء کے اسباب میں اختلاف ہے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) قارون نے ایک زانیہ کو بہت سا مال دے کر کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے بنی اسرائیل کے بھرے مجمع میں اعلان کرے کہ میرا حمل موسیٰ علیہ السلام سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس غلط بیانی سے موسیٰ علیہ السلام کی نزاہت ظاہر فرمائی۔ یہاں تک کہ خود زانیہ نے اعتراف کیا کہ مجھے اس بہتان تراشی پر قارون نے مال دیا ہے۔ اس کے بعد قارون کے ساتھ وہی ہوا جو مشہور ہے یعنی زمین میں دھنسایا گیا۔ جس کی تفصیل سورۂ قصص میں ہے۔

ے

۱ کند از بہر کلیم اللہ چاہ
در چہ افتاد و بشد حالش تباہ

۲ چوں قضا آید شود تنگ این جہان
از قضا حلوا شود رنج دہان

۳ این جہان چون قحبہ مکارہ بین
کس ز مکر قحبہ چون باشد امین

۴ او بمکرش کرد قارون در زمین
شد ز رسوائی شہیر عالمین

ترجمہ :(۱) کلیم اللہ کے لیے کنواں کھودا، لیکن خود اسی کنویں میں گر کر تباہ ہوا۔
(۲) جب تقدیر آتی ہے تو جہان تنگ ہو جاتا ہے۔ قضا سے تو حلوہ بھی منہ میں کڑوا محسوس ہوتا ہے۔
(۳) اس جہان کو مکارہ رنڈی سمجھ۔ اس مکارہ رنڈی کے مکر سے بہت کم لوگ بچ کر نکلتے ہیں۔
(۴) اس کمینی کے مکر نے قارون کو زمین میں دبایا۔ رسوائی میں جملہ عالم میں مشہور ہوا۔

(۲) بعض علماء نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام پر قوم نے بہتان تراشا کہ آپ کے جسم پر برص ہے جو تمام بدن سپیدی کی لپیٹ میں آجاتا ہے، در اصل یہ بیماری فساد مزاج کی وجہ سے ہوتی ہے یا یہ کہا کہ (معاذ اللہ) آپ کے دونوں خصیے بڑھ گئے ہیں۔ یہ بدگمانی انھیں اس لیے ہوئی کہ آپ حیاء و شرم سے اپنے کپڑے نہیں اتارتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے بدن کے تندرست ہونے پر مطلع فرمایا بلکہ ظاہر فرما دیا کہ آپ کا جسم نورٌ علیٰ نور ہے۔

ف : بنی اسرائیل کے مذہب میں ننگا نہانا جائز تھا اور وہ ننگے ہو کر ایک دوسرے کے اجسام یہاں تک کہ ذکر اور خصیے وغیرہ دیکھ لیا کرتے تھے لیکن موسیٰ علیہ السلام سب سے الگ تنہائی میں نہاتے تھے۔ اس وجہ سے انہیں بدگمانی ہوئی کہ (معاذ اللہ) موسیٰ علیہ السلام کے خصیے بڑے ہیں۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی ستر واجب تھا۔ کما قال ابن الملک :

حجر موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

بنی اسرائیل کے بعض افراد نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام ہمارے ساتھ اس لیے نہیں نہاتے کہ آپ آدر یعنی بڑے خصیوں والے ہیں۔

ف : آدر بروزن افعل ہر وہ شخص جو ادرۃ یعنی خصیے بڑے ہونے کے مرض میں مبتلا ہو۔
ایک دفعہ موسیٰ علیہ السلام غسل فرمانے لگے تو کپڑے پتھر پر رکھ دیئے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ وہی

پتھر تھا جس سے پانی کے چشمے ابلتے تھے وہ موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے بھاگا۔ موسیٰ علیہ السلام اس وقت غسل سے فراغت پا چکے تھے اور کپڑے پہننے والے تھے۔ لیکن کپڑے پتھر اٹھا کر بھاگ رہا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام بعجلت پتھر کے پیچھے دوڑے اور وہ اس وقت ننگے تھے اور پتھر سے کہہ رہے تھے اے پتھر! میرے کپڑے چھوڑ دے۔ لیکن پتھر بھاگتا ہوا وہاں جا نکلا جہاں وہ بنی اسرائیل تھے جو موسیٰ علیہ السلام پر طعن و تشنیع کرتے تھے لیکن جونہی موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو کہا: بخدا موسیٰ (علیہ السلام) تو ہر عیب سے پاک اور منزہ ہیں اور وہ اس طرح نہیں جیسے ہم نے سمجھ رکھا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے پتھر سے کپڑے لے کر پہن لیے اور پتھر کو پانچ یا چھ یا سات یا بارہ کوڑے مارے۔ اور ان کوڑوں کے نشانات پتھر پر باقی رہ گئے۔

موسیٰ علیہ السلام کا غصّہ

انسان العیون میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو غصہ آتا تو آپ کے بال کھڑے ہو جاتے یہاں تک کہ ٹوپی کے باہر نظر آتے بلکہ بعض اوقات اس سے آگ کے شعلے اٹھتے تھے۔ یہ بھی آپ کے غصّے کا ایک نمونہ ہے کہ آپ نے پتھر کو مارنا شروع کر دیا حالانکہ اسے شعور و ادراک نہیں تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے اٹھانے تو اس کو ادراک حاصل ہو گیا اور وہ بمنزلہ ایک جانور کے تھا۔ اور قاعدہ ہے کہ جب جانور سرکشی کرے تو مالک اسے صحیح حالت پر لانے کے لیے مارتا ہے (اس سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کا پتھر کو مارنا عبث فعل نہ تھا جیسا کہ بعض بددماغ گروہ نے آپ پر عبث فعل کے ارتکاب کا طعنہ دیا ہے)۔[1]

صاحبِ رُوح البیان کی مزید تحقیق

فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ جمادات میں بھی حیاۃ حقیقی حقانی ہوتی ہے یہی اہل اللہ کا مذہب ہے اسی لیے اللہ والے جمادات سے احیاء جیسا معاملہ فرماتے ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے:

بیت

۱ باد را بے چشم اگر بینش نداد
فرق چوں میکرد اندر قوم عاد

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

۲ گر نبودی نیل را آں نور دید
از چہ قبطی را ز سبطی میگزید

۳ گر نہ کوہ و سنگ با دیدار شد
پس چرا داؤد را آں یار شد

۴ ایں زمیں را گر نبودی چشم جاں
از چہ قارون را فرو خورد آنچناں

ترجمہ (۱): اگر اللہ نے ہوا کو آنکھ نہ دی ہوتی تو وہ قوم عاد میں کس طرح فرق کرتی!
(۲) اگر دریائے نیل کی آنکھ میں نور نہ ہوتا تو وہ قبطی و سبطی میں کیسے امتیاز کرتا!
(۳) اگر پہاڑ و پتھر میں آنکھ نہ ہوتی تو وہ داؤد علیہ السلام کے ساتھ کیسے موافقت کرتا!
(۴) اگر زمین میں روحانی آنکھ نہ ہوتی تو وہ قارون کو کیسے نگل جاتی!

(قاعدہ ردِّ وہابیہ دیوبندیہ) ہم اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام ہر عیب و نقص سے پاک ہوتے ہیں۔ یہی مذہب اسلاف صالحین رحمہم اللہ کا ہے۔ چنانچہ صاحب رُوح البیان قدس سرہٗ نے لکھا کہ:)[۱]

وفی القصۃ اشارۃ الی ان الانبیاء علیہم السلام لابد ان یکونوا متبرئین من النقص فی اصل الخلقۃ۔ (ج ۷، ص ۲۴۹)

(اور قصہ میں ہے اشارہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر نقص و عیب سے خلقۃ (پیدائشی) طور پر پاک اور منزہ ہیں)

خود اللہ رب العزت ان کی برأت کے اسباب پیدا کرتا ہے اور کبھی ان کے لیے خرقِ عادت معجزہ بن جاتے ہیں جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہوا کہ پتھر کپڑے اٹھا کر بھاگا تھا جسے بنی اسرائیل نے دیکھا اور موسیٰ علیہ السلام کو عیب و نقص سے پاک پایا۔

معجزۂ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خصائص صغریٰ میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں تھا کہ آپ کا ستر کسی نے نہ دیکھا اگر کوئی دیکھ لیتا تو فوراً اندھا ہو جاتا (لیکن نہ کسی نے دیکھا نہ کوئی اندھا ہوا۔)[۲]

---

[۱] و [۲] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

(۳) بعض نے کہا کہ بنی اسرائیل کا موسیٰ علیہ السلام کو ایذا دینے کا ایک سبب اور تھا وہ یہ کہ موسیٰ علیہ السلام ایک دفعہ ہارون علیہ السلام کو لے کر ایک غار میں تشریف لے گئے وہاں ایک بہترین تخت بچھا پایا ہارون علیہ السلام اس پر سوئے تو وہیں پر ان کا انتقال ہو گیا جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ہاں لوٹے تو ہارون علیہ السلام آپ کے ساتھ نہ تھے۔ بنی اسرائیل نے کہا کہ انہیں موسیٰ علیہ السلام نے شہید کر دیا ہے (معاذ اللہ) اس حسد پر کہ بنی اسرائیل کو بہ نسبت موسیٰ علیہ السلام کے ان سے زیادہ محبت تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا کہ بھلا کوئی اپنے بھائی کو قتل کرتا ہے اور پھر وہ میرے وزیر تھے لیکن انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی ایک نہ مانی۔ آپ نے دو رکعت نفل پڑھے اور دعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی کہ جس تخت پر ہارون علیہ السلام فوت ہوئے وہی آسمان سے نیچے اترا جسے بنی اسرائیل نے دیکھا کہ وہ تخت آسمان سے نیچے اتر رہا ہے تب انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی۔ موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو تخت سے اتار کر زمین میں دفن فرمایا۔ بعض روایت میں یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں وہیں پر دفن فرما دیا لیکن بنی اسرائیل کے شور مچانے پر انہیں ہارون علیہ السلام کے مزار پر لے گئے اور دعا مانگی کہ وہ زندہ ہو جائیں۔ چنانچہ ہارون علیہ السلام زندہ ہوئے اور اپنا تمام ماجرا کہہ سنایا کہ مجھے موسیٰ علیہ السلام نے شہید نہیں کیا۔ موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی وفات کی تفصیل سورۂ مائدہ میں ہم نے بیان کی ہے وہاں دیکھ لیجئے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ امت مصطفویہ کو ہمکلامی کا شرف زمانۂ قدیم سے نصیب ہے اس لیے کہ موسیٰ علیہ السلام کو قوم نے بہت عرصہ پہلے ایذا پہنچائی اور وہ کلام اس کتاب میں مندرج ہوا۔ اور انہیں حکم ہوا کہ وہ اپنے دشمنوں کے لیے سخت تر ہوں اور آپس میں رحیم و کریم۔

اسی لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف لا یؤمن احدکم حتی یامن جارہ بوائقہ۔

(تم میں کوئی ایک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کا ہمسایہ اس کے شرور سے محفوظ نہ ہو)

اور فرمایا:

المؤمن من امنہ الناس۔

(مومن وہ ہے جس سے لوگ مامون ہوں)

لا تکونوا میں اشارہ ہے کہ وہ ایذا کی صفت سے دور ہوں۔ لیکن دشمنوں کے لیے اس صفت

سے موصوف ہونا لازمی ہے اس لیے کہ یہ امت خیر امۃ ہے۔ اور اس میں اشارہ ہے کہ امر کُن کے وقت ہر موجود اپنی مخصوص صفت سے موصوف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امر کُن کے وقت جس امر کا مامور ہوا وہ اسی طرح ہوگا اور جس سے روکا گیا وہ اس سے لازماً رک جائے گا۔ حضور علیہ السلام کو فرمان ہوا:

فاستقم کما امرت۔

(استقامت کرو جیسے تمہیں حکم ہے)

یہی وجہ ہے کہ استقامت کی صفت میں بالخصوص موصوف تھے اور انہیں ولا تکونن من الجاھلین کہہ کر جہل سے منع کیا گیا۔ اسی وجہ سے آپ کے لیے جہل ممتنع تھا۔

تفسیر عالمانہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق کی رعایت کرو اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی رعایت کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کے حکم کی فرمانبرداری کرنا۔ اور بندوں کے حقوق کی رعایت کا معنی یہ ہے کہ انھیں ایذاء نہ دینا بالخصوص نبی علیہ السلام کے حقوق کا خصوصی خیال رکھنا کہ انہیں کسی قسم کی ایذاء نہ دینا۔

تقویٰ چار قسم ہے:

(۱) تقویٰ عام یہ ہے کہ وہ شرک سے بچیں۔

(۲) تقویٰ خواص یہ ہے کہ وہ معاصی سے کنارہ کشی کریں۔

(۳) اولیاء کرام میں خواص کا تقویٰ یہ ہے کہ افعال حسنہ سے وصال حق پائیں۔

(۴) انبیاء علیہم السلام کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور اسی کی طرف پہنچیں۔ (قال الواسطی)

وَقُوْلُوْا شیون الٰہیہ میں سے کسی شان میں کہو قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ بات سیدھی یعنی مستقیم جو مائل الی الحق ہو۔ یہ سد یسد سداد سے ہے یعنی وہ صواب اور مستقیم ہوگیا اس لیے کہ سداد بمعنے استقامت آتا ہے جیسے کہ کہا جاتا ہے:

سدد السھم نحو الرمیۃ۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب تیر صحیح نشانے پر لگے اور صحیح سمت سے ذرہ برابر بھی نہ ہٹے اور صدق بالذکر کے قول پر اس کا اطلاق ہوتا ہے لیکن صرف وہاں پر جہاں رضائے الٰہی مقصود ہو۔ اس میں نہ غیر کی ملاوٹ ہو نہ کذب کا شائبہ۔ اس لیے تقویٰ بمعنے نفس کو ان امور سے بچانے کا نام ہے جو سزا کے مستحق بنائیں وہ معاملہ کسی فعل کے ارتکاب سے متعلق ہو یا رکنے سے۔ تقویٰ کی وجہ سے ان امور کا ارتکاب نہیں کیا جاتا جو سزا کا مستحق بنائیں۔ اس تقریر پر قول سدید تقویٰ میں داخل نہ ہوگا

بلکہ وہ ایک علیحدہ مستقل امر ہوگا۔ بعض کے نزدیک القول السدید تقوٰی میں داخل ہے اس کا علاوہ ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ تقوٰی کا بہت بڑا رکن ہے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ اس کے متعلق قولِ فیصل یہ ہے کہ السدید اس سچی بات کو کہا جاتا ہے جس میں کذب کا شائبہ تک نہ ہو۔ وہ قول مبنی بر صواب ہو اس میں خطا کا بالکل احتمال نہ ہو۔ اس میں پختہ یقین ہو۔ وہم یا مزاح کا گمان بھی نہ ہو۔ اس میں انہیں روکا گیا ہے کہ بی بی زینب کے معاملہ میں معمولی سے معمولی تبصرہ بھی نہ کریں اس لیے کہ ان کے متعلق معمولی سی بات کرنے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء کا موجب ہے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے مسلمانو! تم افک کے واقعہ کی طرح بی بی زینب کے متعلق جھوٹ مت بولو۔ نہ صرف بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے واقعہ میں بلکہ اپنے ہر معاملے میں سچ کو اپنا شیوہ بناؤ اس لیے کہ زبان کی حفاظت کرنا اور سچی بات بولنا ہر بھلائی کی اصل ہے۔

حکایت یعقوب بن اسحاق المعروف بابن السکیت اکابر علمائے عربیہ سے ہیں۔ ایک دن متوکل باللہ خلیفہ عباسی کے پاس بیٹھے تھے کہ ان کے دو بیٹے معتز باللہ و مؤید باللہ آگئے۔ متوکل نے ان سے پوچھا، تجھے میرے یہی دو بیٹے زیادہ محبوب ہیں یا حسن وحسین رضی اللہ عنہما۔ انہوں نے فرمایا، بخدا مجھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا غلام قنبر تجھ سے اور تیرے دونوں بیٹوں سے محبوب تر ہے۔ متوکل باللہ نے عداوتِ علی رضی اللہ عنہ کی وجہ سے حکم دیا کہ ابن السکیت کی زبان گدی سے نکال لی جائے۔ ایسے ہی کیا گیا جس سے ابن السکیت فوراً فوت ہو گئے۔ عجیب تر یہ کہ ابن السکیت معتز باللہ و مؤید باللہ کے استاد تھے۔ انہوں نے ایک دن پہلے یہ اشعار اپنے شاگردوں کو پڑھ کر سنائے۔

؎

یصاب الفتی من عثرة بلسانه

ولیس یصاب المرء من عثرة الرجل

فعثرته فی القول تذهب رأسه

وعثرته فی الرجل تبرا علی مهل

ترجمہ : انسان کو جتنا زبان کے پھسلنے سے دکھ پہنچتا ہے اتنا پاؤں کے پھسلنے سے نہیں پہنچتا۔ اس لیے زبان کے پھسلنے سے بسا اوقات گردن اڑ جاتی ہے اور پاؤں کے پھسلنے کی تکلیف چند دنوں کے بعد رفع ہو جاتی ہے۔

يُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ تمہارے اعمال کی اصلاح فرمائے گا یعنی تمہیں اعمال صالحہ کی توفیق بخشے گا۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ تمہارے اعمال قبول کرکے ان پر ثواب عطا فرمائے گا۔

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ اور تمہارے گناہ بخش دے گا یعنی تمہارے قول و فعل میں استقامت کو تمہارے گناہوں کا کفارہ بنائے گا۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ جسے اللہ تعالیٰ اعمال صالحہ کی توفیق بخشتا ہے تو اس کے گناہ بھی معاف فرما دیتا ہے۔

مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر و نواہی کی اطاعت کرتا ہے۔ تکلیفاتِ الٰہیہ بھی اوامر و نواہی میں داخل ہیں۔ طاعت بمعنے امر کی موافقت اور معصیت بمعنے امر کی مخالفت فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ تو وہ شخص دارین میں کامیاب ہوگا۔

حلِ لغات: الفوز بمعنے الظفر مع حصول السلامة یعنی حصولِ سلامت کے ساتھ کامیاب ہونا۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرماں بردار دنیا میں محمود ہوکر گزارے گا اور آخرت میں مسعود ہوگا۔ یا وہ ہر خوف و غم سے نجات پا جائے گا اور جو کچھ چاہے گا پائے گا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ ایمان تقویٰ کے بغیر نامکمل ہے۔ توحیدی عقیدہ اور جد و جہد سے حدودِ الٰہی کی حفاظت کا نام تقویٰ ہے اور تقویٰ تو اعمال صالحہ اور قول سدید سے حاصل ہوتا ہے۔ قولِ سدید سے لا الٰہ الا اللہ مراد ہے تو اس کلمہ پر شرائط مداومت کی جائے یصلح لکم تو تمہارے اعمال تقویٰ کی اصلاح ہوگی یاد رہے اقوال کی اصلاح سے اعمال کی اصلاح نصیب ہوتی ہے اور ان دونوں کی اصلاح اصلاحِ احوال کا سبب ہے اور اصلاحِ احوال یغفر لکم ذنوبکم میں مذکور ہے۔ گناہوں کی مغفرت کا معنیٰ یہ ہے کہ اعمال کی اصلاح کے بعد حجابات اٹھ جاتے ہیں یعنی مغفرت ربانیہ کے نور سے ظلمانی حجابات رفع ہوجاتے ہیں و من یطع اللہ یعنی اوامر و نواہی میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے ورسولہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کے مطابق صراطِ مستقیم پر چلتا ہے فقد فاز فوزا عظیما تو وہ بہت بڑا کامیاب ہوگا یعنی حجاباتِ وجودیہ سے نکل کر وجودِ ہویت کی فنا نصیب ہوگی اور بقائے ربوبیت کی بقا پائے گا۔

دوسری تقریر بعض صوفیاء کرام نے فرمایا کہ من یطع اللہ کا معنیٰ یہ ہے کہ جو بندۂ خدا تزکیۂ نفس اور موصفات میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ

وسلم کی اطاعت کرتا ہے فقد فاز تو وہ تحلیۂ الٰہی سے کامیابی پائے گا بلکہ صفاتِ الٰہیہ سے موصوف ہوگا۔ اور حقیقی کامیابی یہی ہے کہ بندے کو صفاتِ الٰہیہ سے موصوف ہونا نصیب ہو جائے۔

حدیث شریف صحیح مسلم شریف میں ہے حضرت جابر سے مروی ہے کہ :
اما بعد فان خیرا لحدیث کتاب اللہ تعالیٰ و خیرالھدی ھدی محمد۔

(اما بعد بہترین گفتگو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور بہترین سیرت سیرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے)

یعنی بہتر رہبری وہی ہے جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

فائدہ صوفیانہ یاد رکھیے کہ افعال وصفات و ذات کے مراتب توحید حاصل کرنے کا نام اطاعتِ الٰہی اور شریعت پر ثابت قدم رہنا اطاعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اس لیے کہ بحرِ وجود اور ظلمتِ شرک سے نجات پانا یا تو نورِ کشف سے نصیب ہوتا ہے یا شریعت کی کشتی پر سوار ہونے سے نورِ کشف یوں نصیب ہوگا کہ اسے اللہ تعالیٰ کی مدد سے طلب کرے یہاں تک کہ اسے وہ نور حاصل ہوگا لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔ اور دوسرا یعنی شریعت کی رسی کو مضبوط پکڑنا، یہ وحدانیت کے اقرار اور ایمان تقلیدی اور شریعت کے ظاہری امور پر عمل کرنے سے حاصل ہوگا۔

حکایت امام احمد حنبل رضی اللہ عنہ حضرت امام احمد حنبل رضی اللہ عنہ ایک بے عمل قوم میں رہتے تھے جو حمام میں ننگے نہاتے تھے۔ لیکن آپ شریعت کی پابندی کرتے تھے۔ آپ کو خواب میں کہا گیا کہ ہم نے آپ کو اس لیے امامِ وقت بنایا ہے کیونکہ آپ شریعت کی سختی سے پابندی کرتے ہیں۔

حکایت دیگر منقول ہے کہ جب بغداد میں معتزلہ نے خلقِ قرآن کے مسئلہ میں غلبہ پایا تو خلیفۂ وقت کے حکم سے حضرت امام احمد حنبل رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر لیا گیا جب خلیفہ کے دیوان صدر میں داخل ہونے لگے تو دربان نے کہا کہ امام صاحب! ثابت قدم رہنا، کامیاب ہو گے۔ چنانچہ میں نے ایک دفعہ چوری کی اور گرفتار کر لیا گیا مجھے ایک ہزار ڈنڈے مارے گئے تو بھی میں نے چوری نہ بتائی حتیٰ کہ مجھے رہا کر دیا گیا۔ جب میں نے ایک غلط کام پر استقامت کی تو کامیابی سے ہمکنار ہوا آپ تو حق پر ہیں استقامت کریں گے تو کامیاب ہو جائیں گے۔

حضرت امام احمد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس کی اس بات سے بہت متاثر ہُوا۔ اگرچہ امام صاحب بُوڑھے اور کمزور و ناتواں تھے۔ ظالموں نے آپ کے دونوں ہاتھ پاؤں جکڑ دیئے اور ہزار دُرّے زور سے مارے اور کہتے: کہو قرآن مخلوق ہے۔ لیکن آپ نے یہ کلمۂ کفر زبان پر جاری نہ کیا، حتیٰ کہ غیبی امداد آئی اور آپ کی کمر کی زنجیر کھل گئی اور ہاتھ بھی بندھے ہوئے تھے، غیبی ہاتھ نے ہاتھ کی زنجیر بھی کھول دی۔ شریعت کے اس امر کی پابندی کی وجہ سے آپ کی یہ کرامت ظاہر ہُوئی۔ ایک دفعہ آپ نے حمام میں ننگے نہانے کے ارادے سے کمر بند کھولا اور سوچا کہ ننگا نہالوں لیکن ساتھ ہی خیال گزرا کہ مخلوق نہیں دیکھ رہی خالق تو دیکھ رہا ہے اس لیے ننگا نہیں نہانا چاہیے۔ چنانچہ فوراً کمر بند باندھ لیا۔ جب ظالموں نے آپ کی (مذکورہ بالا) کرامت دیکھی تو آپ کو رہا کر دیا ۔

۱ - در رہِ حق کشیدہ اند بلا

این بلا شد سبب بقرب و ولا

۲ صبر و تقوٰی و طاعت مولیٰ

نزد عارف زہر شرف اولیٰ

ترجمہ: (۱) ان حضرات نے راہِ حق میں مشقتیں اٹھائی ہیں۔ یہی مشقتیں ان کے لیے قرب اور حق کی دوستی کا سبب بنی ہیں۔

(۲) عارف باللہ کے نزدیک ہر شرف اور بزرگی سے صبر و تقوٰی اور طاعتِ الٰہی بہتر ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّا یہ نون جمع علماء کے نزدیک عظمۃ و کبریائی کا ہے اس لیے کہ بادشاہ اور عظماء جب اپنے لیے کوئی بات کہتے ہیں تو اپنے آپ کو صیغۂ جمع سے تعبیر کرتے ہیں اور عارفین کے نزدیک یہ نون اسماء و صفات کا ہے اس لیے کہ اسماء و صفات متعدد و متکثر ہیں۔

عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ۔

حلِ لغات عرض لی امرکذا بمعنے ظہر۔ اور عرضت لہ الشئ بمعنے اظہرتہ لہ و ابرزت الیہ۔ اور کہا جاتا ہے:

عرضت الشئ علی البیع۔

اور کہتے ہیں: عرض الجند۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو لشکر کا امیر بنایا جائے اور اس کے ذمہ لگایا جائے کہ

وہ ان کی نگرانی کرے اور امانت خیانت کی نقیض ہے۔ یہاں پر ہر وہ شے مراد ہے جو امانت کے طور رکھی جائے۔

امانت کے تین مراتب ہیں:

امانت کے مراتب (۱) تکالیف شرعیہ و امور دینیہ کہ جن کی نگرانی ضروری ہے اسی لیے انہیں امانت سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ ان کا وجود لازمی ہے جیسا کہ امانت لازمۃ الاداء ہے ایسے ہی یہ ہے۔

ف: الارشاد میں ہے کہ تکالیف شرعیہ کو امانت اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کے حقوق کی رعایت لازمی ہے اور ان امور کو اللہ تعالیٰ نے مکلفین کے ہاں امانت رکھا ہے اور ان پر انہیں امین بنایا جاتا ہے۔ انہیں حکم فرمایا ہے کہ انہیں احسن طریق سے طاعت سمجھ کر فرمانبرداری کے طور ادا کریں اور امر فرمایا ہے کہ وہ ان کی رعایت اور پورے طور محافظت کریں اور انہیں اسی طرح ادا کریں جیسے ان کی ادائیگی کے حقوق ہیں۔

امانت کیا ہے علماء کرام نے فرمایا کہ امانت سے عقل مراد ہے اس لیے کہ انسانی طاقت کے مطابق امور کا علم اسی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور انسانی طاقت کے موافق اسی کے ذریعے وہ افعال صادر ہوتے ہیں جو اچھے ہیں۔ اسی کی وجہ سے انسان کو بہت سی مخلوق سے فضیلت حاصل ہے۔

توحید بھی امانت ہے عقل کے حصول کے بعد توحید بھی انسان کو امانت کے طور نصیب ہے ایسے ہی ایمان بالیوم الآخر اور نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، جہاد، سچی بات، فضول باتوں سے زبان کی حفاظت، امانتوں کی حفاظت۔ سب سے زیادہ سخت کام اسرار کو پوشیدہ رکھنا ہے۔ قرض کی ادائیگی، بھر تول وغیرہ میں عدالت، جنابت سے غسل، اعمال میں نیک نیتی، طہارت فی الصلوٰۃ، خلوت میں نماز اچھی طرح ادا کرنا، بلاؤں پر صبر کرنا، نعمتوں پر شکر کرنا، وعدہ کا ایفاء، حدود الٰہی کا قیام اور فرج و ذکر کی حفاظت، جبکہ اللہ تعالیٰ نے انسانی اعضاء میں سب سے پہلے اسے پیدا کیا اور فرمایا کہ یہ وہ شے ہے جسے میں تمہارے اندر بطور امانت رکھ رہا ہوں۔ کان، آنکھ اور ہاتھ اور پاؤں اور حروف تہجی کی حفاظت، جیسا کہ امام راغب نے المفردات میں نقل فرمایا ہے مومن معاہد پر لازم ہے کہ وہ ہر قلیل و کثیر شے میں خیانت نہ کرے۔ علاوہ ازیں مواثیق و عہود کی حفاظت ضروری ہے جس کے متعلق نگہبانی کا

حکم اللہ تعالیٰ نے عالمِ ارواح میں ارواح سے معاہدہ لیا اور بہ طور امانت یہی امور عطا فرمائے پیغمبران کو جو سبز ی جمادی جسے حجرِ اسود کہا جاتا ہے میں چھپا کر رکھ دیا۔ اور اسے اسود اس لیے کہتے ہیں کہ وہ تمام پتھروں کا سردار ہے اور ان مواثیق و عہود کو حجرِ اسود نے لقمہ کے طور نگل لیا۔ اسی لیے حجرِ اسود کو امین اللہ کا لقب ملا ہے اس لیے کہ یہ اس ازلی امانت کا محافظ ہے۔

عشق بھی امانت ہے امانت کے دوسرے مرتبہ کا نام عشق و محبت ہے۔ در اصل یہ انجذابِ الٰہی ہے جسے امانت اُولیٰ کا ثمرہ کہا جاتا ہے۔ اسی عشق کی وجہ سے انسان کو ملائکہ پر فضیلت حاصل ہے اس لیے کہ اگرچہ ملائکہ کو درجۂ محبت نصیب ہوا لیکن ان کی محبت و عشق بلا و محنت و تکالیف شاقہ پر مبنی نہیں بخلاف انسان کے عشق و محبت کے کہ وہ مبنی بر تکالیف شاقہ ہے اور قاعدہ ہے کہ ترقی تکالیف و مشاق و بلایا پر موقوف ہے۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے کیا خوب فرمایا: ؎

شبِ تاریک و بیمِ موج و گردابے چنیں ہائل
کجا دانند حالِ ما سبکساران ساحل ہا

ترجمہ: شبِ تاریک اور بیمِ موج اور گرداب ایسے خوفناک ہیں کہ مجھ جیسے کم عقل ایسے ساحل کو کیسے معلوم کر سکتے ہیں!

شرحِ بیت مذکور شبِ تاریک جلالِ ذات اور بیمِ موج سے صفاتِ قہر کا خوف اور گرداب سے بحرِ عشق کے موتی جنہیں عارفین امتحانات سخت اور برازخ خوفناک سے تعبیر کرتے ہیں۔ سبکساران سے زُہّاد و ملائکہ مراد ہیں اس لیے کہ یہ حضرات بحرِ عشق کے کنارے پر ہیں انھیں اس کے اندر جانا نصیب نہیں ہوتا بلکہ وہ طاقت و عبادت مجردہ میں وقت بسر کر دیتے ہیں اور وہ عبادت مجردہ امانت کی پہلی قسم ہے۔ ذیل کے شعر میں اسی طرف اشارہ ہے: ؎

فرشتہ عشق نداند کہ چیست قصہ مخواں
بخواہ جام گلابے بخاکِ آدم ریز

ترجمہ: عشق کو فرشتہ نہیں جانتا، اسے آگے نہ بڑھا جام کا گلابی پیالہ لے کر آدم پر ڈال دے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ کا مندرجہ ذیل شعر بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے: ؎

ملائک را چہ سود از حسن طاعت
چو فیض عشق بر آدم فرو ریخت

ترجمہ: حسنِ طاعت سے ملائکہ کو کیا فائدہ جبکہ عشق کا فیض اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام پر ڈالا۔

ف: لوامع میں ہے کہ یہ عجیب بات ہے کہ عشق عالم بشریت میں ہے اور یہ عشق ملکیت کے ملک میں نہیں اگرچہ وہ معصوم اور لطفِ الٰہی کے پروردہ ہیں اور محبت و عشق میں درد و الم نہ ہو تو اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ آدم علیہ السلام کو عشق کی وجہ سے اتجعل فیھا من یفسد فیھا سے مطعون کیا گیا اور آدم کو انہ کان ظلوما جھولا کا سرمایہ ملا اور ملائکہ کی طاقت کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے ایک پر سے کائنات کو تو چھپا سکتے ہیں لیکن بارِ امانت نہ اٹھا سکے اور یہ آدم زادہ جس کی حالت یہ کہ چند ہڈیوں اور گوشت پوست سے مرکب لیکن دلیرانہ امانت کو سر پر رکھ لیا اس سے ثابت ہوا کہ یہ دلیر ہے تو اپنے دل کی وجہ سے۔ اور قاعدہ ہے کہ جتنا بوجھ دل اٹھا سکتا ہے بدن اس سے عاجز ہے۔

(۳) امانت کے تیسرے مرتبے کا نام فیضِ الٰہی ہے جو بلا واسطہ کسی کو نصیب ہوتا ہے اسے امانت سے اسی لیے تعبیر کیا گیا کہ یہ بھی منجملہ صفاتِ الٰہیہ سے ہے اسے کوئی بھی اپنے طور حاصل نہیں کر سکتا اور یہ حجب وجود یہ جسے ظلومیت و جہولیت سے تعبیر کیا گیا ہے سے فارغ ہونے پر حاصل ہوتا ہے اس کے بعد فنا فی وجود الہویت اور بقا بیقاء الربوبیت کا مقام نصیب ہوتا ہے اور یہ مقام مرتبۂ ثانیہ کا نتیجہ ہے اور اسی کی غایت اس مرتبہ پر ہے اس لیے کہ عشق مقام محبت صفاتیہ سے اور فیض الٰہی اور ثنائیت مقام محبوبیت ذاتیہ سے ہے اسی مقام پر قلب سے ایک طفل پیدا ہوتا ہے وہی زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہوتا ہے، اسی کو امانت کا حامل کہا جاتا ہے۔

ف: پہلا مرتبہ عوام کا، دوسرا خواص کا، تیسرا اخص الخواص کا ہے۔ پہلا مرتبہ دوسرے مرتبے کی راہ ہے اور دوسرا تیسرے کی۔ اس مرتبہ کا راز وہی پا سکتا ہے کہ جو بیتِ حق میں دروازے سے آتا ہے۔ یاد رہے کہ امانت کے جتنے وجوہ مفسرین نے بیان کیے ہیں سب حق ہیں۔

ف: امانت کا مرتبہ اولیٰ امانت کے لیے بمنزلہ ظرف اور برتن کے ہے اور دوسرے مرتبہ میں امانت کا مغز ہے، تیسرے میں مغز کا مغز ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت ہو تو یہ تینوں مراتب حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس کی کرم نوازی ہو تو انسان اپنے مطالب کو پہنچ سکتا ہے۔

ف : آیت میں السمٰوٰت والارض والجبال سے واقعی آسمان و زمین و پہاڑ اور ان میں بسنے والے مراد ہیں اس لیے کہ انسان کا بارِ امانت اٹھانے کے لیے تیار ہونے کا تقاضا یہی ہے کہ جن کے پاس امانت پیش کی گئی ہے وہ اس کے ماسوا جملہ موجودات مراد ہوں، وہ حیوان ہو یا اس کا غیر۔ یہاں پر حمل کی تخصیص اسی لیے ہے کہ اجسام میں یہی سخت اور ثابت اور قوی ترین ہے۔ چنانچہ لولاک لما خلقت الافلاک میں افلاک کی تخصیص ہے اس لیے کہ وہی اعظم الاجسام ہے۔ اسی لیے فابوا نہیں فرمایا کہ وہ ذوی العقول کے لیے آتا ہے۔

سوال : سمٰوٰت وغیرہا میں جمادات وغیرہ ہیں اور جمادات میں ادراک نہیں ہوتا۔ جب انہیں ادراک نہیں تو پھر ان کے لیے امانت پیش کرنے کا کیا معنیٰ!

جواب : علماء کرام نے دو جواب لکھے :

(۱) حقیقی معنیٰ پر محمول ہے۔ اہلسنت کے مذہب میں یہی مناسب تر ہے اس لیے کہ وہ ایسے مقامات پر تاویل جائز نہیں سمجھتے بلکہ اپنے حقیقی معنے پر محمول کرتے ہیں معتزلہ اس کے خلاف ہے۔ اسے حقیقی معنے پر محمول کرنے میں بھی دو تقریریں ہیں۔ ایک معنیٰ دوسرے معنے سے دقیق تر ہے۔ جمادات میں حقیقی حیات کے دلائل یہ ہیں :

(i) الم تر ان اللہ یسجد لہ من فی السمٰوٰت و من فی الارض والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والدواب۔

(کیا نہیں دیکھتے ہو کہ بیشک اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرتے ہیں وہ جو آسمانوں میں ہیں اور وہ جو زمینوں میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور جانور)

(ii) ائتیا طوعا او کرھا قالتا اتینا طائعین۔

(آؤ خود بخود یا مجبور ہو کر عرض کی ہم آئیں گے خود بخود)

(iii) وان منھا لما یھبط من خشیۃ اللہ

(بیشک ان میں بعض وُہ ہیں جو گرتے ہیں خوفِ الٰہی سے)

(iv) وان من شئ الا یسبح بحمدہ۔

(کوئی شے ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح حمد کے ساتھ نہ کرتی ہو)

(v) کل قد علم صلاتہ وتسبیحہ۔

(ہر شے نے اپنی نماز اور تسبیح معلوم کر لی)

ف : حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ اکثر عقلاء بلکہ سب کے سب فرماتے ہیں کہ جمادات کو عقل نہیں اس پر وُہ اپنی عبارت کے مطابق لکھتے ہیں لیکن عقلاء کا خیال غلط اور بالکل غلط ہے وہ ہم اہلسنّت کی اس دلیل کو ٹھکرا دیتے ہیں جب ہم کہتے ہیں کہ پتھروں نے نبیوں ولیوں سے گفتگو کی۔ وقتی طور پر اللہ تعالیٰ نے ان میں حیات پیدا کی تھی۔ ہم کہتے ہیں کہ حیوٰۃ عالم کائنات کے ذرہ ذرہ میں سرایت کیے ہُوئے ہے۔ ہماری دلیل حدیث شریف میں ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ان کل شئ سمع صوت المؤذن من رطب ویابس یشھد لہ۔

(جب مؤذن اذان دیتا ہے تو ہر خشک و تر شے سنتی ہے اور (قیامت میں) مؤذن کی اذان کی گواہی دیں گی)

اور ظاہر ہے کہ گواہی وہی دے گا جسے علم ہوگا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام جنات اور انسانوں سے جمادات کے حیوٰۃ سے ادراک سلب فرما لیا ہے ہاں اللہ تعالیٰ جس کی آنکھ کھول دے جیسے ہم لوگ اور ہم جیسے اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی سے جمادات کی حیاۃ کا علم ہے بلکہ ہم اس پر کسی دلیل کے محتاج نہیں اس لیے کہ حق تعالیٰ نے ہمیں کشف کی قوت بخشی ہے کہ ہم ان کی حیات کو جانتے ہیں اور ان کی تسبیح اور ان کی گفتگو کو ہم سُنتے ہیں ایسے ہی جب پہاڑ پر تجلی حق کا اثر ہُوا تو پہاڑ سے آواز آئی۔ یہ بھی اس کی حیات کی دلیل ہے اس لیے کہ اسے عظمتِ الٰہی کا علم تھا اگر اسے عظمتِ الٰہی کا علم نہ ہوتا تو اس کی آواز سنائی نہ دیتی۔

مصنّف کے شیخ کی تقریر ہمارے شیخ اور پیر و مرشد قدس سرہٗ نے ایک دفعہ ہم سب کو روزہ کے افطار کے وقت بلایا۔ جب ہم سب مل کر آپ کے سامنے بیٹھے تو آپ کے سامنے پانی اور کیک لایا گیا آپ بڑھاپے کی وجہ سے آخری عمر میں کیک کھایا کرتے تھے۔ آپ نے اثنائے افطار میں فرمایا کہ اس روٹی میں بھی حیاۃ حقیقی ہے اس کا جسم ہمارے اجسام کو قوت دیتا ہے اور اس کی روح ہماری روح کو طاقت بخشتی ہے۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

علم و حکمت زاید از لقمۂ حلال
عشق و رقت آید از لقمۂ حلال

ترجمہ : لقمۂ حلال سے علم و حکمت پیدا ہوتی ہے لقمۂ حلال سے عشق و رقت پیدا ہوتی ہے۔

پھر فرمایا کہ ہر موجود میں روح ہے روح حیوانی یا حقانی ۔ میت کو بھی ایک اور روح حیوانی عطا ہوتی ہے جو اس روح حیوانی کی غیر ہے ۔ اگر اللہ تعالیٰ اس میت کو بلائے تو وہ بول پڑے گی ۔ اس میت کا بولنا اسی دوسری دلیل کی وجہ سے ہے نیز آیت :

وان من شئ الا یسبح بحمدہ

دلالت کرتی ہے کہ ہر شجر و حجر وغیرہ میں روح ہے ۔ اگر ان میں رُوح نہ ہو تو وہ تسبیح کیسے پڑھتی ہیں! دیکھئے داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑ تسبیح پڑھتے تھے اور سلیمان علیہ السلام کے تخت کو ہوا اٹھا کر چلتی تھی ۔ قارون زمین میں دھنس گیا یعنی اسے زمین نے کھینچا ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں سُوکھا ستون بول پڑا اور پتھروں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھا ۔ علاوہ ازیں بے شمار دلائل قائم کیے جا سکتے ہیں ۔ مثنوی شریف میں ہے :

۱ چون شما سوے جمادی می روید

محرم جان جمادان چون شوید

۲ از جمادی عالم جانہا روید

غلغل اجزاے عالم بشنوید

۳ چون ندارد جان تو قندیلہا

بہر بینش کردہ تاویلہا

ترجمہ :(۱) جب تم ڈھیلوں پتھروں کی طرف جاؤ ، جب تم ان کی جانوں کے محرم راز ہو گے
(۲) جب ڈھیلوں پتھروں سے ان کی ارواح کے ملک میں جاؤ گے تو ان کے جہان میں ذکرِ الٰہی کا بہت شور سنو گے ۔

(۳) چونکہ تیری رُوح روشنی نہیں رکھتی اس لیے تُو ہزاروں تاویلیں کرتا ہے ۔

نیز اللہ تعالیٰ قادر ہے اس نے عقل و فہم کو جمادات مذکورہ میں پیدا فرمایا اس کے بعد ان کے سامنے امانت پیش فرمائی جیسے نمل سلیمانیہ اور ہُدہُد و دیگر طیور و وحوش و سباع بلکہ جملہ حجر و شجر اور مٹی کے ذرہ ذرہ میں عقل و فہم پیدا فرمائی ۔ اسی عقل و فہم کی وجہ سے ان اشیا نے خطابِ الٰہی سنا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے انہیں طاقت بخشی جس سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کا جواب دیا ۔ مثلاً انھیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ، کیا تم میری اس امانت کو اٹھاؤ گے جس پر تمہیں عمل کرنے کا ثواب بہشت کی نعمتیں نصیب ہوں گی اگر خلاف کرو گے تو عذاب اور جہنم کی آگ میں تمہیں دھکیلا جائے گا ۔

فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا۔

حلِ لغات الاباء بمعنے سخت امتناع ۔ ہر امتناع اباء ہے اور ہر امتناع اباء نہیں (یعنی ان سب نے امانت کے بوجھ اٹھانے سے انکار کیا۔

وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا۔

حلِ لغات المفردات میں ہے کہ الاشفاق بمعنے وہ عنایت جس میں خوف ہو اس لیے کہ جس پر شفقت کی جائے اس سے شفقت کرنے والا محبت کرتا ہے اور اسے خوف ہے کہ اسے کوئی پریشان امر نہ ستائے ۔ جب یہ مِن سے متعدی ہوتا ہے تو اس وقت خوف کا معنی زیادہ ظاہر ہوتا ہے اور جب لفظ علیٰ سے متعدی ہو تو اس وقت عنایت کا معنی زیادہ ظاہر ہوتا ہے ۔ جیسا کہ تاج المصادر میں ہے ؛

الاشفاق : ترسیدن ومہربانی کردن ۔

(الاشفاق : ڈرنا اور مہربانی کرنا)

اور علیٰ کے ساتھ متعدی ہو تو بھی دونوں معنے دے گا ۔ ان میں کوئی فرق نہ آئے گا ۔

اب معنی یہ ہوا کہ امانت اور اس کے اٹھانے سے ہمیں خوف ہے اور کہا اے رب کریم ! ہم تیرے حکم کے پابند ہیں نہ ہمیں ثواب کی ضرورت ہے نہ عذاب کی ۔ یہ جواب انہوں نے ازراہِ معصیت نہیں بلکہ اس خوف وخشیت سے کہ ان سے امانت کے حقوق ادا نہ ہوسکیں گے تو عذاب میں مبتلا ہوجائیں گے اگر انہیں اللہ تعالیٰ کی وسعتِ رحمت پر بھروسا اور اس کی معرفت واستعداد ہوتی تو وہ ہرگز انکار نہ کرتے ۔ اللہ تعالیٰ کا امانت کا پیش کرنا ایجاباً والزاماً نہ تھا بلکہ اختیاراً تھا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے امرِ ایجابی والزامی کی مخالفت وانکار سزا کا موجب بنتا ہے اور درجات کمالیہ سے ساقط الاعتبار کا سبب ہوتا ہے ان کے انکار وابا پر اللہ تعالیٰ کا زجر وتوبیخ نہ کرنا دلالت کرتا ہے کہ یہ امر ایجابی والزامی نہیں بلکہ اختیاری تھا ۔

سوال : یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ امانت جسم نہیں لیکن اسے حمل سے تعبیر کیا گیا ہے اور حمل اجسام کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اس کی کیا وجہ ہے ؟

جواب : یہ بغرض تقدیر اور تمثیل کے قبیل سے ہے چونکہ ان میں امانت کے بوجھ اٹھانے کی استعداد تھی اسی لیے ان کے سامنے پیش کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے تاکہ امانت کا عظیم بالشان ہونا معلوم ہو اور انہیں اس کے قبول کرنے کی رغبت ہو اور ان میں استعدادِ عدمِ قبول بھی تھی اس لیے اسے اباء د

اشفاق سے تعبیر کیا گیا تاکہ معلوم ہو کہ امانت ایک عظیم امر ہے اور اسے وہ عظمت حاصل ہے کہ اس سے خوف کیا جائے۔ پھر اسے حمل سے اسی لیے تعبیر کیا گیا کہ جیسے اجسام ثقیلہ کے اٹھانے کے لیے بہت زیادہ طاقت وقوت کی ضرورت ہے ایسے ہی اس امانت کو اٹھانا ی مرد میدان کا کام ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ یہ امانت ایک ایسی عظیم المرتبت شے ہے کہ بفرض محال اگر ان بڑے بڑے پہاڑوں اور آسمانوں اور زمینوں اور ان کے مکینوں کے سامنے پیش کی جاتی تو انکار کر جاتے اور اس کے اٹھانے سے گھبرا جاتے۔ اس تقریر پر مطلب صاف ہے کہ سرے سے امانت ان کے سامنے پیش ہی نہیں کی گئی لیکن فرضی امر کو حقیقی رنگ میں بیان کیا گیا ہے اس لیے کہ تمثیل میں معنیٰ مقصود زیادہ محقق اور زیادہ واضح ہوتا ہے وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اور اس امانت کو جب انسان کے سامنے پیش کی گئی تو اس نے بلا توقف و تاخیر اٹھالی۔ یہاں پر انسان کی جنس مراد ہے جیسا کہ انہٗ کان ظلوماً جھولاً سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی باوجودیکہ انسان نہایت کمزور اور قوت کے لحاظ سے بالکل ضعیف تھا لیکن اس نے اسے ہمت کر کے اٹھالیا اور کسی شے کے اٹھانے کے لیے ہمت ضروری ہے بسا اوقات قوت و طاقت کے فقدان کے باوجود ہمت کی وجہ سے شے کو اٹھا لیا جاتا ہے۔

ف : الارشاد میں ہے کہ یہاں پر حمل بمعنے قبول ہے یعنی چونکہ اس میں استعداد فطری تھی اور میثاق میں اس نے بلیٰ کہہ کر وعدہ بھی کر لیا تھا اسی لیے امانت کے اٹھانے کا اعلان سنتے ہی اسے فوراً قبول کر لیا جب انسان نے امانت کو اٹھا لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے انعام میں یوں فرمایا :

وحملناھم فی البر والبحر۔

اس لیے کہ قاعدہ ہے : ھل جزاء الاحسان الا الاحسان۔

مسئلہ سمجھیے اسے یوں سمجھیے کہ ایک درخت ایسا ہو کہ اس کی جڑ مضبوط اور اس کی شاخیں بہت زیادہ۔ لیکن پھل چھوٹا جیسے آم۔ دوسرا وہ درخت نہایت ضعیف اور کمزور لیکن اس کا پھل بہت موٹا جیسے خربوزہ یا کدو وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ کمزور درخت اپنے پھل کو نہیں اٹھا سکتا۔ لیکن انسان نے کمزور ہونے کے باوجود بہت بڑا بوجھ اٹھا لیا۔ یہی اس کا کمال ہے۔ اسی لیے مشایخ فرماتے ہیں کہ اے انسان! تو نے اپنے بوجھ کو سر پہ تو اٹھا لیا لیکن اسے احسن وجوہ سے نبھا تاکہ خلق خدا کو معلوم ہو کہ تجھ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل و احسان ہے کہ تیرے ضعف و کمزوری پر رحم فرما کر تجھے اتنا بڑا بوجھ اٹھانے کی توفیق بخشی، اور تیرے ہی لیے فرمایا، وحملناھم فی البر والبحر۔

یہ کہ بلا واسطہ قبول فیض الٰہی اور عشق صرف انسان کے ساتھ مخصوص ہے۔ باقی

خلاصہ کلام تمام مخلوق اس نعمت سے محروم رہی وہ اس لیے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ نے اپنا نور مخلوق پر چھڑکا جو صرف انسان کو نصیب ہُوا۔ لیکن جس رُوح کو اس نور کے چھینٹے نصیب ہوئے وہ بلا واسطہ قبول فیض الٰہی و عشق کا مسند ہوا۔ اس سے ثابت ہُوا کہ عشق اور فیض الٰہی جملہ مخلوق کے سامنے پیش کیا گیا لیکن اسے اٹھایا تو صرف انسان نے، وُہ اس لیے کہ جملہ مخلوق بمنزلہ جسم کے اور انسان بمنزلہ قلب کے ہے۔ اس کی مثال انسانی رُوح کی ہے کہ وُہ جسم کے ایک ایک ذرّہ کے سامنے پیش ہوا لیکن تمام جسم نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا تو قلب نے ہی اٹھا لیا۔ اسی وجہ سے اب روح کے نور کا عکس جملہ اجسام پر پڑتا ہے تو قلب کے واسطہ سے، ایسے ہی عشق و فیض الٰہی کی جملہ مخلوق محتاج ہے لیکن یہ انسان کے ذریعہ سب کو ملتا ہے۔ وہ مخلوق عالم ملک کی ہو یا عالم ملکوت کی۔ عالم ملک سے عالمِ دنیا مراد ہے۔ ظاہر ہے کہ عالم دنیا کو جو کچھ مل رہا ہے وہ انسان کی بدولت۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک دنیا میں انسان موجود ہے دنیا آباد ہے جب انسان یہاں سے چلا جائے گا تو دنیا بھی مٹا دی جائے گی اور عالم ملکوت بھی اگرچہ امرِ کُن سے ظاہر ہُوا اور عالمِ ملکوت کو عالمِ باطن یعنی آخرت سے تعبیر کیا جاتا ہے اسے بھی فیضِ الٰہی حاصل ہوگا تو رُوحِ انسان کی وجہ سے۔

یاد رہے کہ تخلیقی کام سب سے پہلے انسان کی رُوح سے شروع ہُوا۔ اسی معنے پر امرِ کُن سے فیضِ الٰہی کا تعلق براہِ راست روحِ انسان سے متعلق ہُوا، اس کے بعد عالمِ ملکوت کو نصیب ہُوا۔ اس سے ثابت ہُوا کہ عالمِ کون کا ظاہر ہو یا باطن، سب کا سب انسان سے آباد ہے۔ خلافت صرف انسان کو عطا کرنے کا اصل راز یہی ہے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں الانسان سے صرف آدم علیہ السلام مراد ہیں۔

امانت کی کیفیت حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امانت کو ایک بھاری پتھر کی طرح ڈال کر آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں کو اٹھانے کے لیے بلایا سب نے اٹھانے سے انکار کر دیا، یہی نہیں بلکہ اس کے قریب جانے کی بھی جرأت نہ کر سکے اور عرض کی: یہ بوجھ ہم سے اُٹھنے کا نہیں۔ پھر آدم علیہ السلام بن بلائے تشریف لائے تو وہ پتھر ہلنے لگا۔ آدم علیہ السلام نے کہا: اگر مجھے اجازت ہوتی تو میں اسے اٹھا لیتا۔ آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں نے عرض کی: آپ ہی اٹھا لیجئے۔ آپ اسے اٹھا کر گھٹنوں تک لے آئے پھر رکھ دیا اور فرمایا کہ اگر چاہوں تو میں اسے اور اوپر اٹھا لوں۔ انہوں نے عرض کی، تو پھر اٹھائیے۔ آپ نے اسے پھر اٹھایا اور

اسے سینے تک لے آئے - اس کے بعد پھر رکھ دیا - پھر فرمایا : اگر چاہوں تو اس سے بھی اوپر اٹھا سکتا ہوں۔ انہوں نے عرض کی : تو اٹھائیے - آپ نے اسے اٹھایا تو اپنے کندھوں تک لے گئے - اس کے بعد آپ نے اسے نیچے رکھنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اے آدم ! اب اسے نیچے مت رکھو اس لیے کہ اب یہ امانت آپ کے اور آپ کی اولاد کے گلے میں قیامت تک کے لیے ڈال دی گئی ہے ؎

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید

قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

ترجمہ : آسمان بارِ امانت نہ اٹھا سکا ، اس کا قرعۂ فال اس دیوانے کے نام پڑا ہے -

ف : کشف الاسرار میں ہے جب آسمان و زمین اور پہاڑوں نے بارِ امانت کے اٹھانے سے عجز کا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا : میں نے اپنی امانت آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تو انہوں نے معذوری ظاہر کی لیکن آپ نے اسے بلا توقف اٹھا لیا - یاد رکھئے کہ اس کے اندر ایک اور بوجھ ہے جو اس سے بھی شدید تر ہے - عرض کی : وہ کیا ہے ؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اگر نیکی کرو گے تو جزا پاؤ گے ورنہ سزا - آدم علیہ السلام نے عرض کی : بسر و چشم - اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اگر تم اس میں مضبوطی دکھاؤ گے تو میں تیری مدد کروں گا ، یوں کیجئے کہ اپنی آنکھوں پر پردہ ڈالیے اور صرف ان چیزوں کو دیکھئے جو آپ کے لیے جائز ہیں اور زبان کو قابو میں رکھئے اور صرف وہ بات کیجئے جو آپ کے لیے جائز ہے اور اپنی فرج کو محفوظ رکھئے اسے صرف اس پر استعمال کیجئے جو تمہارے لیے حلال ہو -

ف : شیخ جنید قدس سرہٗ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام کی نگاہ ذاتِ حق پر تھی انہیں نہ امانت کی خبر تھی اور نہ اس کی لذت و ذوق کی خبر - اسی لیے انہیں بارِ امانت اٹھانے کا احساس تک نہ ہوا ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اے آدم ! تم نے مجھے مطمحِ نظر بنایا اس لیے بارِ امانت تم نے اٹھا لیا ورنہ تم کہاں اور بارِ امانت کہاں ! آئندہ بھی اگر تم نے مجھے اپنا مطمحِ نظر بنائے رکھا تو نہ صرف ہر دکھ اور تکلیف سے محفوظ و مصؤن رہو گے بلکہ ترقی اور عروج پاؤ گے - چنانچہ فرمایا : وحملناھم فی البر والبحر -

ف : مروی ہے کہ آدم علیہ السلام نے امانت اٹھاتے وقت کہا کہ اپنی قوت کے سہارے اٹھاؤں یا اللہ تعالیٰ کی طاقت و قوت سے ؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو بھی کوئی بوجھ اٹھاتا ہے وہ ہماری قوت و طاقت سے ہی اٹھاتا ہے بالخصوص وہ بوجھ جو ہماری طرف سے ہوں ان کے لیے ہماری قوت و طاقت کو خصوصی دخل ہوتا ہے ؎

راہ او را بدو توان پیمود   بارِ او را بدو توان برداشت

ترجمہ: اس کی راہ اسی کے ذریعہ طے کی جا سکتی ہے۔ اس کا بوجھ اسی کے ذریعے اٹھایا جا سکتا ہے۔

کسی اور بزرگ نے فرمایا: ؎

آں بار کہ از بردن آں عرش ابا کرد
با قوت او حامل آں بار تواں بود

ترجمہ: وہ بوجھ کہ جسے عرش نے اٹھانے سے انکار کر دیا اسی بوجھ کو اس کی عطا کردہ قوت سے اٹھایا جا سکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جسے اللہ تعالیٰ نے انی جاعل فی الارض خلیفۃ کا تاج پہنانا تھا اسی کو بار امانت اٹھانے کی طاقت بخشی۔ یہ بوجھ کسی اور سے ہرگز نہ اٹھایا جا سکتا تھا چونکہ اس کے ازلی دشمن ابلیس کے حسد دیرینہ کا اس پر اثر انداز ہونے کا خطرہ تھا کہ اس کی اسے نظر بد نہ لگ جائے اس لیے اسے انہ کان ظلوما جھولا کا ٹیکہ لگا دیا گیا تاکہ وہ شیطان کی نظر بد سے محفوظ رہے۔ کما قال: اِنَّهٗ بے شک انسان کَانَ ظَلُوْمًا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اور امانت کے حقوق کو ادا نہ کر کے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے جَهُوْلًا اپنی عاقبت کی کنہ سے نادان ہے۔

ظلم کے معانی ظلم بمعنے شے کو اس کے مخصوص محل کے بجائے غیر محل میں رکھنا یا نقصان کر کے یا زیادہ کر کے یا وقت یا مکان سے عدول کر کے۔ ظلمت السقاء اسی سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں کہ جب سقاء کو بے وقت لیا جائے۔ اور کہتے ہیں: ظلمت الارض۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب زمین کو بے جا کھودا جائے، اس زمین کو مظلوم اور جو مٹی اس زمین سے نکلے اسے ظلیم کہا جاتا ہے۔ اور اس نقطہ کے تجاوز کو بھی ظلم کہتے ہیں جو دائرہ سے ہٹ جائے۔ اور ہر قسم کے تجاوز کو ظلم کہا جاتا ہے وہ تجاوز قلیل ہو یا کثیر۔ اسی لیے صغیرہ گناہ کو بھی ظلم کہتے ہیں اور کبیرہ گناہ کو بھی۔ اسی لیے آدم علیہ السلام کے دانۂ گندم کو کھانے کو بھی ظلم سے تعبیر کیا گیا اور ابلیس کی نافرمانی کو بھی، حالانکہ ان دونوں کے ظلموں میں بہت بڑا فرق ہے۔ بعض حکماء نے فرمایا کہ ظلم تین قسم کا ہے:

(۱) ظلم بین الانسان و بین اللہ۔ اس میں سب سے زیادہ ظلم کفر و شرک اور منافقت ہے۔

(۲) ظلم بینہ و بین الناس۔

(۳) ظلم بینہ و بین نفسہ۔

غور سے دیکھا جائے تو یہ تینوں نفس کے لیے ہیں اس لیے کہ انسان جب پر بھی ظلم کرے اس کا

اثر پہلے اس کے نفس پر پڑتا ہے ؎

اول بظالمان اثر ظلم می رسد
پیش از ہدف ہمیشہ بکمان تار میکند

ترجمہ : ظلم کا اثر پہلے ظالم پر پڑتا ہے جیسے نشانے سے پہلے کمان کی تار خود کمان پر پڑتی ہے۔

جہل کی معنیٰ اور اس کی قسمیں

جہل بمعنے نفس کا علم سے خالی ہونا۔ جہل کی دو قسمیں ہیں :

۱ - جہل البسیط

۲ - جہل المرکب

جہل بسیط ضعیف ہوتا ہے اور جہل مرکب قوی ۔ اور جہل مرکب یہ ہے کہ انسان کو علم نہ ہو کہ وہ نہیں جانتا اسی لیے کہ وہ شے کے حصول سے محروم ہوگا اسی لیے یہ قسم قوی ہے۔

(اور بسیط یہی ہے کہ انسان کو معلوم ہو کہ میں نہیں جانتا اس لیے اس کے حصول کی کوشش کرے گا اسی لیے یہ ضعیف ہے)[۱]

ف : الارشاد میں ہے کہ انہ کان الخ یہ حمل امانت اور اس کے نتیجہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے اسے اس لیے لایا گیا کہ انسان امانت کی ادائیگی میں کمی یا کوتاہی کرتا ہے تو اس کی دو وجہیں ہیں :

۱ - ظلم اور

۲ - جہل

اور یہ بھی افرادِ انسانی کی کثرت کی وجہ سے ہے۔ یعنی وہی لوگ جو اپنی فطرت سلیمہ کے موجب اور یوم الارواح کے عہد و پیمان پر عمل نہیں کرتے ورنہ وہ حضرات یہاں کیسے مراد ہو سکتے ہیں جنہوں نے نہ تو فطرت سلیمہ کو تبدیل کیا اور نہ ہی عہدِ الست کے بعد 'بلیٰ' کہنے کی خلاف ورزی کی۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ ظلوم و جہول انسان کی عادت کا اظہار ہے کہ انسان من حیث الانسان ظلوم و جہول ہے۔ جیسے ہم کہتے ہیں : الماء طہور۔ یعنی الماء من حیث الماء طہور ہے۔ پھر عوارض لاحقہ سے اصلی عادت کو چھوڑتا ہے۔

---

[۱] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

اہلِ ظواہر کا معنیٰ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ اہلِ ظواہر کے نزدیک ظلوم وجہول ہر دو صفات مذموم ہیں اس لیے کہ ظلوم وجہول وہی ہیں جو وفا و ادا کی بجائے غدر اور خیانت کریں۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ قاعدہ ہے کہ جس کے پاس امانت رکھی جاتی ہے وہ اس پر مہر لگا دیتا ہے یہاں تک کہ جب شے لے جانے کا وقت آتا ہے تو پہلے اس مہر کو دیکھتے ہیں۔ اگر وہ صحیح حالت میں ہو تو امانت دار کی تعریف و توصیف کی جاتی ہے۔ ایسے ہی الست بربکم فرما کر اللہ تعالیٰ نے بندے کو توحید کی امانت سپرد کر کے اس پر مُہر لگا دی۔ جب بندے پر موت آئی اور قبر میں پہنچا تو من ربك الخ جیسے سوالات سے اس کی امانت و دیانت کو ظاہر کیا جاتا ہے۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

از دم صبح ازل تا آخر شام ابد
دوستی و مہر بر یک عہد و یک میثاق بود

ترجمہ: ازل سے ابد تک ہماری دوستی اور محبت میں کوئی فرق نہ آیا۔

عارفین کے نزدیک ظلوم وجہول کا معنیٰ: اہلِ حقیقت فرماتے ہیں کہ یہ دونوں (ظلوم وجہول) صفتیں انسان کی مدح و ثنا پر دلالت کرتی ہیں اس لیے کہ انسان نے جب امانت کو اٹھا کر اس کا حق ادا کیا تو نفس پر شاق گزرا لیکن باوجود اینہمہ اپنے نفس کو سخت مشقت و تکلیف میں ڈال کر امانت کا حق ادا کر دیا۔ اس معنیٰ پر اسے ظلوم کہا گیا اس لیے کہ اس نے شے کو غیر محل میں رکھا۔ مثلاً نفس کو فنا کر ڈالا اور حجاباتِ وجودیہ کو باہر پھینک دیا۔ حجابات وجودیہ سے انانیت مراد ہے اور جہول بایں معنیٰ ہے کہ اس کی فطرت میں ایسی چیزیں رکھی گئی ہیں جو اسے اپنے رب تعالیٰ سے جاہل بنائیں۔ مثلاً یہ جانوروں کی طرح کھانا پینا اور نکاح کرنا اپنا بہترین مشغلہ سمجھتا ہے اس میں جانوروں کی طرح ذکوریت و انوثیت ہے۔ پھر اسے معلوم نہیں کہ صورت حیوانیہ پوست کی مانند ہے اس کا ایک مغز ہے جو اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے کما قال، یحبہم۔ اور وہی اللہ تعالیٰ کا محب بھی ہے۔ کما قال تعالیٰ: یحبونہ۔ جب انسان اپنے چھلکے کو اتار پھینکے یعنی جسمانیت کی ظلمانیت کو دور کر دے تو روحانیت کی نورانیت تک پہنچ جائے گا۔

ف: جسے ہم نے ابھی مغز سے تعبیر کیا ہے۔ درحقیقت یہ بھی پوست ہے حقیقی مغز کوئی اور شے ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ کے ستر ہزار نور و ظلمات کے حجابات ہیں" اسی لیے انسان کو اپنے روحانی پوست کو بھی چھوڑنا پڑے گا تب کہیں حقیقی مغز کو حاصل کر سکے گا اس لیے اس

پوست کے اترنے کے بعد حقیقی مغز ہے۔ وہی اللہ تعالیٰ کا محبوب بھی ہے اور محب بھی۔ اسی مقام کے لیے کہا گیا ہے کہ جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا۔ اور یہ عرفان توحید کے دامن کو مضبوط تھامنے سے نصیب ہوتا ہے اس کا حصول شرک ممتنع ہے اور شرک سے بچنے کا معنیٰ ہے کہ ماسوی اللہ سے جہل اختیار کرے۔ اور جہول درحقیقت عالم ہے اس لیے کہ علم کا انتہائی مرتبہ ہے اور عارفین فرماتے ہیں: اعتراف بالجہل کا نام علم اور درک الادراک سے عجز کا نام ادراک ہے۔ حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا:

۱ غیر انسان کشش نکرد قبول
زانکہ انسان ظلوم بود و جہول

۲ ظلم او آنکہ ہستیٔ خود را
ساخت فانی بقاے سرمد را

۳ جہل او آنکہ ہرچہ جز حق بود
صورت آں ز لوح دل زدود

۴ نیک ظلمی کہ عین معدلتست
نغز جہلی کہ مغز معرفتست

۵ ای نکردہ دل از علائق صاف
مزن از دانش خلائق لاف

۶ زانکہ در عالم خدا دانی
جہل علمست علم نادانی

ترجمہ: (۱) انسان کے سوا عشق کو کسی نے قبول نہ کیا اس لیے انسان ظلوم و جہول ہے۔
(۲) ظالم تو اس لیے کہ اس نے اپنی ہستی کو سرمد ذات کی بقا میں فانی کر دیا۔
(۳) جاہل اس لیے کہ حق کے ماسوا سب کو دل سے محو کر دیا۔
(۴) ایسا ظلم ہزاروں عدل سے بہتر ہے۔
(۵) اے فلاں! تو نے دل کو تعلقات سے پاک و صاف نہ کیا دانش خلائق کی لاف گزاف نہ بک۔

(٦) اس لیے کہ جہان میں اللہ تعالیٰ کو جانتا ہے۔ ایسا جہل علم ہے اس کے برعکس علم نادانی ہے۔

ف : اگر انسان میں ظلومیت وجہولیت کی قوت وطاقت نہ ہوتی تو وہ کبھی امانت کو نہ اٹھا سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حمل امانت کی تعلیل ظلومیت وجہولیت کو بتانا جائز ہے۔

ف : بعض اہل تفاسیر کی اتباع میں صاحب قاموس نے لکھا کہ ظلوم وجہول اسی انسان کی صفت ہے جس نے امانت میں خیانت کی۔ جیسے کافر ومنافق۔ اس سے وہ حضرات مراد نہیں جنہوں نے امانت کا حق ادا کر دیا۔ جیسے انبیاء واولیاء وصلحاء اور جملہ اہل ایمان۔ اور یہ اس محاورہ سے ہے جسے اہل عرب بولتے ہیں کہ،

فلان حامل للامانة ومحتمل بها۔

یہ اس شخص کے لیے کہتے ہیں جو امانت کو حقدار کے ہاں نہ پہنچائے اگر اس کے ہاں پہنچا دیتا تو اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاتا۔ حملِ امانت بھی اسی محاورہ سے ہے کہ جب کوئی شے کسی کے سر پر رکھ دی جائے تو اسے حمل سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس معنے پر گویا امانت مؤتمن پر سوار ہے جیسے کہتے ہیں،

دکبته الدیون۔

پھر جو اسے ادا نہ کرے تو اسے خیانت وتضییع سے تعبیر کرتے ہیں۔

اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے ان بڑے بڑے جسم والوں کو اطاعت وعبادت کا حکم فرمایا تو انہوں نے طاعت وعبادت کے لیے سر جھکا دیا۔ کما قال؛

اتینا طائعین (ہم مطیع ہو کر حاضر ہیں)

اور انسان کو باوجودیکہ عقل وکمال حاصل ہے تاہم عبادت وطاعت سے کتراتا ہے۔ اس معنے پر اسے ظلوم وجہول کہا گیا کہ وہ امانت میں خیانت کر کے راہِ سعادت سے ہٹ گیا۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے جمادات کی طاعت وعبادت کے لیے سرِ تسلیم خم کر دینے کو انسان سے تشبیہ دی ہے کہ وہ باوجودیکہ شعور نہیں رکھتے تاہم جھک گئے اور یہ عقل وفہم کے مالک ہونے کے باوجود طاعت وعبادت سے منہ موڑتا ہے۔ اس معنے پر حمل کو مجاز کے معنیٰ میں لینا ہو گا اور پہلی تقریر میں حقیقی معنے پر محمول کیا جائے گا۔ یہاں پر حرف عاطفہ حذف المعطوف بھی نہیں ماننا پڑتا۔ ہاں جب حمل کو تحمل کے معنے میں لیا جاتے تو وہاں عطف مع معطوف کو محذوف پڑ گیا اور عبارت یوں ہو گی؛

وحملها الانسان ثم غدر بالحمل۔

اس طریق سے اس کی علت ظلوما جہولا کو ماننا پڑے گا، اسے اچھی طرح سمجھ لو اس لیے کہ

بہت بڑے ماہرین نے یہ معنیٰ بتایا ہے۔

سوال : الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ انسان ظالم و جاہل ہے تو پھر اسے امانت کیوں پیش فرمائی؟

جواب : اگرچہ سوال ایک طویل بحث کا متقاضی ہے لیکن ہم اس کے جواب میں عرض کرتے ہیں وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو اپنی جملہ مخلوق کے ہاں مبعوث فرمایا کہ جا کر انہیں ایمان کی دعوت دیں جو مان جائے اسے بہشت کی بشارت دیں اور جو نہ مانے اسے دوزخ سے ڈرائیں حالانکہ لسے ازل سے معلوم تھا کہ ان میں بعض ایمان لائیں گے اور بعض انکار کریں گے لیکن ایمان کی دعوت میں حکم عام ہے باوجودیکہ ازل سے جانتا تھا کہ ایمان و کفر میں ان کے احوال مختلف ہیں جیسے علم کے باوجود دعوتِ ایمان کے لیے انبیاء علیہم السلام کو بھیجنے سے اس پر اعتراض نہیں ایسے ہی یہاں پر۔

ف : حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ انسان امانت کے متعلق ظالم اور اس سے بے خبر ہے کہ اگر خیانت کرے گا تو کتنی سزا ہو گی۔ وہ اس معاملہ میں جاہل ہے۔ لیکن اس کی یہ خیانت عمداً نہیں ہے اور نہ ہی اس کا ارادہ تھا بلکہ بے خبری اور سہواً واقع ہوئی۔ کما قال:

فنسی ولم نجد لہ عزما۔

اور سہو و نسیان بھی اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے اور بعض مواضع میں جہل قابلِ عذر سمجھا جاتا ہے۔

دعا اے اللہ! ہمارے ساتھ وہ معاملہ فرما جو تیری شان کے لائق ہے اور ہمارے ساتھ اس طرح نہ کیجئے جس کے ہم اہل ہیں۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

۱ بر در کعبہ سائلے دیدم
کہ ہمی گفت میگرستی خوش

۲ می نگویم کہ طاعتم بپذیر
قلم عفو بر گناہم کش

ترجمہ : (۱) کعبہ کے دروازے پر میں نے ایک سائل کو دیکھا کہ وہ رو رو کر کہہ رہا تھا۔
(۲) میں یہ نہیں کہتا کہ میری طاعت قبول فرما۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ تو میرے گناہوں پر قلمِ عفو پھیر دے۔

لِیُعَذِّبَ اللّٰہُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ تاکہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو عذاب میں مبتلا کرے۔ یہاں پر منافقین و منافقات سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے سرے سے امانت کو قبول نہ کرکے ضایع کر دیا۔ وَالْمُشْرِكِیْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ اور وہ مشرکین اور مشرکات جنہوں نے امانت میں خیانت کی اور اسے سرے سے قبول ہی نہ کیا۔

الارشاد میں ہے کہ اس میں فریقِ اول کی طرف اشارہ ہے یعنی امانت کو اٹھا لیا پھر جن لوگوں نے اسے ضائع کیا اور طاعت گزاری کے بجائے معصیت اور نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ انہیں عذاب میں مبتلا کرے۔ لام عاقبت کی ہے اس لیے کہ حملِ امانت کی اصلی غرض اگرچہ عذاب دینا ہے۔ لیکن چونکہ بعض افراد کی ناعاقبت اندیشی سے گویا یہ عذاب ان کے حمل کا سبب بنا۔ اسی لیے اسے معرض غرض میں لایا گیا ہے یعنی انسان کے حملِ امانت کا انجام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی خیانت پر انہیں عذاب میں مبتلا کرے جبکہ وہ خیانت کرکے طاعت سے بالکل خارج ہو گئے ہیں۔

بحر العلوم میں ہے کہ یُوں بھی ہو سکتا ہے کہ لام عرضنا کی علت ہو یعنی ہم نے امانت کو اس لیے پیش فرمایا تاکہ منافقین کی منافقت اور مشرکین کا شرک ظاہر ہو تو پھر انہیں عذاب میں مبتلا کیا جائے۔

وَيَتُوْبَ اللّٰہُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ اور تاکہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان مردوں اور عورتوں کی توبہ قبول کرے۔ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے امانت کو قبول کرکے اس کے حقوق کی رعایت کی۔

الارشاد میں ہے کہ اس میں فریقِ ثانی کی طرف اشارہ ہے یعنی ان کے حملِ امانت کا انجام یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمائے اس لیے کہ انہوں نے طوقِ طاعت اپنی گردنوں سے نہیں نکالا اگر ان سے کوئی کمی ہو گئی تو اسے توبہ سے پورا کر لیا کیونکہ بہت تھوڑے انسان ہیں جن سے غلطی نہیں ہوتی۔ اور یہ انسانی فطرت ہے۔ پھر غلطی کے بعد توبہ کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ان کا شیوہ ہے۔ صیغۂ تکلم کے بعد اسم اللہ کی طرف التفات میں امانت کی عظمت اور اس کی ہیبت کا اظہار مطلوب ہے۔ پھر مضمر کے بجائے مظہر لانے میں اہلِ ایمان کے معاملہ کو مہتم بالشان ظاہر کرنا ہے۔

وَكَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝ اور اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے یعنی بندوں پر بہت مغفرت فرماتا ہے اگر ان سے غلطی ہو جائے تو بھی ان پر بہت بڑی رحمت فرماتا ہے۔ جب وہ اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں تو طاعات پر انہیں بہت بڑے ثواب سے نوازتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ لام صیرورۃ و عاقبت کی ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خلافت کے حامل تین طرح کے ہیں:

(۱) یہ ملائکہ ہیں کہ جنہوں نے سرے سے امانت کے اٹھانے سے انکار کر دیا اسی لیے انہیں نہ ثواب نہ عذاب۔

(۲) وہ ہیں جنہوں نے امانت تو اٹھائی لیکن اس میں خیانت کی۔ یہ منافق مرد اور عورتیں اور مشرک مرد اور عورتیں ہیں جنہوں نے امانت کو ظلومیت کی صفت سے اٹھایا لیکن جہولیت سے اسے ضائع کیا۔ اس کی قدر نہ کی اور اس کا حق ادا نہ کیا تو انہیں عذاب دائمی میں مبتلا ہونا پڑا۔

(۳) یہ وہ ہیں جنہوں نے امانت اٹھائی اور اس کا حق ادا کیا ذرہ برابر بھی اس میں خیانت نہ کی لیکن چونکہ ضعف انسانیت کی وجہ سے کبھی ادھر کبھی اُدھر یعنی غلطیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسی لیے وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں عجز و نیاز کا اظہار اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہے اس سے مومن مرد اور عورتیں مراد ہیں ان کی اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرتا ہے۔ ان تینوں طبقات کی تخلیق میں حکمت یہ ہے کہ ان تینوں میں ہر ایک طبقہ جمالِ الٰہی کی صفت کا آئینہ ہو۔

جب پہلے طبقہ یعنی ملائکہ نے امانت کو اٹھایا ہی نہیں اور اس کے ضرر کے خوف سے اس کا نفع ترک کر دیا اسی لیے انھیں صفت عدل کا آئینہ بنایا گیا۔

دوسرے طبقہ نے اٹھایا تو سہی اس ارادہ پر کہ ممکن ہے اس میں کوئی ظاہری فائدہ ہو لیکن اس میں انہوں نے خیانت کی اور اس کا کوئی حق ادا نہ کیا بلکہ اسے دنیوی منافع کے عوض بیچ ڈالا جس کا انہیں اس تجارت میں کوئی نفع نہ ہوا اور نہ ہی انھیں اس سے راہِ حق نصیب ہوئی۔ یہ لوگ صفت قہر کے جمال کا آئینہ ہیں۔

تیسرے طبقہ نے امانت کو اپنے آپ اور بڑے شوق اور رغبت و محبت سے اٹھایا اور اپنی طاقت و وسعت کے مطابق اس کا حق بھی ادا کیا لیکن بلا اختیار ان سے کبھی کبھار غلطیاں بھی سرزد ہو جاتیں تو توبہ کے لیے بارگاہِ حق کی طرف رجوع کرتے اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کر کے اپنی بارگاہ تک رسائی فرما دیتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے لطف اور فضل و کرم کے جمال کے آئینے ہوئے۔ اسی لیے فرمایا: وکان اللہ غفوراً رحیما۔ مومنین کو اپنے فضل سے بخشے گا، وہ جسے چاہے گا اپنے فضل سے بخش دے گا۔

ف: بعض عارفین نے فرمایا، حکمتِ الٰہیہ کا تقاضا ہوا کہ انسان کی مخالفت کا ظہور ہو تاکہ وہ اپنی رحمت و مغفرت کو ظاہر فرمائے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

سہو و خطائے بندہ گرش نیست اعتبار

معنیٔ عفو و رحمت آمرزگار چیست

ترجمہ : بندہ کے سہو و خطا کا کوئی اعتبار نہیں ، اللہ تعالیٰ کی عفو و رحمت کا کیا معنی !

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ،

حدیثِ قدسی لولم تذنبوا الذهبت بكم وخلقت خلقا يذنبون ويستغفرون فاغفر لهم ۔

(اگر تم گناہ نہ کرو گے تو میں تمہیں موت دوں گا تمہارے بجائے اور مخلوق لاؤں گا جو گناہ کرے اور مجھ سے بخشش مانگے تو میں اسے بخشوں)

میں ہے :

حدیثِ نبوی لولم تذنبوا لخشيت عليكم اشد من الذنب الا هو العجب ۔

(اگر تم گناہ نہ کرو تو مجھے تمہارے عجب سے خطرہ ہے اور وہ گناہ سے بھی سخت تر ہے)

ف : اسی حکمت کے تحت اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صفاتِ جلالیہ جمالیہ کے دونوں ہاتھوں سے پیدا فرمایا صفتِ جلال قابیل اور مخالفت کے رنگ میں ظاہر ہوئی اور صفتِ جمال ہابیل اور موافقت میں ظاہر ہوئی ۔ اسی طرح ان دونوں صفات کا ظہور قیامت تک ہوتا رہے گا ۔

ازالہ وہم مذکورہ بالا دونوں حدیثوں سے یہ نہ سمجھنا کہ ان میں گناہوں کے ارتکاب کی ترغیب دی گئی ہے اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت مبارکہ کا اصلی مقصد یہی ہے کہ انسان کفر و شرک اور معاصی سے بچیں ۔ ہاں ان احادیث میں توبہ و استغفار کی ترغیب دی گئی ہے ۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادھم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ، میری دلی تمنا تھی کہ کوئی ایسا وقت میسر ہو جس میں مَیں تنہا کعبہ معظمہ کا طواف کروں اور اسی وقت اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت چاہوں لیکن کوئی وقت میسر نہ آتا تھا ایک رات ایسا ہوا کہ خوب بارش ہوئی کعبہ معظمہ خالی تھا طواف کر کے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ یا الٰہی ! مجھے گناہوں سے عصمت نصیب فرما ۔ ندا آئی کہ اے ابراہیم ! تُو نے مجھ سے وہ دعا مانگی کہ میں نے یہ مرتبہ کسی اور کو نہیں بخشا ۔ لیکن بتایئے کہ اگر تیری دُعا قبول کر لوں تو پھر میری غفاری و غفوری اور رحمانی و رحیمی کا دریا کہاں جائے گا ! اس کے بعد میں نے عرض کی :

اللهم اغفر لی ذنوبی (اے اللہ ! میرے گناہ بخش دے)

ندا آئی: اے ابراہیم! تُونے مجھ سے ایسی التجا کی جس سے میں بہت خوش ہوتا ہوں۔ لیکن اس طرح کی دُعا تو مجھ سے ہر بندہ مانگتا ہے۔

اس کے بعد میں نے کہا، یا اللہ! مجھے معصیت کی ذلّت سے بچا کر طاعت کی عزّت عطا فرما۔ پھر میں نے عرض کی: یا اللہ! جو تجھے جانتا ہے وہ بالکل کچھ نہیں جانتا پھر جو تجھے نہیں جانتا اس کا کیا حال ہوگا۔ اس کے بعد میں نے پندرہ سال مشقت اٹھائی، پھر آواز آئی: اے ابراہیم! بندہ بن، راحت پائے گا۔ یعنی راحت و فرحت صرف عبودیتِ مولیٰ اور خواہشِ نفسانی سے اعراض میں ہے۔ جبکہ دُنیا کو کوئی راحت نہیں اور نہ ہی مولیٰ سے دُور ہونے والے کو کوئی فرحت نصیب ہوگی نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔ جب بندہ سے کوتاہی اور سہو و نسیان ظاہر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندے کے لیے غفور و رحیم کے دونوں اسموں کو ظاہر فرماتا ہے ان کی وجہ سے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے اور بندے کے تمام گناہ مٹا کر اس کے عملنامے میں ثواب لکھتا ہے۔ قیامت میں اس سے کوئی حساب نہ لے گا اور نہ ہی اسے کسی عذاب میں مبتلا کرے گا۔ بلکہ بعض ایسے بندے بھی ہوں گے جنہیں گناہوں کے بدلے نیکیاں عطا ہوں گی۔

ف : سورۂ احزاب سورۂ بقرہ کے برابر یا اس سے بھی بڑی تھی۔ اسی میں آیت رجم تھی یعنی "اذا زنا الشیخ والشیخۃ فارجموھما البتۃ نکالا من اللہ العزیز الحکیم"۔ اس کے بعد اس کے اکثر مضامین اٹھا لیے گئے اور وہ آیات منسوخ ہوگئیں اور باقی یہی آیات رہ گئیں جو موجود ہیں۔

حدیث شریف میں ہے:
من قرأ سورۃ الاحزاب وعلمھا اھلہ وما ملکت یمینہ اعطی الامان من عذاب القبر۔

(جو شخص سورۂ احزاب پڑھتا ہے اور اپنے اہل و عیال کو پڑھاتا ہے تو اسے قبر کے عذاب سے امان ملے گی)

اللھم اختم لنا بالخیر واعصمنا من کل سوء وضیر وامنا من البلایا وفتنۃ القبر ومحاسبۃ الحشر۔ تمت سورۃ الاحزاب بعون اللہ الوھاب یوم الاحد الثامن عشر من شھر اللہ المحرم سنۃ عشر ومائۃ والف۔

(صاحب روح البیان رحمہ اللہ نے فرمایا) کہ اس سورۂ احزاب کی تفسیر اللہ تعالیٰ کی

مہربانی سے اتوار کے دن ۱۰ محرم سنہ ۱۱۱۰ھ میں ختم ہوئی۔

فقیر اویسی غفرلہٗ

نے اس کے ترجمہ سے بعد نمازِ عشاء شبِ اتوار

۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ میں فراغت پائی۔

فللّٰہ الحمد علیٰ ذالک وصلّی اللہ علیہ

وآلہٖ وسلّم

○

سُورَۃُ سَبَا

ایاتہا ۵۴	(۳۴) سُورَۃُ سَبَاٍ مَّکِّیَّۃٌ (۵۸)	رکوعاتہا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ۭ وَ
هُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ○ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۗءِ
وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ○ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ۭ قُلْ
بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي
الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○ لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ○ وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا
مُعٰجِزِيْنَ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ○ وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ
اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ○ وَقَالَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰي رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ
جَدِيْدٍ ○ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي
الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ○ اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ

السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ
السَّمَآءِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝

ترجمہ : اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان نہایت رحم والا ہے۔ سب خوبیاں اللہ کو کہ اسی کا مال ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں اور آخرت میں اسی کی تعریف ہے اور وہی ہے حکمت والا خبردار۔ جانتا ہے جو کچھ زمین میں جاتا ہے اور جو زمین سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے اترتا ہے اور جو اس میں چڑھتا ہے اور وہی ہے مہربان بخشنے والا۔ اور کافر بولے ہم پر قیامت نہ آئے گی۔ تم فرماؤ کیوں نہیں میرے رب کی قسم بیشک ضرور تم پر آئے گی، غیب جاننے والا، اس سے غائب نہیں ذرہ بھر کوئی چیز آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ بڑی مگر ایک صاف بتانے والی کتاب میں ہے تاکہ صلہ دے انہیں جو ایمان لاتے اور اچھے کام کیے۔ یہ ہیں جن کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی۔ اور جنہوں نے ہماری آیتوں میں ہرانے کی کوشش کی ان کے لیے سخت عذاب دردناک میں سے عذاب ہے۔ اور جنہیں علم ملا وہ جانتے ہیں کہ جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اترا وہی حق ہے اور عزت والے سب خوبیوں سراہے کی راہ بتاتا ہے۔ اور کافر بولے کیا ہم تمہیں ایسا مرد بتادیں جو تمہیں خبر دے کہ جب تم پرزہ ہو کر بالکل تمہیں ریزہ ریزہ ہو جاؤ تو پھر تمہیں نیا بننا ہے۔ کیا اللہ پر اس نے جھوٹ باندھا یا اُسے سودا ہے بلکہ وہ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے عذاب اور دُور کی گمراہی میں ہیں۔ تو کیا انہوں نے نہ دیکھا جو ان کے آگے اور پیچھے ہے آسمان اور زمین ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں یا ان پر آسمان کا ٹکڑا گرا دیں بیشک اس میں نشانی ہے ہر رجوع لانے والے بندے کے لیے۔

تفسیر عالمانہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الف ولام استغراق جنس کا ہے اور لام تملیک و اختصاص کی ہے یعنی ہر حامد کی مدح و ثناء و شکر کے جملہ افراد اللہ تعالیٰ کی ملک اور صرف اسی سے مخصوص ہیں اس میں کسی ایک کو شرکت نہیں اس لیے کہ وہی سب کا خالق و مالک ہے چنانچہ فرمایا اَلَّذِيْ لَهٗ وہ ہے جس کے لیے خاص ہے تخلیق و ملک اور تصرف کے لحاظ سے ایجاداً و اعداماً اور احیاءً و اماتۃً مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وہ جو آسمانوں اور جو زمینوں میں ہے اسی

تمام موجودات مراد ہیں یعنی جملہ محامد کا رجوع اسی طرف ہے تمام مخلوق مملوک اور ان سب کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ زنگی کے کافور نام رکھنے سے اس کی حقیقت میں تبدیلی نہیں آجاتی۔ ایسے ہی کسی دوسرے کو ملکیت دینے سے اللہ تعالیٰ کی حقیقی ملکیت: فرق نہیں آئے گا۔ یہاں پر نعمتوں سے دنیوی نعمتیں مراد ہیں اس لیے کہ آسمانوں اور زمینوں اور ان کے اندر کی جملہ اشیاءٔ ہمارے نفع کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ یعنی دین و دُنیا کی ہر نعمت میں نفع ہے۔ اس میں طرف یہ بتایا گیا ہے کہ محمود علیہ صرف اللہ تعالیٰ ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ حمد صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا؛

له الحمد فی الاولیٰ والاٰخرة۔

اور حمدِ الٰہی اگرچہ ذاتی طور پر ذاتِ حق تعالیٰ کے لیے ہے لیکن بندوں کی تعلیم کے لیے فرمایا تاکہ انھیں معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کی حمد کس طرح کی جاتی ہے۔

وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ دنیوی حمد اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہونے کے بیان کے بعد اب بتایا کہ آخرت کی حمد بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ جار مجرور یا تو حمد کے متعلق ہے یا مستقر اور ثابت کے متعلق ہے محمود علیہ یعنی جس وجہ سے حمد کی جارہی ہے اس کا ذکر نہیں ہُوا تاکہ نعمتوں کے عموم پر دلالت کرے۔ چنانچہ دوسرے مقام پر ہے؛

الحمد لله الذی صدقنا وعده واورثنا الارض نتبوأ من الجنة حیث نشاء۔

(تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے ہمیں زمین کا وارث بنایا کہ جہاں ہم چاہیں جنت میں گھر بنائیں)

اور فرمایا؛

الذی احلنا دار المقامة من فضله ۔ الاٰیة

(تمام تعریفیں اس کے لیے ہیں جس نے ٹھہرنے کے دار میں اپنے فضل سے ہمیں داخل کیا)

تاکہ حمد دنیوی نعمتوں کا ذریعہ اور سبب بنے۔ کما قال :

الحمد لله الذی هدانا لهذا۔

یعنی حمد کی جزا ایمان و عمل صالح ہے۔

اہلِ جنت کی حمد کے مقامات

منقول ہے کہ اہلِ جنت چھ مقامات پر اللہ تعالیٰ کی حمد کریں گے؛

(۱) جب وامتازوا الیوم ایها المجرمون کی آواز آئے گی اور اہلِ ایمان اور کفار ایک دوسرے سے جُدا ہوں گے تو اہلِ ایمان کہیں گے؛

الحمد للہ الذی نجانا من القوم الظالمین۔

جیسے نوح علیہ السلام نے قوم سے نجات پاکر یہی کلمات کہے۔

(۲) جب پل صراط کو عبور کر جائیں گے تو کہیں گے:

الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن۔

(۳) جب باب جنت کے قریب پہنچیں گے تو آبِ حیات سے غسل کرکے بہشت کو دیکھیں گے تو کہیں گے:

الحمد للہ الذی ھدانا لھذا۔

(۴) جب بہشت میں داخل ہوں گے اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے تو کہیں گے:

الحمد للہ الذی احلنا دار المقامۃ۔

(۵) جب بہشت میں اپنی منازل میں قرار پکڑیں گے تو کہیں گے:

الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ واورثنا الارض۔

(۶) جب بہشت کے طعام سے فارغ ہوں گے تو کہیں گے:

الحمد للہ رب العالمین۔

دُنیا و آخرت کی حمد میں فرق دنیا و آخرت کی حمد میں فرق یہ ہے کہ دنیا میں حمد عبادت کے طور کی جاتی ہے اور آخرت میں لذت کے طور پر کی جائے گی۔ آخرت میں حمد کرنے سے اسی طرح لذت محسوس ہوگی جیسے پیاسے کو پانی سے۔ وہاں حمد کرنا نہ فرض ہوگا نہ واجب۔

حدیث شریف میں ہے:

انھم یلھمون التسبیح کما یلھمون النفس۔

(آخرت میں بہشتیوں کی تسبیح کا الہام ہوگا جیسے دنیا میں الہام ہوتے ہیں)

ف: آخرت میں ہر طرح کے لوگ اللہ تعالیٰ کی حمد کریں گے بہشتی فضل کا بیان کریں گے اور اہل دوزخ عدل کا۔

فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی البروسوی قدس سرہٗ) کہتا ہے: آخرت والے صرف بہشتی ہوں گے۔ دوزخیوں کو نہ عذاب سے فراغت نہ ہوگی نہ وہ حمد کر سکیں گے۔ علاوہ ازیں اسی کی حمد کا اعتبار ہوجاتا ہے جو صاحبانِ شرافت وفضیلت ہوں اور دشمن تو ہیں ہی دشمن۔ پھر ان کے عدل کی صفت سے حمد بجا لانے کا کیا معنیٰ!

وَهُوَ الْحَكِيْمُ اللہ تعالیٰ وُہ ہے جس نے دین و دُنیا کے امور کو مضبوط کیا اور جیسے اس کی حکمت کا تقاضا تھا اور مصلحت دائمی بھی ویسے ہی ان کے امور کی تدبیر فرمائی اَلْخَبِيْرُ۝ بہت بڑا خبر والا ہے اشیاء کے ظاہر اور باطن اور ان کے مخفی اسرار کو خُوب جانتا ہے۔

ربط: مذکورہ صفت الخبیر گویا دعویٰ تھا اب اس کی دلیل بیان فرمائی کہ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ۔

حلِ لغات الولوج بمعنے تنگ مقام میں داخل ہونا۔ یعنی اللہ تعالیٰ زمین کی ان چیزوں کو جانتا ہے جو ظاہر ہیں اور انہیں بھی جانتا ہے جو چھپی ہُوئی ہیں۔ جیسے زمین میں بیج ڈالا جاتا ہے تاکہ کھیتی پیدا ہو۔ ایسے ہی بارش کے قطرات زمین کے اندر جذب ہوجاتے ہیں پھر ان کی تاثیر سے کھیتیاں اگتی اور پھلتی پھولتی ہیں ایسے خزینے، دفینے، مردگان اور کیڑے مکوڑے تمام زمین میں چھپے ہوُئے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ان سب کو جانتا ہے۔

صُوفیانہ معنے ارضِ بشریہ میں جو کچھ پوشیدہ ہے جسے حواسِ خمسہ سے معلوم کیا جا سکتا ہے لیکن وہ انہیں بلا اسباب جانتا ہے اور اغذیہ صالحہ و فاسدہ اور حلال و حرام کو جانتا ہے۔

وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا اور ان اشیاء کو جانتا ہے جو اس سے نکلتی ہیں جیسے وہ حیوانات جو اپنی بلوں سے باہر نکل آتے ہیں اور کھیتیوں سے انگوریاں اور نباتات۔ اور جیسے چشمے کا پانی اور معدنیات نکل آتی ہیں۔ ایسے ہی مُردے حشر میں اُٹھ کھڑے ہوں گے۔

ایسے ہی ارضِ بشریہ کی صفات کو جانتا ہے جو اس سے پیدا ہوتی ہیں۔ ایسے ہی اس کے اعمالِ صالحہ و قبیحہ کو جانتا ہے۔

وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ اور وہ جو آسمان سے اُترتے ہیں جیسے ملائکہ اور کتابیں اور تقدیریں، ارزاق، برکات، بارشیں، اوس، ٹھنڈک، انداز آسمانی چنگاریاں اور کڑکیں وغیرہا۔

صُوفیانہ معنے نیز جانتا ہے جو سمائے قلب پر فیوضاتِ روحانیہ اور الہاماتِ ربانیہ نازل ہوتے ہیں۔

وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا اور انہیں جانتا ہے جو آسمانوں پر چڑھتے ہیں جیسے فرشتے اور ارواحِ طاہرہ اور بخارات، دُھوئیں، دعوات اور اعمالِ صالحہ۔

نکتہ یہاں پر فیہا اور دوسری آیت میں الیہا ہے کما قال تعالیٰ: الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ۔

(اسی کی طرف پاک کلمات چڑھتے ہیں اور وہ عمل صالح ہے اسے وہ پسند کرتا ہے)

اس میں اشارہ ہے کہ ہر ایک کا منتہیٰ ذاتِ حق تعالیٰ ہے اور آسمان تو صرف اس کی رحمت و برکت کا مرکز ہے۔ اس آیت میں اشارہ ہے کہ اعمالِ صالحہ آسمان میں پہنچ کر بارگاہِ حق میں پیش کیے جاتے ہیں۔

صوفیانہ معنے اللہ تعالیٰ جانتا ہے آسمانِ قلب پر جو امور چڑھتے ہیں جیسے فجور و تقویٰ اور ظلمت، ضلالت اور نورِ ہدایت۔

بعض مشایخ نے فرمایا کہ اس سے توبہ کرنے والوں کی گریہ و زاری اور مفلسوں یعنی عاشقانِ راہِ حق کی وہ آہیں جو سحر کے وقت دردبھرے سینے سے نکالتے ہیں تو وہ فوراً بارگاہِ حق میں قبول ہو جاتی ہیں اسی لیے وارد ہے:

انین المذنبین احب الیّ من زجل المسبحین۔

(مجرم کا رونا مجھے محبوب تر ہے تسبیح پڑھنے والوں کے شور و غل سے)

وحیِ داؤدی حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی آئی کہ ذلت کے وقوع سے تمہیں مبارک ہو۔ عرض کی، یا اللہ! ذلت پر مبارک کیسی!

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

عبادت کے بعد تو بندہ بڑے ناز و نزاکت سے حاضر ہوتا ہے اور ذلت والا بندہ نہایت عجز و انکساری سے، بڑے سوز و گداز سے۔ مجھے بندے کی نیاز اور اس کا سوز و گداز محبوب ہے۔

وَهُوَ الرَّحِيمُ الْغَفُورُ ۝ اور وہ حمد کرنے والوں اور اپنے دوستوں کے لیے رحیم ہے اور کوتاہی کرنے والوں اور گناہوں میں مبتلا ہو کر توبہ کرنے والوں کے لیے غفور ہے۔ خلاصہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ خلق و ملک و تصرف اور حکمت و علم و رحمت و مغفرت و دیگر بڑی اور گرامی قدر صفات سے موصوف ہے تو پھر صرف وہی حمد کے لائق ہے۔

حمد کا معنیٰ حمد اس اختیاری اور اچھی تعریف کو کہا جاتا ہے جو از جہت تعظیم کی جائے اس وقت نعمت کا حصول ہو یا نہ ہو۔ جیسے علم، کرم۔

سوال: اہلِ عرب کہتے ہیں،

الحمد للہ علیٰ دین الاسلام۔

یہ تو تمہاری بیان کردہ تعریف کے خلاف ہے۔

جواب: یہاں مضاف محذوف ہے۔ دراصل عبارت تھی، الحمد للہ علیٰ تعلیم الدین

و توفیقہ -

حمد کی قسمیں (حمد کی کئی اقسام ہیں :)

(۱) الحمد القولی : زبان سے اللہ تعالیٰ کی اسی طرح تعریف کرنا جیسے اس نے اپنی تعریف انبیاء (علیہم السلام) کی زبانوں سے بیان فرمائی ہے :

(۲) الحمد الفعلی : اعمال صالحہ بہ نیۂ محض رضائے الٰہی کے لیے کیے جائیں -

(۳) الحمد الحالی : معارف و اخلاق الٰہیہ کے اوصاف سے موصوف ہونا -

ف : دُکھ اور تکلیف کے وقت حمد کرنا دلالت کرے گا کہ بندہ اپنے مالک کے فیصلے پر راضی ہے اور نعمت کے حصول پر شکر کیا جاتا ہے - دُکھ اور درد کے وقت حمد کے الفاظ یُوں ہونے چاہئیں :

الحمد للہ علیٰ کل حال -

اس سے نعمت باطنی پر نگاہ ہو لیکن ایسے موقعے پر شکر اللہ نہ کہا جائے تاکہ اس کلمہ سے دُکھ اور درد میں اضافہ نہ ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے :

لئن شکرتم لا زیدنکم -

ف : نعمت پر حمد کہنا ایسے ہی ہے جیسے جسم کے لیے رُوح - جیسے جسم روح سے زندہ رہتا ہے ایسے ہی شکر کرنے سے نعمت کو بقا نصیب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت کے اظہار کے لیے تعظیمی کلمات میں سے بڑا عظمت والا کلمہ الحمد للہ ہے - ایسے ہی اس کی نعمت کی ادائیگی کے اظہار کے لیے شکر کا بہترین کلمہ بھی یہی الحمد للہ ہے - اسی وجہ سے یہی کلمہ ہر خطبہ کی زینت اور ہر مدحت کا آغاز ہے - ہر ثنا کی ابتدا اسی سے ہوتی ہے - یہی وجہ ہے کہ جو سورۃ الحمد سے شروع ہوتی ہے وہ دوسری سُورتوں پر فضیلت رکھتی ہے -

حدیث شریف میں ہے :

کل کلام لا یبدأ فیہ بالحمد للہ فھو اجذم -

(وہ کلام جسے الحمد سے شروع نہ کیا جائے وہ برکت سے خالی ہے)

صفات جلال و اکرام کے ساتھ ہر کلام سے پہلے اسی کی حمد ہے -

؎

حمد او تاج تارک خفت
صدر ہر نامہ نو و کہنست

ترجمہ: اس کی حمد ہر سخن کی سرتاج ہے بلکہ ہر پرانے اور نئے نامہ کی صدر حمد ہے۔

فتوح الحرمین میں ہے : ؎

۱ احسن ما اہتم بہ ذو الہمم
ذکر جمیل لولی النعم

۲ چوں نعمت اوست بروں از خیال
کیف یؤدیہ لسان المقال

۳ نعمت او بیشتر از شکر ماست
شکر ہم از نعمتہائے خداست

ترجمہ (۱) اس کام پر زیادہ توجہ دے جس کا ہمت والوں نے اہتمام کیا یعنی نعمتوں کے مالک کا ذکر جمیل زیادہ سے زیادہ کر۔

(۲) جب اس کی نعمتیں خیال سے باہر ہیں اسے زبانی گفتگو کیسے پورا کر سکتی ہے!

(۳) اس کی نعمت ہمارے شکر سے بہت زیادہ ہے اور یہ شکر بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے ایک نعمت ہے۔

ف : حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔ جب آپ نے سر مبارک اٹھا کر کہا :

سمع اللہ لمن حمدہ۔

تو کسی نے آپ کے پیچھے کہا :

ربنا لک الحمد حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ۔

نماز سے فراغت پا کر پوچھا کہ مذکورہ بالا کلمات کس نے کہے؟ میں نے عرض کیا : میں نے۔ آپ نے فرمایا :

لقد رأیت بضعا وثلاثین ملکا یبتدرونہا أیہم یکتبہا اول۔

(میں نے تیس سے زائد فرشتوں کو دیکھا کہ ان کلمات کو لکھنے میں سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے تھے)

نکتہ مخصوص گنتی کے فرشتوں کے لکھنے میں راز یہ ہے کہ کلمات مذکورہ کے حروف کی گنتی ہے جو اوپر مذکور ہوئی اور یہ بھی ہے کہ ہر حرف؟ علاوہ علیحدہ روح ہے وہی حرف کو صورت بخشتا ہے

اور اسی روح کی طاقت سے زبان پر لایا جا سکتا ہے اور ارواح سے ہی صورتوں کو بقا ملتی ہے اور اعمال کو عمل کرنے والوں کی نیات اور ان کے نفوس کی توجہات کے مطابق آسمانوں پر چڑھنا نصیب ہوتا ہے۔

ملائکہ کے مراتب ملائکہ کرام کے مراتب ہیں بعض تو خالص انوارِ قدسیہ ہیں اور بعض ارواح کلیہ ہیں۔ بعض اعمال صالحہ واذکار صالحہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ بعض کلمات اذکار کے اعداد کے مطابق، بعض ان کے حروف کی گنتی کے موافق، بعض حروف مقررہ کی گنتی پر ہوتے ہیں۔ بعض ذکر کرنے والوں کی استعداد پر اعمال کے ارکان کی گنتی کے مطابق ہوتے ہیں لیکن ان سب کی قوت روحانیہ وہمت عالیہ ہوتی ہے۔

ف : حدیثِ مذکور سے ثابت ہوا کہ ان کلمات کے لکھنے والے ان نگران فرشتوں کے علاوہ تھے جو ہر وقت عمل لکھنے پر مامور ہیں جنہیں حفظہ یا کراماً کاتبین کہا جاتا ہے۔

ف : ملاء الاعلیٰ ملائکہ اعمال صالحہ کے ثواب اور درجات کے متعلق ایک دوسرے سے جھگڑتے بھی ہیں اور بعض موقع عمل صالح کے لکھنے میں ایک دوسرے سے عجلت بھی کرتے ہیں۔ پھر عمل کرنے والا جتنا بلند ہوگا اتنا ہی ملائکہ لکھنے میں عجلت کریں گے۔ اس حدیث شریف کے مزید اسرار ورموز حضرت شیخ اجل صدر الدین القنوی قدس سرہٗ کی چہل حدیث میں ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ اور کافر کہتے ہیں کہ قیامت نہیں آئے گی۔ قیامت کو ساعۃ جو زمانے کا ایک جزء ہے سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں بہت جلد حساب لے گا۔ الارشاد میں ہے کہ ضمیر جمع متکلم سے مراد جنس انسان سب کے سب مراد ہیں نہ صرف وہ یا ان کے معاصرین۔ ایسے ہی قیامت کے آنے سے اس کے وجود کی نفی مراد ہے۔ ان کی یہ مراد ہرگز نہ تھی کہ قیامت ہے لیکن ان کے ہاں نہیں آئے گی۔ اور انہوں نے اسے عدم اتیان سے اس لیے تعبیر کیا کہ انھیں یہی کہا جاتا کہ قیامت آئے گی۔ انہوں نے اس کے جواب میں عدم اتیان کہہ رہے تھے۔ علاوہ ازیں وہ امور جو زمانۂ مستقبل سے متعلق ہیں بالخصوص زمانہ کے اجزاء کو اتیان یا حضور سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ قیامت کے منکرین دو گروہوں پر منقسم تھے۔ ایک گروہ کہتا تھا،

ان نظن الا ظنا وما نحن بمستیقنین۔

یعنی ہمیں تو قیامت کے وقوع کا صرف گمان ہے بلکہ اس کے وقوع میں ہمیں بالکل یقین نہیں اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بندہ مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک قیامت پر ایمان نہ لائے۔ کما

قال تعالیٰ :

وبالاٰخرۃ ھم یوقنون ۔

دُوسرا گروہ کہتا تھا کہ ہمارے ہاں قیامت آئے گی ہی نہیں۔

قُلْ بَلٰی یہ کافروں کے کلام کا رد ہے، جس کی انہوں نے نفی کی اس کا اثبات ہے۔ یعنی انہوں نے کہا، قیامت نہیں آئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! فرمائیے، آئے گی

شانِ نزول لباب میں لکھا ہے کہ ابوسفیان نے لات وعُزّیٰ کی قسم کھا کر کہا کہ قیامت نہیں آئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا، اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ بھی قسم کھا کر فرمائیے وَرَبِّیْ مجھے اپنے پروردگار کی قسم۔ یہ واؤ قسمیہ ہے لَتَاْتِیَنَّکُمْ تمہارے ہاں قیامت ضرور آنے گی۔ یہ ماقبل کی تاکید ہے عٰلِمِ الْغَیْبِ یہ ربی کی صفت یا اس سے بدل ہے۔ اس سے تاکید کو اور پختہ کرنا مطلوب ہے۔ یعنی چونکہ قیامت غیوب سے متعلق ہے اور غیوب سب کے سب اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

غیب کی تعریف اور اس کی مثالیں غیب وُہ ہے جو مخلوق سے غائب ہو۔ مثلاً علقہ نطفہ میں اور مُضغہ علقہ میں اور انسان سب میں غیب ہے اور پانی ہوا میں اور انگوری پانی میں اور حیوان انگوری میں اور انسان ان سب میں غیب ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان تمام غیوب سے انسان کو ظاہر فرمایا اور پھر جب مٹی میں چھپ جائے گا تو بھی اسے قیامت میں مٹی سے ظاہر فرمائے گا۔[1] (اس سے آگے صفحہ ۲۹۴ پر دیکھئے)

---

[1] غیب کی ان مثالوں سے ظاہر ہُوا کہ اللہ تعالیٰ یہی غیب اپنے انبیاء و اولیاء کو عطا فرماتا ہے۔ پھر اس کا اطلاق بھی انبیاء و اولیاء پر جائز ہے لیکن دیوبندی وہابی نجدی مودودی وغیرہم اولاً تو مانتے ہی نہیں اور اگر مانتے ہیں تو اس کا اطلاق ناجائز سمجھتے ہیں۔ ہم چند حوالے عرض کرتے ہیں۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا وعلیہم السلام کو دُنیا میں اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے۔ کما قال :

واذ قال ربک للملئکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ ۔

اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نائبِ اعظم وخلیفۂ اکرم ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ کی وُہ صفات

(باقی برصفحۂ آئندہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۶)
جو قرآن واحادیث میں بتائی گئی ہیں ان کے مظاہر انبیاء و اولیاء ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صفات کے علاوہ ذات کے مظہر اُتم ہیں اسی لیے علم غیب ہو یا حاضر و ناظر اور نور وغیرہ صفات کا مظہر ماننا عین اسلام ہے اس کا انکار یا تو ابلیس کو تھا یا آج کسی بدعقیدہ خبیث کو ہوگا۔ ورنہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اظہار خود فرمایا:

اخرج الطبرانی عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ قد رفع لی الدنیا فانا انظر الیھا و الی ما ھو کائن فیھا الی یوم القیامۃ۔ (مواھب اللدنیہ)

پھر مواہب اللدنیہ کے صفحہ ۲۸۷ پر علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ نے بایں طور فیصلہ کر دیا ہے:

اذ لا فرق بین موتہ وحیاتہ فی مشاھدتہ لامتہ ومعرفتہ باحوالھم ونیاتھم وعزائمھم وخواطرھم وذالک عندہٗ جلیٌ لاخفاء بہ الخ

(ہمارے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی اور اس وقت کی حالت میں کچھ فرق نہیں ہے وہ اپنی اُمت کو دیکھتے ہیں اور ان کے احوال کو پہچانتے ہیں اور ان کی نیتوں اور ان کے دلوں کو خوب جانتے ہیں اور ان پر کچھ پوشیدہ نہیں سب روشن ہے)

اور کتاب شفا شریف ج ۲ ص ۵۸ میں ہے:

وقال النخعی اذا لم یکن فی المسجد احدٌ فقل السلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اذا لم یکن فی البیت فقل السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین۔

(اور نخعی نے کہا کہ جب تم مسجد میں جاؤ تو یوں کہو السلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جب تم گھر میں جاؤ تو کہو السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین۔

اور اسی کتاب کی شرح ملا علی قاری رحمۃ اللہ ج ۲ ص ۱۱۷ میں ہے:

ان لم یکن فی البیت احد فقل السلام علی النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ لان روحہ[1] علیہ السلام حاضر فی البیوت اھل اسلام۔ (باقی بر صفحہ ۲۸۸)

---

[1] لان روحہ قرآن مجید میں ہے کہ ہر مومن کو قرب آپ کی ذات کا ہے ادنی بالمؤمنین اس پر شاہد ہے اور ادنی بمعنی اقرب ہے۔ جیسا کہ مولوی قاسم نانوتوی نے کہا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۷)

یعنی اگر تم گھر یا مسجد میں جاؤ اور وہاں کوئی شخص بھی نہ پاؤ تو یہ کہہ دو ؛

السلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

اس لیے کہ بے شک آپ کی ذات کی روح مبارک ہر اہلِ اسلام کے گھر میں حاضر یعنی جلوہ گر رہتی ہے۔

کتاب حصن حصین میں احادیثِ صحیحہ تحریر ہیں ؛

واذا نفلتت دابۃٌ فلینادِ اَعِینُوْنی عباد اللہ رحمکم اللہ۔

(اور جس وقت کسی کا جانور بھاگ جائے تو یوں پکارے اے اللہ کے بندو ! میری مدد کرو)

یا یوں کہو ؛

یا عبادَ اللہِ احبسوا یا عباد اللہِ احبسوا یا عباد اللہِ احبسوا۔ (الحدیث)

(اے بندگانِ خدا ! روکو۔ اے بندگانِ خدا ! روکو۔ اے بندگانِ خدا ! روکو)

یہ حضرت ابنِ عباس سے مروی ہے۔ بندگان سے مراد ابدال و جنّات و صالحین ہیں۔

اور حدیث طبرانی و حصن حصین میں مسطور ہے ؛

یا عِبَادَ اللہِ اَعِیْنُوْنِیْ یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی۔

(اے بندگانِ خدا ! میری مدد کرو ، اے بندگانِ خدا ! میری مدد کرو ، اے بندگانِ خدا ! میری مدد کرو)

اور کتاب غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار جلد اول صفحہ ۲۴۲ و نہر الفائق شرح کنز الدقائق ، بابُ التشہد وغیرہ میں مرقوم ہے :

"حکایت کے طور آپ کی ذات پر سلام نہ بھیجے بلکہ دل میں خاص قصد کرے۔"

کتاب مذاق العارفین ترجمہ احیاء العلوم جلد اول باب چہارم صفحہ ۳۱۹ میں اس طرح لکھا ہے :

"جب تشہد کے لیے بیٹھو اور تصریح کرو کہ جتنی چیزیں تقرب کی ہیں خواہ صلوات ہو یا طیبات یعنی اخلاق ظاہرہ وہ سب اللہ کے لیے ہیں۔ اسی طرح ملک خدا کے لیے ہے اور یہ معنے التحیات کے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود با جود کو اپنے دل میں حاضر کرو اور کہو السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔"

(باقی بر صفحہ ۲۸۹)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۸)

اور امام شعرانی نے اپنے استاد سے یوں ارقام فرمایا ہے کہ شارح علیہ الرحمۃ نے نمازی کو تشہد میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود و سلام عرض کرنے کا اس لیے حکم دیا ہے کہ جو لوگ اللہ عزوجل کے دربار میں غفلت کے ساتھ بیٹھتے ہیں انہیں آگاہ کردو کہ اس حاضری میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دیکھیں اور سمجھیں کہ حضور کبھی اللہ تعالیٰ کے دربار سے جدا نہیں ہوتے۔ اس لیے نمازیوں پر لازم ہے کہ آپ کی ذات پر بالمشافہ سلام عرض کریں۔

فیخاطبونہٗ بالسلام مشافہۃ من عینہ۔

(المیزان الکبریٰ، شعرانی ج ۱ ص ۱۰۴ و ۱۴۹ مطبوعہ مصر)

اور کتاب اشعۃ اللمعات جلد اول ص ۴۲۰ ذیل حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے لکھا ہے:

"آپ کی ذات والا صفات خاص مومنوں کے لیے ہر وقت نصب العین و قرۃ العین ہیں۔"

یعنی آنحضرت ہمیشہ نصب العین مومناں و قرۃ العین عابداں است در جمیع احوال و اوقات خصوصاً در حالت عبادت و آخر آں کہ وجود نورانیت و انکشاف دریں محل بیشتر قوی تر است من عینہ الخ

اور تفسیر عزیزی ج ۱ ص ۳۵۵ ذیل آیت کریمہ ویکون الرسول علیکم شہید آ کے بایں طور لکھا ہے:

یعنی باشد رسول شما بر شما گواہ زیرا کہ او مطلع است بنورِ نبوت بر رتبۂ ہر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ و حقیقت ایمان او چیست و حجابے کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ است کدام است پس او می شناسد گناہاں شمارا و درجات ایمان شمارا و اعمال نیک و بد شمارا و اخلاص و نفاق شمارا لہٰذا شہادت او در دنیا بحکم شرع در حق امت مقبول و واجب العمل است و آنچہ او از فضائل و مناقب حاضران زمان خود مثل صحابہ و ازواج و اہلبیت یا غائباں از زمان خود مثل اویس و صلہ و مہدی و مقتول دجال یا از معائب و مثالب حاضراں و غائباں مے فرماید اعتقاد براں واجب و ازیں است کہ در روایات آمدہ کہ ہر نبی را بر اعمال امتیان خود مطلع مے سازند کہ فلانے امروز چنیں مے کند و فلانے چناں تا روزِ قیامت ادائے شہادت تواند کرد۔ الخ

(لعینہٖ اصل عبارت)

(باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۹)
دلائل الخیرات شریف میں ایک اور حدیث بایں معنیٰ مسطور ہے کہ کسی صحابی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا کہ جو شخص آپ سے بہت دور اور غائب درود شریف پڑھے تو آپ کو کس طرح پہنچتا ہے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، جو شخص محبت و شوق میں مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے میں اس کو خود اپنے کانوں سے سنتا ہوں اور جواز روئے عادت و ثواب کے طور پڑھتا ہے اس کو فرشتے پہنچا دیتے ہیں۔ اصل حدیث ملاحظہ ہو:

وقیل لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارأیت صلوٰۃ المصلین علیک ممن غاب عنک ومن یأتی بعدک ما حالھما عندک فقال اسمع صلوٰۃ اھل محبتی واعرفھم وتعرض علی صلوۃ غیرھم عرضاً۔

نیز مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث بایں معنیٰ درج ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی تمام امت کے اعمال ناموں کو ملاحظہ فرماتے ہیں۔

کتاب جذب القلوب الی دیار المحبوب صفحہ ۲۰۰ میں حضرت محدث دہلوی علیہ الرحمۃ حدیث صحیح حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بایں الفاظ تحریر فرماتے ہیں:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد موتی کعلمی فی حیاتی۔
(فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرا علم موت کے بعد بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ حیاتِ دنیا میں تھا)

روایت کیا ہے اس حدیث کو حافظ منذر رحمۃ اللہ علیہ نے اور حضرت علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب تنویر الحلک برؤیۃ الملک میں آپ کے حالات میں اس طرح ارقام فرمایا ہے:

فحصل من مجموع ھذہ النقول والاحادیث ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حی بجسدہ وروحہ وانہ یتصرف ویسیر حیث شاء فی اقطار الارض وفی الملکوت وھو بھیئتہ التی کان علیھا قبل وفاتہ لم یبدل منہ شیٔ وانہ مغیبٌ عن الابصار کما غیبت الملٰئکۃ مع کونھم احیاء باجسادھم فاذا اراد اللہ رفع الحجاب عمن اراد کرامہ برؤیتہ راٰہ علی ھیئتہ التی ھو علیھا۔ (شرح قصیدہ غوثیہ ص ۳۷)

(باقی بر صفحہ ۲۹۱)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۰)

(پس ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات والاصفات جسم مع روح زندہ ہیں اور اپنی امت کے تمام حالات ظاہری و باطنی کو نورِ نبوت خود بواسطہ ملائکہ ہمیشہ مشاہدہ فرماتے رہتے ہیں اور جہاں چاہتے سیر کرتے ہیں اور آپ کے علوم میں بوجہ نقل مکانی کے کچھ فرق نہیں پڑتا اور خداوند کریم کے حکم سے ایک ہی آن میں تمام عالم کی سیر اور مشاہدہ فرما سکتے ہیں اور پکارنے والے کی پکار کو بھی اپنے مکان مقدسہ سے بحکم خدا تعالیٰ سنتے ہیں اور آپ کا تصرف بھی ہر جگہ پر موجود ہے)

ہمارے نزدیک آقائے نامدار حبیب کردگار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم باذنہٖ تعالیٰ سب کچھ جانتے ہیں اور ہر ایک کی فریاد سنتے ہیں۔ مزید تفصیل تصانیفِ اعلیٰحضرت امامِ اہلسنت شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ العزیز اور دیگر علمائے اہلسنت کی کتب میں ہے۔

انتباہ مخالفین کی عادت ہے کہ جب کچھ نہ بن پڑے تو پھر فقہ کی جزئیات پیش کر دیتے ہیں چنانچہ ان کا ایک سوال فقہ کا مشہور ہے جو مندرج ذیل ہے۔

سوال: قاضی خان میں ہے:

رجل تزوج امرأۃ بغیر شہود فقال الرجل والمرأۃ خدارا و پیغمبر را گواہ کردیم قالوا یکون کفرا لانہ اعتقد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب وھو ما کان یعلم الغیب حین کان فی الاحیاء فکیف بعد الموت۔

(ایک مرد نے ایک عورت سے بغیر گواہوں کے نکاح کیا پس مرد و عورت نے کہا خدا اور رسول جل جلالہٗ و صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم نے گواہ کیا کہتے ہیں یہ کفر ہوگا اس لیے کہ اس نے یہ اعتقاد کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں اور حال یہ ہے کہ آپ تو زندگی میں بھی غیب کو نہیں جانتے تھے پس بعد وفات کے کیونکر جان سکتے ہیں)

جوابِ الزامی: مخالفین کا منشا یہ ہے کہ معتقدِ علمِ غیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکفیر فقہ سے ثابت کریں مگر انہیں خبر نہیں کہ انہوں نے یہ کفر اپنے ذمے لے لیا ہے کہ قاضی خان کی عبارت سے اگر کفر ثابت ہوتا ہے تو معتقدِ علمِ غیب نبی بھی (معاذ اللہ) کافر اور تمام مخالفین یعنی وہابی بھی، کیونکہ وہ قائل ہیں کہ اللہ جل شانہٗ نے حضور علیہ السلام کو بعض غیوب کا علم عطا فرمایا ہے۔ پس بموجب عبارت قاضی خاں کے ان کے

(باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۱)
کفر میں ان کی فہم کے بموجب شبہ نہیں۔ آپ یہ کہیں گے کہ وہابیوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بعض غیوب کے علم کا بھی کب اقرار کیا ہے؟ ملاحظہ ہو اعلاء کلمۃ الحق صفحہ ۱۷ میں ہے:
"اور بہت چیزیں اور امورِ غیب کے حق تعالیٰ نے آپ کو تعلیم فرمائے کہ ان کی مقدار حق تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔"
اور "فیصلہ علم غیب" صفحہ ۱۳ میں مولوی ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری کے یہ الفاظ مسطور ہیں:
"بھلا کوئی مسلمان کلمہ گو اس بات کا قائل ہو سکتا ہے کہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام کو امورِ غیبیہ پر اطلاع نہیں ہوئی ہے، مسلمان کہلا کر اس بات کے قائل ہونے والے پر خدا اور فرشتوں اور انبیاء اور جن کی بلکہ تمام مخلوق کی لعنت ہو۔"
خلاصہ یہ کہ ہمارے مخالفین بھی بعض غیوب کا اقرار کر رہے ہیں اور ہم بھی بعض غیوب ہی کا اثبات کر رہے ہیں[1] (کیونکہ جمیع اشیاء بھی بعض مغیبات ہیں) تو اگر معاذ اللہ قاضی خان کی عبارت سے ہم پر الزام آئے گا تو ہمارے مخالفین ضرور کافر ٹھہریں گے ؎

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را
چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند

اور اگر وہ کافر نہ ٹھہریں تو کیا ہم نے ہی خطا کی ہے۔
جواب تحقیقی: قاضی خان میں لفظ "قالوا" ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور قاضی خان وغیرہ فقہاء کی عادت ہے کہ وہ لفظ "قالوا" اس مسئلہ پر لاتے ہیں جو خود ان کے نزدیک غیر مستحسن ہو اور ائمہ سے مروی نہ ہو۔ چنانچہ شامی جلد ۵ ص ۵۴۴ میں ہے:
لفظة قالوا تذکر فیما فیہ خلاف کما صرحوا بہ۔
غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی بحث قنوت میں ہے:
وکلام قاضی خان یشیر الٰی عدم اختیارہ لہ حیث قال واذا صلی علی النبی
(باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] فرق اتنا ہے کہ ہم ان بعض کو اتنا وسیع جانتے ہیں کہ جمیع اشیاء کے علوم ان میں داخل ہیں اور مخالفین گنتی کے دو ایک حتیٰ کہ یہ لکھ دیتے ہیں کہ حضور کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں (معاذ اللہ) اور بعض گستاخ تو یہاں تک بک دیتے ہیں کہ حضور کو تو اپنے خاتمہ کا حال بھی معلوم نہیں (معاذ اللہ)۔ (تقویۃ الایمان و براہین قاطعہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

علیہ الصلوٰۃ والسلام فی القنوت قالوا لایصلی علیہ فی القعدۃ الاخیرۃ
خفی قولہ قالوا اشارۃ الیٰ عدم استحسانہ لہ والیٰ انہ غیر مروی عن الائمۃ
کما قلناہ فان ذٰلک من المتعارف فی عباراتہم لمن استقراھا واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس سے معلوم ہُوا کہ قاضی خاں کی عبارت خود قاضی خاں کے نزدیک غیر مستحسن اور غیر مروی اور ضعیف و مرجوح ہے حتیٰ کہ اس کے ساتھ حکم کرنا سخت ممنوع اور جہل ہے۔ درمختار میں ہے،

ان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جہل وخرق الاجماع۔

در المختار میں بھی یہی قاضی خان والا مسئلہ ہے وہاں بھی لفظ "قیل" ضعف کی دلیل موجود ہے درالمختار کتاب النکاح میں ہے:

تزوج بشہادۃ اللہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یجز بل قیل یکفر۔

شامی میں ہے:

(وقولہ یکفر) لانہ اعتقد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب
قال فی التاتارخانیۃ وفی الحجۃ ذکر فی الملتقط انہ لایکفر لان الاشیاء
تعرض علیٰ روح النبی صلی اللہ علیہ وسلم وان الرسل یعرفون بعض الغیب
قال اللہ تعالیٰ عالم الغیب فلا یظہر علیٰ غیبہ احدًا الا من ارتضیٰ من رسول۔

(خلاصہ یہ کہ جس نے کفر بتایا ہے اس کے نزدیک اعتقاد علم غیب سبب ہے۔ تاتارخانیہ اور حجۃ میں ملتقط سے نقل کیا ہے کہ اس اعتقاد سے آدمی کافر نہیں ہوتا اس لیے کہ روح پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اشیاء پیش کی جاتی ہیں اور رسول بعض غیب کو جانتے ہیں فرمایا اللہ جل شانہ نے عالم الغیب فلا یظہر علیٰ غیبہ احدًا الا من ارتضیٰ من رسول)

معدن الحقائق شرح کنز الدقائق اور خزانۃ الروایات میں ہے،

وفی المضمرات والصحیح انہ لایکفر لان الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام
یعلمون الغیب ویعرض علیہم الاشیاء فلا یکون کفرا۔

(مضمرات میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ کافر نہیں ہوتا اس لیے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام غیب کے عالم ہیں اور ان پر اشیاء پیش کی جاتی ہیں پس کفر نہ ہوگا)

(باقی بر صفحہ ۲۹۴)

ف : قسم سے اس مضمون کو بیان کرنے کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ مخالفین کو اس سے انکار کی گنجائش نہیں رہے گی اس لیے کہ انھیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نزاہت وصداقت پر ایمان تھا اور جانتے تھے کہ آپ نے زندگی بھر جھوٹ نہیں کہا تو اب جبکہ قسم کھا کر فرما رہے ہیں تو یقیناً بات حق ہوگی۔ لیکن ان کا نہ ماننا مکابرۃً ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے تھا اور ایسے مواقع پر تکذیب ان نفوس سے صادر ہوتی ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

شامی باب المرتد مسئلہ بزازیہ ذکر کر کے فرماتے ہیں :

حاصلہ ان دعوی الغیب معارضۃ لنص القرآن یکفر بہا الا اذا اسند ذلک صریحًا او دلالۃ الی سبب من اللہ کوحی والہام ۔

(غیب کے دعوی نصِ قرآن کے معارض ہے پس اس کا مدعی کافر ہو جائے گا لیکن اگر اس نے صریحًا یا دلالۃً کسی سبب کی طرف نسبت کر لی ہے جو اللہ کی جانب سے، ہو مثل وحی والہام وغیرہ کے، تو کافر نہیں)

در المختار میں ہے :

فیما کل انسان غیر الانبیاء لا یعلم ما اراد اللہ تعالی لہ وبہ لان ارادتہ تعالی غیب الا لفقہا فانہم علموا ارادتہ تعالی بہم لحدیث الصادق المصدوق من یرد اللہ بہ خیرًا یفقہ فی الدین ۔

غایۃ الاوطار میں اس عبارت کے تحت مسطور ہے اور اشباہ میں ہے :

ہر آدمی سوائے انبیاء علیہم السلام کے جانتا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کیا ارادہ ہے اس کے ساتھ دارین میں ۔ اس واسطے کہ حق تعالیٰ کا ارادہ غیب ہے مگر فقیہ اس کو جانتے ہیں کیونکہ وہ جان گئے ہیں حق تعالیٰ کے ارادہ کو جو ان کے ساتھ ہے ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں من یرد اللہ بہ خیرًا یفقہ فی الدین ہے (یعنی جس کے لیے اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کی سمجھ دیتا ہے ۔ یعنی اس کو فقیہ بنا دیتا ہے)

اس سے ظاہر ہو گیا کہ فقہ میں بھی جہاں انکار ہے اس کے یہی معنی ہیں کہ تعلیم الٰہی کے بغیر کسی کا علمِ غیب ماننا کفر ہے اور ہمارا عقیدہ ہے کہ تعلیم الٰہی سے حضور علیہ السلام کے لیے علمِ غیب ثابت ہے ۔ مزید تفصیل کے لیے فقیر کی کتاب "علمِ غیبِ رسول" دیکھئے ۔

اویسی غفرلہٗ

جو فطرۃً جھوٹے ہوتے ہیں۔ جنھیں اللہ تعالیٰ نفس کمینے کے سپرد کردیتا ہے۔ ان سے سوائے انکار کے اور کچھ صادر نہیں ہوتا۔ ہاں جسے اللہ تعالیٰ نظرِ عنایت سے نوازتا ہے تو وہ قل بلیٰ و ربی لتاتینکم عالم الغیب کا ارشادِ گرامی سنتے ہی اقرار کرلیتا ہے اور اسے حق سمجھ کر اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا ہے

لَا يَعْزُبُ عَنْهُ (اس کے علم سے دُور نہیں)

حلِ لغات العزوب بمعنے دُور ہونا۔ العازب بمعنے گھاس کی طلب میں دُور جانے والا۔ ایسے ہی جو اپنے اہل وعیال سے دُور ہو جائے اسے بھی عازب سے تعبیر کرتے ہیں۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کے علم سے دُور نہیں اور اس سے پوشیدہ نہیں مِثْقَالَ ذَرَّةٍ

حلِ لغات المثقال ہر وُہ شے جس سے کسی دُوسری شے کو تولا جائے۔ یہ الثقل سے ہے۔ ہر وہ پتھر وغیرہ جس سے اناج وغیرہ وزن کیا جائے کما فی المفردات۔

الذرہ بمعنے چھوٹی سُرخ چیونٹی اور وُہ چھوٹے چھوٹے ذرّات جو سورج کی شعاع سے ہوا میں نظر آتے ہیں یعنی مقدارِ ذرہ یا چھوٹی چیونٹی کے برابر کی چیز۔

فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ آسمانوں میں نہ زمینوں میں۔ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اجسام کو بھی جانتا ہے اور ارواح کو بھی وَ لَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ اور مثقال سے کوئی شے چھوٹی ہو وَلَآ اَكْبَرُ اور کوئی اس سے بڑی ہو، ان دونوں کا مرفوع ہونا مبتدأ ہونے کی وجہ سے ہے اسی لیے اکبر پر وقف نہیں کرنا چاہیے اور اس مبتداء کی خبر اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ ہے یعنی مذکورہ بالا اشیا مثبت و مسطور ہیں کتاب مبین یعنی لوحِ محفوظ میں، اس لیے کہ وہی ہر شے کو ظاہر کرنے والی ہے۔ لوحِ محفوظ میں ان اشیاء کو اس لیے نہیں لکھا گیا کہ نسیان وخطا کا خطرہ نہیں تھا بلکہ اس لیے کہ مخاطبین کی عادت یُونہی تھی کہ وہ ہر شے کو لکھ لیتے یا اس لیے کہ جیسے تم نے کیا وہ پُورا پُورا لکھا ہُوا ہے اس میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہُوئی اگرچہ اس پر برسہا برس گزر گئے اور یہ جملہ نفی عزوب کی تاکید ہے۔ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یہ لیاتینکم کی علت اور بیان ہے اس کا کہ قیامت کیوں آئے گی، اس تقریر پر لام عقلاً علت کی اور شرعاً مصلحت وحکمت کی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ قیامت اس لیے آئے گی تاکہ ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ جزا دے اُولٰٓئِكَ وُہ لوگ جو ایمان اور عمل صالح سے موصوف ہیں لَهُمْ اسی سبب سے ان کے لیے ہے مَّغْفِرَةٌ مغفرت

یعنی گناہوں کا ڈھانپنا اور جو اُن سے صادر ہُوا اسے مٹا دینا ہوگا کیونکہ انسان سے خطا ہو ہی جاتی ہے وَرِزْقٌ كَرِيْمٌ۝ اور رزق اچھا کر جو بلا تکلیف اور کسی کا احسان اٹھائے بغیر حاصل ہو وَالَّذِيْنَ سَعَوْا اور وہ لوگ جنھوں نے کوشش کی فِيْٓ اٰيٰتِنَا ہماری قرآنی آیات میں یعنی قرآن مجید کی آیات پر طعن وتشنیع اور انہیں رد کرنے اور لوگوں کو ان کی تصدیق سے روکنے کی کوشش کی مُعٰجِزِيْنَ درانحالیکہ وہ عاجز کرنے والے تھے۔ البحر میں ہے کہ درانحالیکہ وہ گمان میں تھے کہ وہ ہم سے بچ نکلیں گے اوران کا مکر اسلام کو مٹانے کے لیئے کامیاب ہوگا لیکن ایسا نہ ہوسکا۔

حل لغات المفردات میں ہے کہ السعی بمعنے تیز چلنا یعنی دوڑنے سے کم رفتار کو سعی کہا جاتا ہے اور کسی کام کے لیے جدو جہد کرنے پر بھی سعی کا لفظ بولا جاتا ہے۔ وہ کام نیک ہو یا بُرا۔ اور معٰجزین، اعجزت فلانا وعاجزتہ سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو عاجز کردے۔

یعنی وہ گمان کر رہے ہیں کہ وہ ہمیں عاجز کردیں گے اس لیے کہ ان کا عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد نہ اٹھنا ہے اور نہ کوئی حساب، جس سے انہیں نہ ثواب کی اُمید نہ عذاب کا خطرہ۔ اس آیت کی تائید ام حسب الذین یعملون السیأت ان یسبقونا یعنی وہ کوشش کرتے ہیں کہ وہ ہم پر غلبہ پاکر ہمیں عاجز کردیں گے اور جو کچھ ہم نے آیاتِ قرآنی نازل فرمائی ہیں انہیں وُہ مٹا دیں گے اُولٰٓئِكَ وہ جو قرآنی آیات کے مٹانے کے درپے ہیں لَهُمْ اسی غلط روی کی وجہ سے ان کے لیے عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ یہ من بیانیہ ہے۔ الرجز بُرے عذاب کو کہتے ہیں۔ یعنی بُرے عذاب کی ایک جنس اَلِيْمٌ۝ مرفوع ہے عذاب کی صفت ہے یعنی ایسا عذاب جس میں درد سخت تر ہو۔ کبھی الرجز بمعنے قدر وشرک اوثان کے ہے جیسے الرجز فاھجر میں ہے اور شرک واوثان کو رجز سے اسی لیے تعبیر کرتے ہیں کہ وہ عذاب شدید کا سبب ہیں۔ ایسے ہی شیطان کے مکر کو بھی رجز کہا جاتا ہے کما قال تعالیٰ:

ویذھب عنکم رجز الشیطٰن۔

اور شیطان کے مکر کو بھی رجز اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ بھی عذاب الٰہی کا سبب ہے۔ المفردات میں ہے کہ الرجز بمعنے اضطراب ہے اور زلزلہ کی طرح ہے اور آیت میں یہی معنیٰ ہے۔

وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ یہ جملہ مستانفہ ہے یعنی اصحاب رسول اور امت کے علماء جانتے ہیں یا اہل کتاب کے اہل علم۔ جیسے عبداللہ بن سلام وکعب الاحبار وغیرہما رضی اللہ عنہم جو

دولتِ ایمان سے نوازے گئے ہیں کو معلوم ہے۔ پہلا معنی زیادہ ظاہر ہے اس لیے کہ یہ سورۃ مکیہ ہے کذا فی التکملہ۔

الَّذِیٓ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وہ جو آپ کے پروردگار سے آپ کی طرف نازل ہوا ہے۔ اس سے نبوت اور قرآن وحکمت مراد ہے۔ یہ جملہ یری کا مفعول اول ہے۔ هُوَ یہ ضمیر فصل ہے ھو خیر الھم کے ضمیر کی طرح تاکید کا فائدہ دیتا ہے۔ الْحَقَّ منصوب ہے اس لیے کہ یری کا مفعول ثانی ہے وَیَهْدِیٓ اس کا الحق پر عطف ہے عطف الفعل علی الاسم کے قبیل سے ہے اس لیے کہ اسے مؤولاً اسم بنایا گیا ہے۔ یہ عبارت دراصل یوں تھی: ویری الذین اوتوا العلم الذی انزل الیك الحق وھادیا۔

اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ۝ اور ہدایت دیتا ہے عزیز حمید کے سیدھے راستے کی طرف۔ اس سے توحید اور تقوٰی کے لباس سے آراستہ ہونا مراد ہے۔ اس سے خوفِ خداوندی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ عزیز وہ ہے جو مکذب سے بدلہ لے۔ اس میں رغبت الی اللہ کی طرف بھی اشارہ ہے اس لیے کہ حمید وہ ہے جو تصدیق کنندہ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

مسئلہ: دین اسلام اور ملک علام کی توحید ایسی اعلیٰ دولتیں ہیں جن کی بدولت دارین کی عزت ہے انہی کی وجہ سے قربت ووصالِ الٰہی اور مقام علیین کی رؤیت نصیب ہوتی ہے۔ جیسے کفر وشرک مذمت اور دنیا وآخرت کی ذلت اور بُعد وطرد کا موجب بنتا ہے بلکہ یہ قلوب حاضرہ وجوہ ناظرہ کے معاینہ ومشاہدہ کا حجاب بن جاتے ہیں۔

فلاسفہ کا رد: اس آیت میں ان فلاسفہ کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم عرب کا ایک دانا آدمی تھا جس نے اپنے علم وحکمت سے نبوت وشریعت کو ظاہر فرمایا۔ اور ان کا گمان تھا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کو اپنی طرف سے گھڑ لیا تھا اسی وجہ سے وہ ابطالِ حق اور اثباتِ باطل میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے تھے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی سخت مذمت فرمائی اس لیے کہ نبوت کے مخالف کی سزا دوسرے امور کی مخالفات کی سزا کی طرح نہیں ہے۔

تفسیر صوفیانہ: وہ حضرت جنہیں علوم وحکمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئے وہ لوگ جو علم وحکمت کو تکرار وبحث سے حاصل کرتے ہیں، یہاں وہ لوگ مراد نہیں۔ پہلے لوگ نبوت وقرآن کی تصدیق کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ حق ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے

اور وہ حقیقت کو دیکھتے ہیں کیونکہ وہ بہر نے نورِ الٰہی سے دیکھتے ہیں۔ اور قاعدہ ہے کہ حق کو دیکھنا
جیسے نور سے ہی نور دیکھا جا سکتا ہے۔ جب معلوم ہوا کہ حق سے حق دیکھا ہے تو ماننا پڑے گا کہ
حق اہلِ حق کو ہی ہدایت دیتا ہے یا ان طالبانِ راہِ حق کو جو طریقِ حق پر چلتے ہیں۔ کما قال:
ویہدی الی صراط العزیز الحمید اللہ تعالیٰ عزیز ہے اس لیے کہ راہِ حق کو
اسی سے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے اور اسی کی ہدایت سے ہی یہ دولت نصیب ہوتی ہے اور وہ حمید
ہے اس لیے کہ وہ اپنے طالب کو محروم نہیں فرماتا۔ کما قال:

الا من طلبنی وجدنی۔

(جو مجھے ڈھونڈتا ہے وہ مجھے پائے گا)

ف: موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: یا اللہ! میں تمہیں کہاں ملوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب
بھی تم مجھ سے ملنے کا ارادہ کرو گے مجھے وہیں پاؤ گے۔

حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا: ؎

۱ ہر چہ جز حق ز لوحِ دل بتراش
بگذر از خلق جملہ حق را باش

۲ رختِ ہمت بخطۂ جان کش
بر رخِ غیر خطِ نسیان کش

۳ بگسلے خویش از ہوا و ہوس
روے دل در خداے دار و بس

ترجمہ: (۱) غیرِ حق کو دل سے دھو ڈال، خلق سے گزر کر حق کا ہو جا۔
(۲) ہمت کا سامان خطۂ جان میں کھینچ، رُخِ غیر پر نسیان کا خط کھینچ (غیر کو
بالکل بھول جا)
(۳) ہوا و ہوس خود سے علیحدہ کر دے، دل کا رُخ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف موڑ دے۔

تفسیر عالمانہ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا اور کافروں نے کہا اس سے وہ کافر مراد ہیں
جو قیامت میں اٹھنے کے منکر ہیں یعنی قریش قوم کے کفار نے بطریقِ استہزا
آپس میں کہ، هَلْ نَدُلُّكُمْ کیا ہم تمہاری دلالت کریں اور تمہیں نشان دیں عَلٰى رَجُلٍ ایسے
مرد کا اس سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں آپ کو عام رجل بطورِ استہزاء کہا، يُنَبِّئُكُمْ

جو تمہیں خبر دیتا ہے یعنی عجیب و غریب باتیں کہتا ہے۔ إِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ۔

حل لغات المزق تمزیق کا مصدر ہے یعنی ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔ تمزیق کا حقیقی معنیٰ ہے تفریق مثلاً کہا جاتا ہے:

مزق ثیابه (اس نے اپنے کپڑے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے)

اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب تم مر و گے اور تمہارے اجسام ریزہ ریزہ ہو جائیں گے یہاں تک کہ تم چورہ چورہ ہو کر اور مٹی ہو کر مٹی میں مل جاؤ گے إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ○ بے شک جدید تخلیق میں ہو گے۔ یعنی مرنے کے بعد زندہ اٹھائے جاؤ گے جدید بروزن فعیل بصریوں کے نزدیک بمعنے فاعل ہے۔ جدّ فهو جديد سے ہے جیسے قل فهو قليل۔ اور کوفیوں کے نزدیک فعیل بمعنے مفعول ہے جدّ النساب الثوب سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب نساج کپڑا کاٹے۔

ف: المفردات میں ہے کہ اہل عرب کہتے ہیں:

جددت الثوب۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کپڑے کو کسی کام میں لگانے کے لیے کاٹا جائے۔ ایسے ہی نئے کپڑے کو بھی کہا جاتا ہے: ثوبٌ جديدٌ۔ دراصل کٹے ہوئے کپڑے کو کہا جاتا ہے۔ پھر ہر اس شے پر اس کا اطلاق ہونے لگا جو نئی صورت میں آئے۔ لیکن یہاں پر نشأۃ ثانیہ (قیامت) اور الجدیدان (دن اور رات) مراد ہوتے ہیں اور اذا کا عامل محذوف ہے جس پر اس کا مابعد دلالت کرتا ہے یہ دراصل ہے تنشأون خلقا جديدا۔ اور مزقتم اس میں اس لیے عمل نہیں کرتا کہ تمزیق اسی مزقتم کی طرف منسوب ہے اور نہ ہی ینبئکم اس میں عمل کر سکتا ہے اس لیے کہ انباء اور تمزیق کا وقت ایک نہیں بلکہ انباء بہت پہلے واقع ہوا ہے اور تمزیق عرصہ دراز کے بعد واقع ہو گی۔ ایسے ہی جدید بھی اس پر عمل نہیں کرتا اس لیے کہ ان کا مابعد اس کے ماقبل پر عمل نہیں کرتا۔

أَفْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا کیا مذکورہ خبر دے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ پر افتراء کیا ہے۔ یہ بھی کافروں کا مقولہ ہے۔ افترى دراصل أإفترى تھا ساتھ ہمزہ مفتوحہ استفہامیہ کے جو ہمزہ مکسورہ وصلیہ پر داخل ہے اور ہمزۂ استفہام انکار و تعجب کے لیے واقع ہوا۔ اس کی وجہ سے ہمزۂ وصل تخفیفاً محذوف ہو گیا ہے۔ اس لیے کہ یہاں پر التباس کا کوئی خطرہ نہیں۔

افتراء اور کذب میں فرق افتراء اور کذب میں فرق یہ ہے کہ افتراء وہ ہے کہ انسان جھوٹ کو اپنی طرف سے گھڑ کر بیان کرے اور کذب کبھی کسی دوسرے

کی تعلیہ میں کہے ۔ افتراء بمعنے جھوٹ گھڑنا۔

اب معنی یہ ہُوا کہ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ گھڑا ہے اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ یا انہیں جنون ہے یعنی جنون انہیں ایسی بات کا وہم ڈالتا ہے اور بلا ارادہ ان کی زبان پر ایسی بات کراتا ہے جنون انسان کے نفس وعقل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ کافروں کے نزدیک کذب دو قسم پر ہوتا ہے :

ا ۔ عمداً

۲ ۔ بلا قصد وارادہ

پہلے کی مثال افتراء ہے اور دوسرے کی جنون ۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جنون ہے یا انہوں نے افتراء نہیں کیا ۔ کافروں نے عدم افتراء کو جنون سے تعبیر کیا ہے اس لیے مجنون سے افتراء نہیں ہوتا اور کذب کو قصد وارادہ سے تعلق ہوتا ہے اور مجنون قصد وارادہ سے فارغ ہوتا ہے ۔ اس سے معلوم ہُوا کہ جنون کی حالت میں خبر دینا بھی افتراء کی ایک قسم ہے جو عام افتراء سے خاص ہے اور یہ عام کذب کی قسم نہیں ۔

ربط : بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اس سے اللہ تعالیٰ نے کافروں کے دعوٰی کی تردید فرمائی ہے کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ جنون ہے اور نہ وہ افتراء کرتے ہیں جیسا کہ تمہارا گمان ہے کیونکہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان ہر دو نقائص سے مبرا اور پاک ہیں ۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ بالا باتیں کرنے والے کافر ایسے ہیں کہ انہیں آخرت پر یقین ہی نہیں ۔ انہیں یقین ہونا چاہیے کہ وہ عنقریب واقع ہوں گے فِي الْعَذَابِ آخرت کے عذاب میں وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ اور دنیا میں صواب وہدیٰ سے کوسوں دُور کہ اب اُن کی راہِ ہدایت پہ آنے کی اُمید ہی ختم ہے اور ضلال موصوف، بعید صفت ۔ یہ اسناد مجازی ہے اور اس سے مبالغہ مطلوب ہے کیونکہ وہی سیدھی راہ سے کوسوں دُور ہے پھر وہ جتنا سیدھی راہ سے ہٹتا جائے گا اتنا ہی گمراہ تر ہوتا جائے گا ۔ عذاب کے موجب کو عذاب سے پہلے ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ اپنے بُرے عمل کا سُن کر محزون ومغموم ہوں اور انھیں گمراہی اور عذاب ایسے محیط ہیں جیسے مظروف کو ظرف محیط ہوتا ہے اس لیے کہ عذاب کے اسباب ان کے پاس ہر وقت موجود تھے ۔ اس اعتبار سے گویا وہ اپنے عذاب وگمراہی کے درمیان میں ہیں اور ضمیر کے بجائے موصول لانے میں تنبیہ ہے کہ ان کا گمراہی وغیرہ کی جرأت کا اصلی سبب ان کا کفر ہے ۔ اگر انہیں آخرت کے عذاب کی ہولناکیاں معلوم ہوتیں تو وہ ان کے خوف سے گمراہی کا ارتکاب نہ کرتے ۔

ف : آیت میں ثابت کیا گیا ہے کہ انہیں حقیقی جنون ہے اس لیے کہ غفلت سے عذاب اور گمراہی

میں مبتلا ہونا جنون اور عقل کی کمزوری ہی تو ہے ورنہ اگر انہیں فہم و ادراک ہوتا تو وہ حقیقتِ حال کو سمجھ جاتے اور ایسی بیہودہ باتیں نہ کرتے۔

فائدہ صوفیانہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ وُہ انسان جس کا قلب کفر و معاصی اور جرائم سے زنگ آلود ہو جائے تو وہ اس چھوٹے بچّے کی طرح ہے جو بچپن سے ہی اپنے وطن سے بے وطن ہو جائے پھر جب بڑا ہوتا ہے پہلے وطن کی بات یاد نہیں رہتی اور یاد دلانے پر بھی یاد کرنے کے بجائے اختلاف کرتا ہے۔ ایسے ہی نفس کا مارا ہُوا انسان دنیا میں پھنسا تو اب اسے آخرت (جو انسان کا اصلی وطن ہے) سے انکار کرتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس کے یاد دلانے والے کے ساتھ استہزاء کرتا ہے اور یہ کبھی نہیں سوچتا کہ وُہ آدم علیہ السلام کی پشت میں کس طرح تھا اللہ تعالیٰ نے اس کے ذرات کو کیسے جمع فرمایا اور پھر اسے نئی تخلیق میں لایا اور ایسے ہی اسے قیامت میں جمع فرمائے گا۔

۱ بامرش وجود از عدم نقش بست
که داند جز او کردن از نیست ہست

۲ دگر رہ بکتم عدم در برد
وزانجا بصحرائے محشر برد

۳ دہد روح گر تربت آدمی
شود تربت آدم دران یکدمی

۴ کسی کو بجواہد نظیر نشور
بگو در نگر سبزہ را در ظہور

۵ کہ بعد خزاں بشگفد چند گل
بجوشد زمین در بہاراں چو مل

ترجمہ: (۱) اس کے حکم سے وجود نے عدم سے نقش پایا۔ اس کے سوا نیست سے ہست کون کر سکتا ہے۔

(۲) دوبارہ پھر وجود سے عدم کی طرف لائے گا اس کے بعد پھر محشر میں لائے گا۔

(۳) آدمی کی مٹی کو رُوح بخشتا ہے تو فوراً وُہ مٹی آدمی بن جاتی ہے۔

(۴) کوئی شخص پُوچھے کہ قیامت میں اُٹھنے کی کوئی نظیر (دنیا میں) کیا ہے، تو اسے کہو کہ کھیتوں کی سبزی کو دیکھ لو۔

(۵) کہ خزاں کے بعد کیسے گل آتے ہیں، بہار کے موسم میں زمین شراب کی طرح جوش مارتی ہے۔

اَفَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ فاء عاطفہ ہے اس کا فعل مقدر ہے یعنی کیا انہوں نے وہ برائی کی جو ان کے عذاب کا موجب تھی تو انہوں نے اس طرف نہ دیکھا جو انہیں ہر جانب سے محیط ہے کہ اب ان کے لیے بھاگنے کا کوئی چارہ نہیں۔ اس سے آسمان وزمین مراد ہیں اس لیے کہ وہ جہاں بھی جاتے ہیں ان کے آگے پیچھے، دائیں بائیں آسمان وزمین موجود ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کیا وہ نہیں دیکھتے اس طرف کہ ان کے آگے پیچھے آسمان وزمین ہے۔

ربط : اب بتایا کہ آسمان وزمین سے جو ان پر واقع ہونے والا ہے وہ کیا ہے۔ کما قال اِنْ نَّشَاْ ان کے کردار کے موجب اگر ہم چاہیں نَخْسِفْ بِھِمُ الْاَرْضَ ہم انہیں ایسے ہی زمین میں دھنسا دیں، جیسے قارون کو زمین میں دھنسایا گیا کہ پھر وہ کبھی ظاہر نہ ہوا۔ بھم کی باء تعدیہ کی ہے اَوْ نُسْقِطْ عَلَیْھِمْ کِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ یا ہم ان پر آسمان کا ٹکڑا پھینک دیں جیسے اصحاب ایکہ پر آسمان سے پتھر برسائے گئے جب کہ انہوں نے جرائم کا ارتکاب کر کے اس طرح کا عذاب خود مانگا تھا۔

حلِ لغات الکسف لفظاً ومعناً قطعہ کی طرح ہے یہ کسفۃ کی جمع ہے۔ المفردات میں ہے کہ الکسفۃ بمعنے بادل اور کپاس کا ٹکڑا۔ اس طرح کی ذوجسم اشیاء کا ٹکڑا جو کہ درمیان میں کھوکھلا ہو۔ یہاں پر آسمان سے آگ کا ایک ٹکڑا مراد ہے۔ جیسے اصحاب الایکہ یعنی شعیب علیہ السلام کی قوم پر آگ کی چنگاریاں برسائی گئیں۔ وہ لوگ کھیتوں، باغات اور بہترین درختوں کے مالک تھے پہلے ان پر گرم ہوا چلی پھر آسمان سے ایک بادل آتا ہوا دکھائی دیا اسے دیکھ کر وہ لوگ اس کے نیچے سایہ کی خاطر آئے تو ان پر آگ برسائی گئی۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ بیشک مذکور بیان میں یعنی ان پر آسمان وزمین سے عذاب کا آنا اور ہر جانب سے انہیں محیط ہو جانا جسے دیکھنے والے آنکھوں سے دیکھیں، یا اس سے وہ وحی مراد ہے جو ان پر پڑھی گئی لَاٰیَۃً البتہ دلالت واضحہ ہے لِّکُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ○ واسطے ہر اس بندے کے جو اس کی طرف رجوع وانابت کرتا ہے کیونکہ وہ جب اس میں غور وفکر کرے گا یا وحی مذکور سنے گا تو لازماً برائیوں کے ارتکاب سے باز آ جائے گا اور بارگاہِ حق کی طرف رجوع کرے گا۔

حلِ لغات المفردات میں ہے کہ النوب بمعنے شے کا بار بار لوٹنا۔ الانابۃ بمعنے اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ اور اخلاص عمل کے ساتھ رجوع کرنا۔

ف : آیت میں توبہ وانابۃ کی بہت بڑی ترغیب ہے اور جرم وجنایۃ پر زجر وتوبیخ کی گئی ہے۔

جبکہ خائف وُہ ہے جو آنکھ جھپکنے کی دیر بھی قہرِ الٰہی سے بے خوف نہیں رہتا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے وُہ جسے چاہے لطف سے بہرہ ور فرمائے، جس پر چاہے قہر و غضب برسائے (نعوذ باللہ) ذراتِ عالم میں سے کوئی شے اس کی قدرت کاملہ سے باہر نہیں۔

ف : حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : جب بندہ صدق دل سے توبہ کرتا ہے وُہ منیب ہو جاتا ہے اس لیے کہ یہ توبہ کا دُوسرا درجہ ہے۔

ف : ابو سعید قرشی رحمہ اللہ نے فرمایا : منیب وُہ ہے جو ہر اس شے سے روگردانی کرے جو اللہ تعالیٰ سے باز رکھے اور صرف حق تعالیٰ کی طرف راغب ہو۔

ف : بعض مشایخ نے فرمایا : منیب وُہ ہے جو اسی کی طرف راجع ہو، غیر کو اس کے رجوع کے لیے سبب نہ سمجھے۔ جو غیر کو سبب سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے وہ انابت کے ایک حصّہ کو ضائع کر دیتا ہے، اور حقیقی منیب وُہ ہے جس کا مرجع صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہو اس کی طرف رجوع کرے۔ اگر اس کے غیر کی طرف رجوع ہو تو ذاتِ حق کے رجوع سے ہو۔ وُہ اپنی ذات کو باری تعالیٰ کے سامنے ایک ڈھیلے کی طرح بنا دے، وُہ جیسے چاہے اس سے کام لے۔ بس عین الجمع میں مستغرق ہو جائے۔

معروف کرخی کا مقام حضرت سری سقطی قدس سرہٗ نے فرمایا : میں نے حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ عرشِ الٰہی کے نیچے مدہوش پڑے ہیں اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے پُوچھا،

یہ کون ہے؟

اُنھوں نے عرض کی،

یا الٰہ العالمین! تو ہی بہتر جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

یہ معروف کرخی ہے جو میرے عشق میں مستغرق ہے اسے سوائے میرے دیدار کے اور کوئی شے ہوش میں نہیں لا سکتی۔

سبق : اسی کو کہتے ہیں حقیقی رجوع۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادہم قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں بیت اللہ کا طواف کرتا تھا میں نے ایک خوب رُو نوجوان کو طواف کرتے دیکھا اس کے حسن و جمال سے نہ صرف میں ہی محوِ حیرت تھا بلکہ تمام ناظرین میری طرح حیران تھے۔ میں اُسے دیکھ کر رونے لگا۔ میرے بعض

(باقی ص ۳۰۵ پر)

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ مِنَّا فَضْلًا ۖ يَا جِبَالُ أَوِّبِي مَعَهُ وَالطَّيْرَ ۖ وَأَلَنَّا لَهُ
الْحَدِيدَ ○ أَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ ۖ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۖ إِنِّي بِمَا
تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ○ وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۖ وَأَسَلْنَا
لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ ۖ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۖ وَمَنْ يَزِغْ
مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ ○ يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ
مَحَارِيبَ وَتَمَاثِيلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَاسِيَاتٍ ۚ اعْمَلُوا آلَ
دَاوُودَ شُكْرًا ۚ وَقَلِيلٌ مِنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ ○ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ
مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَأَتَهُ ۖ فَلَمَّا خَرَّ
تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَنْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ○
لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ ۖ جَنَّتَانِ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ ۖ كُلُوا مِنْ
رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ ۚ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ ○ فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا
عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَ
أَثْلٍ وَشَيْءٍ مِنْ سِدْرٍ قَلِيلٍ ○ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِمَا كَفَرُوا ۖ وَهَلْ نُجَازِي
إِلَّا الْكَفُورَ ○ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً
وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ ۖ سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا آمِنِينَ ○ فَقَالُوا رَبَّنَا
بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ
مُمَزَّقٍ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ○ وَلَقَدْ صَدَّقَ
عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ○ وَمَا كَانَ لَهُ
عَلَيْهِمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِي شَكٍّ ۗ
وَرَبُّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ○

ترجمہ: اور بے شک ہم نے داؤد کو اپنا بڑا فضل دیا اے پہاڑو اس کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرو اور اے پرندو اور ہم نے اس کے لیے لوہا نرم کیا کہ وسیع زرہیں بنا اور بنانے میں اندازے کا لحاظ رکھ اور تم سب نیکی کرو بے شک میں تمہارے کام دیکھ رہا ہوں اور سلیمان کے بس میں ہوا کر دی اس کی صبح کی منزل ایک مہینہ کی راہ اور شام کی منزل ایک مہینہ کی راہ اور

ہم نے اس کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہایا اور جنوں میں سے جو اس کے آگے کام کرتے اس کے رب کے حکم سے اور جو ان میں ہمارے حکم سے پھرے ہم اسے بھڑکتی آگ کا عذاب چکھائیں گے اس کے لیے بناتے جو وہ چاہتا اونچے اونچے محل اور تصویریں اور بڑے حوضوں کے برابر لگن اور لنگردار دیگیں اے داؤد والو شکر کرو اور میرے بندوں میں کم ہیں شکر کرنےوالے پھر جب ہم نے اس پر موت کا حکم بھیجا جنوں کو اس کی موت نہ بتائی مگر زمین کی دیمک نے کہ اس کا عصا کھاتی تھی پھر جب سلیمان زمین پر آیا جنوں کی حقیقت کھل گئی اگر غیب جانتے ہوتے تو اس خواری کے عذاب میں نہ ہوتے بیشک صبا کے لیے ان کی آبادی میں نشانی تھی دو باغ داہنے اور بائیں اپنے رب کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو پاکیزہ شہر اور بخشنے والا رب تو انہوں نے منہ پھیرا تو ہم نے ان پر زور کا اہلا بھیجا اور ان کے باغوں کے عوض دو باغ انہیں بدل دیئے جن میں بکٹا میوہ اور جھاؤ اور کچھ تھوڑی سی بیریاں ہم نے انہیں یہ بدلہ دیا ان کی ناشکری کی سزا اور ہم کسے سزا دیتے ہیں اسی کو جو ناشکرا ہے اور ہم نے کیے تھے ان میں اور ان شہروں میں جن میں ہم نے برکت رکھی سرِراہ کتنے شہر اور انہیں منزل کے اندازے پر رکھا ان میں چلو راتوں اور دنوں امن و امان سے ۔ تو بولے اے ہمارے رب ہمارے سفر میں دوری ڈال اور انہوں نے خود اپنا ہی نقصان کیا تو ہم نے انہیں کہانیاں کر دیا اور انہیں پوری پریشانی سے پراگندہ کر دیا بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں ہر بڑے صبر والے ہر بڑے شکر والے کے لیے ۔ اور بے شک ابلیس نے انہیں اپنا گمان سچ کر دکھایا تو وہ اس کے پیچھے ہو لیے مگر ایک گروہ کہ مسلمان تھا اور شیطان کا ان پر کچھ قابو نہ تھا مگر اس لیے کہ ہم دکھا دیں کہ کون آخرت پر ایمان لاتا ہے اور کون اس سے شک میں ہے اور تمہارا رب ہر چیز پر نگہبان ہے ۔

(بقیہ صفحہ ۳۰۳)

ساتھیوں نے میری یہ کیفیت دیکھ کر کہا انا للہ و انا الیہ راجعون ۔ یعنی افسوس ہے کہ شیخ (ابراہیم بن ادھم) پر غفلت چھا گئی ۔ پھر اسی ساتھی نے مجھ سے پوچھا : حضرت ! یہ رونا اور نوجوان کو غور سے دیکھنا کیسا ؟ میں نے کہا ، بھائی ! میں نے اللہ تعالیٰ سے ایک پختہ معاہدہ کیا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ

اسے ہرگز نہیں توڑوں گا، اب میری آزمائش ہے اس لیے کہ یہ نوجوان میرا لختِ جگر اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، میں اسے صغر سنی کے عالم میں چھوڑ کر گھر سے نکلا تھا اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو مطمحِ نظر سمجھا لیکن اب یہ بڑا ہو گیا ہے اور اس کی جوانی مجھے اپنی طرف کھینچنا چاہتی ہے۔ مگر۔ مجھے اللہ تعالیٰ سے ڈر لگتا ہے کہ کہیں پھسل نہ جاؤں ؎

۱ ۔ ھجرت الخلق کلا فی ھواکا
وایتمت العیال لکی اراکا

۲ ۔ فلو قطعتنی فی الحب اربا
لما سکن الفواد الی سواکا

ترجمہ :(۱) میں نے مخلوق کو تیرے عشق میں چھوڑا اور عیال کو یتیم بنایا تا کہ تجھے دیکھوں۔
(۲) اگر تُو نے محبت میں میری آرزو توڑ دی تو میرا دل تیرے سوا سکون نہ پائے گا۔

سبق نفس کو چھوڑنے سے وصالِ حق اور نفس پروری سے حق سے دُوری حاصل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ہی وصال کے مقام تک پہنچاتا ہے۔

(تفسیر آیات صفحہ ۳۰۴)

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا بے شک ہم نے داؤد علیہ السلام کو فضل بخشا۔

صوفیانہ نکتہ : اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو وہ اسم بخشا ہے جس میں حروف اتصالیہ نہیں اس سے معلوم ہوا کہ وہ عالم دنیا سے بالکل فارغ ہوئے اور اسے الطاف خفیہ وجلیہ سے مشرف فرمایا اس لیے اسم ومسمیٰ کو آپس میں مناسبت ہوتی ہے۔ اسے صرف اہلِ حقیقت ہی سمجھتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ اسماء والقاب آسمان سے ہی نازل ہوتے ہیں۔

ف : فضل بمعنے زیادہ، اس کی تنوین نوعی ہے۔ یعنی داؤد علیہ السلام کو دیگر انبیاء علیہم السلام کی بہ نسبت ایک طرح کا فضل عطا ہوا جو نہ بنی اسرائیل کے انبیاء کو نصیب ہوا نہ دوسروں کو۔ جیسا کہ تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض سے بھی معلوم ہوتا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ فاضل ہر لحاظ سے فاضل ہو بلکہ وہ کسی اور وجہ سے مفضول بھی ہوتا ہے۔

ف : اس سے داؤد علیہ السلام کے وہ معجزات (پہاڑوں کی تسبیح، پرندوں کی تسخیر اور لوہے کا نرم

ہو جانا وغیرہ) مراد ہیں جو صرف انہی سے مخصوص تھے لیکن فضل کا انحصار انہی معجزات پر نہیں بلکہ اس کے علاوہ زبور کا عطیہ بھی ایک فضل تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر امتنان وتفضل کے ضمن میں فرمایا ؛

و اٰتینا داؤد زبورا۔

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور داؤد علیہ السلام کے فضل میں فرق تاویلات نجمیہ میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور داؤد علیہ السلام کے فضل میں بہت بڑا فرق ہے۔ وہ یُوں کہ داؤد علیہ السلام کا فضل نکرہ سے مذکور ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فضلِ الٰہی کی ایک نوع ہے جس کا معمولی سا حصّہ داؤد علیہ السلام کو عطا ہوا۔ اس سے فیضِ الٰہی بلا واسطہ مراد ہے اس لیے کہ لفظاً مِنّا سے ایسے ہی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو جو فضل عطا ہُوا اسے یُوں بیان کیا گیا ؛

وکان فضل اللہ علیك عظیما۔

اس فضل کو عظمت کی صفت سے بیان کیا گیا اور وُہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف کرکے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر قسم کا فضل عطا ہُوا۔ اس کی مثال یُوں دی جا سکتی ہے کہ کسی کے متعلق کہا جائے ؛

دار فلان اشتملت علیٰ جمیع الدور۔

(فلاں شخص کا گھر تمام گھروں پر مشتمل ہے)

ایک اور تقریر ممکن ہے داؤد علیہ السلام کے فضل میں تنکیر تفخیم کی ہو اور اس کی فخامت کی تاکید کے لیے لایا گیا ہو اور اس سے فخامت ذاتیہ مراد ہو جو کہ ذات حق کی طرف مضاف ہو۔ لیکن اس وقت مفضل علیہ غیر انبیاء علیہم السلام مراد ہوں گے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ ہم نے داؤد علیہ السلام کو بہت بڑا فضل عطا فرمایا جو انبیاء علیہم السلام کے بغیر کسی دُوسرے کو نصیب نہیں ہوا، جیسے نبوت، علم، قوت، خوش الحانی وغیرہ۔

یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ اٰتینا سے قلنا یا فضلاً سے قولنا محذوف سے بدل ہے۔

التاویب کے دُو معنے ہیں ؛

(۱) الترجیع بمعنے لوٹ گردانیدن۔ اس لیے کہ یہ اَوَبٌ بمعنے الرجوع سے ہے۔

(۲) السیر بالنھار کلہ (سارا دن چلتے رہنا)۔

پہلے معنیٰ پر آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ اے پہاڑو! حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بار بار پڑھو۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ اَوِّبِی بمعنے سبّحی معہٗ ہے حبشہ کی زبان میں تسبیح کو کہا جاتا ہے۔
خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے پہاڑو! داؤد (علیہ السلام) کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھو۔

ف: موسیٰ علیہ السلام کے درخت کی طرح پہاڑوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرح آواز پیدا فرمائی جب داؤد علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے تو پہاڑوں سے ایسے آواز سنائی دیتی تھی جیسے کوئی تسبیح پڑھنے والا تسبیح پڑھ رہا ہو۔ یہ داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا۔

اعجوبہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ پہاڑوں سے جو صدا گونجتی ہے یہ اُسی روز سے ہے یہ گونج وہی آواز ہے جو بولنے والے کی آواز کے بعد گونجتی ہے۔

سوال، اہلِ حقیقت کے نزدیک ہر شے قولی تسبیح پڑھتی ہے جسے لفظ صریح سے اہل اللہ سُنتے اور اہلِ مشاہدہ آنکھوں سے دیکھتے ہیں پھر داؤد علیہ السلام کی خصوصیت کا کیا معنے؟

جواب، خرقِ عادت کے طور پر ان کا داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح میں مشغول ہونا، جیسا کہ لفظ مَعَہٗ سے معلوم ہوتا ہے۔ یہی خصوصیت تھی جو داؤد علیہ السلام کو عطا ہُوئی۔

سوال: یہ بات اپنے مقام پر حق ہے کہ عوالم میں ہر عالم اور اس کے ہر نوع کا ذکر علٰحدہ علٰحدہ ہے پھر جو سالک تمام اشیاء سے وہی ذکر سُنے جس میں وہ خود مشغول ہے تو یہ کشف محض خیالی اور غیر صحیح ہے یعنی وہ ایک خیال محض ہے جو موجودات میں اس کے لیے قائم ہوا ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔
ہاں وہ کشف صحیح ہے جس میں ہر نوع سے وہی ذکر سُنائی دے جس میں اسی نوع کے افراد مشغول ہیں اور ظاہر ہے کہ ہر نوع کا ذکر دُوسرے نوع کے ذکر سے علٰحدہ ہے۔

جواب: پہاڑوں کا داؤد علیہ السلام کے موافق ہونے سے یہ لازم نہیں کہ ان کا کوئی الگ ذکر ہو بلکہ ان کی تسبیح کا سُننا داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا۔ یہی نہیں بلکہ وُہ بھی ان کی موافقت میں اسی طرح ذکر میں مشغول تھے۔ بس معجزہ ہونے کے لیے اتنا کافی ہے خواہ ان کا ذکر علٰحدہ ہو یا داؤد علیہ السلام جیسا۔

ف: اَوِّبِی تاویب بمعنے سارا دن چلتے رہنا۔ جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا ہے کہ تاویب کا ایک معنیٰ یہ بھی ہے تو اب معنیٰ یہ ہوگا کہ اے پہاڑو! وہاں چلو جہاں داؤد علیہ السلام تشریف لے جائیں یا جب وُہ تمہیں چلنے کا حکم دیں تو تم چل پڑو۔ یہ داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ جب وہ چاہتے اور جس

پہاڑ کو چاہتے تو وہ پہاڑ چل پڑتا۔

ف: پہاڑوں کی تسبیح و سیر کی تخصیص اس لیے کہ بہ شکل و صورت اور قد و قامت میں انسانوں کے مشابہ ہیں۔

وَالطَّیْرَ اس کا منصوب ہونا بوجہ عطف کے ہے۔ اس کا عطف فضلاً پر ہے۔ یعنی ہم نے داؤد علیہ السلام کے لیے پرندوں کو مسخر فرمایا اس لیے کہ پرندوں کا ان کے ہاں حاضر ہونا ہی تسخیر کی وجہ سے تھا۔ اسی لیے یہاں پر فعل تسخیر کے محذوف کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ تسبیح الطیر سمجھ کر مضاف کو محذوف ماننے کی ضرورت ہے۔ کما فی الارشاد:

"و مسخر کردیم ویرا مرغان تا در وقت ذکر با او موافق بوذندی"۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے پرندوں کو داؤد علیہ السلام کے تابع کردیا کہ وہ بھی ان کی موافقت میں تسبیح پڑھیں۔

ف: جبال و طیور کو بمنزلہ عقلاء کے قرار دے کر عقلاء کی طرح انہیں ندا دی گئی ہے اس لیے کہ ہر حیوان و جماد مشیتِ الٰہی کے زیرِ فرمان اور اسی کے حکم کا پابند ہے ورنہ جماد کی اصل فطرت ہے منجمد ہونا اور پرندوں کی فطرت ہے انسانوں سے بھاگنا۔ لیکن اس کے برعکس وہ داؤد علیہ السلام کے حکم کے تابع تھے۔

سبق یہ جمادات و حیوانات ہیں کہ ذکرِ حق سے سرشار ہیں لیکن وہ بدقسمت انسان جس کا دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوگیا کہ وہ ذکرِ الٰہی سے نہ صرف محروم بلکہ اہلِ ذکر کی مجلس سے متنفر ہوگیا۔ بعض ان کے اس محبوب طریقے کے منکر ہوگئے اور بعض بدقسمتی سے ان کے دشمن بن گئے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ کی تقریرِ دلپذیر

حضرت مولانا عبد الرحمٰن جامی قدس سرہٗ نے شرح فصوص الحکم میں لکھا ہے کہ چونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کے روح کی توجہ خاص تسبیح کی طرف تھی اس لیے وہی تسبیح ان کے اعضاء میں سرایت کرگئی اور اعضاء روح کے مظاہر ہیں اسی لیے ان سے ذکر و تسبیح کا اثر جمادات و طیور پر پڑا (کیونکہ یہی اشیاء انسانی اعضاء کے مشابہ ہیں) تو وہ بھی تسبیح و ذکر میں مشغول ہوگئے اس لیے ان کی تسبیح و ذکر کا جملہ ثواب داؤد علیہ السلام کو ملتا تھا ان جمادات و حیوانات کو تو ثواب کی ضرورت نہیں پھر لامحالہ وہ اجر و ثواب ضائع نہ ہونے دیا گیا بلکہ وہ جملہ ثواب داؤد علیہ السلام کو عطا ہوا۔

نسخہ روحانی لسانی ذکر کا اثر رُوح پر پڑتا ہے اس سے رُوح کا نور چمکتا ہے تو اس کا عکس نفس کے پہاڑوں اور قلب کے پرندوں پر پڑتا ہے جب ذکر پر مداومت کی جائے تو روح کے ذکر کا اثر نفس پر اور نفس سے بدن پر، اور اس بدن سے رونگٹے رونگٹے کے ظاہر و باطن پر، اس کے بعد اجزاء عنصریہ پر، اس کے بعد اربعہ عناصر پر۔ یہاں تک کہ ان کے مفرد پر بھی اور مرکب پر بھی۔ پھر نفس کے ذکر کا اثر نفوس یعنی نفس نامیہ، نفس حیوانیہ، نفس سماویہ، نفس نجومیہ پر پڑتا ہے اور انسانی رُوح کا ذکر جملہ عالم کے جملہ ارواح پر یہاں تک جملہ عوالم ظاہرہ اور ملکوت باطنہ پر اثر انداز ہوتا ہے آیت میں جبال وطیور میں انہی عوالم ظاہرہ و باطنہ یعنی ملک و ملکوت کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ جملہ عوالم ذکرِ خداوندی میں مشغول ہونے والے بندۂ خدا کے ذکر سے سرشار ہو کر اس کے ساتھ ذکر میں مشغول ہوتے ہیں۔ پھر یہ تمام کے اذکار رب العالمین کی طرف پہنچائے جاتے ہیں۔ کما قال؛

الیہ یصعد الکلم الطیب۔

ایسے پاکباز مردِ خدا کو خود خدا تعالیٰ یاد کرتا ہے۔ اس معنے پر کہا گیا ہے کہ بندہ ذاکر بھی ہے اور مذکور بھی۔ ایسا بندہ نہ صرف صفتِ ربوبیت سے موصوف ہو جاتا ہے بلکہ اس کے جملہ صفات سے بھی۔ اور ایسے بندے پر فضلِ الٰہی کا یہ معنیٰ ہے کہ اس بندے کو اللہ تعالیٰ اپنا مذکور فرماتا ہے۔

قاعدۂ نبوت قاعدہ ہے کہ نبی علیہ السلام حسین وجمیل اور خوش الحان ہوتا ہے لیکن داؤد علیہ السلام کو بہ نسبت دُوسرے انبیاءؑ کے خوش الحانی زیادہ دی گئی جیسے یوسف علیہ السلام کو بہ نسبت دُوسرے انبیاءؑ کے حُسن زیادہ نصیب ہُوا۔

داوٗد علیہ السلام کی خوش الحانی کا نمونہ حضرت داوٗد علیہ السلام جب زبور پڑھتے تھے تو درندے، چرندے اور وحوش وطیور اپنے بلوں اور گھونسلوں سے باہر نکل کر آپ سے زبور سُننے میں مشغول ہو جاتے آپ کی خوش الحانی سے پرندے وجد میں آجاتے، لبسا اوقات آسمان پر اُڑتے وقت زبور سُن کر زمین پر گر جاتے ؎

۱ ز صورت دلکشش جان تازہ گشتے
روانرا ذوق بے اندازہ گشتے

۲ سپہر چنگ پشت ارغنوں ساز
ازاں پر حالت نشنودہ آواز

ترجمہ: (۱)، دلکش آواز سے جان تازہ ہو جاتی، رُوح کو بے انداز ذوق نصیب ہوتا۔

(۲) آسمان نے باوجودیکہ ایسے کئی خوش آواز دیکھے لیکن داؤد علیہ السلام جیسی پُرکیف آواز کسی سے نہ سُنی ہوگی۔

دُوسرا نمونہ منقول ہے کہ جب داؤد علیہ السلام تسبیح پڑھتے تو پہاڑ آپ کے ساتھ نغمہ سرا ہوتے اور پرندے آپ سے آواز ملا کر تسبیح پڑھتے۔ پھر جو بھی یہ دلکش آواز سنتا بیخود ہو کر گر جاتا یہاں تک کہ آپ کی اس محبوب آواز سے کبھی کبھار بیک وقت چار سو جنازہ اُٹھتا ؂

چو گردد مطرب من نغمہ پرداز
ز شوقش مرغ روح آید بپرواز

ترجمہ: جب سرود گانے والا سرود گاتا ہے تو اس کے شوق سے ہماری روح کا پرندہ اڑنے لگتا ہے۔

ف: امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ خوب صورت آواز بھی ایک عطیۂ حق ہے۔ اسی لیے فقہاء کرام نے قرآن مجید کو اچھے لہجے سے پڑھنے کو مستحسن قرار دیا ہے بشرطیکہ خوش الحانی کے وقت قرآن مجید کے الفاظ میں تغیر پیدا نہ ہو اور نہ اس کے معنے میں کوئی فرق آئے۔

حکایت ایک رات حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے دل میں کہا کہ ذکر الٰہی میں مشغول تر مجھ جیسا اور کون ہوگا! یہ کہہ کر پہاڑ پر چلے گئے اور عبادت میں مشغول ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو حکم دیا کہ وہ داؤد علیہ السلام کی موافقت میں زور زور سے تسبیح و تہلیل پڑھے۔ چنانچہ پہاڑ کے ذرّے ذرّے سے ذکر الٰہی گونجے تو داؤد علیہ السلام نے عرض کی: اے الٰہ العٰلمین! یہ ذکر کی آواز کہاں سے آ رہی ہے جبکہ میری آواز کو اس نے چھپا دیا ہے اور میرا اللہ میری آواز کو کیسے سُن رہا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتے کو بھیجا کہ انھیں پہاڑ سے اٹھا کر دریا میں لے جائیے۔ چنانچہ انہیں وہاں سے اٹھایا اور دریا کی تہ میں لے گئے پھر وہاں سے اس جگہ پہنچایا جہاں پانی پر مچھلی تیر رہی ہے، پھر وہاں سے اس پتھر پر جو مچھلی کے نیچے ہے۔ وہ پتھر پھٹا تو اس میں سے ایک کیڑا نکلا جو سانس کے ذریعے باآواز ذکر الٰہی میں مشغول تھا۔ فرشتے نے عرض کی: اللہ تعالیٰ اس کیڑے کی آواز کو بھی سُن رہا ہے باوجودیکہ یہ کیڑا ساتوں طبقاتِ زمین کے نیچے اور پتھر میں پوشیدہ باریک سی سانس سے ذکر کر رہا ہے تب بھی اللہ تعالیٰ اس کے ذکر سے بے خبر نہیں۔ جب ایسے کیڑے کے ذکر سے بے خبر نہیں تو اے داؤد (علیہ السلام)! تیری آواز سے کیسے بے خبر ہو سکتا ہے جو تُو نے پہاڑوں کی آوازوں کے درمیان نکالی تھی۔ یہ کرشمہ دیکھ کر داؤد علیہ السلام اپنے اصلی مقام پر لوٹ آئے۔

؎

۱ همہ آواز ہا در پیش حق باز
اگر پیدا اگر پوشیدہ آواز

کسے کو بشنود آواز از حق
۲ شود در نفس خود خاموش مطلق

ترجمہ : (۱) تمام آوازیں اللہ کے سامنے کھلی ہوئی ہیں کوئی کھلی آواز ہے یا پوشیدہ۔
(۲) جو حق سے آواز سُنتا ہے وہ اسی وقت ہی مطلقاً خاموش ہو جاتا ہے۔

دُعا : اے اللہ تعالیٰ! ہمیں اپنا کلام سُنا۔ (آمین)

وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ○ اللین خشونت کی نقیض ہے، اس کا استعمال اجسام میں ہوتا ہے استعارۃً معانی کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے الانۃ الحدید یعنی لوہے کو نرم کرنا۔ یعنی ہم نے داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو موم اور تر آٹے جیسا بنا دیا یا وہ اسے اپنے ہاتھ سے جس طرح چاہتے موڑ لیتے۔ نہ انھیں اسے آگ کے ذریعہ نرم کرنے کی ضرورت پڑتی تھی اور نہ وہ اسے ہتھوڑے وغیرہ سے کوٹنے کے محتاج تھے۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ ہم نے انہیں اتنی قوت و طاقت بخشی کہ لوہا ان کے لیے ایسے نرم تھا جیسے دُوسرے قوی البشریہ کے لیے موم۔ اور داؤد علیہ السلام قوتِ جسمانی میں بہت طاقتور تھے اگرچہ بظاہر جسیم و لحیم نہ تھے۔ سورۂ ص میں انہیں ذاالاید فرمایا گیا ہے۔ تو اس کا ایک معنیٰ یہ بھی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ اَنِ اعْمَلْ یہ کہ ہم نے انہیں فرمایا کہ وہ عمل کریں۔ یہ اَن مصدریہ ہے اس سے پہلے بار، جارہ محذوف ہے۔ سٰبِغٰتٍ زرہیں فراخ کامل اور لمبی۔

حل لغات القاموس میں ہے :
سبغ الشئ سبوغا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شے زمین کی جانب میں لمبی ہو۔ اور کہا جاتا ہے :
النعمۃ اسبغت۔ (نعمت مکمل ہوئی)
اور کہتے ہیں : درع سابغۃ تامۃ طویلۃ۔ یعنی زرہ مکمل اور طویل ہے۔
اسی سے استعارۃً کہتے ہیں :
اسباغ الوضوء یا اسباغ النعمۃ۔
کما فی المفردات، سب سے پہلے زرہ حضرت داؤد علیہ السلام نے بنائی ورنہ آپ سے پہلے لوگ

وہے کی بڑی چادریں بنا کر ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیتے انہی سے زرہ کا کام لیتے۔

حکایت حضرت داؤد علیہ السلام جب بنی اسرائیل کے بادشاہ بنے تو بھیس بدل کر عوام سے پوچھتے کہ داؤد (علیہ السلام) کیسے ہیں؟ لوگ آپ کو ناواقف سمجھ کر آپ کی تعریف و توصیف بیان کرتے۔ ایک دفعہ فرشتہ بھیس بدل کر آپ کے ہاں حاضر ہوا آپ نے حسب عادت اس سے بھی اپنے متعلق سوال کیا تو اس نے کہا، داؤد بھلا آدمی ہے لیکن اگر وہ ایک عادت کو چھوڑ دے تو اچھا ہے۔ آپ نے پوچھا، وہ عادت کون سی ہے؟ اس نے کہا کہ بیت المال سے اپنا اور اپنے اہل و عیال کا کھانا لینا ترک کر دے۔ آپ نے کہا، تو پھر وہ کھائے کہاں سے؟ اس نے کہا، اپنے ہاتھ کی کمائی سے، اس طرح اس کے فضائل و کمالات میں اضافہ ہوگا۔ اس پر داؤد علیہ السلام نے دعا مانگی کہ یا اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل دے جس سے میں بیت المال سے کھانا لینا چھوڑ دوں۔ اللہ رب العزت نے آپ کو زرہ بنانا سکھا دیا۔ آپ روزانہ ایک زرہ بنا کر اسے چار یا چھ ہزار درم میں بیچتے، اس سے دو ہزار درم اپنے عیال پر خرچ کرتے اور باقی بنی اسرائیل کے فقراء و مساکین پر خرچ کر دیتے۔

ف: لباب میں ہے کہ جب داؤد علیہ السلام کا وصال ہوا تو آپ کے گھر پر ایک ہزار زرہیں تیار پڑی ملیں۔

ف: حدیث شریف میں ہے،

کان داؤد لا یاکل الا من کسب یدہ۔

(داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے)

مسئلہ: آیت میں دلیل ہے کہ اہلِ علم و فضل کو کوئی ہنر سیکھ کر اپنی ضروریاتِ زندگی پوری کرنا چاہئیں اس سے ان کے علم و فضل میں کوئی کمی نہیں آئے گی اور ان کے علم و فضل میں اضافہ ہوگا کیونکہ ایک تو انہیں تواضع کا طریقہ حاصل ہوگا دوسرا وہ غیروں کے دستِ نگر نہ ہوں گے۔

حدیث شریف میں ہے:

ان خیر ما اکل المرء من عمل یدہ۔

(انسان کی بہترین غذا اس کے اپنے ہاتھ کی کمائی ہے)

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ بیاموز پرورده را دست رنج
وگر دست داری چو قارون گنج

۲ بپایان رسد کیسہ سیم و زر
نگردد تہی کیسہ پیشہ ور

ترجمہ: (۱) اپنے پروردہ کو کسب سکھا اگرچہ تیرے ہاتھ میں قارون کا خزانہ ہو۔
(۲) کیونکہ سیم وزر کا بٹوہ ختم ہو جاتا ہے لیکن ہنرمند کی جیب خالی نہیں ہوتی۔

وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ

حلِ لغات

التقدیر بمعنے اندازہ کرنا السرد دراصل وہ خرز (بستالی) جس سے لوہے کو سخت اور غلیظ بنایا جائے، جیسے چمڑے کا خرز۔ پھر استعارۃً لوہے کے جڑنے پر بولتے ہیں۔ ایسے ہی زرہیں بنانے کو کہتے ہیں کما فی المفردات۔
بعض نے کہا کہ زرہیں بنانے والے کو سراد اور زراد کہا جاتا ہے۔ زراد میں سین کو زا سے تبدیل کیا جاتا ہے۔ ایسے ہی ایک کلام کو دوسرے کلام سے ملانے پر کہتے ہیں سرد کلامہ۔ اور وہ کلام مقبول ہوتا ہے جب اس کے فہم میں خلل نہ آئے۔
اب معنیٰ یہ ہوا کہ زرہیں بنانے میں بہترین سلیقہ رکھئے یعنی زرہ کے حلقے برابر جوڑیئے تاکہ اس کی وضع مناسب ہو۔ اور زرہیں بنانے میں تمام وقت صرف نہ کیجئے صرف اس قدر کہ اس سے قوت حاصل ہو پھر باقی وقت عبادتِ الٰہی میں گزارئے۔ مابعد کی عبارت کے یہی معنیٰ موافق ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ قلب کو نرم کیجئے۔ سٰبغٰت سے وہ حکمتیں مراد ہیں جو دل کے چشموں سے زبان پر ظاہر ہوں اور وقدر فی السرد سے وہ کلام مراد ہے جو پُراز حکمت اور عقول ناس کی مقدار پر ہو ؎

نکتہ گفتن پیش کژ فہمان زحکمت بیگمان
جوہرے چند از جواہر ریختن پیش خرست

ترجمہ: کم فہموں کے آگے حکمت کی باتیں بیان کرنا ایسے ہی ہے جیسے جوہر و موتی گدھے کے آگے بکھیرے جائیں۔

تفسیر عالمانہ

وَاعْمَلُوْا عموم تکلیف کی وجہ سے یہ خطاب داؤد علیہ السلام اور آپ کے جملہ اہل وعیال کو ہے صَالِحًا ایسا نیک عمل کرو جو اغراض دنیوی و اُخروی سے خالی اور خالص ذاتِ حق تعالیٰ کے لیے ہو اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○ بیشک میں تمہارے اعمال کو خوب دیکھتا ہوں کہ کبھی عمل والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا ہر ایک کو اس کے

عمل کی پوری پوری جزا دوں گا۔ یہ عمل کی تعلیل یا عمل کے وجوب پر فرمانبرداری کرنے کی تنبیہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ خطاب انسان کے جملہ اعضا ظاہرہ و باطنہ کو ہے کہ وہ اعمال صالحہ کریں جو ان کے لائق ہیں اس لیے کہ ان اعضا کو عبادت کے لیے ہی پیدا کیا گیا ہے انی بما تعملون بصیر بے شک میں ہر ایک کے اعمال کو خوب جانتا ہوں جسے یقین ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ بصیر ہے تو وہ اپنی حرکات و سکنات کی نگرانی کرتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے روکے ہوئے ہر فعل سے رکتا ہے اور اس کے ہر فرمودہ پر عمل کرتا ہے۔

رُوحانی علاج اس اسم مبارک کی برکت سے بندہ کو توفیق ایزدی نصیب ہوتی ہے اور جو اس اسم مبارک کو ہر جمعہ کو نماز سے پہلے سو بار پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی بصیرت کھول دے گا اور اسے ہر نیک قول و فعل کی توفیق نصیب ہوگی اگرچہ انسان خطا سے خالی نہیں۔

اعجوبہ حضرت داؤد علیہ السلام دعا میں کہا کرتے:

اللھم لاتغفر للخاطئین۔

(اے اللہ! خطا کاروں کو مت بخشنا)

یہ ان کی غیرت اور صلابۃ فی الدین کی وجہ سے تھا۔ جب آپ سے ایک عمل خلاف اولیٰ کا صدور ہوا تو آپ نے دعا میں کہا:

اللھم اغفر للمذنبین۔

(اے اللہ! گنہگاروں کو بخش دے)

ف: جب داؤد علیہ السلام اس خلاف اولیٰ فعل سے تائب ہوئے تو آپ کے ہاں انس و جن اور پرندے حاضر ہوئے جب آپ نے حسب عادت زبور کی تلاوت فرمائی تو پرندے متفرق ہو کر ادھر ادھر ہو گئے اور کہا اب داؤد علیہ السلام کی وہ آواز نہیں جو اس سے پہلے تھی اور نہ ہی ان کی وہ پہلی سی کیفیت ہے۔ اس پر داؤد علیہ السلام بہت روئے اور کہا:

ماھذا یارب (پرندوں نے یہ کیا کہا)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یاداؤد ھذا من وحشۃ الزلۃ وکانت تلک من انس الطاعۃ۔

(اے داؤد! یہ اس خلاف اولیٰ فعل کے ارتکاب کی وجہ سے وحشت ہے اور اس سے قبل جو حال تھا وہ طاعت کے انس سے تھا)

ے

۱ قدم نتواں نہاد آنجا کہ خواہی
بفرمان رو بفرمان کن نگاہی

۲ کہ ہر کاو ز بامر حق قدم زد
چو شمع از سر بر آمد تیز دم زد

ترجمہ: (۱) خلاف قدم نہیں رکھنا ہوگا اسی کے فرمان پر چل اسی کے فرمان پر نگاہ رکھ۔

(۲) جو امر حق کے خلاف رکھتا ہے جب شمع سر سے باہر آئے گی زیادہ جلائے گی۔

تفسیر عالمانہ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ اور ہم نے بادِ صبا سلیمان علیہ السلام کے تابع کردی غُدُوُّهَا جو صبح یعنی طلوعِ شمس سے دوپہر تک چلتی شَهْرٌ ایک مہینہ کی راہ یعنی جو دوسرے چلنے والے مہینے کے بعد پہنچتے وہ آدھے دن میں طے کرلیتی تھی۔

ف: امام راغب نے فرمایا کہ الشھر ایک مدتِ معروفہ کا نام ہے جو چاند کی پہلی سے شروع ہو کر دوسری پہلی تک ختم ہوتی ہے یا اس سے سورج کے سال بھر کے بارھویں حصے کا نام ہے۔ المشاھرۃ یعنی وہ معاملہ جو ماہانہ کے طور کیا جائے۔ جیسے مسانہۃ یعنی سالانہ معاملہ۔ اور میاومۃ روزانہ کا معاملہ وغیرہ۔

وَرَوَاحُهَا اور شام کے وقت چلنا۔ یعنی دوپہر کے بعد سے رات تک شَهْرٌ ایک مہینے کی راہ۔ یعنی وہ بادِ صبا تختِ سلیمان کو اٹھا کر ایک دن میں اتنا لمبا سفر طے کرلیتی جسے سوار دو ماہ میں طے کرتے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے یا الریح سے حال ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے سفر کا نمونہ حضرت حسن سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام صبح کو دمشق سے روانہ ہو کر قیلولہ اصطخر میں کرتے۔ آپ تخت پر اپنے شاہی ٹھاٹ کے ساتھ سوار ہوتے، آپ کے ساتھ شاہانہ لشکر بھی ہوتا۔ دمشق اور اصطخر کے درمیان اتنا طویل سفر تھا کہ اگر تیز رفتار سوار ایک ماہ مسلسل چلتا تب کہیں اسے طے کرتا۔

ف: اصطخر بوزن فردوس فارس کا ایک شہر ہے جسے صخر جنی نے سلیمان علیہ السلام کے لیے بنوایا تھا۔ وہ صخر جنی جسے قرآن مجید میں عفریت من الجن سے تعبیر کیا گیا ہے۔

پھر دوپہر کے بعد روانہ ہو کر شام کو کابل پہنچتے تھے ان دونوں شہروں کے درمیان بھی تیز رفتار سوار کے لیے ایک ماہ کا سفر ہے۔

ف: کابل بضم الباء الموحدہ بلاد ہند کی ایک معروف طرف ہے (جو آج کل افغانستان کا دارالحکومت ہے) پھر صبح کو رے شہر میں ہوتے تو شام کو سمرقند پہنچ جاتے۔ رے دیار دیلم کے ایک شہر کا نام ہے جو قومس اور جبال کے درمیان واقع ہے۔ سمرقند ماوراء النہر کا عظیم و مشہور شہر ہے یعنی نہر جیحون۔

سلیمانی مکتوب ہمارے بعض احباب سے منقول ہے کہ ہم نے ایک جگہ سلیمان علیہ السلام کے کسی مصاحب کا ایک مکتوب پڑھا جس پر لکھا تھا کہ ہم اسی جگہ پر اترے اور اسی شہر کو تیار کیا۔ رات یہاں بسر کریں گے صبح کو اصطخر جائیں گے۔ وہاں سے روانہ ہو کر شام کے وقت ان شاء اللہ شام کے ملک میں پہنچیں گے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام دوران سفر عراق سے مرو تک، پھر بلخ تک، پھر بلاد ترک تک پہنچتے، بعدہٗ چین چلے جاتے۔ طلوع آفتاب کے وقت روانگی فرماتے تو قندھار تک پہنچ جاتے، وہاں سے مکران و کرمان جاتے۔ اس کے بعد اصطخر پہنچتے۔ فارس میں آپ کی یہی قیام گاہ تھی وہاں سے صبح کے وقت روانہ ہو کر شام کے وقت ملک شام میں تدمر میں پہنچتے یہی آپ کی منزل تھی۔

ف: شام سے عراق تک پہنچنے سے پہلے آپ کا شیاطین کو حکم تھا کہ آپ کے لیے پتھر سفید اور زرد جمع کرتے رہیں۔ مندرجہ ذیل اشعار آپ کے بعض اصحاب کے لکھے ہوئے ایک پتھر سے ملے ؎

١ ونحن ولا حول سوی حول ربنا
نروح الی الاوطان من ارض تدمر

٢ اذا نحن رحنا کان ریث رواحنا
مسیرۃ شهر والغدوۃ لآخر

٣ اناس شروا اللہ طوعا نفوسهم
بنصر ابن داؤد النبی المطهر

٤ متی یرکب الریح المطیعت ارسلۃ
مبادرۃ عن شهر لم تقصر

٥ تظلهمو طیر صفوف علیهمو
متی رفرفت من فوقهم لم تبتر

ترجمہ : (۱) ہماری طاقت سوائے قوتِ الٰہی کے کچھ نہیں ہم ارض تدمر سے وطنوں کو جا رہے ہیں۔
(۲) ہم جا رہے ہیں اور ہمارا سفر شام تک جاری رہے گا جو ایک ماہ کی مسافت ہے پھر جینا کو ہمارا دوسرا سفر ہوگا۔
(۳) لوگ شریر ہیں لیکن بخدا ان کے نفوس تابع ہیں ساتھ مدد ابن داؤد نبی علیہ السلام کے۔
(۴) وہ جب تابعدار ہوا پر سوار ہوتے ہیں تو وہ ایک ماہ کی مسافت طے کرنے میں کوتاہی نہیں کرتی۔
(۵) ان پر پرندے سایہ کرتے ہیں صفیں باندھ کر۔ جب وہ چلتی ہے تو پرندے ان کے اوپر ہوتے ہیں۔

رُوئے زمین کے بادشاہ

حضرت مقاتل نے فرمایا کہ آپ کے ملک کا حدود اربعہ مصر تا کابل تھا۔ بعض نے کہا کہ تمام رُوئے زمین کے بادشاہ تھے۔ یہی مشہور قول کے موافق ہے۔ اس لیے کہ رُوئے زمین کے کل چار بادشاہ ہُوئے ہیں، دو مسلمان:
(۱) حضرت سکندر
(۲) حضرت سلیمان

دو کافر:
(۱) نمرود
(۲) بخت نصر

ہوا سلیمان علیہ السلام کے تابع کیسے ہُوئی

مروی ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے تھے جو پرندوں کی طرح اڑتے تھے۔ ان کی وجہ سے ایک دفعہ آپ سے نماز قضا ہوگئی آپ نے انہیں راہِ خدا میں ذبح کردیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، آپ نے میرے لیے گھوڑے قربان کیے ہم اس کے بدلے میں ہوا آپ کے تابع کردیتے ہیں۔ سچ ہے:

من کان للّٰہ کان اللّٰہ لہٗ۔

(جو اللہ کا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا ہوجاتا ہے)

ف : جو اللہ تعالیٰ کی خاطر کسی شے کو قربان کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عوض میں اسے بہتر شے عطا فرماتا ہے۔

جعفر طیار کا واقعہ مروی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو جنگ پر بھیجا اور اس جنگ کی امارت ان کے سپرد فرمائی۔ اسلام کا علَم انہی کے ہاتھ میں دیا۔ کافروں نے ان پر حملہ کیا اور جنگ میں آپ کا ایک ہاتھ کٹ گیا آپ نے علَم دوسرے ہاتھ میں تھاما۔ کفار کے حملے سے آپ کا دوسرا ہاتھ بھی کٹ گیا۔ اس کے بعد ستر زخم کھا کر شہید ہو گئے۔ کسی نے آپ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا:

ما فعل اللہ بك۔ (اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟)

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دونوں ہاتھوں کے بجائے دو نورانی پر عطا فرمائے جن سے میں بہشت میں اڑتا ہوں، جہاں چاہتا ہوں چلا جاتا ہوں۔ میرے ساتھ حضرت جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام ہوتے ہیں۔ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ایک جگہ پر کھڑے ہیں اور فرماتے ہیں:

وعلیکم السلام۔

میں نے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کس کو سلام کا جواب دے رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا:

ان جعفر بن ابی طالب مر مع جبریل ومیکائیل۔

(یہ جعفر بن ابی طالب حضرت جبریل ومیکائیل (علیہما السلام) کے ساتھ گزرے ہیں اور مجھے سلام کیا)

سبق: سالک کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اگر تو میری عبادت میں آنکھیں قربان کرے گا تو میں تجھے اس کے عوض نورانی آنکھیں عطا فرماؤں گا۔ ایسے ہی تمام اعضاء کا حکم ہے۔

حدیث قدسی چنانچہ حدیث قدسی اسی پر دلالت کرتی ہے۔ کما قال:

فاذا احببتہ کنت لہ سمعا یسمع بی وبصرا یبصر بی ویدا یبطش بی۔

(جب میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں تو اس کی سمع بن جاتا ہوں میری قوت سے سنتا ہے۔ میں اس کی بصر ہوتا ہوں وہ میری قوت سے دیکھتا ہے میں اس کا ہاتھ بنتا ہوں وہ میری قدرت سے پکڑتا ہے)

انسان کی ترقی انسان پہلے بولتا ہے پھر جانتا ہے پھر چلتا ہے پھر اڑتا ہے۔ یعنی عبادت کے بعد عرفان حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف چلتا ہے۔ اس کے بعد اسے محویت

نصیب ہوتی ہے تو گویا وہ اڑتا ہے۔

سبق : انسان کے لیے لازم ہے کہ اس کوشش میں رہے کہ ادبار نفس کے پنجرے سے دل کو آزاد کرے۔ پھر رضائے حق کی ہوا میں اڑے۔ جب جلال حق کے دار میں پہنچے گا تو "آتیتہ ھر ولۃ" کے مطابق تجلیات حق اس کا استقبال کریں گی ؎

چہ مانی بہر مردارے چو زاغان اندرین پستی

قفس بشکن چو طاؤسان یکے بر پر برین بالا

ترجمہ : اسی پستی میں کووں کی طرح مردار پر کیوں پڑا ہے، پنجرہ توڑ کر موروں کی طرح بلندی پر اڑ جا۔

ف : قفس انسانی ڈھانچہ ہے اور امانت مرغ جان ہے اس کی پرواز عشق سے ہے اس کی اراوت افق اور غیب اس کی منزل۔ یعنی جب مرغ امانت اسی بشریت کے پنجرے سے اڑ کر غیب کے افق میں پرواز کرتی ہے تو قدس کے کروبی فرشتے اسے اپنے پروں پہ اٹھا لیتے ہیں تاکہ اجمال الٰہی کی بجلی اسے جلا کر راکھ نہ بنا دیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ولسلیمٰن الریح الخ میں قلب کی طرف اشارہ ہے اور سیر سے اس عالم ارواح کی طرف سیر مراد ہے اور اس کی تیز رفتاری اس کی لطافت کی وجہ سے ہے اس لیے کہ نفس کو ایسی سیر کہاں نصیب! جبکہ وہ کثیف ہے اس لیے اس کی سیر بھی نہایت آہستہ ہے اس کی ایک اور وجہ بھی ہے وہ یہ کہ نفس کی سواری بدن ہے اور کثیف اور نرم رفتار ہے اور قلب کی سواری جذبۂ الٰہی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے لطف کی صفات سے ہے

حدیث شریف جیسا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

قلوب العباد بید اللہ یقلبہا کیف یشاء۔

(بندوں کے قلوب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں وہ انھیں جیسے چاہتا ہے بدلتا ہے)

اور انہیں اپنے الطاف و عنایات سے حضرت حق کی طرف پھیرتا ہے۔

چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا :

حدیث شریف قلب المؤمن کریشۃ فی فلاۃ یقلبہا الریح ظھرا لبطن و بطنا لظھر۔

(مومن کا قلب اس پر کی طرح ہے جو جنگل میں پڑا ہوتا ہے اسے ہوائیں جس طرح

چاہیں پھیرتی ہیں کبھی اُلٹا کبھی سیدھا)

ولسلیمٰن الریح کی یہی حقیقت ہے۔

دُوسری صُوفیانہ تقریر ولسلیمٰن الرّیح الخ یعنی ہم نے قلب کو اپنی عنایات کی تابع ہوا کر دی تاکہ وہ اس کے ذریعے سیر کرے اور تخت وغیرہ سے اس کا سِرّ (راز) مراد ہے۔ اسی تقریر کے مطابق سلیمان علیہ السلام کا ایک مقولہ مراد ہے، انہوں نے سیر کرتے ہوئے ایک دن اپنے تمام ملک کو ملاحظہ فرمایا، ایک دفعہ سلیمان علیہ السلام کے تخت کو ہوا نے اُلٹنا چاہا تو سلیمان علیہ السلام نے اسے فرمایا:

استوی (سیدھی ہو کر چل)

ہوا نے جواب دیا:

استو انت مادمت مستویا بقلبك كنت مستوية علت فعلت

(آپ سیدھے رہنے کی کوشش کیجئے اور اس وقت تک سیدھے رہیں گے جب تک آپ کا قلب سیدھا رہے گا۔ آپ کا قلب سیدھا تو میں بھی سیدھی ورنہ پھر خیر نہیں)

ایسے ہی بستر (راز) اور قلب اور ریح العنایۃ کا حال ہے کہ جب قلب میں کجی واقع ہوتی ہے اللہ تعالیٰ خذلان (رُسوائی) کی ہوا سے سِرّ (راز) کے تخت کو الٹ دیتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود نہ بدلیں۔

مثنوی شریف میں ہے:

۱ ہمچنیں تاج سلیمان میل کرد
روز روشن را بروچوں لیل کرد

۲ گفت تاجا کژ مشو بر فرق من
آفتابا کم مشو از شرق من

۳ راست می کرد او بدست آں تاج را
باز کژ می شد بر و تاج ای فتیٰ

۴ ہشت بارش راست کرد وگشت کژ
گفت تاجا چیست آخر کژ مغژ

۵ گفت اگر صدرہ کنی تو راست من
کژ روم چون کژ روی ای مؤتمن

۶ پس سلیمان اندرون و راست کرد
دل بر آن شہرت کہ بودش کرد سرد

۷ بعد ازاں تاجش ہمان دم راست شد
آں چنانکہ تاج را میخواست شد

۸ پس ترا ہر غم کہ پیش آید ز درد
بر کسی تہمت منہ بر خویش کرد

ترجمہ: (۱) ایسے ہی سلیمان علیہ السلام کے تاج نے میلان کیا تو ان کا روشن روز کالی رات کی طرح ہوا۔
(۲) آپ نے فرمایا، اے میرے تاج! میرے سر پر ٹیڑھا نہ ہو، اے میرے سورج میرے مشرق سے کم نہ ہو۔
(۳) اپنے مبارک ہاتھ سے تاج کو سیدھا کرتے تھے اے عزیز! پھر وہ تاج خود بخود ٹیڑھا ہو جاتا تھا۔
(۴) آٹھ بار آپ نے اسے سیدھا کیا تو وہ آٹھوں بار ہی ٹیڑھا ہوا فرمایا: الٹے دماغ والے تاج! تجھے کیا ہے۔
(۵) عرض کی آپ سو بار بھی مجھے سیدھا کرتے رہو گے میں ایسے ہی ٹیڑھا ہوتا رہوں گا اے میرے آقا!
(۶) پھر سلیمان علیہ السلام نے اندر سے ہی اسے سیدھا کیا اندر والا ٹیڑھا پن صحیح ہو گیا۔
(۷) اسی دم وہ کلاہ بھی سیدھا ہو گیا۔ اسی طرح ہوا جیسے آپ چاہتے تھے۔
(۸) تجھے جس درد سے بھی غم آئے، کسی دوسرے پر تہمت لگانے کے بجائے خود صحیح ہو جا۔

حکایت منقول ہے کہ ایک سقاء بخارا کے کسی شہر میں رہتا تھا اور وہ ہر روز ایک زرگر کے گھر میں پانی پہنچاتا۔ تیس سال تک اس نے زرگر کے گھر میں پانی پہنچایا۔ اس زرگر کی عورت حسن و جمال میں بے مثال تھی اور نیکی میں بھی بے نظیر۔ ایک دن سقا حسب عادت پانی لایا تو زرگر کی بیوی کا ہاتھ پکڑ کر اس نے جھٹکا دے دیا۔ جب زرگر بازار سے گھر لوٹا تو اس کی عورت نے کہا آج تو نے کوئی ایسا کام کیا ہے جو رضائے الٰہی کے خلاف تھا۔ زرگر نے انکار کیا تو عورت نے نہایت

عجز و نیاز سے اور قسمیں دے دے کر اصرار کیا تو زرگر نے کہا: آج ایک عورت میری دکان پر آئی اور اس نے مجھ سے کنگن خریدنا چاہا۔ میں نے اسے کنگن پہناتے ہوئے اس کے ہاتھ کو جھٹکا دے دیا کیونکہ اس کا ہاتھ مجھے بہت اچھا لگا۔ زرگر کی بیوی نے شوہر کا حال سن کر کہا: آج سقا کے ساتھ میرا یہی معاملہ ہوا جو تو نے دکان پر کیا۔ زرگر نے کہا: تو میری گواہ ہو جا آج سے میں توبہ کرتا ہوں کہ آئندہ کسی بیگانی عورت سے کوئی ایسا معاملہ نہیں کروں گا جو رضائے الٰہی کے خلاف ہو۔ جب صبح ہوئی تو وہی سقا زرگر کی عورت کے پاس آیا اور عرض کی: اے بی بی! مجھ پر شیطان کا حملہ ہوا جس سے میں نے تیرے ساتھ ایسی غلطی کی اب میں اس سے توبہ کرتا ہوں اور تو گواہ ہو جا آئندہ میں ایسا غلط کام نہیں کروں گا۔ زرگر کی عورت نے کہا: تیری غلطی نہیں دراصل میرے شوہر سے دکان پر اسی طرح کی غلطی ہو گئی تھی اس لیے کہ اس کا حال دکان پر بگڑا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے حال کو گھر میں بگاڑا کہ اس نے بیگانی عورت کے ہاتھ کو چھوا تو اس کی عورت کو غیر نے ہاتھ لگا دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا عدل اور اس کی غیرت ہے کہ جب وہ اپنے بندے سے کوئی برائی دیکھتا ہے تو اس کے حال کے مناسب اسے دنیوی سزا دیتا ہے۔

سبق: انسان کو اس کہانی سے عبرت حاصل کرنی چاہیے اور اس پر لازم ہے کہ وہ گناہ و جفا و ایذاء کا ترک کرے اور عدل و انصاف کی راہ پر چلے ایسی چال نہ چلے جس میں جور و ستم اور شقاق و نفاق اور خلاف و فساد ہو۔

تفسیر عالمانہ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ اور ہم نے سلیمان علیہ السلام کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کے چشمے بہا دیے۔ یعنی ان کے لیے تانبے کو پانی کی طرح بہا دیا۔ جیسے ان کے والد گرامی کے لیے لوہے کو موم بنا دیا گیا تھا یعنی جیسے داؤد علیہ السلام لوہے کو نرم پا کر جو چاہتے تیار کر لیتے ایسے ہی سلیمان علیہ السلام تانبے کو پانی کی طرح پا کر جو چاہتے بنا لیتے تھے اور وہ تانبے کا چشمہ یمن کے علاقہ صنعاء کے شہر کے قریب تھا۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاں اب جتنے تانبے کے برتن وغیرہ ہیں یہ اسی چشمہ سلیمانی سے حاصل شدہ ہیں ورنہ اس سے قبل لوگوں میں تانبے کی اشیاء اور برتن وغیرہ نہیں تھے۔ کما قال فی کشف الاسرار۔

ازالہ وہم فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے یہ غلط ہے اس لیے کہ بعض دوسرے شہروں میں بھی تانبے کی کانیں ملتی ہیں جس سے لوگ تانبہ لے کر بھی اچھی چیزیں

تیار کرتے ہیں۔ ہاں صاحب کشف الاسرار کے قول کے لیے یُوں کہا جا سکتا ہے کہ ان دوسرے چشموں کا اصل سرچشمہ وہی چشمۂ سلیمانی ہے۔ جیسے تمام دنیا کے پانیوں کا سرچشمہ بیت المقدس کا پتھر ہے (جس کی تفصیل ہم نے پہلے کہیں لکھ دی ہے) ایسے ہی بعض آثار میں وارد ہے۔

وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ یہ جملہ مبتدا و خبر ہے یعنی جنّات کا ایک گروہ ایسا تھا جو سلیمان علیہ السلام کے آگے کام کرتے تھے بِاِذْنِ رَبِّهٖ اس کے رب تعالیٰ کے حکم سے، جیسا کہ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا سے معلوم ہوتا ہے۔

حلِ لغات: الزیغ بمعنے المیل عن الاستقامۃ یعنی سیدھے راستے سے ہٹ جانا۔ یعنی اُن جنوں میں سے جو بھی سلیمان علیہ السلام کے حکم و طاعت سے رُوگردانی و نافرمانی کرے گا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ؁ تو ہم انہیں آخرت میں جہنم کی آگ کا عذاب چکھائیں گے۔

ف: سدی سے مروی ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے ہاں ایک فرشتہ ہر وقت ساتھ رہتا تھا۔ اس کے ہاتھ میں آگ کا ڈنڈا تھا کہ جنوں میں سے کوئی بھی سلیمان علیہ السلام کی نافرمانی کرتا تو اسے وہی فرشتہ آگ کا ڈنڈا مارتا جسے وہ جن نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن جُونہی اسے ڈنڈا لگتا، وہ جن فوراً مرجاتا۔

تفسیر صُوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام کا صفات شیطانیہ پر قبضہ تھا جیسے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو صفاتِ شیطانیہ پر قابض بنا دیا گیا تھا۔

حدیث شریف چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ سلطنی علیٰ شیطانی فاسلم علیٰ یدی فلا یأمرنی الا بخیر۔

(اللہ تعالیٰ نے مجھے شیطان پر ایسا مسلّط فرمایا کہ وہ میرے ہاں مسلمان ہوگیا ہے اسی لیے اب وہ مجھ سے نیکی کی ہی بات کرتا ہے)

قاعدہ صُوفیانہ اور یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جب قوائے باطنہ قابو میں ہوں تو قوائے ظاہرہ خود بخود قبضہ میں آجاتے ہیں اس وقت ظلمت دُور ہو کر نور نصیب ہوتا ہے دل سے کدورت ہٹ کر فرحت و سرور حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ مرتبہ اولیاء کاملین کو نصیب ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ الخ یہ جنّات کے عمل مذکور کی تفصیل ہے۔ یعنی وہ سلیمان علیہ السلام کے لیے ۔۔ کام کرتے جو وہ چاہتے مِنْ مَّحَارِيْبَ یہ مایشاء کا بیان ہے۔ محاریب ، محرا[ب] جمع ہے۔

ف : المحراب بالاخانہ اور گھر کی صدر اور مکرم ترین جگہ اور مسجد میں امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو کہا جاتا ہے نیز بادشاہ کے اس مخصوص مقام کو کہا جاتا ہے جہاں صرف وہی قیام پذیر ہو دوسرے کو وہاں تک رسائی نہ ہو۔

المفردات میں ہے کہ مسجد کے محراب کو اس نام سے اس لیے موسوم کرتے ہیں کہ وہ شیطان اور نفسانی خواہشات کے ساتھ جنگ کرنے کی جگہ ہے یا اس لیے کہ اس میں اشارہ ہے کہ انسان پر واجب ہے کہ وہ حریب (مشاغل دنیا) اور قلب کے منتشر خیالات سے بالکل فارغ ہو۔

بعض مشائخ نے فرمایا کہ محراب البیت بایں معنیٰ ہے کہ وہ گھر کا صدر مقام ہے۔ پھر چونکہ مساجد میں اسے صدر مقام ملا اس لیے اسے اس نام سے مشہور کیا گیا۔ محراب در اصل مسجد کے صدر مقام کے لیے مخصوص تھا پھر گھر کے صدر مقام کو اس سے مشابہ پا کر اسے محراب البیت کہا جانے لگا۔ یہی صحیح ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ جنات سلیمان علیہ السلام کے لیے بہت مضبوط محلات تیار کرتے تھے۔ ان اعلیٰ اور مضبوط محلات کو محاریب سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ ان میں رہ کر دشمنوں کا مدافعہ کرتے تھے اور اعدائے دین سے جنگ لڑتے تھے۔ اس مضمون کو جلالین میں بھی درج کیا گیا ہے۔

سلیمان علیہ السلام کے محلات کی تعداد مفسرین فرماتے ہیں کہ شیاطین نے سلیمان علیہ السلام کے لیے مندرجہ ذیل مقامات پر محلات تیار کیے :

(۱) تدمر بروزن تنصر ہیں۔ یہ شہر ملک شام میں ہے۔

اس کے علاوہ یمن میں کئی محلات بنوائے جن کے اسمائے یہ ہیں۔

(۲) صرواح

(۳) مرواج

(۴) ینیون

(۵) سلحین

(۶) بینیذہ

(۷) بنفیذہ

(۸) قلتوم

(۹) غمدان وغیرہ

آج ان تمام محلوں کے نام و نشانات تک مٹ گئے ہیں ان میں سے صرف ایک بہترین اور خوش منظر بیت المقدس تیار کیا جس کی رونق و حُسن پر عالم دنگ ہے۔

ف: اصحاب سیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں برکت فرما دی۔ یہاں تک کہ اس کا شمار کرنا مشکل ہو گیا بالخصوص داؤد علیہ السلام کے زمانے میں تو بہت زیادہ اضافہ ہوا۔ داؤد علیہ السلام نے چاہا کہ بنی اسرائیل کی تعداد معلوم کریں صرف فلسطین کے علاقے میں عرصہ دراز تک گنتے رہے لیکن گنتی پوری نہ ہو سکی جس سے وہ سخت ناامید ہوئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ میرے خلیل کو جب بیٹے کے ذبح کا حکم ہوا تو انہوں نے میرے حکم کی تعمیل کی میں نے اس کے بدلے میں ان کی اولاد میں برکت دی ہے۔ اب چونکہ انہوں نے اپنی تعداد پر فخر و ناز کیا ہے اس لیے میرا ارادہ ہو گیا ہے کہ میں ان کی گنتی کو کم کر دوں۔ لیکن پھر بھی انہیں اختیار دیتا ہوں کہ مندرجہ ذیل تین بلیات میں سے ایک کو چن لیں:

(۱) قحط سالی اور بھوک

(۲) تین ماہ تک دشمن کی بربادی و تباہی

(۳) تین دن تک وبا و طاعون۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے تمام بنی اسرائیل کو جمع فرمایا اور ان تینوں بلاؤں کا ذکر فرمایا سب نے کہا کہ ہم وبا و طاعون چاہتے ہیں کیونکہ یہ دوسری دونوں سے آسان تر ہے۔ اُن میں ذلت و رسوائی زیادہ ہے اور اس میں کم۔ بعد ازاں بنی اسرائیل موت کی تیاری میں لگ گئے۔ سب سے پہلے غسل کیا، خوشبو لگائی اور کفن پہن کر جنگل کی طرف چلے گئے۔ تمام چھوٹے بڑے گھروں کو چھوڑ گئے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب بیت المقدس کی بنیاد بھی نہیں ڈالی گئی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام صخرہ (مخصوص پتھر) میں سربسجود ہوئے اور تضرع و زاری میں مشغول ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے طاعون کو بھیجا صرف آٹھ پہروں میں اتنے لوگ مر گئے کہ دو ماہ تک انہیں دفن کرتے رہے تب بھی مردے بچ رہے۔ آٹھ پہر کے بعد وبا و طاعون بند کر دی گئی اگرچہ اسے تین شب و روز تک جاری رہنا تھا۔ لیکن داؤد علیہ السلام کی دعا و تضرع اور عجز و انکساری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو ان پر رحم آگیا اور ان کی دعا قبول فرما کر طاعون کو

روک دیا گیا۔ جب طاعون روک دیا گیا تو اس کے شکرانے میں بنی اسرائیل نے بیت المقدس کی بنیاد رکھی تاکہ وہاں اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوں۔ اس کی تعمیر کے وقت داؤد علیہ السلام اپنے کاندھے پر خود پتھر اٹھاتے تھے اور بنی اسرائیل کے نیک لوگ بھی ان کے ساتھ شریکِ کار تھے۔ جب اس کی عمارت کاندھے تک پہنچی تو اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے ہاں وحی بھیجی کہ اسے پیارے ہم نے اس شہر کا نام بیت المقدس رکھا ہے اور اس شہر میں بہت بڑے پیغمبر اور بہت نیک لوگ آئیں گے۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ داؤد علیہ السلام نے بیت المقدس کو بنوایا اور بار بار بنوایا۔ جب گر بنے ہوئے تو اس کی بنیاد گر گئی اللہ تعالیٰ سے شکایت کی۔ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ میرا یہ گھر اس شخص سے مکمل نہ ہوگا جس نے میرے ہزاروں بندوں کا خون بہایا ہو۔ عرض کی: یا اللہ! میں نے انہیں کب قتل کیا تھا وہ تو تیرا ہی حکم تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر بھی میرے بندے تھے۔ داؤد علیہ السلام نے عرض کی: اگر میرا بنانا نا منظور ہے تو اپنے کسی ایسے بندے کو مقرر فرمائیے جو میرا عزیز ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ کام آپ کے صاحبزادے سلیمان علیہ السلام سرانجام دیں گے اور میں انہیں تمام دنیا کی شاہی بخشوں گا اور انہیں خون بہانے سے محفوظ رکھوں گا اور اس کی تکمیل انہی کے ہاتھوں کراؤں گا۔

ف: اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر شفقت ضروری ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی غیرت کا یہی تقاضا ہے اگرچہ حدودِ الٰہیہ کا اجراء بھی ہو اس لیے کہ اس عالمِ دنیا کی تعمیر اس کی بربادی سے بہتر ہے اسی لیے کفار کے لیے جزیہ اور مال لے کر صلح کرنا اولیٰ ہوتا ہے بہ نسبت ان سے جہاد کرنے کے اس لیے کہ جہاد میں انہیں تباہ و برباد کرنا ہوگا اور صلح بالمال اور جزیہ وغیرہ سے انہیں باقی رکھنا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ جس پر قصاص واجب ہو اس کے متولی کو اجازت بخشی گئی کہ وہاں اس کا بدلہ لے کر صاحبِ قصاص کو معاف فرما دے یا اسے مفت بلا مال معاف کر دے نیز اسی شفقتِ خلقِ خدا کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جب قصاص کے متولی متعدد ہوں ان میں کوئی ایک معاف کر دے یا اس کے عوض میں مال لے لیا تو پھر قاتل کو قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ بعض اس کا قتل چاہتے ہیں اور بعض اسے معاف کرتے ہیں یا مال لینا چاہتے ہیں تو بندے کی جان بچانے والی شق کو ترجیح دی جائے گی۔ اس میں شفقتِ خلقِ خدا کی طرف اشارہ ہے بہرحال داؤد علیہ السلام اور بنی اسرائیل نے بیت المقدس میں ایک عرصہ تک نماز پڑھی پھر ان کے دنیا سے کوچ کرنے کا وقت قریب آ گیا۔

ولادتِ سلیمان علیہ السلام جب یہ واقعہ پیش آیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام ایک سو ستائیس سال کے تھے۔ ایک سو چالیس سال کی عمر میں دنیا سے

رخصت ہوئے اور ان کی بجائے سلیمان علیہ السلام تخت نشین ہوئے اور والد گرامی کی وفات کے بعد بارہ سال بادشاہی کی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام غزہ کے مقام پر پیدا ہوئے۔ جب آپ کو بادشاہی کرتے ہوئے چار سال گزرے تو موسیٰ علیہ السلام کی وفات کو اس وقت پانچ سو انتالیس سال گزر چکے تھے اس وقت سے سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی بنیاد کو کھڑا کرنے کا ارادہ فرمایا جیسا کہ انھیں ان کے والد گرامی کی وصیت تھی۔ اس پر آپ نے تمام حکمائے انس وجن اور زمین کے جملہ عفاریت اور شیاطین کے بڑے سرداروں کو جمع فرمایا اور ان پر تعمیر بیت المقدس کا کام تقسیم فرما دیا ان میں بعض بنیادیں کھڑی کریں بعض پہاڑوں پتھروں کو ٹکڑے ٹکڑے کریں اور سنگِ مرمر کی معدنیات سے ٹکڑے اٹھا لائیں اور بعض دریا میں غوطہ لگا کر موتی و مرجان لائیں وہ موتی شتر مرغ اور مرغی کے انڈے کے برابر تھے۔ پہلے شہر تعمیر ہوا۔ شہر کے بارہ محلے مقرر ہوئے۔ ہر محلہ میں بنی اسرائیل کے ایک ایک قبیلہ کو ٹھہرایا گیا اس لیے کہ وہ بارہ قبیلے تھے۔ اس کے بعد مسجد بیت المقدس تیار کرائی اس پر رنگین سنگِ مرمر لگایا اس کی چھت پر قیمتی جواہر کی تختیاں لگائی گئیں اور اس کی چھتوں اور دیواروں کو لؤلؤ و یاقوت سے مرصع کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بابِ رحمت کے نزدیک دو درخت اگائے ایک سے سونا اگتا، دوسرے سے چاندی۔ روزانہ ہر ایک درخت سے دو سو رطل سونا اور چاندی حاصل ہوتا تھا۔ مسجد کا فرش بچھایا گیا تو اس کی ایک اینٹ سونے کی اور دوسری چاندی کی لگائی گئی۔ اس کی تختیاں فیروزہ سے بنائی گئیں۔ اس وقت اس شہر سے زیادہ بارونق اور روشن تر دنیا میں کوئی اور گھر نہ تھا۔ وہ اندھیری رات میں چودھویں رات کی طرح چمکتا تھا۔ اس کی تعمیر سے اپنی شاہی کے گیارھویں سال فارغ ہوئے اس وقت آدم علیہ السلام کو زمین پر تشریف لائے ہوئے چار ہزار چار سو چودہ سال گزر چکے تھے۔

ف: حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعمیر بیت المقدس اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے درمیان ایک ہزار آٹھ سو سے زیادہ (تقریباً دو ہزار) سال گزرے تھے۔

تین سلیمانی دعائیں جب سلیمان علیہ السلام بنائے مسجد سے فارغ ہوئے تو تین دعائیں مانگیں:

(۱) جو فیصلہ کریں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے عین مطابق ہو۔

(۲) انہیں ایسا ملک عطا ہو کہ ان کے بعد کسی اور کو نہ ملے۔

(۳) کوئی بھی بیت المقدس میں آکر نماز ادا کرے (بشرطیکہ وہ مومن ہو) تو اس کے جملہ گناہ معاف ہو جائیں یہاں تک کہ گویا وہ ابھی پیدا ہوا ہے۔

ف : ہمیں امید ہے کہ آپ کی یہ تینوں دعائیں مستجاب ہوئیں (کذا قال نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام)

تعمیر بیت المقدس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے تعمیر بیت المقدس سے فراغت کے بعد تمام لوگوں کو جمع کر کے اعلان کیا کہ یہ خانۂ خدا ہے اس میں ہم اس کی عبادت کریں گے لیکن یاد رکھو اس سے جو چیز بھی جس نے اٹھائی وہ خائن ہوگا۔ اس کے بعد آپ نے تمام حاضرین کو طعام کھلایا۔ اس دن جیسا عظیم اجتماع نہ پہلے کبھی ہوا نہ بعد میں کبھی ایسی امید کی جا سکتی ہے اور اس دن جس طرح کا طعام کھلایا گیا وہ بے نظیر تھا۔ یہی اہلِ قربت کے لیے قربِ الٰہی کا دن تھا اس لیے اس دن کو سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں عید کے طور منایا جاتا تھا۔

تعمیر کے بعد تخریب حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب سلیمان علیہ السلام بیت المقدس کی بنا سے فارغ ہوئے تو فوراً مسجد کے دروازے بند ہو گئے سلیمان علیہ السلام نے جتنا زور لگایا نہ کھل سکے بالآخر آپ نے وہی دعا مانگی جو داؤد علیہ السلام مانگا کرتے تھے۔ اس کے بعد آپ نے مسجد میں زبور کے ایک ہزار قاریوں کو مقرر فرمایا جو پانچ سو بار رات کو اور پانچ سو بار دن کو زبور کی تلاوت کرتے اور مختلف عبادات میں مشغول رہتے تھے رات اور دن کی کوئی ایسی گھڑی نہیں تھی جس میں بیت المقدس کو عبادت سے خالی رکھا گیا ہو۔ سلیمان علیہ السلام کا تعمیر کردہ بیت المقدس اس ہیئت سے چار سو ترپن سال تک بحال رہی یہاں تک کہ بخت نصر نے آکر اسے توڑا اور اس کے جملہ جواہرات اور موتی و دیگر جملہ سامان اٹھا کر اپنے ملک میں لے گیا۔ ستر سال تک بیت المقدس ویران رہا۔ بخت نصر کے دماغ میں مچھر گھس گیا اس سے وہ تباہ و برباد ہوا۔

نکتہ : دماغ میں مچھر کے گھس جانے کا راز یہ تھا کہ اس کا دماغ بڑا تھا بلکہ تکبر سے پھول گیا تھا اس لیے اس نے بیت المقدس کے ویران کرنے کے علاوہ بے شمار بندگانِ خدا کو ناحق قتل کیا اللہ تعالیٰ نے اس کا ایک کمزور سے پرندے کے ذریعے بدلہ لیا۔

نہ ہرگز شنیدم در عمر خویش
کہ بد مرد را نیکی آمد بہ پیش

ترجمہ : ہم نے اپنی زندگی میں ہرگز نہیں سنا کہ برے آدمی کو نیکی کا صلہ نصیب ہوا ہو۔

وَتَمَاثِیْل تمثال (بالکسر) کی جمع ہے یعنی ھو الصورۃ علی مثال الغیر یعنی غیر کی مثال پر صورت

بنانا اور وہ بلکہ وانبیاء کی صورتیں اس طریقے سے بناتے کہ ان میں کوئی رکوع میں ہوتے تو کوئی قیام میں، کوئی سجدہ میں۔ جیسا کہ ان کی عبادت کرنے کی عادت اور طریقہ تھا اور شریعتِ سلیمانی میں تصویر بنانا جائز تھا اور اس کا تصور باندھ کر عبادت کرنا بھی جائز تھا۔ چنانچہ وہ مسجد میں مختلف مجسمے بناتے مثلاً کوئی شیشے کا، کوئی تانبے کا، وغیرہ وغیرہ کہ وہ لوگ انہی کی طرز پر عبادت کریں۔

اعجوبہ یہ مجسمے تانبے کے تھے حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا مانگی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان میں روح پھونک دے تاکہ وہی دشمنوں سے جنگ کریں اس طرح سے انہیں ہتھیار تیار کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ اسفندیار روحات کا مجسمہ تھا اس میں روح پھونکی گئی تھی یہ بھی منجملہ انہی میں سے تھا جن کے لیے سلیمان علیہ السلام نے دُعا مانگی تھی۔ (کذا فی تفسیر القرطبی)

اعجوبہ ۲ حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی کے دونوں پیروں پر دو شیر اور اس کے اوپر کے دو حصوں پر دو گدھ بنائی گئیں جب سلیمان علیہ السلام کرسی پر بیٹھنے کا ارادہ فرماتے تو شیر اپنے ہاتھ اوپر کر دیتے تاکہ کرسی پر آرام سے بیٹھ جائیں۔ ایسے ہی جب آپ کرسی پر بیٹھ جاتے تو گدھ اپنے پر پھیلا دیتیں جن کے سایہ کے نیچے حضرت سلیمان علیہ السلام بیٹھتے۔ سلیمان علیہ السلام کے وصال کے بعد آفریدون بادشاہ نے اس کرسی پر بیٹھنے کا ارادہ کیا لیکن اس پر بیٹھنے کا طریقہ اسے نہ آتا تھا۔ چنانچہ جونہی اس پر بیٹھا، شیر نے ہاتھ پھیلا کر اس کی پنڈلی توڑ ڈالی۔ اس کے بعد اس کرسی کے قریب جانے کی کسی نے جرأت نہ کی۔

مسئلہ: تصویر (فوٹو) بنوانا پہلی شریعتوں میں مباح تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں اس کی اباحت منسوخ ہوگئی۔ تصویر (فوٹو) کھینچنا اور کھچوانا حرام ہے وہ اس لیے کہ لوگ مجسمہ سازی اور تصویر سازی یعنی بت پرستی میں مبتلا تھے اسی لیے روکا گیا کہ وہ آئندہ بت پرستی کی لعنت سے بچیں۔

مسئلہ صوفیانہ: سب سے بری شے وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف لے جائے۔

حدیث شریف میں ہے:

من صور صورة فان الله معذبه حتى ينفخ فيها الروح وليس بنافخ فيها ابدا۔

(جو شخص تصویر کھینچتا ہے اللہ تعالیٰ اسے عذاب میں مبتلا کرے گا یہاں تک کہ اس کے اندر روح پھونکے۔ وہ نہ روح پھونک سکے گا اور نہ ہی عذاب سے نجات پائے گا)

مسئلہ: اس حدیث مبارک سے ثابت ہوا کہ ذی رُوح کی تصویر بنانا حرام ہے۔

ف : شیخ اکمل قدس سرہٗ نے فرمایا : ذی رُوح کی تصویر گناہِ کبیرہ ہے یا نہیں ۔ جن علماء کرام نے یہ قاعدہ مانا ہے کہ کبیرہ وہ گناہ ہے جس میں وعید وارد ہے ان کے نزدیک یہ کبیرہ میں داخل ہے اور جنہوں نے گناہِ کبیرہ صرف ان گناہوں کو مانا ہے گنتی کے حدیث شریف میں وارد ہیں، ان کے نزدیک یہ کبیرہ نہیں ہے وہ اس طرح کہ احادیث مبارکہ کے جواب میں لکھا کہ یہ وعید ان لوگوں کے لیے ہے جو اس عمل کو حلال سمجھیں یا دائمی عذاب اسی لیے ہوگا کہ وہ ایسے عذاب کے مستحق ہوں گے ۔

مسئلہ : جن چیزوں میں رُوح نہیں ان کی تصویر جائز ہے اگرچہ لایعنی اشیاء کے ساتھ مشغول ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے ۔

مسئلہ : نصاب الاحتساب میں ہے کہ اپنے گھر کو جو تصویروں سے منقش کرتا ہے اس سے حساب ہوگا اس لیے کہ جس گھر میں تصویر ہو اس گھر میں ملائکہ کرام داخل نہیں ہوتے ۔ حضرت جبریل علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہم اُس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر یا کُتا ہو۔

مسئلہ : اگر کسی گھر کو تصویر کے بغیر منقش کیا جائے تو مباح ہے ۔

مسئلہ : ملتقط الناصری میں ہے کہ اگر کسی نے کسی کا گھر مسمار کر دیا جس میں مردوں اور پرندوں کی تصویریں ہوں تو اس گھر کی اور تصویروں کے صرف رنگ کی قیمت (ضمانت کے طور پر) ادا کرنی ہوگی ۔

مسئلہ : جب گھروں میں فوٹو اور تصویر کی ممانعت ہے تو مسجد سے بطریقِ اولیٰ ہے اسی لیے جو مسجد میں پرندوں کی تصویریں ہوں ان کے سر مٹا دینے چاہئیں۔

مسئلہ : نمازی کے سر کے اوپر یا اس کے سامنے یا اس کے آگے تصویر ہو تو نماز مکروہ ہے ۔ سب سے سخت ترین کراہت اس میں ہے کہ تصویر نمازی کے آگے ہو یا اس کے سر پر یا اس کے دائیں بائیں یا پھر پیٹھ کے پیچھے ۔

مسئلہ : ہاں پیٹھ کے پیچھے ہو تو مکروہ نہیں ایسے ہی پاؤں کے نیچے ۔ اس لیے کہ اس طرح سے تشابہ بہ عبادت اصنام نہیں بلکہ اس طرح سے اس کی اہانت ہے ۔

مسئلہ : الغایہ میں ہے کہ اگرچہ تصویر کا پیٹھ کے پیچھے ہونے میں نماز میں کراہت نہیں لیکن اس کے گھر میں ہونے کی وجہ سے تو مکروہ ہے اس لیے کہ اس گھر کو عبادت کرتے وقت محفوظ رکھنا مستحب ہے جس میں ملائکہ کا داخلہ بند ہو ۔

مسئلہ : اس معنے پر وہ تقریر مکروہ نہیں جو قدموں کے نیچے ہو اس لیے کہ اس طرح سے تصویر کی اہانت ہے ۔ قدموں کے نیچے تو واقعی اہانت ہے لیکن پیٹھ کے پیچھے اہانت کا احتمال نہیں اس لیے ان

دونوں کا آپس میں قیاس مع الفارق ہوگا۔
مسئلہ: کراہت اس تصویر میں ہے جو بڑی ہو۔ اگر اتنی چھوٹی ہو کہ اس کے اعضاء غور و فکر کے بعد سمجھ میں آئیں تو مکروہ نہیں اس لیے کہ چھوٹی تصویروں اور مجسموں کی پرستش نہیں ہوتی تھی۔
مسئلہ: تصویر (فوٹو) کا اگر سر کاٹ لیا جائے تو بھی اس کے ہوتے نماز وغیرہ مکروہ نہیں اس لیے کہ کوئی مجسمہ (تصویر) سر کے بغیر نہیں پوجا گیا۔
مسئلہ: سر کاٹنے کا معنیٰ ہے کہ اس کا سر سی دیا جائے یہاں تک کہ سر کا نشان بھی ختم ہو جائے۔ یعنی اسے نیست و نابود کر دیا جائے تاکہ کسی کو معلوم نہ ہو سکے۔
مسئلہ: اگر سر اور جسم کے درمیان سے سی دیا جائے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں اس لیے کہ بہت سے پرندے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے گلے میں طوق ہوتا ہے اسی لیے کہ الٹا اس طرح سے وہ پرندہ زیادہ حسین بن جائے گا۔
مسئلہ: منہ سر کاٹنے کی طرح ہے بخلاف ہاتھ پاؤں کاٹنے کے کہ ان کے کاٹنے سے کراہت نہیں اٹھے گی۔
مسئلہ: جس بچھونے پر تصویریں ہوں اور وہ پاؤں تلے آجائیں ایسے بچھونے (جا نماز) وغیرہ پر نماز بلا کراہت جائز ہے اس لیے کہ ایسے فوٹو (تصویر) کی اہانت ہو رہی ہے نہ کہ تعظیم۔ ہاں اگر ان پر سجدہ کیا جائے تو مکروہ ہے اس لیے کہ اس طرح سے فوٹو (تصویر) کی تعظیم ہوگی اور تصویروں کی تعظیم حرام ہے بلکہ ان کی اہانت لازمی اور ضروری ہے۔ اسی وجہ سے مبسوط میں تصویر پر سجدہ کرنا مکروہ لکھا ہے۔
مسئلہ: حواشی اخی چلپی میں ہے کہ وہ تصویر جسے بت پرستوں کی کسی معظم شے سے مشابہت ہو تو اس پر سجدہ حرام ہے جیسے صلیب کی شکل وغیرہ وغیرہ۔
قاعدہ: ظہیر الدین نے لکھا ہے کہ جن چیزوں کو ایسی اشیاء سے مشابہت ہو جس کو کفار معظم سمجھتے ہوں وہ اگر منہ کے بالمقابل ہو تو نماز مکروہ ہے۔
مسئلہ: ہر وہ سرہانہ یا کوئی اور بستر (بچھونے کی شے) پر تصویر ہو تو اس پر نماز مکروہ نہیں، اس لیے کہ اس طریق سے تصویر کی اہانت ہوگی۔ ہاں اگر سرہانہ آگے کی طرف ہو یا بمنزلہ پردے کے ہو تو مکروہ ہے اس لیے کہ اس طرح سے فوٹو کی تعظیم ہوگی اور وہ حرام ہے۔
مسئلہ: اگر کسی سرہانے یا بستر پر تصاویر ہوں تو ان کا استعمال جائز ہے اگرچہ انہیں سرہانے اور پردے پر تصویر بنانا مکروہ ہے۔
مسئلہ: چادر اور پردے پر تصویر بنانا مکروہ ہے۔ لیکن ان صورتوں میں نماز فاسد نہ ہوگی اس لیے کہ جواز نماز کے شرائط میں کوئی شے خلل انداز نہیں۔ شرع نے کسی امر سے منع نہیں کیا ہم کیوں اسے

منع کریں۔

مسئلہ: جو نماز بالکراہت ادا کی جائے اسے لوٹانا ضروری ہے۔ ایسے ہی جس نماز کو تعدیلِ ارکان کے بغیر ادا کیا جائے اس کا اعادہ بھی ضروری ہے[1]۔ کذافی الکافی۔

وَجِفَانٍ سلیمان علیہ السلام کے لیے شیاطین لکڑی کے پیالے اور دیگر اشیاء بناتے تھے۔ یہ جفنہ کی جمع ہے بہت بڑے بڑے پیالے کو کہتے ہیں کیونکہ اہلِ عرب بڑے سے بڑے پیالے کو جفنہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کے بعد قصعۃ ہوتا جو دس آدمیوں کو سیر کرا سکے۔ اس کے بعد صحفۃ ہوتا ہے جو پانچ آدمیوں کو کفایت کرتا ہے اس کے بعد میکلۃ ہوتا ہے جو دو تین مردوں کے لیے کافی ہوتا ہے۔ اور تیسرا یعنی صحفہ صرف ایک آدمی کو کفایت کرتا ہے اسی لیے بعض مفسرین نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے الجفان ای الصحاف یعنی دس پیالوں کا ایک۔ اور حضرت سعدی المفتی نے فرمایا جفنہ کھانے والے برتنوں سے مخصوص ہے۔ کما فی المفردات

كَالْجَوَابِ یہ بڑے حوضوں کی طرح ہوتا ہے۔ یہ در اصل الجواری کی طرح الجوابی تھا۔ جابیہ کی جمع ہے، الجابیۃ سے ہے اسے اس نام سے اس لیے موسوم کرتے ہیں کہ اس میں پانی جمع ہوتا ہے۔ اور یہ صفات غالبہ سے ہے جیسے دابۃ چارپایوں کے صفاتِ غالبہ سے ہے المفردات میں ہے کہ اہلِ عرب کہتے ہیں:

جبیت الماء فی الحوض۔

یعنی میں نے پانی حوض میں جمع کیا۔ اور وہ حوض جس میں پانی جمع ہوا سے الجابیۃ کہا جاتا ہے اسی سے استعارۃً کہا جاتا ہے:

جبیت الخراج جابیۃ۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ ایسے بڑے کھانے کے حوض سے بیک وقت دو ہزار آدمی کھانا کھاتے تھے۔ اور سلیمان علیہ السلام کے لنگر میں روزانہ بارہ ہزار بکریاں اور ایک ہزار گائیں پکتی تھیں اور آپ کے لنگر میں روٹی پکانے والے بارہ ہزار اور سالن تیار کرنے والے بھی بارہ ہزار افراد تھے جو اسی بڑے حوض میں سالن وغیرہ پکاتے تھے وہ اس لیے کہ آپ کے لنگر ان گنت افراد کھانا کھاتے تھے۔

ف: عبداللہ بن جدعان قریشی کے سرداروں میں سے تھے یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا چچازاد تھا

---

[1] اس موضوع پر فقیر کا رسالہ "السوٰ التعزیر فی تصویر التصویر" دیکھئے۔ اویسی غفرلہٗ

کا ایک بہت بڑا حوض تھا جس کے سائے تلے بیٹھتے تھے اس کے اندر داخل ہوتے وقت اونٹ پر سوار ہوتے تھے۔ ایک دفعہ ایک لڑکا اس میں گر کر مرگیا اور وہ روزانہ فقراء کو وہی دیگ پکا کر کھلاتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی ایک دیگ تھی جسے چار آدمی اٹھاتے تھے۔ اس دیگ کا نام الغراء تھا بمعنے سفید، جس میں نمازِ چاشت کے بعد ثرید پکا کر اس کے اردگرد بیٹھ کر کھاتے تھے۔ جب بہت زیادہ لوگ بیٹھے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھٹنے سمیٹ بیٹھے تو ایک اعرابی نے کہا: یہ کیسا بیٹھنا ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ جعلنی عبدا کریما و لم یجعلنی جبارا عنیدا۔

(میں عبد نبی ہوں اور کریم طبع، مجھے اللہ تعالیٰ نے جبار اور سرکش نہیں بنایا)

اس کے بعد فرمایا:

کلوا من جوانبھا و دعوا ذروتھا یبارک فیھا۔

(دیگ کے گرد اپنی اپنی جانب سے کھاؤ اس کے درمیانی حصہ کو چھوڑ دو اس میں اللہ تعالیٰ برکت دے گا)

مسئلہ: الشرعۃ میں ہے کہ چھوٹے پیالوں میں کوئی برکت نہیں ہوتی۔

مسئلہ: طعام کے پیالے مٹی یا لکڑی کے ہونے چاہئیں کیونکہ یہی تواضع کے قریب تر ہے۔

مسئلہ: سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا حرام ہے۔

مسئلہ: تانبے کے برتنوں میں طعام کھانا مکروہ ہے جبکہ وہ قلعی شدہ نہ ہو۔

مسئلہ: دھات کے برتنوں میں بھی کھانا مکروہ ہے۔

الصفر (بضم الصاد المھملۃ وسکون الفاء) معدنیات کے ایک مرکب دھات کا نام ہے۔ جیسے تانبا اور لوہا، جسے فارسی میں روئین کہتے ہیں۔ بترقیق الراء یعنی راء کو مجہول کر کے پڑھنا اس لیے اگر اسے معروف پڑھا جائے تو اس کا معنیٰ منہ ہوتا ہے۔

وَقُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ القدر بالکسر ہر وہ شے جس میں گوشت پکایا جائے کما فی المفردات۔ اس کی جمع القدور ہے۔ الراسیات راسیۃ کی جمع ہے رسا الشئ یرسو سے مشتق ہے بمعنے ثبت۔ اسی لیے پہاڑوں کو رواسی کہا جاتا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ ہانڈیاں جو اثافی پر ثابت ہوں ان کے بڑے ہونے کی وجہ سے ان سے اتاری نہیں جاتیں۔ نہ ہی وہ اپنی جگہوں سے ہٹ سکتی ہیں انھیں اثافی پر زنجیروں سے چڑھایا جاتا اور وہ یمن میں تھیں۔ اب بھی شام کے علاقوں میں بعض مقامات پر اس قسم کی پتھر کی

بنی ہوئی دیگیں موجود ہیں۔ اس وقت بھی ان دیگوں کو پتھروں سے بنایا جاتا تھا یا وہ تانبے کی دیگیں تھیں جو اثافی پر ہر وقت رکھی رہتیں یا ان کے اثافی تانبے کے تھے۔ کما فی الکواشی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جفان میں اللہ تعالیٰ کی مہمانی کی طرف اشارہ ہے جس کا کوئی منتہیٰ نہیں وہ مہمانی صرف اولیاء کرام کو نصیب ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی۔

(میں اپنے رب تعالیٰ کے ہاں شب باشی کرتا ہوں وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے)

تفسیر عالمانہ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ اس کا منصوب ہونا بوجہ نداء کے ہے۔ اس سے سلیمان علیہ السلام مراد ہیں اس لیے کہ یہ گفتگو ان کے قصے کے درمیان واقع ہے۔ اور جمع کا صیغہ تعظیم کے لیے ہے یا اس میں ان کی اولاد بھی شامل ہے یا اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہیں لنگرِ سلیمانی سے خرچ ملتا تھا یا آپ کی اُمت کے وہ لوگ جن پر نعمتِ حق پر شکرِ الٰہی ضروری تھا کما فی بحر العلوم۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے سلیمان علیہ السلام یا ان تمام مذکورہ بالا افراد کو کہا عمل کرو شُکْرًا اس کا منصوب ہونا مفعول لہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ یعنی عبادت کرو بوجہ شکر کرنے اس کے جو میں نے تمہیں اپنے فضل و کرم اور دیگر نعمتوں سے نوازا ہے جیسے میری نعمتیں ظاہر ہیں۔ ایسے ہی ان کا شکر کرنا بھی ظاہر ہونا چاہیے۔ یا اس کا منصوب ہونا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے ہے اس کا عامل اعملوا ہے اس لیے کہ منعم کے لیے عمل کرنا اس کی شکر گزاری پر دلالت کرتا ہے۔ اس تقریر پر یہ مصدر غیر لفظہ سے ہوگا یا یہ فعل محذوف کا مصدر (مفعول مطلق) ہے۔ دراصل عبارت اشکروا شکرا یا حال ہے بمعنے شاکرین یا مفعول بہ ہے یعنی اعملوا شکرا۔ اب معنیٰ یوں ہوگا کہ ہم نے تمہارے لیے جن تابع کیے جو تم چاہو وہی تمہارے لیے تیار کرتے ہیں تمہیں چاہیے کہ شکر کا عمل کرو۔

نکتہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے ولقد اٰتینا داؤد منا فضلا۔ اس پر داؤد علیہ السلام سے شکر کا مطالبہ نہیں کیا اور نہ ہی یہ فرمایا کہ یہ فضل ان کے عمل کا بدلہ ہے۔ ہاں اس فضل کے شکر کا مطالبہ آلِ داؤد سے ہوا کہ جو انعام داؤد علیہ السلام پر ہوا اس کے بدلے میں آلِ داؤد پر لازم ہے کہ وہ شکر کرے۔ اس معنے پر نتیجہ نکلا کہ داؤد علیہ السلام کو نعمت بطورِ عطیہ اور محض فضل و احسان کے طور پر عطا ہوئی ان سے کسی قسم کے

شکر کا مطالبہ نہیں۔ ہاں آلِ داؤد سے مطالبہ ہوا تاکہ ان کا شکر نعمت کے لیے ایک قسم کا بدلہ ہو جائے گا۔
یاد رہے کہ انبیاء علیہم السلام خود بخود ہی شکرِ خداوندی سے سرشار ہوتے ہیں اُن سے اللہ تعالیٰ نے کبھی شکر کا مطالبہ کیا ہی نہیں۔ چنانچہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی اتنی کثیر عبادت فرماتے کہ آپ کے قدم مبارک سوج جاتے۔ آپ سے اس طرح طویل قیام کا حکم منجانب اللہ نہیں تھا لیکن آپ نے اسی لیے اتنی کثیر عبادت کی تاکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ما تقدم من ذنبك وما تاخر جیسی نعمت کا بدلہ ہو۔ اسی لیے آپ سے جب اتنی کثیر عبادت کے متعلق سوال ہوا اور ساتھ یہ بھی کہا گیا کہ آپ تو معصوم ہیں۔ تو آپ نے فرمایا:

افلا اکون عبداً شکوراً۔

(کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ داؤد سے رُوح اور سلیمان سے قلب اور ان کی آل سے سر وخفی اور نفس و بدن مراد ہیں کیونکہ یہ سب کے سب رُوح سے پیدا ہوئے ہیں۔ اب اس کی تفصیل یوں ہوگی کہ بدن کا شکر یہ ہے کہ اس کے جمیع اعضاء وجوارح کو عبادتِ الٰہی میں لگایا جائے۔ ایسے ہی حواسِ خمسہ بھی اس بدن کے شکر کے لیے اعملوا میں اشارہ ہے اور نفس کا شکر یہ ہے کہ اس سے تقویٰ وورع کے شرائط پورے کرائے جائیں۔ اور قلب کا شکر یہ ہے کہ اسے محبتِ الٰہی میں مشغول اور غیر کی محبت سے اسے فارغ رکھا جائے اور سِر (رازِ مخفی) کا شکریہ ہے کہ اسے غیر اللہ کی طرف التفات سے باز رکھا جائے اور روح کا شکر ہے کہ اسے نارِ وجود میں اس طرح جلایا جائے جیسے شمع پروانے کو جلاتی ہے۔ اور شکرِ خفی یہ ہے کہ مقامِ وحدت میں بلاواسطہ فیض کو قبول کیا جائے اسی لیے اس کا نام خفی رکھا گیا اس لیے کہ رُوح کا فنا فی اللہ ہو کر قبول فیض کے بعد نورِ وحدت کے ساتھ مقامِ وحدت مخفی رہتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ ۝ قلیل الشکور مبتداء کی خبر مقدم ہے۔ کاشفی اور صاحب کشف الاسرار نے اس کا ترجمہ لکھا کہ میرے شکر گزار بندے تھوڑے ہیں۔ الشکور ہر اس بندے کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بہت زیادہ شکر کرے قلب سے بھی اور زبان سے بھی، بلکہ جملہ اعضاء سے شکر کی ادائیگی میں کوئی وقت ضائع نہ جانے دے لیکن تب بھی سمجھے کہ اس نے اپنے مالک و مولیٰ کی نعمتوں کا حق نہیں ادا کیا اس لیے کہ توفیقِ شکر بھی ایک نعمت ہے پھر اس کا شکر کرنا ہوگا۔ ایسے ہی الیٰ غیر النہایۃ، اسی لیے

صوفیہ کرام نے فرمایا کہ الشکور وہ ہے جو شکر کی ادائیگی میں اپنے آپ کو عاجز تصور کرے ؎

۱ حق شکر حق نداند ہیچ کس
حیرت آمد حاصل دانا و بس

۲ آن بزرگ گفت با حق در نہان
کای پدید آرندۂ ہر دو جہان

۳ ای منزہ از زن و فرزند و جفت
کی توانم شکر نعمتہات گفت

۴ پیک حضرت دادش از ایزد پیام
گفتش از تو این بود شکر مدام

۵ چون درین راہ این قدر بشناختی
شکر نعمتہای ما پرداختی

ترجمہ: (۱) حق تعالیٰ کے شکر کا حق کوئی نہیں جانتا۔ دانا کو تو اس میں حیرت ہی ہے کہ کیسے کرے۔

(۲) کسی بزرگ نے حق تعالیٰ سے خفیہ طور پر عرض کی کہ اے دو جہانوں کو ظاہر فرمانے والے

(۳) اے وہ ذات جو زن و فرزند اور شریک سے پاک ہے تیری نعمتوں کا شکر میں کس طرح ادا کروں!

(۴) حق تعالیٰ سے اسے پیام ملا کہ یہی دائمی شکر ہی تمہارا کافی ہے۔

(۵) جب اس قدر حق شکر سمجھو گے تو سمجھ لو کہ تم میرے شکر میں مشغول رہے ہو۔

ف: حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکر کی ادائیگی کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ اپنے اعضاء کو معاصی سے بچا کر اللہ تعالیٰ کی طاعت میں صرف کرے اور یہ بھی توفیقِ حق سے نصیب ہوتا ہے۔

داؤد علیہ السلام کا ٹائم ٹیبل حضرت جعفر بن سلیمان نے فرمایا کہ میں نے حضرت ثابت سے سنا کہ داؤد علیہ السلام نے آٹھوں پہر رات اور دن کو اپنے اہل وعیال پر تقسیم فرما دیا تھا۔ رات اور دن کا کوئی ایسا وقت نہیں جس میں داؤد علیہ السلام کا کوئی گھر کا آدمی عبادت میں مشغول نہ ہو۔ اسی لیے قیامت میں اعلان ہو گا کہ داؤد علیہ السلام تمام

شکر گزار بندوں سے زیادہ شکر کرنے والے ہیں اور ایوب علیہ السلام تمام صبر کرنے والوں سے زیادہ صبر کرنے والے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قلیل من عبادی الشکور میں اشارہ ہے کہ مقام شکر رتبت تک بہت تھوڑے بندے پہنچتے ہیں اور یہ وہ مقام ہے کہ بندہ کے جملہ احوال شکر میں گزریں۔ عوام کا شکر اقوال سے ہوتا ہے کما قال تعالیٰ:

وقل الحمد للہ سیریکم آیاتہ۔

اور خواص کا شکر اعمال سے۔ کما قال تعالیٰ:

ان ربنا لغفور شکور۔

اور وہ بایں معنیٰ شکور کہ ایک فانی عمل پر دس اجر باقی عطا فرماتا ہے اور ظاہر ہے کہ ہمارے ہاں جو کچھ ہے وہ مٹنے والا ہے اور جو کچھ اس کے ہاں ہے وہ دائمی سرمدی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کثیر الاحسان ہے اسی لیے انسان پر بھی لازم ہے کہ وہ احسانِ ربانی کا اعمال صالحہ سے شکر ادا کرے۔

تفسیر عالمانہ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ القضاء بمعنے الحکم والفصل اور قوۃ حساسہ کے زوال کا نام موت ہے۔ یعنی جب ہم نے سلیمان علیہ السلام کی موت کا حکم فرمایا اور فیصلہ فرمایا کہ وہ اس دنیا سے چلے جائیں مَا دَلَّهُمْ تو جنات وغیرہ کی رہبری نہ کی عَلٰى مَوْتِهٖ سلیمان علیہ السلام کی موت پر اِلَّا مگر دَآبَّةُ الْاَرْضِ دیمک نے۔ جھوٹا سا کیڑا ہے جو لکڑی کھاتا ہے اسے اس فعل کی طرف مضاف کیا گیا۔ جو اس کا کام ہے یعنی ارض بمعنے کھانا آیا ہے اسی لیے زمین کو آسمان کے بالمقابل ارض کہا جاتا ہے کہ وہ اجسادِ آدم کو کھا جاتی ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

ارضت الارضۃ الخشبۃ ارضا۔ یعنی دیمک نے لکڑی کو کھایا۔

اس کا مجہول ارضت ارضا فھو علی ما لم یسم فاعلہ فھی ماروضۃ آئے گا۔

تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ وہ سلیمان علیہ السلام کے اس عصا مبارک کو کھاتی رہی جس پر آپ نے سہارا لیا ہوا تھا۔ یہ النسی سے ہے بمعنے التاخیر فی الوقت۔ چونکہ ڈنڈے سے شے کو ہٹایا اور جھڑکا جاتا ہے۔ اسی لیے اسے اس نام سے موسوم کیا گیا ہے فَلَمَّا خَرَّ پس گر گئے سلیمان علیہ السلام درانحالیکہ وہ اس دنیا فانی سے رخصت ہو چکے تھے۔

امام راغب نے لکھا کہ خر بمعنے سقط سقوطا، ہر وہ شے جس کے گرنے سے آواز پیدا ہو۔ ایسے الخریر پانی ہوا اور ہر اس شے کی آواز کو کہتے ہیں جو اوپر سے نیچے گرے تَبَیَّنَتِ الْجِنُّ تبیّن ہر اس علم کو کہا جاتا ہے جو بھول جانے کے بعد معلوم ہو۔ یعنی جنات کو علم یقینی ہو گیا۔ یعنی اب ان کے جملہ شکوک و شبہات ختم ہو گئے جبکہ اس سے قبل سلیمان علیہ السلام کی موت کے معاملہ میں وہم و گمان میں تھے۔ اَنْ لَّوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ الْغَیْبَ الغیب بمعنے وہ شے جو حواسِ انسانی سے غائب ہو یعنی وہ اگر غیب جانتے مَا لَبِثُوْا تو سال بھر نہ ٹھہرے رہتے فِی الْعَذَابِ الْمُهِیْنِ ذلیل و خوار کرنے والے عذاب میں۔ وہ تکالیف شاقہ اور سخت اعمال میں مبتلا نہ رہتے۔

خلاصہ یہ کہ ان کا گمان تھا کہ جنات غیب کی باتیں جانتے ہیں لیکن یہاں ان کا گمان غلط ہو گیا اس لئے کہ انہیں اگر علمِ غیب ہوتا تو انہیں سلیمان علیہ السلام کی موت کا علم ہو جاتا۔ ایسے ہی انہیں اگر علمِ غیب ہوتا تو وہ ان کی موت کے بعد سال بھر ان کی تسخیر میں نہ ٹھہرے رہتے بلکہ انہیں تو ان کی موت کا اس وقت علم ہوا جب وہ زمین پر گرے۔ اب انہیں معلوم ہوا کہ وہ تو اس معاملہ میں بالکل ہی بے خبر ہیں۔

ف: یہ بھی ہے کہ تبین بمعنے تبین الشئی ہو۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب شے ظاہر اور کھل کر سامنے آجائے۔ اس تقریر پر ان اپنے مابعد کے ساتھ مل کر الجن سے بدل الاشتمال ہوگا۔ یہ تبین مزید جملہ کے محاورہ سے ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ اب انسانوں پر ظاہر ہوا کہ جنات اگر علمِ غیب جانتے تو وہ اتنے ذلیل و خوار نہ ہوتے۔

سلیمان علیہ السلام کی موت کی نشانی

حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا وقت جب قریب ہوا تو اس کی یہ علامت ہوئی کہ پہلے آپ کا یہ معمول تھا کہ آپ جب بھی صبح سویرے اٹھ کر عبادت گاہ میں جاتے تو محراب میں ایک درخت اگا ہوا پاتے۔ مثنوی شریف میں ہے، ؎

۱ ہر صباحی چون سلیمان آمدی
خاضع اندر مسجد اقصیٰ شدی

۲ نو گیاہی رستہ دیدی اندرو
پس بگفتی نام و نفع خود بگو

۳ تو چہ داروئی چی نامت چہ است
تو زیان کہ و نفعت بر کی است

۴ پس بگفتی هر گیاهی فعل و نام
که من آنرا جانم و این را حمام

۵ من مرین را زهرم و او را شکر
نام من این ست بر لوح از قدر

۶ پس طبیبان از سلیمان زان گیا
عالم و دانا شدندی مقتدا

۷ تا کتب هاے طبیبی ساختند
جسم را از رنج مے پرداختند

۸ این نجوم و طب وحی انبیاست
عقل و حس را سوے بے سوره کجاست

۹ هم بر ان عادت سلیمان سنی
رفتی در مسجد میان روشنی

۱۰ قاعده هر روز را می جست شاه
که ببیند مسجد اندر نو گیاه

۱۱ پس سلیمان دید اندر گوشهٔ
نو گیاهی رسته همچون خوشهٔ

۱۲ دید پس نادر گیاهی سبز و تر
می ربود آن سبزیش نور از بصر

۱۳ گفت نامت چیست برگو بی دهان
نام من خروب ای شاه جهان

۱۴ گفت فعلت چیست وز تو چه رود
گفت من رستم مکان ویران شود

۱۵ من که خروبم خراب منزلم
من خرابی مسجد آب و گلم

۱۶ پس سلیمان آن زمان دانست زود
که اجل آمد سفر خواهد نمود

۱۷ گفت تا من ہستم این مسجد یقین
در خلل ناید ز آفاتِ زمین

۱۸ تا کہ من باشم وجود من بود
مسجد اقصیٰ مخلخل کے شود

۱۹ پس خرابی مسجد ما بے گمان
نبود الا بعد مرگ ما بدان

۲۰ مسجد است آن دل کہ جسمش ساجد است
یار بد خروب ہر جا کہ مسجد است

۲۱ یار بد چون رست در تو مہر او
ہین ازو بگریز و کم کن گفت و گو

۲۲ برکن از بیخش کہ گر سر بر زند
مر ترا و مسجدت را بر کند

خلاصہ ترجمہ ۱ تا ۱۹ : جب حضرت سلیمان بیچ عبادت خانہ کے طاعتِ الٰہی میں مصروف رہتے تھے ۔ ہر روز اس عبادت خانے میں ایک درخت اگتا تھا، اور اپنی خاصیتیں بیان کرتا تھا کہ میں فلاں فلاں مرض کی دوا ہوں اور میرا یہ اثر ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اس کو لکھواتے تھے ایک روز اسی دستور سے عبادت میں مصروف تھے۔ ایک درخت زمین سے نکلا اس نے بعد سلام کے عرض کیا کہ میرا نام خروب ہے اور میری خاصیت یہ ہے کہ تیرے ملک سلطنت کی خرابی ہو گی۔ بعد اس کے خدا تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اب تمہارا وقتِ رحلت نزدیک آیا ہے کہ آخرت کے سفر کی تیاری کر۔ حضرت سلیمان نے وصیت کی اور جو چیزیں لکھوانے کی تھیں لکھوائیں۔ منجملہ فرمایا کہ جب تک میں ہوں مسجد کو زمین میں خلل نہ آئے گا جب میں یہاں ہوں مسجد کو کیسے خلل آ سکتا ہے مسجد کی خرابی کے متعلق یقین کیجئے کہ میری موت کے بعد ہو گی۔ اس کے بعد جناب الٰہی میں عرض کی کہ میری موت کا احوال ایک برس تک جنوں اور شیطانوں پر پوشیدہ رہے کہ اس عرصے میں جو کام میں نے ان کو سونپے ہیں تیار ہو جاویں۔ بعد اس کے غسل کر کے لباس پاکیزہ پہنا اور عبادت خانے میں تشریف لائے اور اس لاٹھی پر تکیہ کیا جس پر تھکان کے وقت تکیہ کیا کرتے تھے۔

اور قابضِ ارواح نے روحِ مقدس کو قبض کر کے روضہ میں پہنچایا۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام عبادت خانے میں آتے تھے اور عبادت میں مشغول رہتے تھے تو اس مدت میں گماشتے حضرت کے مہمات ملک سنبھالتے تھے اور شیاطین ان کی ہیبت سے بندگی کے وقت سامنے نہ دیکھ سکتے تھے۔ جب آنکھ ان کی بے اختیار حضور پر پڑتی تھی تو گمان کرتے تھے کہ آپ عبادت میں کھڑے ہیں اس واسطے محنت شاقہ کیا کرتے تھے۔ جب ایک سال پورا ہوا دابۃ الارض یعنی دیمک نے لاٹھی کی جڑ کھا لی اور حضرت گر پڑے تب جنوں کو ان کی رحلت کا علم ہوا اور موت کی خبر عالم میں مشہور ہوئی اور اصل حکمت حضرت سلیمان کی موت کے چھپانے کی یہ تھی کہ آدمیوں کو جنوں کے دعوے سے یہ گمان تھا کہ وہ غیب جانتے ہیں جب حضرت سلیمان نے دار الآخرت کو انتقال کیا اور ایسا واقعہ ان پر ایک برس تک مخفی رہا تب آدمیوں کو یقین ہوا کہ وہ اپنے دعوئے غیب دانی میں جھوٹے ہیں۔ بہرحال سلیمان جیسے بادشاہ بھی دار فانی سے ملک بقا کو پہنچے۔

(۲۰) وہ دل مسجد ہے جس کی آنکھ ساجد ہے جہاں مسجد ہے وہاں خروب جیسا یار بد بھی ساتھ ہوتا ہے۔

(۲۱) جب یارِ بد کی محبت تیرے دل میں سما جائے گی خبردار! اس سے پرہیز کر اور اس سے گفتگو تک چھوڑ دے۔

(۲۲) (بلکہ) اس کی جڑ کاٹ دے تاکہ بڑا نہ ہو ورنہ وہ تیری اور تیری مسجد کی بیخ کنی کرے گا۔

اس کے بعد حضرت ملک الموت حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاں تشریف لائے آپ نے انہیں فرمایا کہ جب آپ کو میری روح قبض کرنے کا حکم ہو تو مجھے خبر دینا۔ جب موتِ سلیمانی کا وقت قریب ہوا تو ملک الموت سلیمان علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ کی موت میں صرف ایک گھنٹہ رہ گیا ہے آپ نے کوئی وصیت کرنی ہو تو ابھی وقت ہے۔ آپ نے فوراً شیاطین و جنات کو بلا کر فرمایا کہ ابھی ابھی شیشے کا محل بناؤ میں اس میں عبادتِ الٰہی کروں گا، اس کا دروازہ مت رکھنا۔ محل کی تیاری کے بعد آپ اس میں کھڑے ہو کر نوافل میں مصروف ہو گئے۔ کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر اپنا عصا سر کے نیچے رکھ لیا۔ اسی حالت میں ملک الموت نے آپ کی روح قبض فرما لی۔ آپ اس حالت میں ایک سال تک کھڑے رہے۔ اور شیاطین و جنات حسبِ دستور کام کرتے رہے

اور انہیں معلوم بھی نہ ہو سکا کہ رُوح سلیمان تو عالم دنیا سے رخصت ہو چکی اور انہیں سلیمان علیہ السلام کا لوگوں کے ہاں نہ آنے جانے کا احساس اس لیے نہ ہُوا کہ پہلے کبھی آپ اتنی طویل نماز پڑھا کرتے تھے۔

ف : تفسیر الکاشفی میں ہے کہ جب سلیمان علیہ السلام پر موت طاری ہوئی اور آپ نے نماز پڑھا کر آپ کا عصا آپ کے سر مبارک کے نیچے رکھا اس لیے کہ آپ نے وصیت فرمائی کہ میری موت کا کسی کو نہ بتانا۔ شیاطین وجنات آپ کو دور سے زندہ سمجھتے رہے۔ اسی لیے بدستور اپنے کام میں لگے رہے۔ جب سال کے بعد دیمک نے آپ کا عصا کھا ڈالا اور آپ زمین پر گر پڑے تب انہیں معلوم ہُوا کہ سلیمان علیہ السلام کا انتقال ہو گیا ہے۔

دیمک کا تجربہ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ جب حضرت سلیمان نماز پڑھتے اور اگر آپ کو کوئی شیطان دیکھتا تو جل جاتا۔ اسی اثنا میں آپ کے ہاں سے شیطان گزرا اور آپ کی کوئی آواز نہ سُنی اور نہ ہی پھر واپسی پر کچھ سُنا۔ غور سے دیکھا تو سلیمان علیہ السلام کو فوت شدہ پایا۔ اس پر انہوں نے آپ کا شیشے کا حجرہ توڑ ڈالا اور عصا کو نیچے سے دیکھا تو اسے دیمک کھا چکی تھی۔ اس کے بعد معلوم کرنا چاہا کہ آپ کے وصال کو کتنا عرصہ گزرا ہے۔ چنانچہ پھر دیمک کو آپ کے عصا پر چھوڑ دیا اس نے آٹھ پہر میں جتنا کھایا اس سے اندازہ لگایا کہ سلیمان علیہ السلام کا وصال ایک سال پہلے ہُوا حالانکہ وُہ آپ کو زندہ سمجھ کر آپ کے سامنے بہت سنگین امور سرانجام دیتے رہے۔ اگر انہیں علم غیب ہوتا تو اتنا عرصہ وہ مشقت میں مبتلا نہ رہتے۔

ف : کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ان پر سزا مقرر تھی کہ جب آپ کو کسی پر غصہ آتا تو اس جن کو پکڑ کر ایک مٹکے میں بند کر کے اوپر سے اسے قلعی سے بند کر دیتے یا اسے دو پتھروں کے درمیان جکڑ کر دریا میں پھینک دیتے تھے یا اس کے سر کے بالوں کو اس کے پاؤں میں باندھ کر دریا میں ڈال دیتے تھے۔ اس کے بعد شیاطین وجنات نے دیمک سے پُوچھا کہ تمہیں جس طرح کا بہترین اور لذیذ طعام چاہیے ہم لا کر دیں اور جس طرح کا ٹھنڈا میٹھا مشروب پینا چاہے تو ہم تجھے وہی پیش کریں۔ ہاں ہم ہر وقت تجھے پانی اور مٹی پہنچا دیا کریں گے۔ اب جس شے کو دیمک کھاتی ہے تو اس سے پانی اور مٹی لانے والے شیاطین وجن ہوتے ہیں۔ دیمک خوردہ اشیاء سے جو مٹی اور پانی کی نمی برآمد ہوتی ہے وہ انہی جنات وشیاطین کی جمع کردہ ہے یہ انہوں نے اس شکریہ میں خدمت سرانجام دی ہے کہ اس نے سلیمان علیہ السلام کے عصا مبارک کو کھایا تھا۔

ف : جناب تعالی نے فرمایا کہ آیت سے معلوم ہُوا کہ جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر

ہوئے اور پھر ان کی وفات کے بعد انہیں سخت سے سخت کاموں سے نجات ملی ۔ یہ بھی ہے کہ جب انہیں معلوم ہوا کہ اب سلیمان علیہ السلام کے وصال کا وقت قریب ہے تو وہ بھاگ کر پہاڑیوں اور وادیوں کے ویران مقامات میں گھس گئے ۔ اس طرح سے وہ بڑی تکلیف اور عذابِ سلیمانی سے چھوٹ گئے ۔

معجزہ سلیمانی

اللہ تعالیٰ نے انہیں سلیمان علیہ السلام کے قابو میں دینے اور بڑے بڑے کاموں کی انجام دہی کے لیے ان کے اجسام موٹے بنا دیئے اور ان کی قوت وطاقت میں اضافہ فرمایا اور اب جبکہ کسی کو نظر نہیں آتے اس وقت وہ سب کو نظر آتے تھے اور اب سلیمان علیہ السلام کے دور کی طرح بوجھل اور ثقیل اشیاء نہیں اٹھا سکتے ۔ یہ تمام حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزات میں شامل ہے ۔

معتزلہ کے نزدیک جنّات کی تعریف

معتزلہ کہتے ہیں کہ جنّات لطیف اجسام ہیں ان کی لطافت کی وجہ سے ہم انہیں نہیں دیکھ سکتے ۔ اور یہ بھی انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں سے ہے کہ ان کے اجسام کثیف بنا دیئے گئے ، اور جو دوسرے لوگوں کے لیے اسی طرح لطیف اجسام ہوں اور یہ بھی ان کے معجزات میں شامل ہے کہ انہیں بہت بڑی طاقت عطا فرما دے جو دوسروں کے لیے ایسی طاقت نہ ہو ۔

ف : قاضی عبدالجبار نے کہا کہ قرآن مجید سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے جنات کو کثیف اجسام عطا فرمائے یہاں تک کہ لوگ انہیں اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھتے اور انہیں بہت زیادہ طاقت بخشی جس سے وہ بہت بڑے اور سخت سے سخت کام سرانجام دیتے اور انبیاء علیہم السلام کے زمانہ کے علاوہ دوسروں کے زمانہ میں جنات کا ایسا ہونا ناجائز ہے (لیکن یہ معتزلہ کے اصول پر ہے اس لیے کہ وہ صرف انبیاء علیہم السلام کے معجزات کے تو قائل ہیں لیکن اولیاء کرام کی کرامات کے منکر ہیں) اور جنّات کے لیے چونکہ ایسا ہونا خرقِ عادت کے طور ہے اور خرقِ عادت صرف انبیاء علیہم السلام کے لیے جائز ہے دوسروں کے لیے نہیں (کذا قال المعتزلہ) اور ہم اولیائے کرام کے لیے بھی قائل ہیں ۔

حلیہ سلیمان علیہ السلام

اہلِ تاریخ نے لکھا کہ سلیمان علیہ السلام سفید رنگ اور جسیم وجیہ اور نہایت حسین انسان تھے اور آپ کے جسم پر بال بھی بہت زیادہ تھے اور سفید لباس پہنا کرتے تھے ۔ آپ کی عمر ترپن (۵۳) سال تھی ۔ اور بیت المقدس کی تعمیر کے بعد انتیس (۲۹) سال زندہ رہے ۔

ازالۂ وہم مشہور

عام مشہور ہے کہ بیت المقدس کی تعمیر کا کام باقی تھا جس پر ابھی ایک سال اور لگنا ضروری تھا کہ آپ کی موت کا وقت پہنچ گیا اسی لیے آپ موت کے بعد ایک سال عصا کے سہارے پر کھڑے رہے۔

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے یہ غلط ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ آپ نے اپنی وفات سے انتیس سال پہلے بیت المقدس کی تعمیر سے پہلے فراغت پالی تھی۔ اس کی کئی وجوہ ہیں:

پہلی وجہ یہ جو حدیث مرفوع میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب بیت المقدس کی تعمیر سے فراغت پائی تو اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں مانگیں جن کے متعلق حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ان کی دو دعائیں مستجاب ہوگئیں۔ اور فرمایا ہمیں امید ہے کہ ان کی تیسری دعا بھی قبول ہوگئی ہوگی جیسا کہ ہم نے من محاریب کے تحت یہ حدیث نقل کی ہے۔

دوسری یہ کہ سب کا اتفاق ہے کہ داؤد علیہ السلام نے بیت المقدس کی بنیاد وہاں رکھی جہاں موسیٰ علیہ السلام کا خیمہ تھا اسے انسانی قد و قامت کے برابر بنالیا۔ اس کے بعد اتمام کی انہیں اجازت نہ ہوئی تو انہوں نے عرض کی:

یا اللہ! اسے میری اولاد میں سے کسی کو اتمام کی توفیق بخشنا۔

جیسا کہ اس کی تفصیل ہم نے پہلے بتائی ہے۔ پھر جب داؤد علیہ السلام کے وصال کا وقت قریب ہوا تو آپ نے اس کی تکمیل کے لیے سلیمان علیہ السلام کو وصیت فرمائی۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ بڑے جلیل القدر علمائے کرام نے بیت المقدس کی تخریب کا قصہ بیان فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے عرصۂ دراز تک بیت المقدس میں نمازیں پڑھیں۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کا بیان ہے کہ اس نے انسانوں اور جنوں کو ان جیسے انسانوں کا مسخر فرمایا حالانکہ وہ شمار اور گنتی سے باہر ہیں ان کے علاوہ وحوش و طیور بھی ان کے تابع کر دیے پھر سلیمان علیہ السلام پر باوجودیکہ موت طاری کر دی لیکن (بزعم جنات) جسم بے جان کے سامنے سر تسلیم خم رکھا پھر بہت بڑے کمزور جانور دیمک سے ان کے عصا کے سہارے کو ختم کرا کر ہزاروں بلکہ لاکھوں کروڑوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا اور ان کے بڑے غیوب کے دعاوی کو ملیا میٹ کرایا تو دیمک کی مخبری سے۔ نیز اس میں اشارہ ہے کہ یہ قصہ ایک بہت بڑی عظیم الشان امت کے ایمان لانے کا سبب ہے۔

اور واضح فرمایا کہ جنات غیب کی باتیں نہیں جانتے۔ نیز اس میں اشارہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں صرف دو نبیوں موسیٰ و سلیمان علیہما السلام نے سہارا کیا موسیٰ علیہ السلام نے خود فرمایا، اتوکأ علیہا۔ اللہ تعالیٰ نے و القہا یا موسیٰ فرما کر ان کے سہارے کو توڑ دیا کہ وہ عصا بہت بڑا سانپ بن گیا اس میں موسیٰ علیہ السلام کو اشارہ فرمایا کہ صرف اور صرف میرے فضل و احسان پر بھروسا کیجئے۔ ایسے ہی جب سلیمان علیہ السلام نے اپنے قیام ملک کے لیے عصا کو سہارا بنایا تو اللہ تعالیٰ نے نہایت کمزور اور خسیس ترین کیڑے کو بھیج کر ان کے سہارے کو توڑ دیا تاکہ معلوم ہو کہ صرف سہارا اللہ تعالیٰ کا ہو اور اس کے غیر کا سہارا طاغوت کا سہارا ہے اور جو طاغوت کا انکار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے وہی اللہ کی رسّی کو پکڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رسّی ٹوٹنے والی نہیں۔

تفسیر عالمانہ لَقَدْ بخدا، بے شک كَانَ لِسَبَاٍ سبأ بروزن جبل بوجہ قبیلہ کے نام ہونے کے اسے غیر متصرف پڑھنا جائز ہے اور وہ قبیلہ سبأ بن یشجب بالجیم کما فی القاموس ابن یعرب بن قحطان بن عامر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد تھی اور سبأ عبد شمس بن یشجب کا لقب تھا اور یہ لقب اسے اس لیے ملا کہ سب سے پہلا سابی یہی ہے اور یہ یمن کے قبائل کا مجموعہ ہے۔ کما قال السہیلی۔

ف : یعرب بن قحطان وہ پہلا شخص ہے جس نے سب سے پہلے عربی میں کلام کی۔ یہی ابو عرب الیمن ہے انہیں عرب العاربہ کہا جاتا ہے۔ بعض مورخین نے کہا جو لوگ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی لغت بولتے ہیں انہیں عرب مستعربہ کہا جاتا ہے۔ یہی اہلِ حجاز کی بولی ہے۔ اسماعیل علیہ السلام سے پہلے قحطان کی عربیت مستعمل تھی اور یہ اس قول کے منافی نہیں کہ سب سے پہلے عربی میں اسماعیل نے گفتگو کی اس لیے کہ اسماعیل علیہ السلام کی عربیۃ سے یہ مراد ہے کہ خالص عربی جو قریش کی بولی ہے اور اسی پر قرآن نازل ہوا ہے۔ یہی سب سے پہلے اسماعیل نے بولی۔ ایسے ہی یہ بات اس کے بھی منافی نہیں کہ حضرت اسماعیل بہشت میں عربی میں کلام فرماتے تھے جب زمین پر تشریف لائے تو سریانی بولتے تھے (اس لیے کہ یہاں دنیا میں سب سے پہلے بولنے والے کی بات ہو رہی ہے۔ خلاصہ یہ کہ بہشت میں حضرت آدم علیہ السلام عربی بولتے تھے اور زمین پر سب سے پہلا عربی بولنے والا ہے۔ لیکن اس کی عربی خالص نہیں تھی سب سے پہلے خالص عربی بولنے والے اسماعیل علیہ السلام تھے اس طرح سے مختلف اقوال کی تطبیق ہوئی)[1]

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

ف : اخبار میں آیا ہے:

من احسن ان یتکلم بالعربیۃ فلا یتکلم بالفارسیۃ فانہ یورث النفاق۔

(جو عربی بولنے کی پوری قدرت رکھتا ہے اسے چاہیے کہ فارسی اور دوسری لغت میں کلام نہ کرے) (یہ موضوع ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ عربیت پر دوسری لغت کو ترجیح نہ دی جائے۔ اویسی غفرلہ)

حدیث موضوع لفظاً اور صحیح معناً یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انا افصح من نطق بالضاد۔

(میں ان افصح ترین میں سے ہوں جو ضاد کو صحیح طریق سے بول سکتے ہیں)

ایک جماعتِ محدثین نے فرمایا کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں۔ ہاں یہ معنی اس لیے صحیح ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ میں عرب میں فصیح ترین ہوں۔ اس لیے کہ عرب میں وہی فصیح ترین سمجھے جاتے تھے جو ضاد کے صحیح مخرج کے پڑھنے پر قادر تھے۔ اور یہ ضاد صرف ہے بھی عرب میں، دوسری لغات میں دوسرے مخارج کے ساتھ پڑھی جاتی ہے کذا فی انسان العیون لعلی برہان الدین حلبی۔

فِیْ مَسْکَنِهِمْ مسکن کا لغوی معنیٰ ہے نشست گاہ۔ یہاں پر ان کے وہ شہر مراد ہیں جن میں وہ زندگی بسر کرتے تھے یعنی مارب بمعنی منزل۔ کذا فی القاموس۔ اس کے اور صنعا کے درمیان تین راتوں کے سفر کی مسافت ہے۔ سورۂ نمل میں جس سبا کا ذکر ہے یعنی بلقیس کا شہر۔ اس سے بھی یہی شہر مراد ہے۔

ف : سہیلی نے فرمایا کہ مارب یمن کے بادشاہ کا لقب تھا جیسے کسریٰ فارس کے بادشاہ کا لقب ہوتا تھا ایسے ہی خاقان چین کے بادشاہ کا اور قیصر روم کے بادشاہ اور فرعون مصر کے بادشاہ اور الشحر اور یمن حضرموت کے بادشاہ اور حبشہ کے بادشاہ کا نجاشی لقب ہوتا تھا۔

ف : بعض نے کہا ان کے محل کا نام مارب ہے۔ کما ذکرہ المسعودی

اعجوبہ انسان العیون میں ہے کہ یعرب بن قحطان کو ایمن بھی کہا جاتا ہے اس لیے کہ ہود علیہ السلام نے اسے فرمایا:

انت ایمن ولدی۔

(تو میرا بابرکت بچہ ہے)

اور یمن کو اسی قدوم میمنت لزوم سے یمن کہا گیا۔ آیَةٌ بمعنے وہ علامت ظاہرہ جو اس قبیلہ کے احوال سابقہ

لا محالہ یہ دلالت کرے کہ انہیں ہر طرح کے انعامات سے نوازا گیا اور انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے ہر طرح کی دولت و آسائش بخشی اس کے بعد انہیں اپنے قہر و غضب سے تباہ و برباد کیا جب وہ نافرمانی اور ظلم و سرکشی کے مرتکب ہوئے۔ اس سے ثابت ہوگا وہ صانع و مختار ہے اور امورِ بدیعیہ پر قدرت رکھتا ہے وہ جیسے چاہتا ہے کرتا ہے اور نیک کو نیک جزا اور بُرے کو سخت عذاب میں مبتلا کرتا ہے اسے صرف اہلِ علم جانتے اور صرف عقل مند اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔

جَنَّتٰنِ یہ آیۃ سے بدل ہے۔ اس سے باغات کی دو جماعتیں مراد ہیں اس سے محض دو باغ مراد نہیں عَنْ یَّمِیْنٍ باغات کی ایک جماعت ان کے شہر کے دائیں جانب واقع تھی۔ اور یمین دراصل دائیں ہاتھ کو کہا جاتا ہے اور یہ تمام اعضاء سے شرافت اور بزرگی میں زائد ہے اس لیے کہ اس میں زاید قوت رکھی گئی ہے اس کی نقیض بایاں ہاتھ ہے، اور دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ سے ممتاز ہے وَّشِمَالٍ باغات کی ایک اور جماعت ان کے شہر کے بائیں جانب واقع تھی۔ چونکہ ان دونوں باغات کی جماعت کو آپس میں تقارب اور جنسیت کی وجہ سے انہیں ایک باغ کہا گیا یا انہیں دو باغ اس لیے کہا گیا کہ قبیلے کے ہر ایک شخص کے گھر کے دائیں بائیں دو باغ تھے کُلُوْا یہ ان کے نبی علیہ السلام کے مقولے کی حکایت ہے یعنی ان کے نبی علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ کھاؤ لیکن اس میں یہ بات ضرور ملحوظ رہے کہ شکرِ خداوندی بھی ضروری ہے کہ اس طرح سے نعمت کی تکمیل ہوتی ہے اور نبی علیہ السلام نے یہ کلمات اس لیے فرمائے کہ انہیں ان باغات و دیگر نعمتوں کے حقوق کی تذکیر ہو یا یہ مقولہ لسانِ حال سے کہا گیا ہے یا بیان ہے اس معنیٰ کا کہ وہ اس کے حقدار تھے کہ انہیں یوں ہی کہا جائے مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ اپنے پروردگار کے رزق سے یعنی قسم قسم پھلوں سے وَاشْكُرُوْا لَهٗ اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق پر زبان جنان ارکان سے اللہ تعالیٰ کا شکر کرو۔ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ یہ جملہ مستانفہ ہے جس شکر مامور بہ کا حکم ہے اس کا بیان کرنے والا ہے یعنی تمہارا شہر بھی پاکیزہ ہے اور تمہارا رب جس نے تمہیں پاکیزہ رزق عطا فرمایا اور تم سے اس پر شکر کا مطالبہ کیا وہ بھی غفور ہے۔ تم میں سے جس نے شکر کی ادائیگی میں کوتاہی کی وہ تمہاری کوتاہیوں سے درگزر فرمائے گا طَيِّبَةٌ کا معنیٰ یہ ہے کہ جہاں تمہارے باغات ہیں وہ زمین شور نہیں ——— بلکہ بہترین ثمرات اگانے والی ہے یا اس زمین کا پانی اور ہوا خوشگوار ہے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ یہ شہر جس سے تمہیں اللہ رزق بخشتا ہے وہ پاکیزہ اور بہترین ہوا اور میٹھے پانی والا اور اچھی زمین والا ہے۔

شہرے چو بہشت از نکوئی
چوں باغ ارم بتازہ روئی

ترجمہ: وہ شہر بہترین ماحول کے لحاظ سے بہشت کی طرح ہے اور تازگی کے لحاظ سے اس کے باغات ارم کی طرح ہیں۔

ف: فتح الرحمٰن میں ہے کہ وہ طیبۃ بایں معنیٰ ہے کہ اس میں مچھر، مکھیاں اور پسّو اور بچھو اور سانپ نہیں اور نہ ہی اس میں دیگر موذی جانور ہیں بلکہ باہر کا مسافر جوئیں لے کر آتا تو جونہی اس شہر میں داخل ہوتا تو اس کی پاکیزہ ہوا کی وجہ سے وہ جوئیں مر جاتیں۔ نہ ہی اس میں آفات اور بیماریاں ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس شہر کی ہوا تمام شہروں سے پاکیزہ تھی اور یہ شہر خوشحال تھا، یہاں تک کہ وہاں کی کوئی عورت اپنی ہمسایہ عورت کے گھر سر پر ٹوکری اٹھا کر کسی باغ سے گزرتی تو فطری طور پر اس کے ہاتھ ہلانے سے ہمسایہ عورت کے گھر تک پہنچنے تک اس کی ٹوکری پھلوں سے پُر ہو جاتی۔ حالانکہ وہ ان پھلوں کو ہاتھوں سے نہیں توڑتی تھی اس میں بہشت کے باغات کی طرف اشارہ ہے کہ وہاں بھی ایسے ہی ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ جیسے اللہ تعالیٰ کے بہشت میں باغات ہیں ایسے ہی زمین پر بھی اس کے معنوی باغات ہیں یعنی قلب انسان جو اس میں مختلف قسم کے معارف و فیوض و کشوف ہیں۔

ف: بہترین لذات کی وہ اشیاء ہیں جن سے حواسِ خمسہ لذت پائیں اور پاکیزہ انسان وہ ہے جو جہل و فسق و قبائح اعمال کی نجاستوں سے پاک اور علم و ایمان و محاسن افعال کی پاکیزگی سے پاکیزہ رہتا ہے۔

ف: بعض مشائخ کبار رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلدۃ طیبۃ سے انسان مراد ہے اس لیے کہ یہ توحید کے پاکیزہ بیج لا الٰہ الا اللہ کو قبول کرتا ہے اور رب غفور بایں معنیٰ ہے کہ وہ اپنے دوستوں کے عیوب اپنے نورِ مغفرت سے ڈھانپتا ہے اور اپنی عزت معرفت کی وجہ سے ان کے گناہ بخشتا ہے۔

حکایت حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ ایک سال حج سے فارغ ہوئے، خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے ان کے سامنے حاضر ہو کر ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ اس سال حج کے لیے کتنے لوگ جمع ہوئے۔ دوسرے نے کہا، تیس ہزار۔ پہلے نے پوچھا، کتنے لوگوں کا حج قبول ہوا؟ دوسرے نے

کہا ،کسی ایک کا بھی حج قبول نہیں ہوا ۔ میں مضطرب اور پریشان ہوا کہ اے اللہ! تیری مخلوق دور دور سے کتنے دکھ درد اور تکالیف برداشت کر کے حاضر ہوئی ان میں سے کسی ایک کا بھی حج قبول نہیں ہوا۔ فرشتوں نے کہا کہ ایک موچی علی بن موفق نامی دمشق میں ہے وہ اگرچہ حج پر نہیں آیا لیکن اس کا حج قبول ہے ۔ بلکہ ان تمام لوگوں کا حج اس کی وجہ سے قبول ہوگا ۔ علی بن موفق دمشقی کی قبولیت میں راز یہ تھا، وہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے تین سو پچاس درہم حج کے لیے جمع کیے میرے سامنے سے ایک حاملہ عورت گزری اس نے مجھ سے کہا کہ فلاں گھر میں فلاں طعام کی خوشبو آتی ہے آپ اس گھر سے میرے لیے لادیجئے ورنہ میرا حمل گر جائے گا ۔ میں نے صاحب خانہ سے جا کر حاملہ عورت کا حال سنایا ۔ صاحب خانہ میری بات سن کر رو پڑا اور کہا کہ ہم تمام گھر والے ہفتہ سے بھوکے مر رہے تھے آج میں مردار گدھے کا گوشت لایا ہوں اور گھر والے اسی کو بھون رہے ہیں چونکہ ہماری حالت مضطریانہ ہے اسی لیے ہمارے لیے حلال ہے لیکن تمہارے لیے حرام ۔ بنا بریں میں آپ کو وہ گوشت نہیں دے سکتا ۔ علی بن موفق نے کہا اس کی بات سن کر میرا دل پارہ پارہ ہو گیا اور میں حج کے لیے جمع کردہ تمام پیسے اس شخص کے سپرد کر دیئے اور کہا بس یہی میرا حج ہے ۔ اسی کی برکت سے میرا حج بھی قبول اور دوسرے لوگوں کا بھی ؎

باحسانے آسودہ کردن دلے

بہ از الف رکعت بہر منزلے

ترجمہ :کسی دل کو احسان سے خوش کرنا ہر منزل پر ہزار رکعت پڑھنے سے بہتر ہے ۔

ہر منزل سے کعبہ معظمہ کا سفر مراد ہے جو دوسرے سفروں سے افضل سفر ہے ۔

تفسیر عالمانہ فَاَعْرَضُوْا پس آل سبا نے وفا سے اعراض کیا اور جفا کی طرف متوجہ ہوئے اور کفران نعمت کیا اور ظلم و ستم کے درپے ہوئے اور شکر گزاری کو ضایع کیا اور اپنا حال تبدیل کیا اللہ تعالیٰ نے ان کا حال بدل دیا ۔

ف : اعرض بمعنے اظہر ، عرضہ بمعنے ناحیتہ ۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرہ انبیاء علیہم السلام کو یمن کی تیرہ بستیوں کی طرف نبی بنا کر مبعوث فرمایا انہوں نے ان لوگوں کو ایمان و طاعت کی دعوت دی اور انہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی یاد دہانی کرائی اور اس کے عذاب سے ڈرایا ۔ لیکن انہوں نے ان کی تکذیب کرتے ہوئے کہا ہم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت ہمیں ملی ہو ۔ اگر اس نے کوئی نعمت دی ہو تو تم اسے کہہ دو کہ وہ اپنی نعمتوں کو ہم سے روک لے اگر اسے کوئی طاقت ہے تو فَاَرْسَلْنَا

عَلَيْهِمْ امساک وتخلیہ وترک منع کے بالمقابل ارسال استعمال ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے ان پر چھوڑ دی سَیْلَ الْعَرِمِ السیل دراصل سیلان کی طرح مصدر ہے بمعنے پانی کا چلنا۔ عرف میں اس پانی کو کہا جاتا ہے جو کسی کے پاس چلائے جسے ہم سیلاب سے تعبیر کرتے ہیں۔ العرم، العرامۃ سے ہے بمعنے شدت وصعوبت۔ مثلاً کہا جاتا ہے اس کا گردن عرم بروزن نصر وضرب وکرم وعلم عرامتہ وعراما بالضم فھو عارم آتی ہے اور عرم بمعنے اشتد وعرم الرجل اس شخص کے لیے بولتے ہیں جس کی عادت بری اور سخت ہو۔ یہاں پر العرم بمعنے اصعب ہے اور اس کی اضافۃ موصوف الی الصفۃ کے قبیل سے ہے بمعنے سیل المطر العرم اوالامر العرم۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے ان پر بہت بڑا اور سخت ترین سیلاب چھوڑ دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

العرم اسم الوادی (العرم وادی کا نام ہے) یعنی وہ وادی کہ جس سے پانی آتا ہے۔

بعض نے کہا کہ العرم وہ بند جس کے ذریعہ پانی بند کیا جائے تاکہ پانی کو اونچی زمین پر چڑھایا جا سکے۔ اس لیے کہ لغت قبیلہ حمیر میں العرم پانی کے بند کو کہا جاتا ہے۔

بعض نے کہا کہ العرم وہ اندھا چوہا تھا، اور سیلاب کو اس کی طرف اس لیے مضاف کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو تباہ کرنے کے لیے ایسے جنگلی چوہے بھیجے جن کے دانت اور ڈاڑھیں لوہے کی تھیں۔ جونہی بلیاں ان کے قریب جاتیں تو وہ چوہے انہیں مار ڈالتے۔ ان چوہوں نے آکر اس بند میں سوراخ کر دئے جس سے بند ٹوٹا اور وہ پانی کے گھیرے میں آگئے اور سیلاب کے گھیرے سے ان کے باغات اور مکانات ڈوب گئے۔ ان چوہوں کو الخلد (بالضم) بھی کہا جاتا وہ اس لیے کہ وہ اپنے بلوں میں ٹھہرے رہتے ہیں باہر کہیں نہیں جاتے۔ اور الجرذ وہ اندھا چوہا جو اشیاء کا ادراک کان سے کرے۔

ف: ارسطو نے کہا کہ ہر حیوان کی دو آنکھیں ہوتی ہیں سوائے خلد (جرذ) کے کہ اس کی آنکھیں ہوتی ہی نہیں اس لیے کہ اس کے لیے مٹی ایسے ہے جیسے مچھلی کے لیے پانی، اور اس کی غذا بھی مٹی کے اندر کے حصہ سے ہوتی ہے مٹی کے باہر کے حصہ سے اس کی غذا مقدر نہیں کی گئی اور چونکہ اس کی آنکھ نہیں ہوتی اس لیے وہ کان سے احساس کرتا ہے یہاں تک کہ دور سے آنے والے کے پاؤں کی آہٹ سن لیتا ہے۔ جب وہ کسی کے آنے کا احساس کرتا ہے تو فوراً زمین کھود کر اس کے اندر گھس جاتا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کے کان میں دیکھنے کا اتنا احساس ہوتا ہے جیسے دوسروں کو آنکھ سے۔

اعجوبہ اس اندھے چوہے کی عادت ہے کہ وہ خوشبو سے بھاگتا ہے اور اسے پیاز اور لہسن

کی بدبو بڑی مرغوب ہے اور بہت دفعہ اس کے ذریعے سے شکار کیا جاتا ہے اس لیے کہ وہ شکار کی بُو سونگھ کر اُدھر بھاگتا ہے۔ اس کی عادت ہے کہ جب اسے بھوک لگتی ہے تو منہ کھولتا ہے اللہ تعالیٰ مکھی کو اس کی غذا بنا کر اس کے منہ میں ڈالتا ہے۔ اس کا خون آنکھ میں ڈالا جائے تو آنکھ کی بینائی صحیح ہو جاتی ہے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ درمختار میں ہے کہ سبأ کے لوگ یمن کی ولایت کے مآرب شہر کے گرد و نواح میں رہتے تھے دو پہاڑوں کے درمیان میں آباد تھے ان کی آبادی چوّن (۵۴) میل پر مشتمل تھی اور ان کی کھیتیوں اور باغات کو وادی کے دہانے سے پانی پہنچتا تھا اور وہ وادی پہاڑوں کے چشموں سے آتی تھی لیکن انہیں وہ پانی تباہ و برباد کر جاتا تھا جو یمن کے علاقوں سے زاید پانی وادی میں مل کر سیلاب کی شکل اختیار کر لیتا تھا جس سے ان کی کھیتیاں اور باغات تباہ و برباد ہو جاتے تھے۔

ف : ابواللیث نے فرمایا کہ پانی دس دنوں کے فاصلہ سے انہیں نہیں پہنچتا تھا یہاں تک کہ وہ پہاڑوں کے درمیانی حصّہ میں ہوتا تو پھر ان کے ہاں آتا۔ اپنے ملک کی ملکہ بلقیس کو درخواست دی کہ ان کے لیے ایسا بند تیار کرے تاکہ زاید پانی ان کے ہاں سیلاب بن کر نہ پہنچے بلکہ صرف وادی کے پانی سے انہیں سیرابی حاصل ہو۔ بند کی وجہ سے وہ زاید پانی جو بارشوں اور چشموں سے آتا اس کی خرابی سے محفوظ ہو جائیں گے۔

ف : کتاب التعریف والاعلام میں سہیل نے لکھا کہ اس بند کو سبأ بن یشجب نے تیار کیا اس نے اسے سنگِ مرمر سے بنوایا تھا۔ اسی سے ستر نہریں جاری کیں۔ اسے نامکمل چھوڑ کر مر گیا جسے بعد میں مکمل کیا گیا۔ اس بند میں تین سوراخ بنائے اعلیٰ، متوسط اور اسفل۔ پہلے اسفل کو کھولتے تاکہ اس سے باغات اور کھیتیاں سرسبز ہوں اور اپنی ضروریات پوری کریں۔ اگر اس سے کام نہ بن پڑتا تو پھر متوسط کو کھولتے، ورنہ آخر میں نچلا سوراخ چھوڑ دیتے۔ ان کے ہاں تیرہ پیغمبر علیہم السلام بھیجے گئے انہوں نے سب کی تکذیب کی ان کے ہاں آخری پیغمبر علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی کے بعد تشریف لایا۔ وہ زمانہ بادشاہ ذی الاوغار بن حبشان کا تھا۔ اس آخری نبی علیہ السلام کو انہوں نے سخت سے سخت اذیتیں پہنچائیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے جنگلی چوہے مقرر فرمائے تاکہ ان کے بند میں سوراخ کریں۔ چوہوں نے بند میں سوراخ کیا جس سے پانی سیلاب بن کر چلا اور ان کی بستیوں میں نصف شب کے وقت پہنچا جبکہ وہ میٹھی نیند سو رہے تھے۔ سیلاب اتنا زور دار تھا کہ آتے ہی ان کے باغات اور کھیتوں اور مکانات کو ڈبو دیا۔ بہت سے لوگ اس سیلاب میں بہ گئے اور ان کے

جانور وغیرہ سب کے سب مر گئے۔

ف: فتح الرحمٰن میں لکھا ہے کہ ہم نے ان پر ایسا سیلاب بھیجا جس کا مقابلہ ان کے لیے مشکل تھا، بلکہ ان کا بند ٹوٹا اور دونوں پہاڑوں کے درمیانی فاصلہ میں پانی ہی پانی ہوگیا اور لوگوں کو وہاں سے بھاگنے کا موقعہ نہ ملا۔ بہت سے جنات اور انسان ڈوب کر مر گئے اور ان کے اموال سب کے سب تباہ و برباد ہوئے۔ جو بچ گئے وہ مختلف شہروں میں پھیل گئے۔

وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ اور ہم نے ان دونوں مذکورہ جماعتوں کے باغات کو تبدیل کر کے انہیں دیئے۔

حلِ لغات: التبدیل بمعنے ایک شے کے بدلے دوسری شے دینا۔ با متروک پر داخل ہوتی ہے یہاں بھی ایسے ہی ہوا اور یہ قاعدہ مشہور ہے۔

جَنَّتَيْنِ یہ بدّلنا کا دوسرا مفعول ہے۔ دو باغ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ یہ جنتین کی صفت ہے اسے مرفوع کے وقت ذواتا الف کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور یہ لفظ ذی کے صیغہ کا تثنیہ ہے بمعنے الصاحب۔ اور الاکل بضم الکاف وسکونہ وہ شے جو کھائی جائے۔ اس کا مصدر ہے الخمط وہ کڑوی گھاس جسے کھایا نہ جا سکے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ دو باغ جن کے میوے سخت کڑوے تھے۔ اس تقریر پر خمط اکل کی صفت ہوگی بعض قراءۃ میں اکل مضاف اور خمط مضاف الیہ واقع ہوا۔ اس معنے پر خمط اس درخت کو کہا جائے گا جس کا پھل کڑوا اور اس میں کانٹے بھی ہوں۔ بعض نے کہا، اس سے پیلو کا درخت مراد ہے کذا قال البخاری۔ الاکل بمعنے درخت کا کڑوا پھل۔ المختار میں ہے کہ خمط پیلو کی ایک قسم ہے جس کا پھل کھایا جاتا ہے۔ انہیں دو باغ کہنا یا مشاکلۃ ہے یا تہکماً وَّاَثْلٍ اس کا اکل پر عطف ہے نہ کہ خمط پر، اس لیے کہ اثل بھی ایک درخت ہے جسے اردو میں جھاؤ کہتے ہیں یا کوئی اور درخت مراد ہے جو جھاؤ کے مشابہ ہوتا ہے لیکن اس کا پھل نہیں ہوتا۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

اگر بد کنی چشم نیکی مدار
کہ ہرگز نیارد گز انگور بار

ترجمہ: اگر برائی کرتا ہے تو پھر نیکی کی امید نہ رکھ اس لیے کہ جھاؤ سے انگور کا پھل حاصل نہیں ہوتا۔

وَّشَیْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِیْلٍ ○ اس کا عطف بھی اکل پر ہے۔ بیضاوی نے لکھا کہ بیری کو قلت

سے اس لیے موصوف کیا گیا ہے کہ اس کے بیر لذیذ ہوتے ہیں انہیں کھایا جاتا ہے اسی لیے اسے باغات میں بویا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بیر کے درخت کو سدر کہا جاتا ہے کذا فی القاموس۔

ف : مولانا ابو السعود رحمہ اللہ نے فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ بیر کا درخت دو قسم ہے،

ایک وہ جس کا پھل کھایا جاتا ہے اور اس کے پتوں کو پانی میں ڈال کر اس سے ہاتھ دھوئے جاتے ہیں اور غسل بھی کیا جاتا ہے۔

دوسرا وہ ہے جس کا پھل بالکل بیکار ہوتا ہے جسے کھایا نہیں جا سکتا۔ یہ جنگل میں ہوتا ہے، اسے الضال بھی کہتے ہیں۔

آیت میں یہی دوسرا مراد ہے۔ خلاصہ یہ کہ ان کے باغات میں بہترین درخت تھے لیکن ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان کے باغات میں بہترین درختوں کی بجائے نہایت گندے درخت پیدا ہو گئے اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی بداعمالیوں کی سزا دی کہ ثمردار درخت تباہ و برباد کر کے کڑوے پھل والے درخت پیدا فرما دیے۔

ذٰلِكَ یہ اس مصدر کی طرف اشارہ ہے جو جَزَیْنٰهُمْ میں ہے۔ یہ محلاً منصوب ہے اس لیے کہ یہ اس فعل کا مصدر مؤکد ہے۔ در اصل عبارت یوں تھی،

ذلك الجزاء الفظيع جزينهم لا جزاء آخر۔

یعنی ہم نے انہیں وہی سخت ترین اور بڑی سزا دی اس کے سوا انہیں اور کوئی سزا نہ دی گئی۔

یا ذالك کا اشارہ تبدیل وغیرہ کی طرف ہے تب بھی یہ محلاً منصوب ہے اس لیے کہ یہ جزیناھم کا مفعول ثانی ہے یعنی ہم نے انہیں ان کے باغات کے تبدیل کرنے کی سزا دی اس کے سوا انہیں اور کوئی سزا نہ دی گئی **بِمَا كَفَرُوْا** بسبب اس کے کہ انہوں نے کفرانِ نعمت کیا پھر ہم نے ان سے نعمت چھین لی اس کے بدلے اس کی نقیض انہیں دی یا یہ سزا انہیں بوجہ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کے ملی۔

ف : اس آیت نے ثابت ہوا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیانی سالوں میں بھی انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے، اس لیے کہ یہ واقعہ فترت کے اس دور میں ہوا جو عیسیٰ علیہ السلام اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان میں گزرا۔

ازالہ وہم اس دورِ فترت میں ایسا کوئی نبی نہیں آیا جو صاحب کتاب ہو اسی لیے ہماری مذکورہ تقریر اس حدیث شریف کے منافی نہیں جس میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے

لیس بینی وبینہ نبی۔

(عیسٰی علیہ السلام اور میرے درمیان کوئی نبی نہیں آیا)

اس سے حضور علیہ السلام کی یہی مراد ہے کہ اس دور میں کوئی رسول اور کوئی نبی مستقل شریعت لے کر نہیں آیا۔ ہاں اس درمیان میں جو نبی بھی مبعوث ہُوا تو وہ عیسٰی علیہ السلام کی شریعت پر مبعوث ہوا۔ اس کی تقریر و تفصیل ہم نے بار ہا بیان کی ہے۔

وَهَلْ نُجٰزِیٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ۝ اور ایسی سزا صرف اسے دیتے ہیں جو نعمت کے کفران میں حد سے بڑھا ہوا ہو۔ یا اس سے کفر مراد ہے۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ ھل اگرچہ استفہامیہ ہے لیکن یہاں پر نفی کا فائدہ دیتا ہے اسی لیے اس کے بعد حرف استثنا واقع ہوا۔

ف: القاموس میں ہے کہ ھل استفہام کا کلمہ ہے لیکن کبھی بمعنے جحد کے بھی استعمال ہوتا ہے (جیسے آیت ہذا میں) کفر النعمۃ اور کفران النعمۃ بمعنے نعمت کو ڈھانپنا بایں معنی کہ اس کا شکر نہ کیا جائے اور نعمت کے انکار پر کفران کا بہت زیادہ استعمال آتا ہے اور لفظ الکفر دین کے انکار پر استعمال ہوتا ہے اور لفظ الکفور دونوں میں مستعمل ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ مومن شکر کرنے سے ظاہری باطنی نعمتوں کو مربوط کرلیتا ہے، یعنی ایقان و تقوٰی وصدق و اخلاص و توکل و اخلاق حمیدہ نصیب ہوتے ہیں اور غیر شاکران نعمتوں کو کفران سے ٹھکراتا ہے اسی لیے اسے فقر و کفر و نفاق اور شک اور اوصاف ذمیمہ نصیب ہوتے ہیں جیسے بلعم کا حال ہوا اس نے ایک دن ایمان و توفیق پر شکر نہ کیا تو اس کا وہی حشر ہُوا جو سب کو معلوم ہے۔ جب اہلِ کفر نے اپنے قلوب و ارواح کے باغات میں اشجارِ خبیثہ بوئے تو انہیں ثمرات بھی خبیث نصیب ہُوئے اور انہیں وہی سزا ملی جس کے وہ مستحق تھے اور وہی کاٹا جو بویا اور اسی گڑھے میں گر پڑے جسے انہوں نے اپنے ہاتھوں سے کھودا، جیسا کہ ایک مثل مشہور ہے:

یداك اوکتا وفوك نفخ۔

یہ مثال اس وقت بیان کرتے جب کوئی اپنے ہاتھوں آپ زخمی ہو اور اپنے راستے میں خود کانٹے بچھائے۔ ایسے ہی کہا جاتا:

اوکا علی سقائہ۔

یہ اس کے لیے برتتے ہیں جو اپنے مشکیزہ پر خود تاگہ باندھے۔ الوکا بمعنے وہ تاگہ جو مشکیزہ کے منہ پر باندھا جاتے۔

اور حدیث شریف میں ہے :

حدیث شریف فمن وجد خیرا فلیحمد اللہ ۔

(جسے خیر و برکت حاصل ہو اسے اللہ تعالیٰ کی حمد کرنی چاہیے)

اس لیے کہ حمدِ الٰہی تمام خیر و برکت اور رحمت کا سرچشمہ ہے اور جو اس کے سوا پاتے یعنی اسے خیر و برکت اور بھلائی نصیب نہ ہو تو وہ اپنے آپ کو ملامت کرے ۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

۱ داد حق اہل سبا را بس فراغ
صد ہزاراں قصر و ایوانہا و باغ

۲ شکر آں نگزاردند آں بدرگاں
در وفا بودند کمتر از سگاں

۳ مر سگاں را لقمۂ نانے ز در
چوں رسد بر در ہمی بندد کمر

۴ پاسبان و حارس در میشود
گرچہ بروے جور سختی می رود

۵ ہم براں در باشدش باش و قرار
کفر دارد کرد غیرے اختیار

۶ بے وفائی چوں سگانرا عار بود
بے وفائی چوں روا داری نمود

ترجمہ : (۱) حق تعالیٰ نے سبا والوں کو مالی فراغت بخشی ، لاکھوں محلات، بلڈنگیں اور باغات عطا فرمائے۔

(۲) ان بد اصلوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کیا، وفا میں کتوں سے کمتر تھے ۔

(۳) کیونکہ کتوں کو جب روٹی کا ٹکڑا ملتا ہے تو پھر وہ روٹی دینے والے کے دروازے پر پڑے رہتے ہیں ۔

(۴) وہ (کتا) اس کے دروازے کا پہرے دار اور نگران رہتا ہے اگرچہ اسے وہاں سے ہزاروں سختیاں اٹھانا پڑتی ہیں ۔

(۵) وہیں پر اس کی بود و باش و قرار ہوتا ہے وہ اس کا در چھوڑنا کفر سمجھتا ہے ۔

(۶) جب کتوں کو بے وفائی عار و ننگ ہے تو پھر اے انسان! تو کیوں بے وفائی کرتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَجَعَلْنَا اس کا عطف سبأ پر ہے اس کا بیان ہے جو انھیں نعمتیں ملیں جو امورِ خارجہ سے متعلق تھیں جیسے شہروں کی سیر اور تجارتی امور اس سے قبل ان نعمتوں کا ذکر تھا جو ان کے اندرونی امور سے متعلق تھیں۔ مثلاً ان کے بہترین مکانات اور باغات وغیرہ، اور اس سے قبل بیان تھا کہ انہوں نے نعمتوں کو کیسے ٹھکرایا اور پھر اس کا کیا نتیجہ نکلا اس آیت میں ان کے بقایا مضمون کا تکملہ ہے۔ تمام قصے کو یکجا بیان کرنے میں تنبیہ و تذکیر ہو گی اس لیے کہ جس شے کو بار بار ذکر کیا جائے اس سے انسان کو تنبیہ و تذکیر ہوتی ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے باوجودیکہ انہیں ان کے گھروں پر ہی بہترین نعمتیں بخشیں بَيْنَهُمْ ان کے مابین۔ یعنی ہم نے ان کے یمنی شہروں کے مابین بنایا وَبَيْنَ الْقُرَى اور درمیان شامی بستیوں کے الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا وہ شامی بستیاں کہ جن میں ہم نے برکتیں نازل فرمائیں پانی اور اشجار و اثمار اور خوشحالی اور عیش و عشرت میں وفرت جو اعلیٰ و ادنیٰ کو یکساں طور میسر تھی۔

حلِ لغات القریۃ ہر وہ جگہ جہاں لوگوں کا اجتماع ہو وہ شہر ہو یا تھوڑی آبادی۔ یہاں پر فلسطین، اریحا اور اردن وغیرہ مراد ہیں۔ البرکۃ بمعنے کسی شے میں اللہ تعالیٰ کی خیر و بھلائی کا ثبوت۔ المبارک ہر وہ شے جس میں وہی خیر و بھلائی ثابت ہو۔

قُرًى ظَاهِرَةً در اصل ظاهرۃ اس شے کو کہا جاتا ہے جو زمین کے اوپر سے مراد ہو اور باطن وہ جو زمین کے اندرونی حصے سے حاصل ہو لیکن وہ پوشیدہ ہو۔ عرف میں ہر وہ شے جو بصر و بصیرت کے لیے ظاہر ہو اسے ظاهرۃ وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی وہ بستیاں جو ایک دوسری کے ساتھ متصل اور قریب قریب تھیں اس معنے پر وہ ظاہرہ ہیں۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ اس کے اہل تھے یا یہ کہ ان کے راستوں پر تھیں راہ گیر مسافر سے دور نہیں پڑتی تھیں۔

ف : بحر المعانی میں ہے کہ مآرب جو سبا والوں کا مسکن تھا سے لے کر شام تک درمیان چار سو سات بستیاں تھیں۔

وَقَدَّرْنَا التقدیر بمعنے اندازہ کرنا فِيهَا السَّيْرَ السیر بمعنے زمین پر چلنا۔ یعنی ہم نے بعض بستیوں کو دوسری بعض کے درمیان ایک معین مسافت مقرر فرمائی ہے، ایسے بہتر طریق سے کہ ایک بستی سے صبح کو چلنے والا دوپہر کو دوسری بستی میں قیلولہ کر سکے۔ پھر دوپہر کے بعد

چلے تو شام کو ایک اور بستی میں پہنچ جائے اور وہاں شب باشی کے بعد اسی طرح آرام سے چلتے چلتے آسانی سے ملک شام میں پہنچ جائے اسے راستہ طے کرنے کے لیے زاد راہ کی ضرورت نہ پڑے اور نہ ہی پانی ساتھ لے جائے یہ ان کی نعمتوں کی تکمیل ہے کہ علاوہ دیگر نعمتوں کے سفر و حضر میں ہر طرح کی نعمتوں سے نوازے ہوئے ہوں سِیۡرُوۡا فِیۡہَا یہاں پر قول محذوف ہے یعنی انہیں لسانِ قال و حال سے کہا گیا وہ اس لیے کہ جب انہیں سیر کی قدرت دی گئی اور اس کے لیے انہیں مکمل طور اسباب دئیے گئے تو گویا اب انہیں اجازت دے کر فرمایا کہ ہم نے انہیں کہا کہ ان بستیوں میں اپنی ضروریات کے لیے جاؤ لَیَالِیَ وَ اَیَّامًا جب چاہو راتوں میں جاؤ یا دنوں میں اٰمِنِیۡنَ درانحالیکہ تم امن والے ہو امن بمعنے طمانیۃ النفس و زوال الخوف یعنی درانحالیکہ تم دشمنوں اور چوروں اور درندوں سے جن وجوہ سے تکلیف محسوس کرتے ہو اس سے امن و اطمینان اور چین پاؤ گے اس لیے کہ ان آبادیوں میں تمہاری کثرت ہو گی تو نہ دشمن حملہ کر سکیں گے اور نہ ہی چور آسکیں گے اور نہ ہی درندے، یا امن پاؤ گے بھوک اور پیاس بسبب اس کے کہ تمہاری بستیاں آباد اور سرسبز ہیں کسی وقت میں بھی تمہارے امن اور چین میں کمی نہیں آئے گی یا یہ معنیٰ نہیں کہ تم امن و چین سے زندگی بسر کرو اگرچہ تمہارا سفر کتنا ہی طویل کیوں نہ ہو، خواہ سفر میں کئی راتیں بسر ہوں اور کئی دن سفر میں کٹ جائیں تب بھی تمہارے امن اور چین میں کمی نہیں آئے گی۔ یا یہ معنی ہے کہ تم اپنی زندگی کے دن اور رات امن اور چین سے گزارو گے۔ اپنی زندگی کے تمام لمحات میں امن اور چین پاؤ گے لیکن یہ امر حقیقی طور نہیں بلکہ صرف اس معنے پر کہ تمہیں سیر مذکور پر پوری قوت دی گئی ہے اور تمہاری سیر کے اسباب آسان بنا دئیے گئے ہیں انہیں وجوہ سے تمہارے لیے حکم ہے فَقَالُوۡا رَبَّنَا بٰعِدۡ بَیۡنَ اَسۡفَارِنَا المباعدۃ والبعاد بمعنے کسی سے دور ہو یا اور کسی کو دور کرنا السفر، حضر کی نقیض ہے۔ دراصل پردہ ہٹانے کو کہا جاتا ہے مثلاً،

سفر الرجل فھو سافر و سافر۔

اسے مفاعلہ سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ بحالت سفر وہ مکان سے دور ہو گیا اور مکان اس سے۔ اسی السفر سے السفرۃ مشتق ہے بمعنے سفر کا طعام اور چمڑے کا وہ چوڑا ٹکڑا جس پر طعام رکھا جائے یعنی دسترخوان۔ بعض اہل لغت نے کہا کہ السفر کو اس لیے سفر کہتے ہیں کہ وہ انسان کے اخلاق سے پردہ اٹھاتا اور نفوس کے دعاوی و دفائن کو ظاہر کرتا ہے۔

تفسیری قول مفسرین فرماتے ہیں کہ اہل سبا نعمتیں پا کر اکڑ گئے بلکہ کثرت عیش و عشرت سے اکتا گئے اور تندرستی و عافیت سے ان کا جی بھر گیا اسی لیے دکھ درد اور

تکالیف کے اسی طرح خواہاں ہُوئے جیسے بنی اسرائیل نے من وسلوٰی سے اکتا کر لہسن اور پیاز وغیرہ مانگا اور کہنے کاش! یہ باغات اور پھل ہم سے کوسوں دُور ہوتے تاکہ ہمیں ان کی خواہش نہ ہوتی اور آرزو کی کہ شام اور ان کے شہروں کے درمیان باغات بادی کے بجائے جنگلات ہوں تاکہ وہ سواریوں پر سفر کریں اور زادِراہ کو سر پر اٹھا کر سفر کریں اور سترو فاقہ اتنا کہ ہم دوسرے فقراء اور تنگدستوں پر فخر و مباہات کر سکیں یعنی دولتمندوں نے فقیروں اور تنگ دستوں پر حسد کیا کہ ہمارے اور ان کے درمیان سفر طے کرنے کا کوئی فرق نہیں اسی لیے اس امتیاز کے لیے دولتمند سوار ہو کر جائیں اور فقراء و تنگ دست پیدل فَقَالُوْا تو ان کے اغنیاء نے کہا اے ہمارے پروردگار! ہمارے سفر میں بہت دُوری پیدا فرما دے یعنی ایک منزل سے دوسری منزل تک جنگل پیدا فرما دے تاکہ لوگ زادِراہ اور سواری کے بغیر سفر نہ کر سکیں اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا فوراً قبول فرمائی یہاں تک کر ان کے شہر فوراً تباہ و برباد ہوگئے وہاں چٹیل میدان بنا دیا گیا کہ نہ کوئی بلانے والے کی بات سنے اور نہ ہی جواب دے۔ مثنوی شریف میں ہے: سہ

۱ آن سبا ز اہلِ صبا بودند و خام
کارشان کفرانِ نعمت با کرام

۲ باشد آن کفرانِ نعمت در مثال
کہ کنی با محسن خود تو جدال

۳ کہ نمی باید مرا این نیکوئی
من برنجم زین چہ رنجہ می شوی

۴ لطف کن این نیکوئی را دور کن
من نخواہم عافیت رنجور کن

۵ پس سبا گفتند باعد بیننا
شیننا خیر لنا خذ زیننا

۶ ما نمی خواہیم این ایوان و باغ
نی زنان خوب و نی امن و فراغ

۷ شہرہا نزدیک ہمدیگر بدست
آن بیابانست خوش کانجا دست

۸ یطلب الانسان فی الصیف الشتا
فاذا جاء الشتا انکر ذا
۹ فهو لا یرضی بحال ابداً
لا بضیق لا بعیش رغداً
۱۰ قتل الانسان ما اکفره
کلما نال ہدی انکرہ

ترجمہ :(۱) وہ سبا والے اہلِ صبا اور خام نکلے۔ بڑوں سے کفرانِ نعمت ان کی عادت ہوگئی۔
(۲) کفرانِ نعمت کی مثال یوں سمجھیے کہ گویا تم اپنے آقا کے ساتھ جنگ و جدال کر رہے ہو۔
(۳) گویا کہتے ہو مجھے ایسی بھلائی نہیں چاہیے مجھے تو اس سے رنج پہنچتا ہے تو پھر نعمت دے کر رنج کیوں اٹھا رہے ہو!
(۴) مہربانی کر کے مجھ سے یہ نعمت واپس لے لے مجھے عافیت نہیں چاہیے مجھے بیمار کر دے (اس سے میں خوش ہوں)
(۵) بعینہٖ اسی طرح سبا والوں نے کہا ہمیں آپس میں دُور کر دے ہمیں عیب اچھا لگتا ہے ہم سے زینت چھین لے۔
(۶) ہم یہ باغات محلات نہیں چاہتے، نہ حسین عورتیں چاہییں اور نہ فراغتِ مال۔
(۷) یہ شہر جو ہمارے قریب ہیں ہمیں اچھے نہیں لگتے بلکہ ہماری آرزو یہ ہے کہ ہم جنگلات میں ہوں اور ہمارے ساتھ درندے ہی درندے ہوں۔
(۸) انسان کا خاصہ ہے کہ گرمی میں سردی چاہتا ہے اور جب سردی آتی ہے تو پھر گرمی مانگتا ہے۔
(۹) وُہ کسی حال پر بھی راضی نہیں، نہ تنگی سے خوش ہے نہ خوشحالی پر راضی ہے۔
(۱۰) اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا قتل الانسان الخ انسان پر مار ہو وہ کیا ناشکرا ہے کہ جب اسے ہدایت پہنچتی ہے تو اس کا انکار کرتا ہے۔

وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ اور انہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا جب کہ انہوں نے شرک کیا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کفران اور انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کر کے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے غضب و قہر کے

پیش کیا فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِیْثَ ابن الکمال نے فرمایا احادیث جمع ہے لیکن اس کا واحد معنیٰ مراد ہے
یعنی الحدیث ۔ گویا پہلے اسے احدوثۃ پھر احادیث پر جمع بنایا گیا ہے ۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے
اہلِ سبا کو آنے والی نسلوں کے لیے خبریں اور نصیحت اور عبرت بنایا ۔ اس حیثیت سے کہ لوگ تعجب
کرتے ہوئے ایک دوسرے کو ان کے حالات سُنائیں گے اور ان کے انجام و عاقبت سے عبرت
حاصل کریں گے وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اور انہیں ہم نے مکمل طور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ۔ یہ اس
وقت ہے جبکہ ممزق کو مصدر کہا جائے ۔ یا یہ معنی ہے کہ ہم نے انہیں پورے طور پھینکا ، یا ہم نے انہیں تفریق
کی جگہ پر پھینکا ۔ اس معنے پر ممزق اسم مکان ہوگا تمزیق میں تفریق خاص کی طرف اشارہ ہے اور ان
کی تخریق میں تہویل امر اور دلالۃ علی شدۃ التاثیر اور انہیں سخت درد میں مبتلا کرنا مطلوب ہے جیسا کہ
اہلِ فہم پر روشن ہے یعنی انہیں ایسی تفریق و تخریق و تمزیق میں مبتلا کیا کہ اس کی نظیر محال ہے بلکہ
اس کے بعد کوئی تفریق اگر ہوگی تو اس کی مثال اسی تفریق کو بنایا جائے گا یعنی یوں کہا جانے لگا کہ سبا
والے متفرق ہوئے اور ہر جانب سے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے گا اور وہ چند قبیلے تھے جو سبا کی
اولاد سے تھے پھر وہ مختلف شہروں میں پھیل گئے بعض مارب میں ٹھہرے رہے ۔ قبیلہ غسان شام کو چلے
گئے اور قضاعہ مکہ میں پہنچے اور اسد بحرین میں اور انمار یثرب میں یثرب جسے بعد میں مدینۃ الرسول
(صلی اللہ علیہ وسلم) کہا گیا اور جذام تہامہ میں اور ازد عمان میں مقیم ہوئے اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ ان کے
قصۂ مذکور میں لَاٰیٰتٍ البتہ بہت بڑی آیات اور دلالتِ کثیرہ اور عبرتیں اور حجتیں واضحہ ہیں جو اللہ تعالیٰ
کی وحدانیت اور قدرت پر دلالت کرتی ہیں ۔ بعض نے کہا کہ آیات کو جمع اس لیے لایا گیا کہ وہ لوگ
متفرق گروہ ہو گئے ان کا ہر گروہ ایک مستقل آیت تھی لِّكُلِّ صَبَّارٍ گنا ہوں اور شہوات و خواہشات
نفسانی سے صبر کرنے والے کے لیے یا اس سے بلاؤں اور مشقتوں اور طاعات پر صبر کرنے والے
مراد ہیں شَكُوْرٍ ہر وقت اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کرنے والے یا اس سے مومن کامل
مراد ہے اس لیے ایمان کے دو حصے ہیں ایک حصے کا نام صبر، دوسرے کا نام شکر ہے ۔

ف : کشف الاسرار میں ہے اہلِ سبا بہت خوشحال اور فارغ البال زندگی بسر کرتے تھے بوجہ
بے صبری بر عافیت اور ناشکری بر نعمت ، انہیں جو ہوا سو ہوا ہے

اے روزگار عافیت شکرت نگفتم لاجرم

دستے کہ در آغوشش بود اکنون بدندان می گزم

ترجمہ : اے زمانہ تیری دی ہوئی عافیت پر میں شکر نہ کر سکا اس وقت کہ جب

مجھے فرصت تھی تو کچھ نہ کر سکا لیکن اب افسوس کر رہا ہوں۔

اور مثنوی شریف میں ہے ؎

۱ چون ز حد بردند اصحاب سبا
که به پیش ما وبا به از صبا

۲ ناصحا نشان در نصیحت آمدند
از فسوق و کفر مانع می شدند

۳ قصد خون ناصحان می داشتند
تخم فسق و کافری می کاشتند

۴ بہر مظلومان ہمی کندند چاه
در چه افتادند و می گفتند آه

---

۵ صبر آرد آرزو را نی شتاب
صبر کن و الله اعلم بالصواب

ترجمہ:(۱) جب سبا والے (ناشکری میں) ایسے حد سے گزرے (کہ کہتے تھے) ہمیں صبا کے بجائے وبا چاہیے۔

(۲) ناصح لوگوں نے نصیحت کی انہیں فسق وفجور سے بہت روکا۔

(۳) الٹا ناصحین کے قتل کے درپے ہو گئے، فسق وکفر کا بیج بوتے تھے۔

(۴) مظلوموں کے لیے کنوئیں کھودتے، خود کنوئیں میں گر کر کہتے ہائے ہائے!

(۵) آرزو کے مطابق کام اس وقت ہوگا جب صبر کرو گے۔ اسی لیے میرا مشورہ ہے کہ صبر کرو (واللہ اعلم بالصواب)

ف: بعض کبار (مشائخ) نے فرمایا کہ طلب دنیا اور اس کی خواہشات میں مبتلا ہونا درحقیقت اللہ تعالیٰ سے اور اس کے حضور سے دوری طلب کرنے کے مترادف ہے۔ ویسے دنیا اور خواہشات نفسانی میں مبتلا ہونا اور ان کی طرف رغبت کرنا نفس کی کمینگی اور عقل کی خفت کی دلیل ہے بلکہ نفس پر ظلم کرنا ہے اور جسے دنیا اللہ تعالیٰ سے دور کرے وہ شخص اہل طلب کے لیے عبرت کا سبب بنتا ہے اور وہ شخص ہلاکت کی وادی میں تباہ وبرباد ہوتا ہے اسی لیے دنیا اور اس کی شہوات سے بچنے پر صبر ضروری ہے اور

جسے اس کی رغبت اور شہوت سے نجات نصیب ہو جائے اسے اس نعمت پر شکر کرنا لازمی ہے اور جسے عبودیت کی توفیق میسر آئے اسے بھی شکر کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی طرف رغبت کرنے والوں سے بنائے اور اپنے پر اعتماد کرنے والوں سے بنائے اور ہمیں اپنے راستہ سے ہٹنے سے بچائے اور ارشاد حق راہ کے بعد گمراہی سے محفوظ فرمائے اور نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔ وہی رحمان ہے ہمارے قلوب اسی کے قبضے میں ہیں، وہی ہمیں ایک حال سے دوسرے حال کی طرف پھیرتا ہے جیسے چاہتا ہے۔

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ التصدیق بمعنیٰ راست پانا علیھم کی ضمیر اہلِ سبا کی طرف راجع ہے اس لیے کہ ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ ضمیر الناس کی طرف راجع ہے جیسا کہ آنے والا مضمون اس کا شاہد ہے۔ ابلیس، ابلاس سے مشتق ہے بمعنے وہ حزن جو شدتِ یاس (ناامیدی) سے عارض ہو۔ المفردات میں ہے ابلیس بمعنے یأس و تحیر۔ اسی سے ابلیس مشتق ہے یا یہ عجمی لفظ ہے اور الظن بمعنےٰ اعتقاد راجح جس میں اس کی نقیض کا بھی بھی احتمال ہو مظنۃ الشئ بکسر الظاء وہ جگہ جہاں اس کے وجود کا گمان ہو۔

اب معنی یہ ہوا کہ بخدا ابلیس نے جب اہل سبا کو شہوات میں گرفتار پایا تو اس نے اپنے گمان کو سچا پایا۔

فَاتَّبَعُوهُ اہلِ سبا نے شرک و معصیت میں ابلیس کی تابعداری کی إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ مگر ایک گروہ جو اہلِ ایمان تھا انہوں نے شیطان کی تابعداری نہ کی اور وہ گروہ دوسرے لوگوں سے علیحدہ رہا۔ یہ من بیانیہ ہے یعنی وہ جماعت جو اہلِ ایمان تھی اس نے دین کے اصولی مسائل میں شیطان کی اتباع نہ کی اور چونکہ وہ بہ نسبت کفار کے قلیل تھے اسی لیے انہیں فریقاً سے تعبیر کیا گیا ہے یا من تبعیضیہ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اہلِ ایمان کے بعض لوگوں نے اتباع نہ کی اس سے مخلصین لوگ مراد ہیں یا یہ معنیٰ ہے کہ شیطان نے بنی آدم پر اپنے گمان کو سچا پایا کہ انہوں نے اس کی اتباع کی سوائے اہلِ ایمان کے ایک گروہ کے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب شیطان نے دیکھا کہ آدم نے اس کے وسوسہ کو قبول کر لیا ہے تو سمجھا کہ آپ کی اولاد تو اس سے اور کمزور ہو گی اس لیے یقین کر لیا کہ انہیں بہت جلد گمراہ کر لے گا۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ ابلیس لعین نے گمان کیا تھا کہ بنو آدم کی فطرت میں یہ شہوت و غضب کا مادہ ہے اس کی وجہ سے انہیں بہت جلد گمراہ کر لوں گا۔ چنانچہ وہ اس گمان فاسد میں سچا نکلا۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جب اس نے کہا کہ میں ناری ہوں اور آدم علیہ السلام خاکی۔ نار مٹی کو

کھا جاتی ہے اس لیے میں اُن پر غالب ہو جاؤں گا (چنانچہ وہ اپنے گمان میں سچا نکلا) جب ملائکہ نے کہا،

اتجعل فیہا من یفسد فیہا و یسفك الدماء۔

(کیا تو اس میں اسے خلیفہ بناتا ہے جو اس میں فساد برپا کرے گا اور خونریزی کرے گا)

تو ابلیس نے یہی گمان کیا تو اب وُہ اپنے گمان میں سچا نکلا۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ شیطان کو یقین نہیں تھا کہ وہ بنو آدم کو گمراہ کر سکے گا بلکہ اس کا یہ گمان تھا کہ وہ صرف ان لوگوں کو گمراہ کر سکے گا جو اللہ و رسول (جل جلالہٗ و صلی اللہ علیہ وسلم) کے نافرمان ہوں گے لیکن جب اس نے کفر و معاصی کی طرف رغبت دلانے کا جال پھیلایا تو سمجھا کہ یہ لوگ تو میری گمراہی کو قبول کرنے کے لیے مستعد ہیں حالانکہ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے پھر وہ گمراہی پھیلانے لگا تو اُن میں سے بعض نے اپنی خواہشات نفسانی پر شیطان کی اتباع کی جیسے اس نے حکم فرمایا اس طرح سے اس نے اپنے گمان کو سچا پایا۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

۱ نہ ابلیس در حق ما طعنہ زد
کز اینان نیاید بجز کار بد

۲ فغان از بدیہا کہ در نفس ماست
کہ ترسم شود ظن ابلیس راست

۳ چو ملعون پسند آمدش قہر ما
خدایش بر انداخت از بہر ما

۴ کجا سر بر آریم ازین عار و ننگ
کہ با او بصلیم و با حق بجنگ

۵ نظر دوست نادر کند سُوے تو
چو در رُوے دشمن بود روے تو

۶ ندانی کہ کمتر نہد دوست پاے
چو بیند کہ دشمن بود در سراے

ترجمہ (۱) کیا ابلیس نے ہم کو طعنہ نہیں دیا تھا کہ ان سے برائی کے سوا اور کچھ

حاصل نہ ہوگا۔

(۲) ہمارے نفوس میں جو برائیاں ہیں ان سے فریاد ہے مجھے خطرہ ہے کہ کہیں ابلیس کی بدگمانی صحیح نہ ہو جائے۔

(۳) جب خبیث کو ہمارا نقصان مد نظر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے صرف ہماری خاطر آپ کو راندۂ درگاہ بنایا۔

(۴) پھر ہم عار و ننگ کے مارے کب سر اٹھانے کے قابل ہیں کہ اب ہماری حق تعالیٰ سے جنگ اور ابلیس سے صلح ہے۔

(۵) دوست کی نگاہ تجھ پر ہرگز نہ پڑے گی جبکہ تمہاری اس کے دشمن کے ساتھ دوستی ہو۔

(۶) کیا دیکھتے نہیں ہو کہ دوست تیرے گھر آنا چھوڑ دیتا ہے جب دیکھتا ہے کہ اس کا دشمن تیرے گھر میں ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِم مِّن سُلْطَانٍ اور نہیں ہے ابلیس کے لیے کوئی تسلط۔ السلطان بمعنے القھر والغلبہ جسے قہر و غلبہ حاصل ہو اسے سلطان سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہاں پر تسلط و استیلائے وسوسہ اور گمراہی میں ڈالنے کی جد و جہد مراد ہے ورنہ وہ نہ تو کسی پر تلوار اٹھاتا ہے اور نہ لاٹھی إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يُؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِي شَكٍّ مگر تاکہ ظاہر کر کے دکھلائیں کہ کون آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور کون اس کے بارے شک میں ہے۔ یہ اعم العلل سے مستثنیٰ مفرغ ہے اور مَن موصولہ بوجہ لنعلم کے منصوب ہے العلم بمعنے شے کا اس کی حقیقت کے ساتھ ادراک کرنا اور اللہ تعالیٰ کی ایک صفت عالم بایں معنی ہے کہ اس سے کوئی شے مخفی نہیں۔ الشک بمعنے انسان کے ذہن میں دو نقیضوں کا برابر ہونا اور مَن کا صلہ جملہ فعلیہ لانے میں اس کے حدوث کی طرف اشارہ ہے جیسے دوسرا جملہ اسمیہ لانے میں اس کے دوام کی طرف اشارہ ہے۔

نکتہ: ایمان کے مقابلہ میں شک کے لانے میں اشارہ ہے کہ انسان کفر کے ادنیٰ مرتبہ میں قدم رکھنے سے کفر کی وادی میں ڈوب جاتا ہے پھر وہی شک اسے محیط ہو کر ورطۂ کفر میں غرق کر دیتا ہے۔

ف: صلہ کی تقدیم پھر فعل کا صلہ لفظ مِن لانا حالانکہ یہاں صلہ فی ہونا تھا اس میں مبالغہ مطلوب ہے نیز تنبیہ کرنا ہے کہ وہ معاملہ اتنا شدید ہے کہ اس کا زوال ناممکن ہے اس لیے کہ جب شک کا یہ حال ہے کہ جسے چمٹے اس سے اس کا زوال ناممکن ہے تو پھر جو کفر یقینی میں ہو اس کا کیا حال ہوگا یعنی اس کی فلاح یقیناً محال ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ابلیس کا ان پر تسلط صرف اسی لیے ہوتا تاکہ ہمارے

علم کا تعلق اس کے ساتھ ہو ان میں آخرت پر کون ایمان لاتا ہے اور کون اس کا انکار کرتا ہے تاکہ ان پر جزاء و سزا مرتب ہو سکے۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ کا علم قدیم اور اس کا تعلق حادث ہے اور وہ تعلق اس وقت ہوتا ہے جب مکلف عالم شہادت میں موجود ہو۔

ازالۂ وہم: اس سے اللہ تعالیٰ پر بدگمانی نہ کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس سے قبل نہ اہل ایمان کو جانتا تھا نہ اہل کفر کو، پھر ابلیس کو ان پر مسلط کر کے معلوم کیا کہ ان میں مومن کون ہے اور کافر کون۔ وہ بدگمانی اس لیے نہ ہونی چاہیے کہ مومن و کافر کو اسی نے ہی پیدا فرمایا یہ اسی کی قدرت و حکمت ہے اسی نے اپنی قدرت سے اہل کفر کی استعداد پر کافر اور اہل ایمان کی استعداد ایمانی پر مومن پیدا فرمایا۔

حدیث شریف میں ہے:

خلق الجنة وخلق لہا اھلا وخلق النار وخلق لہا اھلا۔

(بہشت بنائی تو اس کے بسنے والے بھی بنائے اور دوزخ بنائی تو اس کے اندر مقیم ہونے والوں کو بھی پیدا فرمایا)

وقال تعالیٰ:

ولقد ذرأنا لجہنم کثیرا من الجن والانس۔

(ہم نے جہنم کے لیے بہت سے جن و انس پیدا فرمائے)

مسئلہ: اللہ تعالیٰ انس و جن کی تخلیق سے پہلے ہی ازل سے جانتا ہے کہ کون مومن ہے اور کون کافر!

نکتہ: بنی آدم پر شیطان کو اس لیے مسلط فرمایا تاکہ معدنِ انسانیت سے ان کے جواہر ظاہر ہوں جیسے آگ کو معدنیات پر مسلط فرمایا تاکہ ان کے جواہر میں امتیاز ہو سکے اگر معدنیات سونے کے ہیں تو ان سے سونا ظاہر ہوگا اگر قلعی کے ہیں تو ان سے قلعی ظاہر ہوگی۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ آگ سونے کو قلعی اور قلعی کو سونا بنا دے۔ ایسے ہی انسان بھی معدنیات ہیں ان پر شیطان کو مسلط کر کے ظاہر کر دیا کہ وہ ناری اپنے وسوسہ کی پھونک سے ظاہر کر دے کہ ان میں کیسا جوہر ہے۔ بہرحال شیطان کا کام محض ان کے جواہر کو ظاہر کرنا ہے ؎

درزمین گر نیشکر و رخود نے است ۔۔۔۔۔ ترجمان ہر زمین بنت دے ماست

ترجمہ : زمین اگرگتا ہے یا نے، زمین کا ترجمان ہر شے کا اپنا بیج ہے۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر العلم بمعنے تمیز ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ شیطان کو انسانوں پر اس لیے مسلط فرمایا تاکہ آخرت کو ماننے اور نہ ماننے والے میں امتیاز ہو۔

ربط : اس کی علت بتائی کہ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ۝ اور تیرا پروردگار ان سب کا نگہبان ہے۔ حفیظ بمعنے محافظ ہے اس لیے کہ فعیل و مفاعل دونوں صیغے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ حفیظ وہ ہے جو ہر شے کی اسی طرح حفاظت کرے جس لائق وہ شے ہے اور انسانوں میں حفیظ وہ ہے جو اعضاء کی اسی طرح حفاظت کرے جیسے ان کی حفاظت کے وہ لائق ہیں ایسے ہی شرعی امور اور امانات و ودیعات کی حفاظت کرے۔ ایسے ہی اپنے دین کو غضب اور شہوت کی خرابی اور نفس کے دھوکے اور شیطان کے فریب سے بچائے۔ اس لیے کہ وہ گرنے والے کنارے پر کھڑا ہے اور یہ عاداتِ قبیحہ اسے پکڑ کر گرانے کا کام کرتی ہیں اور اسے دار البوار (جہنم) میں لے جانے کے لیے ہیں۔

روحانی نسخے بعض حکمائے الٰہیہ نے فرمایا : ان نسخوں سے دین کی حفاظت ہوتی ہے۔

(۱) دینی امور میں جد و جہد

(۲) نیک اعمال پر مواظبت

(۳) ترکِ معاصی

(۴) استعمالِ مسواک

(۵) نیند بہت کم کرنا

(۶) رات کو اٹھ کر نوافل (تہجد) پڑھنا

(۷) قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھنا

(۸) شہد کھانا

(۹) منہ نہار شکر کے ساتھ کندر ملا کر کھانا

(۱۰) روزانہ منہ نہار اکیس عدد سرخ انگور کھانا۔

درندوں سے حفاظت جو شخص الحفیظ لکھ کر اپنے اوپر لٹکا لے تو اس پر درندوں کا حملہ نہ ہو سکے گا۔

(باقی بر صفحہ ۳۶۹)

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِّن دُونِ اللَّهِ ۖ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي
الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِن شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُم مِّن ظَهِيرٍ ○ وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ
عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ۚ حَتَّىٰ إِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ۖ قَالُوا
الْحَقَّ ۖ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ○ قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ قُلِ اللَّهُ ۖ
وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَىٰ هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ○ قُل لَّا تُسْأَلُونَ عَمَّا أَجْرَمْنَا وَلَا
نُسْأَلُ عَمَّا تَعْمَلُونَ ○ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتَّاحُ
الْعَلِيمُ ○ قُلْ أَرُونِيَ الَّذِينَ أَلْحَقْتُم بِهِ شُرَكَاءَ ۖ كَلَّا ۚ بَلْ هُوَ اللَّهُ الْعَزِيزُ
الْحَكِيمُ ○ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَعْلَمُونَ ○ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ○ قُل لَّكُم مِّيعَادُ
يَوْمٍ لَّا تَسْتَأْخِرُونَ عَنْهُ سَاعَةً وَلَا تَسْتَقْدِمُونَ ○ ع

ترجمہ: تم فرماؤ پکارو انہیں جنہیں اللہ کے سوا سمجھے بیٹھے ہو وہ ذرہ بھر کے مالک نہیں آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ ان کا ان دونوں میں کچھ حصّہ اور نہ اللہ کا ان میں سے کوئی مددگار اور اس کے پاس شفاعت کام نہیں دیتی مگر جس کے لیے وہ اذن فرمائے، یہاں تک کہ جب اذن دے کر ان کے دلوں کی گھبراہٹ دور فرما دی جاتی ہے ایک دوسرے سے کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا ہی بات فرمائی وہ کہتے ہیں جو فرمایا حق فرمایا اور وہی ہے بلند بڑائی والا۔ تم فرماؤ کون جو تمہیں روزی دیتا ہے آسمانوں اور زمین سے، تم خود ہی فرماؤ اللہ، اور بے شک ہم یا تم یا تو ضرور ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں۔ تم فرماؤ ہم نے تمہارے گمان میں اگر کوئی جرم کیا تو اس کی تم سے پوچھ نہیں نہ تمہارے کوتکوں کا ہم سے سوال۔ تم فرماؤ ہمارا رب ہم سب کو جمع کرے گا پھر ہم میں سچا فیصلہ فرمائے گا اور وہی ہے بڑا نیاؤ چکانے والا سب کچھ جانتا۔ تم فرماؤ مجھے دکھاؤ تو وہ شریک جو تم نے اس سے ملائے ہیں ہشت بلکہ وہی ہے اللہ عزت والا حکمت والا۔ اور اے محبوب ہم نے تم کو بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔ اور کہتے ہیں یہ وعدہ کب آئے گا اگر تم سچے ہو تم فرماؤ تمہارے لیے ایک ایسے دن کا وعدہ جس سے تم نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکو نہ آگے بڑھ سکو۔

(بقیہ صفحہ ٣٦٧)

حکایت ذوالنون

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دن مجھے گھر سے باہر نکلنے پر دل نے مجبور کیا دریائے نیل کے کنارے چل پڑا ۔ ایک بچھو کو دیکھا کہ بھاگا جا رہا ہے ۔ میں اس کے پیچھے ہو لیا ۔ وہ ایک مینڈک کے قریب پہنچا ۔ مینڈک نے اسے پیٹھ پر اٹھا کر دریا پار کرا دیا ۔ میں نے بھی کشتی پر سوار ہو کر اس کا تعاقب کیا ۔ بچھو دریا سے باہر نکلتے ہی دوڑا ایک نیند بھرنے والے نوجوان کے سرہانے پہنچ گیا وہاں ایک اژدہا بیٹھا تھا ۔ دونوں آپس میں لڑتے لڑتے مر گئے اور اس نوجوان کی جان بچ گئی ۔

حکایت

حضرت ابراہیم الخواص رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں مکہ معظمہ کے سفر میں تھا کہ مجھے ایک ویرانے میں شب باشی کرنا پڑی ، اچانک دیکھا کہ بہت بڑا درندہ میرے درپے ہے ۔ میں اس سے گھبرا گیا تو مجھے ہاتف نے آواز دی ، اے ابراہیم ! گھبرائیے مت ۔ اس لیے کہ ستر ہزار فرشتہ تیرے اردگرد تیری حفاظت کر رہا ہے :

سبق

یہ اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم ہے جو اپنے بندوں پر کرتا ہے اور یہ ان کے نیک اعمال کا نتیجہ ہے کہ کوئی عمل اس کے دائیں جانب حفاظت کرتا ہے تو کوئی بائیں جانب ۔ نیک اعمال کی برکت سے وہ آفات و بلیات سے محفوظ رہتا ہے ۔

دعا

اے اللہ ! تو اپنی آنکھوں سے ہماری حفاظت فرما جو نہیں سوتیں اور اپنی مہربانی کے ساتھ ہمیں محفوظ فرما کہ وہ کبھی غفلت نہیں کرتیں ۔ اور اپنی قدرت کاملہ سے ہمارے حال پر رحم فرما ، ہمیں تباہ و ہلاک نہ کر ، تو ہی ہمارا بھروسا اور ہماری امیدگاہ ہے اور تو ہی ارحم الراحمین ہے ۔

تفسیر عالمانہ

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ! ان لوگوں سے فرمایئے جن کا گمان ہے ۔ اس سے مشرکین مراد ہیں ۔ اس آیت میں ان لوگوں کے گندے عقائد و غلط مسائل کا اظہار اور ان کو بدگوئی سے خاموش کرانا مطلوب ہے ۔ ادعوا بمعنے نادوا ہے ۔ القاموس میں ہے کہ الزعم وہ قول نقل کرنا جس میں جھوٹ کا شائبہ ہو ۔ اسی لیے قرآن مجید میں ہر جگہ اس کے قائلین کی مذمت کی گئی ہے ۔ (مفردات)

یہاں مراد یہ ہے کہ اے مشرکو ! تم نے جنہیں معبود بنا رکھا ہے انہیں بلاؤ ۔ زعم کے دو مفعول ہیں ایک ضمیر ، چونکہ در اصل زعمتموھم تھا اور اسے محذوف کر دیا گیا ہے اور وہ ضمیر ھُمْ ، الذین کی طرف راجع ہے اس کا حذف کرنا بوجہ تخفیف کے ہے تاکہ موصول مع صلہ اور پھر ضمیر کے ساتھ کلام

طویل نہ ہو جائے دوسرا مفعول آلھۃ ہے جس کے قائم مقام مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے مشرکو! جنکو تم اللہ کے سوا یعنی بتوں کی پرستش کرتے ہو تم بلاؤ ان امور میں جو تمہیں درپیش ہوتے ہیں یعنی نفع کے حصول اور ضرر کے دفع کرنے میں تو وہ تمہیں جواب دیں گے اگر تمہارا دعویٰ صحیح ہو اس کے جواب میں فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ ایسوں کو ایسا جواب دینا چاہیے۔ اور یہ بھی ہے کہ مخالف کے مقابلہ میں مکابرہ قابل قبول نہیں اسی لیے ان کے حال کو جملہ مستانفہ کے طور پر بیان فرمایا لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وہ ذرہ برابر بھی کسی شے کے مالک نہیں، نہ وہ کسی کو نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ مثقال اور ذرۃ کا معنیٰ سورۃ ہذا کے اوائل میں بیان ہو چکے ہیں فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ کہ آسمانوں میں نہ زمینوں میں یعنی کسی ایک کام کے بھی مالک نہیں اور صرف آسمان و زمین کی تخصیص اس لیے کی ہے کہ عوام میں جملہ امور کی نفی کے لیے صرف انہی کا بیان ہوتا ہے اور اس سے جملہ امور کی نفی مراد ہے جیسے صحابہ کرام کی جملہ جماعت مراد لیتے وقت صرف مہاجرین و انصار کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں یا اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین کے بعض معبود آسمانی تھے جیسے ملائکہ اور ستارے اور بعض زمینی جیسے بت وغیرہ یا اس لیے کہ خیر و شر کے اسباب قریبہ یا آسمانی ہیں یا زمینی وَمَا لَهُمْ اور ان بتوں کے لیے نہیں فِيْهِمَا آسمانوں اور زمینوں میں مِنْ شِرْكٍ شرکت میں سے نہ تخلیق کے لحاظ سے اور نہ ملک اور تصرف کے اعتبار سے وَمَا لَهٗ اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے لیے مِنْهُمْ ان کے بتوں سے مِّنْ ظَهِيْرٍ کوئی حامی کار جو آسمانوں اور زمینوں کے امور کی تدبیر میں اس کی مدد کریں۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی جملہ مخلوق کے ہر فرد سے بے نیاز ہے اور ان کے بت ہر شے سے عاجز تر ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

۱ نیست خلقش را دگر کس مالکے
شرکتش دعویٰ کند جز ہالکے

---

۲ ذات او مستغنیست از یاوری
بلکہ یابد عون از و ہر سروری

ترجمہ: (۱) مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مالک نہیں اس کے ساتھ شرکت کے مدعی کو سوائے تباہی اور بربادی کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔

(۲) اس کی ذات سے ہر ایک مدد چاہتا ہے بلکہ ہر سردار اسی سے مدد چاہتا ہے۔

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ۔ الشفاعة بمعنی طلب العفو والفضل للغیر من الغیر یعنی

غیر کے لیے غیر سے عفو و فضل مانگنا، یعنی سفارش کنندہ مشفوع لہٗ کی نجات اور اس کے ثواب کی زیادتی چاہتا ہے اسی لیے شفاعت اپنی دُعا کے لیے استعمال نہیں ہوتی۔

ف: اُمت کے لیے نبی علیہ السلام کی شفاعت بمعنی وسیلہ ہے یعنی اُمت اپنے نبی علیہ السلام کے لیے مقام وسیلہ چاہتی ہے وہ اس لیے کہ شفاعت میں شرط ہے کہ شفیع مشفوع لہٗ سے عالی ہو یا یہ کہ مشفوع لہٗ عاجز ہو اور یہ دونوں نبی علیہ السلام کی شان کے لائق نہیں عِنْدَہٗ اللہ تعالیٰ کے ہاں جیسا کہ مشرکین کا عقیدہ تھا کہ ان کے بُت ان کے لیے شفاعت کریں گے یہ ان کا عقیدہ مبنی بر فساد ہے اس لیے کہ بُت اللہ تعالیٰ کے ہاں شفاعت کرنے کے اہل نہیں اور ان میں شفاعت کا مادہ ہے ہی نہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

من ذا الذی یشفع عندہٗ الا باذنہٖ۔

اس آیت میں نفیِ شفاعت کو نفعِ شفاعت سے معلق فرمایا اس میں وقوعِ شفاعت کی نفی کی تصریح نہیں بلکہ ان کی غرض (جو وقوعِ شفاعت تھی)، کی نفی کی گئی ہے۔

اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ مگر اس کے لیے شفاعت کا حق ہوگا جس کے لیے اللہ تعالیٰ کی اجازت ہوگی یہ اعم الاحوال سے استثناء مفرغ ہے یعنی کسی حال میں بھی کسی کو شفاعت کی اجازت نہ ہوگی مگر اس کے لیے اس کی اجازت ہوگی۔ جسے اللہ تعالیٰ کی اجازت نصیب ہو اس لیے کہ شفاعت کے مستحق خود اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ سے استحقاق حاصل نہیں وہ کبھی کسی کی شفاعت نہیں کر سکتے۔ اسی لیے انہیں ان کی شفاعت کے نفع کی امید رکھنا بے سُود ہے کیونکہ اگر فرض کیا جائے کہ جنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفاعت کی اجازت ہی نہیں ان سے شفاعت کی امید رکھتے ہیں واضح ہے کہ وہ صاف طور اپنے لیے شفاعت کی محرومی کا ثبوت دے رہے ہیں اور آیت سے دلالۃ النص کے طور معلوم ہوا کہ وہ شفاعت نہیں کر سکتے اسی لیے کہ جب ثابت ہو گیا کہ ان سے شفاعت کی اُمید رکھنے والے محروم ہیں تو شفاعت کنندہ کی شفاعت کرنے سے محرومی بطریقِ اُولیٰ ثابت ہے۔ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ التفزیع اضداد سے ہے اس لیے کہ اس میں تخویف اور ازالۃ الخوف دونوں معانی پائے جاتے ہیں۔ الفزع بمعنے ڈرانا اور غم لے جانا اور لفظ عن سے متعدی ہوتا ہے جیسے یہاں آیت میں ہے اور فزع وہ انقباض جو انسان پر مخیف سے طاری ہوتا ہے۔ یہ بھی جزع کی جنس سے ہے اسی لیے فزعت من اللہ نہیں کہا جا سکتا، ہاں خفت منہ کہا جا سکتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ یہاں تک کہ شفیع اور مشفوع لہم یعنی اہلِ ایمان کے قلوب سے گھبراہٹ ہٹائی جائے گی۔ اور کفار و

مشرکین تو شفاعت کے معاملہ میں بالکل محروم ہوں گے اسی لیے وہ تفزیع القلوب کے معاملہ سے ہزاروں کوس دور ہوں گے اور جنتی اس غایت کے لیے ہے جس کی خبر دی جا رہی ہے یعنی وہ جو پہلے گزرا ہے کہ شفاعت وہ کر سکیں گے جنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہوگی۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ مشفوع لہم کو کافی انتظار کے بعد شفاعت نصیب ہوگی۔ گویا یہ ایک سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ کہ انہیں شفاعت کی اجازت کیسے ملے گی؟ جواب ملا کہ مشفوع لہم میدانِ قیامت میں بڑی گھبراہٹ اور حزن و ملال میں کافی عرصہ تک منتظر رہیں گے یہاں تک کہ بہت بڑی بحث و تمحیص کے بعد ان کی گھبراہٹ دور ہوگی اور انہیں خوشخبری دی جائے گی کہ اب تمہارا مدعا پورا ہوا قَالُوْا مشفوع لہم کہیں گے ہم نے اس کی ضمیر مشفوع لہم کی طرف اس لیے لوٹائی ہے کہ وہی اذنِ شفاعت کے محتاج ہوں گے اور اسی امر کی ضرورت انہیں ہوگی مَاذَا کیا شے ہے قَالَ رَبُّكُمْ اذنِ شفاعت کے متعلق تمہارے رب تعالیٰ نے فرمایا ہے قَالُوْا شفاعت کرنے والے کہیں گے ہم نے یہ ضمیر شفعاء کی طرف اس لیے لوٹائی ہے کہ خوشخبری سنانے والے اور بندوں اور اللہ تعالیٰ کے اذنِ شفاعت کے بالذات یہی واسطہ بنیں گے الْحَقَّ یعنی جو کچھ تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے وہ حق ہے یعنی مستحقین کے لیے اذنِ شفاعت کا حکم ربانی ہے اور وہ حق ہے وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۝ یہ شفعاء کی گفتگو کا تمہ ہے وہ یہ گفتگو اعتراف کے طور پر کہیں گے کہ ہمارا رب تعالیٰ بہت بڑی عظمت والا اور اس کی جناب کی بہت زیادہ عزت ہے اور اس کے ماسوا میں ہر طرح کا قصور اور کمی ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ علو و کبریائی کی شان میں منفرد اور اپنی ذات و صفات میں منفرد اور قول و فعل میں بے عدیل ہے مخلوق میں کتنی ہی بڑی شان و عزت کا مالک ہو تاہم اس کی اجازت کے بغیر گفتگو نہیں کر سکے گا۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ علی وہ ہے جو قہر و اقتدار کے لحاظ سے تمام مخلوق سے فوقیت رکھتا ہو۔ اور علی بمعنے رفیع القدر بھی آیا ہے۔ اور یہ جب اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوگا تو معنیٰ ہوگا کہ وہ اس سے بلند ہے کہ کوئی اس کے وصف کا احاطہ کر سکے بلکہ عارفین کے علم بھی اس کے وصف بیان کرنے سے عاجز ہیں اور اس وصف کو مطلقاً انسان کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں۔ ہاں مجازاً جائز ہے اس لیے کہ بندے کو وہ تفوق کہاں جو کہ وہاں تک پہنچنے کے بعد اور کوئی درجہ نہ ہو۔ ہاں ایسے درجات تک پہنچنا ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کا کام ہے لیکن ان کے لیے ان درجات تک پہنچنے کو علو کہنا بھی اضافی ہوگا۔ مطلق علو کا اطلاق ان پر بھی جائز نہ ہوگا۔

ف : ایک ایسا درجہ ہے جہاں انسان کا اس کے آگے جانا ناممکن ہے وہ درجہ صرف ہمارے

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہُوا۔ لیکن ان کے لیے یہ علو اضافی ہو گا اس لیے کہ حقیقی اور مطلق علو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔

ف : اس اسم سے متخلق ہونا اعلیٰ امور تک پہنچنے اور ادنیٰ امور سے دوری کا موجب ہے۔

حدیث شریف میں ہے:
ان اللہ یحب معالی الامور ویبغض سفسافھا۔
(اللہ تعالیٰ بلند امور کو پسند فرماتا ہے اور سفلی اور سطحی امور کو ناپسند فرماتا ہے)

فرمانِ علی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا:
علو الھمۃ من الایمان۔
(علوِ ہمتی ایمان کی علامت ہے)

صائب نے فرمایا: ؂

چوں بسیر لامکاں خود می روم از خویشتن
ہمچو ہمت توسنی در زیرزیں داریم ما

ترجمہ : اپنے سے لامکاں کی سیر کو جاؤں تو مناسب ہے اس لیے تیز رفتار ہمت کا گھوڑا ہمارے پاس ہے۔

خواص اسمِ علی یہ اسمِ مبارک لکھ کر بچے کے گلے میں ڈالا جائے تو سِن بلوغ تک پہنچے گا اگر مسافر اپنے پاس رکھے تو سفر با ظفر ہو، اور تنگ دست گلے میں ڈالے تو دولت مند ہو۔

تحقیقِ اسمِ کبیر کبیر وُہ ذات ہے کہ جس کے سامنے ہر شئے حقیر ہو۔ اسی لیئے لبعض نے اللہ اکبر کا یہی معنیٰ لکھا ہے کہ وہ ذات جسے اکبر کہنا بھی اس کی کبریائی کے لائق نہیں یا وُہ ذات کہ اس کی کبریائی کی کُنہ کو کوئی نہ پہنچ سکے۔ علماءِ کرام نے لکھا کہ نمازی جب اللہ اکبر کہے تو اس کا عقیدہ یہ نہ ہو کہ وُہ کسی خاص وقت میں اکبر ہے بلکہ اس کا عقیدہ یہ ہو کہ وہ ہر وقت اور ہر آن اکبر ہے۔ صوفیہ کرام نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کی کبریائی کو جانتا ہے اسے اپنی کبریائی کا تصور نہیں آئے گا۔

ف : بندوں میں اکبر وُہ ہے جو عالم، متقی، خلقِ خدا کا رہبر و ہادی ہو اور ایسا صالح اور نیک بخت ہو کہ اس کے انوار و علوم سے خلقِ خدا مستنید و مستفیض ہو۔

مدرس و معلم علوم دینیہ کی فضیلت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص علمِ دین پڑھ کر اس پر عمل کرتا اور دوسروں کو پڑھاتا ہے تو ملکوت السماء میں اسے عظیم کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

ف : کبیر کے ورد سے انسان پر علم و معرفت کے دروازے کھلتے ہیں۔

زن و شوہر کو راضی رکھنے کا طریقہ اگر کسی شے پر اسم کبیر پڑھ کر عورت و مرد کو اکٹھا بٹھا کر کھلایا جائے تو ان کی آپس میں صلح صفائی اور موافقت رہے گی۔

ف : الاربعین الادریسیہ میں اللہ تعالیٰ کو پکارنے کے لیے ایک دعا یہ لکھی ہے :

یا کبیر انت الذی لا تہتدی العقول لوصف عظمتہ۔

(اے وہ ذاتِ کبریا جس کی وصفِ عظمت عقول کو رسائی نہیں)

فائدے ہی فائدے حضرت سہروردی قدس سرہٗ نے فرمایا: جو شخص اس اسم (کبیر) کا وظیفہ کرے تو قرضدار ہو تو قرض دور، اور اگر رزق کی کمی ہو تو وسعت نصیب ہو۔ اگر کسی عہدے سے معزول ہو گیا ہو تو صرف ایک ہفتہ ایک ایک ہزار بار روزانہ روزہ رکھ کر پڑھے تو اپنے عہدے پر بحال ہو جائے گا اگرچہ اسے وزارتِ عظمیٰ اور صدارتِ علیا اور بادشاہی سے ہٹایا گیا ہو۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ فرمائیے تمہیں رزق کون دیتا ہے آسمان سے بارش برسا کر وَ الْاَرْضِ اور زمین سے انگوری نکال کر۔

ف : اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ آپ مشرکین کو دلائل دے کر خاموش کرا دیجئے تاکہ وہ اس اقرار کے لیے مجبور ہو جائیں کہ واقعی ان کے معبود زمین و آسمان کی کسی چیز کے بھی مالک نہیں اور رزاق صرف اللہ تعالیٰ ہے جس کا انہیں اقرار ہے۔ چنانچہ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قل من یرزقکم من السماء والارض ام من یملک السمع والابصار فسیقولون اللہ۔

اور چونکہ وہ اس طرح کے سوال کے جواب سے کتراتے تھے اس لیے کہ ان پر ماننا لازم آ جائے گا اسی لیے ان کی طرف حضور علیہ السلام کو حکم ہوا قُلِ اللّٰہُ آپ فرمائیے اللہ تعالیٰ تمہیں رزق دیتا ہے کیونکہ ان کے ہاں بھی اس کے سوا اور کوئی جواب نہیں۔

ف : رزق دو قسم ہے :

(۱) ظاہری، جیسے کھانے پینے کی وہ چیزیں جو انسان کے بدن سے متعلق ہیں۔

(۲) باطنی، جیسے معارف، مکاشفات یعنی وہ امور جو ارواح سے متعلق ہیں۔ اور یہی پہلی قسم سے اشرف و اعلیٰ ہے اس لیے کہ حیات ابدی نصیب ہوتی ہے۔ اور ظاہری رزق کا تعلق ایک مدت معلوم کے بعد ختم ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی جملہ مخلوق کے رزق کا متولی ہے اور اپنے فضل و کرم سے دونوں طرح کے رزق پہنچاتا ہے اور یہ اس کی مرضی و مشیّت پر ہے کہ کسی کو وافر اور کسی کو تھوڑا رزق عطا فرماتا ہے۔

حدیث شریف ۱ میں ہے:
طلب الحلال فریضة بعد الفریضة۔
(رزقِ حلال کی طلب کا فریضہ دوسرے فرائض (نماز، روزہ وغیرہ) کے بعد سب سے بڑا اور اہم ہے)
یعنی ایمان اور نماز کے بعد سب سے بڑا فریضہ طلبِ رزقِ حلال ہے۔

حدیث شریف ۲ میں ہے:
من اکل حلال اربعین یوما نور اللہ قلبه واجری ینابیع الحکمة من قلبه۔
(جو شخص چالیس دن رزقِ حلال کھاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو منور فرما دیتا ہے اور اس کے قلب سے حکمت کے چشمے جاری فرماتا ہے)

حدیث شریف ۳ میں ہے:
ان اللہ ملکا علی بیت المقدس ینادی کل لیلة من اکل حراما لم یقبل منه صرف ولا عدل:
(بیت المقدس پر اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ مقرر ہے جو ہر رات پکارتا ہے کہ جو شخص حرام کا رزق کھائے گا اس کی کوئی نیکی قبول نہ ہوگی نہ فرائض نہ نوافل)

ف: مشایخ نے فرمایا کہ حلال رزق کھانے سے دل کی صفائی اور دل کی صفائی سے نورِ معرفت اور نورِ معرفت سے مکاشفات و منازلات وارد ہوتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ لقمۂ کاں نور افزود و کمال
آں بود آوردہ از کسبِ حلال

۲ روغن کاید چراغ ما کشد
آب خوانش چوں چراغے را کشد

۳ علم و حکمت زاید از لقمۂ حلال
عشق و رقت آید از لقمۂ حلال

۴ چوں ز لقمہ تو حسد بینی و دام
جہل و غفلت ز آید آنرا دان حرام

۵ ہیچ گندم کاری و جو بر دہد
دیدۂ اسپی کہ کرہ خر دہد

۶ لقمۂ تخمست و برش اندیشہا
لقمہ بحر و گوہرش اندیشہا

۷ زاید از لقمۂ حلال اندر دہاں
میل خدمت عزم رفتن آں جہاں

ترجمہ: (۱) وہ لقمہ جو نورِ ایمان کو بڑھاتا ہے وہ کسبِ حلال سے حاصل ہوتا ہے۔
(۲) روغن (تیل) چراغ کی روشنی بڑھاتا ہے لیکن پانی اسے بجھا دیتا ہے۔
(۳) لقمۂ حلال سے علم و حکمت میں بھی اضافہ ہوتا ہے عشق و رقت بھی لقمۂ حلال سے نصیب ہوتی ہے۔
(۴) جس لقمہ سے محسوس کرو کہ اس سے حسد اور بغض بڑھتا ہے اور جہل و غفلت چھا رہی ہے تو سمجھو کہ وہ لقمہ حرام ہے۔
(۵) بھلا گندم سے جو پیدا ہوتے ہیں، گھوڑے کا بچہ گدھا نہیں پیدا ہوگا۔
(۶) لقمہ بیج ہے اس کا پھل وہی کردار ہیں جو بچّے سے سرزد ہو رہے ہیں۔ لقمہ دریا ہے اور اس کے موتی تیرے اعمال و کردار۔
(۷) لقمۂ حلال سے دل میں جہانِ آخرت کی طرف جانے کو جی چاہے گا۔

وَاِنَّآ نیز انہیں فرمایئے کہ بیشک ہم اَوْ اِیَّاکُمْ اس کا اسم پر عطف ہے یعنی تم لَعَلٰی هُدًى البتہ ہدایت پر نہیں اَوْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ○ یا گمراہی ظاہر میں، یعنی وہ لوگ ایک واحد لا شریک کی عبادت کرتے ہیں اور وہی سب کو رزق پہنچاتا ہے اور وہی قدرت ذاتیہ کا مالک ہے اور وہ لوگ

صرف اسی ایک کی عبادت کرتے ہیں اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جمادات کو شریک بنا کر ان جمادات کی پرستش کرتے ہیں حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ مراتب امکانیہ کے ادنیٰ مرتبہ میں ہیں ان میں یقیناً ایک گروہ ہدایت پر ہے اور دُوسرا گمراہی پر۔ یہ اس لیے فرمایا کہ اس سے قبل دلائل سے ثابت فرمایا کہ ہدایت پر صرف اہلِ ایمان ہی ہیں اور کھلے الفاظ میں فرمایا کہ کافر یقیناً گمراہی پر ہیں اور سخت جھگڑالو خصم کو مسکت جواب دینے کا یہ بلیغ ترین طریقہ ہے جیسے اپنے آپ کو سچا سمجھ کر اپنے بالمقابل کو کہتا ہے کہ اللہ یعلم ان احدنا لکاذب اللہ کو معلوم ہے کہ ہم میں ایک ضرور جھوٹا ہے یعنی یہ قول اس وقت بولا جاتا ہے جب اہلِ حق و اہلِ باطل کا آپس میں جھگڑا ہو جائے تو پھر اپنے آپ کو سچا سمجھنے والا دوسرے کو مذکورہ قول کہتا ہے اس قول سے اہلِ حق کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کا بالمقابل یقیناً جھوٹا ہے ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دو لعان کنندگان کو فرمایا کہ اللہ یعلم ان احدکما کاذب فھل منکما تائب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم میں ایک جھوٹا ہے کیا تم میں کوئی ہے جو توبہ کرے۔

ف : اس عبارت میں لفظ اَوْ محض ابہام اور اظہار انصاف کے لیے ہے شک یا تشکیک کے لیے نہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر اَوْ بمعنے واؤ ہے یعنی ہم اور تم ہدایت پر ہیں اگر ہم ایمان لائیں یا تم اور ہم دونوں گمراہی میں ہیں اگر ہم ایمان نہیں لائے۔

ف : دو مختلف حروف جارہ اس لیے ہیں تاکہ تنبیہ ہو کہ ہدایت والے وہی ہیں جو اونچے مکان پر اوپر بیٹھا ہو اور وہ ہر شے کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہو اور ہر ایک شے سے پورے طور پر مطلع ہو جائے یا تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو اور جیسے چاہے چلائے۔ اور گمراہ کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اندھیری اور تاریکی میں ڈوبا ہو جیسے کوئی شے نظر نہ آئے اور نہ ہی اسے معلوم ہو کہ کہاں جانا ہے۔ یا اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو گہرے کنویں میں ڈوبا ہو یا پنجرے میں محبوس ہو کہ وہ اس پنجرے سے نہ نکل سکے۔

قُلْ لَّا تُسْئَلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! انہیں فرمائیے کہ ہمارے جرائم کے متعلق تم سے سوال نہ ہوگا۔

حلِ لغات الاجرام بمعنے جرم کرنا۔ الجرم (بالضم) بمعنے الذنب۔ دراصل جرم بمعنے القطع آتا ہے۔ ہر مکروہ عمل کے ارتکاب کے لیے استعارہ کیا گیا ہے۔ کما فی المفردات۔

یعنی ہم نے صغائر اور خلافِ اولیٰ کا ارتکاب کیا اس لیے کہ مومن ایسی کمزوریوں سے خالی نہیں ہوتا وَلَا تُسْئَلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ اور ہم سے تمہارے اعمال کا سوال نہ ہوگا۔ یعنی تم جو کفر و معاصی

دیگر تمہارے مجلاً اعمال کی ہم سے پرسش نہ ہوگی اس لیے کہ ہر کسان اپنی کھیتی کاٹتا ہے نہ کہ دوسرے کی۔

ع برفتند و ہر کس درود آنچہ کشت

ترجمہ : یہ مشہور ہے کہ ہر کس وہی کاٹتا ہے جو کچھ وہ بوتا ہے۔

ف : یہی طریقۂ کار انصاف کے لحاظ سے بلیغ تر اور جھگڑے اور فساد سے دور تر ہے اس وقت جرم کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی طرف ہوئی ہے اگرچہ وہ جرائم و معاصی سے پاک اور محفوظ ہیں اگرچہ ان کے لیے جرم بمعنے ترک اولیٰ ہے اور مخاطبین کے لیے مطلق اعمال مراد ہیں۔ کفار اور مجرمین کے لیے کفر مراد ہے جو گناہ کبیرہ ہے۔

قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا فرمائیے کہ قیامت میں حشر و حساب کے وقت ہم سب کو ہمارا پروردگار جمع فرمائے گا **ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ**۔ الفتح کھولنا اور حکم کرنا یعنی حکم اور فیصلہ فرمائے گا بلکہ جب سب کا حال کھل جائے گا کہ اہل حق بہشت میں اور کافر دوزخ میں **وَهُوَ الْفَتَّاحُ** اور بہت مشکل فیصلے فرمانے والا اور حکم دینے والا ہے **الْعَلِيمُ** ○ اسے جانتا ہے جو فیصلہ ہوگا اور جس کا اور جس پر فیصلہ ہوگا اور وہ امور جو دوسروں سے مخفی ہیں وہ اس سے مخفی نہیں۔

ف : الزروقی نے فرمایا کہ الفتاح وہ ہے جو امور دنیویہ و اخرویہ میں ارواح و اجسام پر تنگی اور مشکل کے بعد اپنے فضل و کرم سے خیر و برکت اور وسعت سے ظاہر فرمائے۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا الفتاح ' الفتح سے ہے بمعنے الافراج عن الضیق یعنی تنگی سے کشادگی بخشنا۔ یعنی وہ شخص جو دو لڑنے والوں کے درمیان حق کا فیصلہ فرما کر مشکل حل کر دے اور وہ ذات جو خیر و برکت اور بھلائی سے نواز کر اور علم کی دولت سے سرفراز کرکے اور فقر و فاقہ دور کرکے کسی کے دکھ کو دور کر دے۔

ف : امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا ، فتاح وہ ہے جو اپنی عنایت و ہدایت سے ہر مشکل حل فرمائے۔ کبھی وہ دشمنوں سے ملک چھین کر اپنے انبیاء علیہم السلام کو عطا فرماتا ہے اور ان کے لیے فرماتا ہے انّا فتحنا لك فتحًا مبينا ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر اور کبھی اپنے اولیاء کے قلوب کے حجابات اٹھاتا ہے ان کے لیے ملکوت السماء اور اپنے جمال کبریائی کے دروازے کھولتا ہے اور ان کے حق میں فرماتا ہے ،

ما يفتح للناس من رحمة فلا ممسك لها۔

اور فتاح وہ ہے جس کے قبضۂ قدرت میں غیب اور رزق کی چابیاں ہیں اور ایسی ذات اس لائق ہے کہ

اسے فتاح کہا جائے اور بندے پر لازم ہے کہ اس کے اشتیاق میں ایسا پیاسا ہو کہ اس کی زبان سے ہی تمام مشکلاتِ الٰہیہ کھل جائیں اور مخلوق کے جملہ امور دینیہ و دنیویہ اس کی معاونت سے آسان ہوں۔ ایسی کیفیت سے ایسے انسان کو اسم فتاح سے حظِ وافر نصیب ہوتا ہے۔

اسمِ فتّاح کی خاصیت اس اسم کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی برکت سے امور آسان ہوتے ہیں اور قلب کو نورانیت اور اسبابِ فتح پر قدرت رکھتا ہے۔ جو شخص ہر نمازِ فجر کے بعد اکثر بار پڑھے گا اور پڑھتے وقت ہاتھ سینے پر ہو تو اس کا دل پاک صاف اور بستر (مخفی بھید) منوّر اور اس کا ہر معاملہ آسان ہوگا اور اس کی برکت سے رزق وغیرہ آسانی سے حاصل ہوگا۔

ف : العلیم عالم کا مبالغہ ہے وہ ذات جس کے ساتھ علم قایم ہو اور جسے یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کو جانتا اور ہر شے کا نگہبان ہے اور ہر شے میں اسی کے علم کو کافی سمجھے تو وہ اپنے ہر معاملہ میں اسی پر بھروسا کرنے والا ہوگا اور ہر کام میں اسی کی طرف متوجہ ہوگا۔

نسخۂ روحانی ابن عطاء اللہ نے فرمایا کہ جسے لوگوں سے اذیتیں پہنچیں اور لوگ اس کی مذمت کے درپئے ہوں تو اس پر لازم ہے کہ وہ اللہ کے علم کی طرف متوجہ ہو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے علم کی طرف متوجہ نہ ہونا لوگوں کے اذیت کی مصیبت سے شدید ترین مصیبت ہے اور اس اسم کی خاصیت یہ ہے کہ اس کی برکت سے علم و معرفت نصیب ہوتی ہے جو اس اسم پر مداومت کرتا ہے تو اسے حقیقی معرفتِ الٰہی نصیب ہوگی۔

ف : شمس المعارف میں ہے کہ جس شخص پر کوئی امر مبہم ہو جائے اور وہ اس کی تفصیل چاہتا ہو یا اسرارِ الٰہیہ کے انکشاف کا خواہاں ہو تو وہ اسم علیم پر مداومت کرے اس کی برکت سے اس کا ہر سوال حل ہوگا اور جس طرح کی حکمت کا طالب ہوگا وہ اس پر کھل جائے گی اور جو صفتِ الٰہیہ کا دروازہ کھولنا چاہتا ہے تو وہ علم و عمل سے ہی کھلے گا۔

قُلْ اَرُوْنِیَ الَّذِیْنَ اَلْحَقْتُمْ فرمایئے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے ان لوگوں کی خبر دو جنہیں تم نے ملایا ہے۔ الالحاق بمعنے پہنچا اور پہنچانا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرکاء شریک۔

سوال : حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو ہر وقت ان کے بتوں کو دیکھتے تھے اب ان کو دکھانے کا حکم کیوں؟

جواب : ان کی خطائے عظیم کا اظہار مطلوب ہے اور انہیں مطلع کرنا ہے کہ ان کی رائے فاسد بالکل

باطل ہے۔

معنیٰ یہ ہے کہ اے مشرکو! مجھے وہ طریقہ بتاؤ جس سے تم نے اپنے بتوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملا دیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی تو مثل بھی کوئی شے نہیں ہے اور صرف وہی عبادت کا مستحق ہے اور تمہارے معبود ایک بیکار شے ہیں نہ وہ کسی شے کو پیدا کرتے ہیں نہ کسی کو رزق دیتے ہیں پھر عبادت کے مستحق کیسے ہوگئے! اس میں کفار و مشرکین پر الزام حجت کے بعد انہیں دلیل دے کر خاموش کرانا مطلوب ہے۔ کَلَّا یہ حرفِ ردع ہے یہ اس لیے لایا گیا ہے کہ پہلے جہاں ان کے قیاسات کو باطل قرار دیا گیا ہے تو ایسے ہی یہاں ان کے شریک بنانے کی خطا کا اظہار فرمایا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام نے پہلے اپنی قوم پر الزام حجت فرمایا پھر ان پر اظہارِ افسوس فرمایا۔ کما قال:

اف لکم ولما تعبدون۔

خلاصہ یہ کہ اے مشرکو! اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا اچھا نہیں بَلْ ھُوَ بلکہ صرف اللہ۔ یا یہ ضمیر شان کی ہے جیسے قل ھو اللہ احد میں ضمیرِ شان کی ہے اللّٰہُ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ○ اللہ تعالیٰ ہی غلبہ قاہرہ و حکمتِ باہرہ سے موصوف ہے۔ پھر تمہارے معبودوں کو اس سے کیا مناسبت جبکہ وہ تمام اشیاء سے خسیس و رذیل ترین ہیں۔ ان کو یہ بلند مرتبہ کہاں، اور اس کے بہت بلند مراتب کے مقابلہ میں کون شرکت کا دم بھر سکتا ہے! وحدہ لاشریک لہ اس کی صفت ہے۔ وہی فرد و متفرد ہے اس کی معرفت کے لیے شرک کو کیا دخل! اور عقل کو اس کی کُنہ تک پہنچنے کی رسائی کہاں! اور نہ ہی اس کی کبریائی و جلال کے لیے شرک کو کوئی مناسبت ہے، اسی لیے اس کے لیے شریک کا ہونا محال بلکہ ممتنع ماننا لازم ہے۔

ف: اسمِ "عزیز" کے معنے سے تمسک کرنے سے قربِ حق نصیب ہوتا ہے لیکن یہ تمسک اس وقت نصیب ہوتا ہے جب بندہ خلقِ خدا سے اپنی ہمت کو بلند کرے، اس لیے کہ انسان کی عزت اسی میں ہے۔

وظیفہ مجرب: جو شخص اس اسم کو چالیس مرتبہ روزانہ چالیس دن تک پڑھے تو اللہ تعالیٰ اسے معزز بنائے گا اور مخلوق میں اسے کسی کا محتاج نہیں بنائے گا۔

ف: اربعین ادریسیہ میں ہے:

یا عزیز المنیع الغالب علی امرہ فلا شئ یعادلہ۔

(اے عزیز! ہر شے اپنی حد پر رکھنے والا اور ہر شے پر غالب کوئی شے نہیں جو اس کی عدیل و مثیل ہو)

تباہی دشمن و جنگ میں فتح کا نسخہ حضرت سہروردی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو اس اسم کو مسلسل ایک ہفتہ ایک ہزار بار روزانہ پڑھے گا اس کا دشمن تباہ و برباد ہو جائے گا اگر لشکر جنگ میں پڑھ کر دشمنوں کی طرف دم کرے تو دشمن شکست کھا جائیں گے۔

ف: اسم حکیم سے تقرب کا یہ معنیٰ ہے کہ اس کی حکمت جملہ امور میں ملحوظ خاطر ہو اس کی حکمت کو اپنے ہر امر میں جاری رکھے وہ امر شرعی ہو یا عادی۔ ہاں اگر شرعی و عادی امور کا معارضہ ہو تو شرعی امور کو ترجیح دے۔

وظیفہ: اسم حکیم" کی مداومت سے ہولناک امور سے امان ملتی ہے اور حکمت کے دروازے کھلتے ہیں اس کے پڑھنے میں کثرت کی جائے تو جن ہولناکیوں سے خطرہ محسوس ہوگا وہ خطرہ ٹل جائے گا اور حکمت کے دروازے کھل جائیں گے۔ اور ہمارے لیے حکمت کا یہ معنٰے ہے کہ غایت احکام پر اشیاء کی معرفت و ایجاد فرمائے۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ حکمت کے دو مطلب ہیں:

(۱) حکیم کی حیثیت یہ ہو کہ وہ اشیاء کی حقیقت کو اسی طرح جانے جیسے وہ فی نفس الامر ہیں۔

(۲) اس سے افعال محکمہ کا صدور ہو۔ باقی تفصیل در معنٰے حکمت ہم نے سورۂ لقمان میں بیان کی ہے۔ علم و اجتہاد فی العمل اور اشیاء جیسی کہ وہ ہیں ان کی معرفت حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ - الارسال بمعنٰے بھیجنا **اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ** اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو رسول بنا کر نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں کے لیے آپ کی رسالت احمر و اسود کو محیط ہے کافۃ، کفٌّ سے ہے بمعنٰے المنع۔ اس لیے کہ جب رسالت ان سب کو عام و شامل ہو گئی تو گویا اس نے سب کو روک لیا کہ وہ رسالت کے گھیرے سے باہر نہ نکل سکیں کافۃ کا منصوب ہونا یا مصدر محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے ہے۔ اس معنے پر اس کی تا تانیث کی ہوگی اور للناس اسی کافۃ کے متعلق ہے اور یہ بھی ہے کہ کافۃ کاف سے حال ہو۔ اس معنیٰ پر اس کی تا علامۃ کی تا کی طرح مبالغہ کی ہو۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ ہم نے آپ کو کسی حال میں نہیں بھیجا مگر اس حال میں کہ ابلاغ کے معاملے میں سب کے جامع ہیں۔ ہم نے یہ معنیٰ اس لیے کیا کہ کف جمع کے معنے کو مستلزم ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ الکافۃ وہ ہے جو شے کو جمع کرکے اسے متفرق ہونے سے روکے مکفوف ۔۔۔ سے بمعنٰے اتنی وجہ معاش حاصل ہو کہ اسے کسی دوسرے کی محتاجی نہ ہو۔ ایسے

ہی کہا جاتا ہے :

کف یدک بمعنے ہاتھ اپنے ہاں کھینچ کر۔

اور الکافۃ للناس سے حال نہیں ہو سکتا اس لیے ذوالحال مجرور پر حال کی تقدیم ایسے ناجائز ہے جیسے مجرور کا جار پر۔

ف : امام راغب نے لکھا کہ الکاف یعنی وہ ذات جو امت کو معاصی سے روکتی ہے اس معنے پر تا مبالغہ کی ہو گی۔

بَشِيْرًا درانحالیکہ آپ خوشخبری سنانے والے ہیں یعنی اہلِ ایمان کو جنت کی اور عشاق کو دیدار کی خوشخبری سنانے والے ہیں **وَّنَذِيْرًا** درانحالیکہ کافروں کو نار سے اور منکرین کو حجاب سے ڈرانے والے ہیں **وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ** ○ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے اس لیے کہ ان کا جہل انہیں مخالفت و عصیان پر ابھارتا ہے۔ الناس کے تکرار میں نکتہ ہے اس لیے کہ جہالت سے ہی وہ ڈرانے کے مستحق اور نعمتِ بشارت اور نعمتِ رسالت سے محروم ہوئے اور یہی لوگ فضلِ الٰہی کو نہیں سمجھتے اور نہ ہی اس کی نعمت کا شکر کرتے ہیں اور یہی لوگ اگر علمِ حق سے نوازے جائیں تو خوشخبری کے مستحق اور بشارت و رسالت کی نعمت سے بھرپور ہوں۔ فضلِ الٰہی کا عرفان حاصل کرتے ہیں اور نعمتِ ربانی کا شکر ادا کرتے ہیں اس لیے کہ عقل جمیع امورِ دنیویہ و اخرویہ کے ادراک اور مضار و منافع کی تمیز میں عقل مستقل نہیں ہے۔ اسی لیے تبشیر و انذار کے معاملہ اور بیان مشکلات میں اہلِ وحی کے محتاج ہیں۔

ف : صاحبِ کشف الاسرار نے فرمایا کہ جملہ عالم حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے نوکروں کے جوتے کے تسمے کی گرد و غبار ہے اگرچہ بیگانے اور منکر آپ کو (معاذ اللہ) کاذب کہتے لیکن وحیِ غیب آپ کی سمعِ مبارک کی عاشق تھی اور جملہ عالم کے عقول آپ کی عقل کے نور کے ادراک سے عاجز ہیں لیکن بدقسمت کافر آپ کو (معاذ اللہ) دیوانہ کہتے تھے اور آپ کی نگاہِ کرم کی کنہ کو کوئی نہ پہنچ سکا اور پھر وہ نگاہ جس طرف اور جس پر اٹھی اسے اکسیر بنا دیا لیکن اندھے دشمن ہمیشہ اندھے رہے اسی لیے آپ کے عرفان سے محروم رہے۔

مسئلہ : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و بعثت کل عالم کائنات کے لیے عام تھی۔

حدیث شریف میں ہے :

فضلت علی الانبیاء بست اعطیت جوامع الکلم۔

(میں انبیاء پر چھ امور میں افضل ہوں!

(۱) میں جوامع الکلم بنایا گیا ہوں۔)

جوامع الکلم وہ ہیں جن کے کلمات قلیل لیکن ان کے معانی لاتعداد ہوں۔

(۲) و نصرت بالرعب۔

(میں رعب سے مدد دیا گیا ہوں)

یعنی اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی ہے کہ دشمنوں کے دلوں پر میرا خوف طاری ہو جاتا ہے۔

(۳) من مسیرۃ شہر بینی و بینہم۔

(میرے اور دشمن کے درمیان ایک ماہ کی مسافت ہے)

مہینے کی قید صرف اس لیے ہے کہ اس وقت آپ کے ساتھ جنگ لڑنے والے دشمنوں اور آپ کے درمیان صرف ایک ماہ کی مسافت کا فاصلہ تھا۔

(۴) و احلت لی الغنائم

(اور میرے لیے غنائم حلال کی گئیں)

یعنی اس سے قبل کی اُمتوں کا قاعدہ تھا کہ غنیمت سے حاصل ہونے والے جانور غنیمت حاصل کرنے والوں کی ملک ہوتے تھے ان میں سے انبیاء علیہم السلام کو حصہ نہیں ملتا تھا۔ یہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے کہ آپ غنیمت کے ہر مال سے پانچواں حصہ لیتے تھے ایسے ہی غنیمت سے آپ اپنی پسند کی چیز لے لیتے، یہ بھی آپ کے لیے روا تھا۔ دوسری اُمتوں کے لیے قاعدہ تھا کہ اموالِ غنیمت ایک جگہ جمع کر لیے جاتے جنہیں سفید آگ آکر جلا جاتی جس سے دھوکا سازی کا توہم نہ ہوتا۔ اور اس امت کا خاصہ ہے کہ وہ مال غنیمت جمع کر کے آپس میں تقسیم کریں، جیسے قربانی کا گوشت۔ یہ بھی ان کے رزق میں ایک اضافہ تھا ورنہ سابقہ امم اس سے محروم تھیں۔

(۵) وجعلت لی الارض طہورا و مسجدا۔

(اور میرے لیے تمام زمین پاک اور تمام زمین کو مسجد بنا دیا)

یعنی میری امت کے لیے تخفیف ہے کہ وہ روئے زمین پر جہاں چاہیں نماز پڑھیں ایسے ہی میری امت کے لیے مباح رکھا گیا کہ جب انہیں پانی میسر نہ ہو تو مٹی سے تیمم کر کے نماز پڑھ سکیں۔ امم سابقہ کے لیے سوائے عبادت گاہ کے اور کہیں نماز ادا کرنا جائز نہیں تھا اور نہ ہی انہیں پانی کے سوا دوسری شے سے طہارت جائز تھی۔

(۶) وارسلت الی الخلق کافۃ۔

(اور مجھے تمام مخلوق کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا)

یعنی میں نہ صرف اپنے ہم عصر لوگوں کا رسول ہوں بلکہ اگلے پچھلے تمام لوگوں کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں بخلاف نوح علیہ السلام کے کہ ان کی نبوت اگرچہ تمام رُوئے زمین والوں کے لیے تھی لیکن تھی محدود۔ انہی کے لیے تھی جو ان کے ہم زمان تھے۔

ف: انسان العیون میں ہے کہ لفظ خلق انس و جن اور ملائکہ بلکہ جملہ حیوانات و نباتات اور احجار کو شامل ہے۔ حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہی قول راجح ہے کہ آپ ملائکہ کے بھی رسول ہیں۔ میں نے خصائص کبریٰ میں اسی کو راجح لکھا ہے اور مجھ سے پہلے امام تقی الدین سبکی رحمہ اللہ نے بھی اسی کو راجح فرمایا (نبیوں کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) امام سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ نہ صرف مذکورہ بالا مخلوق کے نبی ہیں بلکہ آپ تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کے یہاں تک کہ آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام کے نبی ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسے ہی قیامِ قیامت تک آپ کی نبوت جاری رہے گی۔ اسی قول کو امام بارزی نے ترجیح دی ہے پھر اس کے بعد فرمایا کہ آپ جملہ حیوانات و جمادات بلکہ خود اپنی ذات کے بھی رسول ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

ایک ضعیف قول

ایک جماعت کہتی ہے کہ آپ ملائکہ کے رسول نہیں ہیں۔ اس جماعت میں حافظ عراقی اور جلال الدین محلی ہیں اس پر امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں اجماع نقل کیا ہے ایسے ہی اجماع کے ناقل برہان الدین نسفی ہیں۔ اس ضعیف قول پر آیت ارسلت الی الخلق اور آیت لیکون للعالمین نذیرا مخصوص عنہ البعض ہوگی۔

تنہا آدمی جماعت کی نیت کرے

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب کوئی کہیں اکیلا ہو اور جماعت کی نیت سے اقامت کہہ کر نماز پڑھے تو اس کے پیچھے اتنی کثیر تعداد میں فرشتے نماز پڑھتے ہیں کہ جس کے دونوں کناروں کو کوئی معلوم نہیں کر سکتا۔ وہ اس کے ساتھ رکوع و سجود کرتے ہیں۔ یہ اسی قاعدہ پر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ عام ہے جس میں ملائکہ بھی شامل ہیں۔

ولادتِ مبارکہ کی شان

فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جملہ مخلوق سے افضل ہیں اس لیے کہ آپ جملہ موجودات کی طرف نبی بن کر مبعوث ہوئے اس لیے آپ کی

تشریف آوری کی جملہ اہلِ ارض واہلِ سما نے خوشخبری سُنائی یہاں تک کہ جمادبھی فصاحت و بلاغت کے ساتھ بول رہے تھے :

فہو رحمۃ للعالمین ورسول الی الخلق اجمعین ۔

(وہ رحمۃ للعالمین اور جملہ خلق کے رسول ہیں صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت شیخ عطار قدس سرہٗ نے لکھا ؎

داعیِ ذرات بود آں پاک ذات
در کفش تسبیح آں گفتے حصات

ترجمہ : چونکہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ذرہٗ کائنات کے نبی ہیں اسی لیے آپ کے ہاتھ میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی ۔

کسی نے فرمایا ؎

ترا دادند منشورِ سعادت
وزاں پس نوعِ انساں آفریدند
پری را جملہ در خیل تو کردند
پس آنگاہے سلیماں آفریدند

ترجمہ : پہلے آپ کو سعادت کا منشور عطا فرمایا پھر نوعِ انسان کو بنایا دیو پری سب سے پہلے آپ کے نوکروں میں مقرر فرمائے پھر عرصہ بعد سلیمان علیہ السلام کو پیدا فرمایا ۔

ف : حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں آپ کے بعد نہ کوئی تشریعی نبی آسکتا ہے اور نہ ہی متابع اور ظلی ۔ (قادیانی کے چیلے صاحب روح البیان کے اس حوالے کو پڑھیں)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے وجود کی ماہیت جسے آپ نے کتم سے عالمِ وجود میں عبور فرمایا ہے کبھی وہ نوری ہے اور کبھی رُوحی ۔ لیکن ہماری طرف سے تو آپ کو بشیر بنایا گیا یا نذیر ۔ وہ بھی جملہ عالم کائنات کے لیے ۔ وہ اولین ہوں یا آخرین ، انبیاء ہوں یا مرسلین ۔ اگرچہ وہ ابھی پیدا ابھی نہ ہوئے انہیں آپ کا اُمتی اس لیے بنایا گیا کہ ابتدائے وجود میں وہ آپ کے محتاج ہیں اور وہ بھی نہ صرف ایک خاص مدت کے لیے بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ۔

اسی لیے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف الناس محتاجون الی شفاعتی حتی ابراھیم۔

(تمام لوگ میری شفاعت کے محتاج ہیں یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی)

کُن سے پہلے کون (ہم اہلِ سنّت کہتے ہیں حضور علیہ السلام کُن سے پہلے موجود تھے اسی لیے صاحب رُوح البیان رحمۃ اللہ نے یوں واضح فرمایا:)

فاما فی بدء وجودھم فالارواح لما حصلت فی عالم الارواح باشارۃ کن تابعۃ لروحک احتاجت الی ان تکون لہا بشیرا و نذیرا۔

بہرحال ابتداءِ حال میں عالمِ ارواح میں اشارۂ کُن سے ارواح پیدا ہوکر آپ کی رُوحِ اقدس کے تابع کیے گئے اسی لیے ان کو محتاجی ہوئی کہ آپ ان کے لیے بشیر و نذیر ہوں۔

اس لیے کہ ان کا تعلق اجسام سے ہونا تھا اس لیے کہ ارواح بالطبع علویہ لطیفہ نورانیہ ہیں اور اجسام بالطبع سفلیہ کثیفہ ظلمانیہ ہیں ان کو آپس میں کوئی مناسبت نہ تھی بلکہ یہ ایک دوسرے کی ضدیں ہیں ان کے لیے ایک بشیر کی ضرورت ہوئی تاکہ یہ دونوں آپس میں مل کر کمال حاصل کریں پھر وہ بشیر انھیں ایک دوسرے کے ساتھ اتصال کی ترغیب دے اور انھیں ایک نذیر کی محتاجی تھی تاکہ انہیں ڈرائے کہ اگر تم آپس میں متصل نہیں ہوگے تو کمال کو نہ پہنچو گے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ناقص رہو گے۔ اس کی مثال بیج کی ہے کہ اس میں بہت بڑے درخت کا وجود بالقوۃ موجود ہے اگر اس دانے کو کسان بوئے اور اسے پانی دے کر اس کی تربیت کرے تو وہ درخت جو بیج میں بالقوۃ موجود تھا اب بالفعل موجود ہو جائے گا، یہاں تک کہ اپنی پوری شکل و صورت اختیار کر کے پھل وغیرہ دے گا۔ ایسے ہی رُوح کو سمجھئے کہ وہ بمنزلہ کسان مربی کے ہے کہ جب اس کا تعلق جسم سے ہوتا ہے پھر وہ جسم رُوح سے پوری تکمیل پا کر اس کے اوصاف سے موصوف ہوتا ہے تو وہ بشیر کا محتاج ہوگا جو اسے اپنے مقامِ خاص تک پہنچا کر جنۃ نعیم کی بشارت دے اور اسے ایک ایسے ملک میں لے جائے جو دائمی ہو اس کے بعد حق تعالیٰ کا قرب بخشے گا اور اسے جمالِ الٰہی کا شوق دلائے گا بعد ازاں اسے وصالِ حق نصیب کرائے گا۔ ایسے ہی ایسے نذیر کی ضرورت ہے جو اسے پہلے نارِ جہنم سے ڈرائے پھر اسے بُعد عن الحق کا خوف دلائے پھر اسے ہجر و فراقِ حق کا ڈر سنائے۔

ہر گُل میں ہر شجر میں محمد کا نُور ہے (یہی شعر ہم اہلسنت کے بچے بچے کی زبان پر ہے جس پر مخالفین شرک وکفر کا فتویٰ لگاتے ہیں۔ چنانچہ صاحب روح البیان نے فرمایا:)

واذا امعنت النظر وجدت شجرة الموجودات منبتة من بذر روحه صلی اللہ علیہ وسلم وھو ثمرة ھذه الشجرة من جمیع الانبیاء والمرسلین وھم وان کانوا ثمرة ھذه الشجرة۔

اگر غور سے دیکھو تو تمہیں یقین ہوگا کہ جملہ موجودات کا درخت روح محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بیج سے پیدا ہوا ہے، آپ جملہ انبیاء ورسل علیہم السلام میں سے اس درخت کے بمنزلہ ہیں اور وہ انبیاء ورسل اسی شجر عظیم کے اثمار ہیں۔

لیکن یہ مرتبہ سب کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل نصیب ہوا جیسا کہ ایک ہی بیج کا اثر درخت پر پڑتا ہے تو بے شمار ثمرات ظاہر ہوتے ہیں جن کی اصل وہی ایک بیج ہے۔ ایسے ہی ہر بشیر و نذیر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشیریت و نذیریت کی فرع ہے۔ ہماری اس تقریر کی دلیل آیت وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعٰلمین ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمتِ کریمہ جملہ موجودات کے ذرے ذرے کو حاصل ہے ولکن اکثر الناس لا یعلمون میں اشارہ ہے کہ اکثر لوگ اگرچہ اسی درخت محمدی کی فرع ہیں لیکن چونکہ وہ مرتبۂ ثمر سے محروم ہیں اسی لیے وہ ہمارے بیان کردہ مضمون کی حقیقت سے ناآشنا ہیں اسی لیے کہ ثمرہ کے احوال کا علم صرف اسی درخت کو ہوگا جسے اسی درخت جیسا ثمر حاصل ہے۔

نداند آدم کامل جز آدم

(کامل آدمی کو کامل ہی جانتا ہے)

تفسیر عالمانہ وَيَقُوْلُوْنَ اپنی بہت بڑی جہالت اور سخت ترین گمراہی کی وجہ سے مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان سے استہزاء کرتے ہوئے کہتے ہیں مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ جس وعدہ سے تمہیں خوش کیا جاتا ہے اور جس عذاب سے ہمیں ڈرایا جا رہا ہے وہ کب ہے یعنی جس بہشت کی خوشخبری سنائی جاتی ہے اور جس دوزخ سے ڈرایا جاتا ہے وہ کہاں ہے اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ اگر تم اپنے دعویٰ وقوع و وجود میں سچے ہو قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! فرمایئے تمہارے لیے ایک وعدہ کا

دن ہے۔ اس سے بعث ونشور کا دن مراد ہے۔ المیعاد میں مصدر میمی ہے لَا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ جب اچانک آئے گی تو تم اسی میعاد سے پیچھے نہیں ہٹو گے۔ یہ جملہ میعاد کی صفت ہے سَاعَةً ایک گھڑی زمانہ کی۔ تھوڑی سی مقدار کو ساعۃ کہا جاتا ہے وَلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ۝ اور نہ ہی آگے ہو گے۔ الاستئخار پیچھے ہونا الاستقدام آگے ہونا۔ اس جواب میں تہدید کے متعلق مبالغہ ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ ارشاد ہوا کہ وقت موعود کا جیسے وقت سے پہلے آنا عقلاً ممتنع ہے ایسے ہی اس کا بعد کو ہونا بھی محال ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت ارباب طلب اور رتبہ قربیہ کے متعلق ان کی عجلت بازی کا بیان ہے وہ کہتے ہیں کہ جن وعدوں کی ہمیں بشارت سنائی گئی ہے وہ کب پورے ہوں گے اللہ تعالیٰ نے وقل لکم میعاد الخ میں انہیں ان کے سوال کے جواب سے نوازا کہ ہر درخت کے ثمر کا ایک وقت مقرر ہے وہ اپنے وقت پر درخت پر لگتا ہے پھر بڑا ہو کر پکتا ہے اور اپنے کمال کو پہنچتا ہے۔ ایسے ہی ہر سالک کے منزل سلوک کے طے کرنے کے دوران اوقات مقرر ہیں کہ وہ کب اپنی منزل مقصود اور رتبہ کمال کو پہنچتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ:

حتی اذا بلغ اشدہ وبلغ اربعین سنۃ۔

اسی راز کے تحت اپنے حبیب کریم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل۔

اس میں اشارہ ہے کہ ہر مقام و مرتبہ کو صبر سے حاصل کیا جا سکتا ہے چونکہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اولوا العزم رسل سے تھے اسی لیے آپ کو بھی اولوا العزم رسل کرام علیہم السلام کی طرح صبر کرنے کا حکم ہوا۔

حضرت مولانا رومی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

صبر آرد آرزو را نی شتاب
صبر کن واللہ اعلم بالصواب

ترجمہ: صبر سے بہت جلد آرزو پوری ہوتی ہے اس لیے تمہیں صبر کرنا چاہیے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن نُّؤْمِنَ بِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ وَلَوْ تَرَىٰ
إِذِ الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ عِندَ رَبِّهِمْ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ الْقَوْلَ يَقُولُ
الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لَوْلَا أَنتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ ○ قَالَ الَّذِينَ
اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا أَنَحْنُ صَدَدْنَاكُمْ عَنِ الْهُدَىٰ بَعْدَ إِذْ جَاءَكُم ۖ بَلْ
كُنتُم مُّجْرِمِينَ ○ وَقَالَ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَ
النَّهَارِ إِذْ تَأْمُرُونَنَا أَن نَّكْفُرَ بِاللَّهِ وَنَجْعَلَ لَهُ أَندَادًا ۚ وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا
رَأَوُا الْعَذَابَ وَجَعَلْنَا الْأَغْلَالَ فِي أَعْنَاقِ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا
يَعْمَلُونَ ○ وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ
كَافِرُونَ ○ وَقَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ○ قُلْ إِنَّ
رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ○

ترجمہ : اور کافر بولے ہم ہرگز نہ ایمان لائیں گے اس قرآن پر اور نہ ان کتابوں پر جو اس سے آگے تھیں اور کسی طرح تو دیکھے جب ظالم اپنے رب کے پاس کھڑے کئے جائیں گے ان میں ایک دوسرے پر بات ڈالے گا وہ جو دبے تھے ان سے کہیں گے جو اونچے کھینچتے تھے اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان لے آتے وہ جو اونچے کھینچتے تھے ان سے کہیں گے جو دبے ہوئے تھے کیا ہم نے تمہیں روک دیا ہدایت سے بعد اس کے کہ تمہارے پاس آئی بلکہ تم خود مجرم تھے اور کہیں گے وہ جو دبے ہوئے تھے ان سے جو اونچے کھینچتے تھے بلکہ رات دن کا داؤں تھا جبکہ تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ اللہ کا انکار کریں اور اس کے برابر والے ٹھہرائیں اور دل ہی دل میں پچھتانے لگے جب عذاب دیکھا اور ہم نے طوق ڈالے ان کی گردنوں میں جو منکر تھے وہ کیا بدلہ پائیں گے مگر وہی جو کچھ کرتے تھے اور ہم نے جب کبھی کسی شہر میں کوئی ڈر سنانے والا بھیجا وہاں کے آسودوں نے یہی کہا کہ تم جو لے کر بھیجے گئے ہم اس کے منکر ہیں اور بولے ہم مال اور اولاد میں بڑھ کر ہیں اور ہم پر عذاب ہونا نہیں۔ تم فرماؤ بے شک میرا رب رزق وسیع کرتا ہے جس کے لیے چاہے اور تنگی فرماتا ہے لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔

تفسیر عالمانہ وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اور کفار قریش مکہ نے کہا لَنْ نُّؤْمِنَ بِہٰذَا الْقُرْاٰنِ اس قرآن مجید پر جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے وَلَا بِالَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ اور نہ ان پہلی کتابوں پر جو قیامت پر دلالت کرتی ہیں جیسے توراۃ و انجیل۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ وہ آنکھ جو مملکت شیطان کے کام آئے وہ مجھے کب پہچان سکتی ہے اور وہ دل جو ابلیس کے تصرف سے ملوث ہو عزت قرآن کے جلال کو کیا سمجھے دل وہ ہو جسے امان الٰہی کی ضمانت اور حرم کرم حق کی پناہ نصیب ہو تب کہیں اسے راہ رسالت و نبوت حاصل ہو گی اور شمع وہ ضروری ہے جو زلال آب اقبال ازل صاف شفاف تاکہ قرآن کی عزت کو دیکھے اور آنکھ کفر کی غلاظت سے پاک اور خواب شہوت سے بیدار ہو تاکہ معجزات و بینات کو ملاحظہ فرمائے۔ اے جواں مرد! جو کوئی جمال نہیں رکھتا تو بادشاہ سے کس طرح محبت کرے گا اور اسے تڑپ کہاں تاکہ دشمن کو جلا سکے سہ

۱ در مصطبہا ہمیشہ فراشم من
شایستۂ صومعہ کجا باشم من

۲ ہر چند قلندری و قلاشم من
تخمے بامید درد می پاشم من

ترجمہ : (۱) ویرانوں میں ہمیشہ میرا بستر ہے میں عبادت گاہ کے لائق کب ہوں۔
(۲) قلندر و قلاش ہوں جیسا ہوں درد کا امیدوار ہوں مجھ پر بھی رحمت کا بیج ڈال دے۔

وَلَوْ تَرٰۤی یہ خطاب حضور علیہ السلام کو ہے یا اسے جو اس خطاب کے لائق ہے اِذِ الظّٰلِمُوْنَ جبکہ ظالمین یعنی قیامت کے منکر اور وہ ظالم اس لیے ہیں کہ انہوں نے اقرار کے بجائے انکار کو رکھا مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّہِمْ کھڑے ہوں گے یعنی محاسبہ کے میدان میں اپنی انگلیوں کے کناروں پر رب تعالیٰ کے قیدی ہو کر کھڑے ہوں گے۔ لَوْ کا جواب محذوف ہے لرأیت فظیعا شنیعا تو ایسا بڑا ہولناک معاملہ دیکھو گے جسے کوئی بیان نہیں کر سکتا۔

سوال : لَوْ کا قانون ہے کہ وہ ماضی پر داخل ہوتا ہے لیکن یہاں مضارع پر داخل ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب : مضارع کو ماضی قرار دے کر لَوْ لایا گیا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر خبر یقینی بلکہ قطعی ہوتی ہے اسی لیے اس کے وقوع کے تحقق میں ذرہ برابر بھی شک نہیں ہو سکتا یا رؤیت کو ایسے

طریق سے بیان کرنا مطلوب تھا کہ گویا مخالف کو اس امر کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔

یَرْجِعُ بَعْضُهُمْ یہ رجع یرجع رجعا بمعنے ردٌ ہے یعنی لوٹائے گا ان کا بعض اِلٰی بعض القول طرف بعض دوسرے کے اپنی بات کو یعنی گفتگو کریں گے تو ایسے معلوم ہو گا کہ آپس میں جھگڑ رہے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ تیزی سے بولیں گے۔ اس جملہ کو جملہ اول سے بدل بنایا گیا ہے یَقُوْلُ الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا الاستضعاف بمعنے کسی کو کمزور سمجھنا یعنی ان کے فرمانبردار (جنہیں انہوں نے دنیا میں نہایت کمزور سمجھ رکھا تھا) کہیں گے لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا انہیں جو دنیا میں بہت بڑے سرکش تھے یعنی عوام اپنے ان لیڈروں کو کہیں گے جنہیں دنیا میں سرکشی اور بڑائی کا دعویٰ تھا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت سے منہ موڑ رکھا تھا اور انبیا علیہم السلام پر نازل شدہ احکام کو قبول کرنے سے انکار کیا تھا اور عوام کو بہلا پھسلا کر گمراہی کے موڑ پر لے گئے تھے لَوْلَآ اَنْتُمْ اگر تم ہمیں گمراہ نہ کرتے اور نہ ہی تم ہمیں ایمان قبول کرنے سے روکتے لَكُنَّا مُؤْمِنِیْنَ ○ تو ہوتے ہم مومن یعنی تم نے ہی ہمیں ایمان اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روکا۔ اس کے بعد گویا کسی نے سوال کیا کہ پھر لیڈر عوام کو کیا جواب دیں گے؟ تو فرمایا: قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا کہیں گے لیڈر عوام کو، اس سے منکرین مراد ہیں اس لیے کہ انہوں نے ہی اپنے عوام کو ایمان سے روکا تھا اور عوام نے اپنے لیے ایمان کا اثبات کیا اَنَحْنُ کیا ہم نے صَدَدْنٰكُمْ تمہیں روکا اور پھیرا تھا عَنِ الْهُدٰى ہدایت سے یعنی ایمان و ہدایت کے قبول کرنے سے بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ اس کے بعد جبکہ تمہارے ہاں ہدایت آئی یعنی ہم نے تمہیں ایمان سے نہیں روکا تھا۔ یہ اس محاورہ سے ہے جو کہ اہلِ عرب نے کہا:

ما انا قلت هذا۔

اس سے قائل کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ میں نے تو نہیں کیا کسی دوسرے نے کیا ہوگا۔ اس لیے قاعدہ ہے کہ استفہام انکاری جب ضمیر پر داخل ہوتا ہے تو متکلم سے فعل کی نفی کرکے اس کے غیر کے لیے اثبات کرتا ہے کما قال تعالیٰ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِیْنَ ○ بلکہ تم مجرم ہو۔ یعنی یہ جرم تمہارا اپنا ہی ہے اسی جرم کے سبب سے تم نے خود ہی اپنے آپ کو قبولِ ایمان سے روکا تھا اور اپنے آباؤ اجداد کی تقلید کو اختیار کیا تھا۔

ف: اس میں کفار کو تنبیہ ہے کہ دنیا میں تمہاری ایک دوسرے کی طاعت و فرمانبرداری قیامت میں تمہاری آپس کی عداوت کا سبب بنے گی بلکہ تم ایک دوسرے سے بیزاری کا اظہار کرو گے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا پھر عوام لیڈروں کو ان کی مذکورہ بالا تقریر کا جواب دیتے ہوئے کہیں گے۔ یعنی وہ لوگ جنہیں کفار نے اپنے سے کمزور سمجھ رکھا تھا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا اس کا عطف جملہ مت، انفر پر ہے ان کے اعراض سے اعراض اور اس کا ابطال کرتے ہوئے کہیں گے بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ المکر بمعنے کسی کو دھوکا سے اس کے مقصد سے پھیر لینا یعنی ہمیں ایمان سے تمہارے اس مکر و فریب نے روکا جو تم نے دن رات ہمارے ساتھ کیا اور تمہاری وہ ترغیب و تحریص جس سے ہم کفر اور معاصی میں پھنسے۔ یہاں مضاف الیہ کو حذف کر کے ظرف کو اس کے قائم مقام کھڑا کیا گیا ہے اس لیے کہ ظرف میں وسعت ہے یعنی ظرف میں وسعت رکھی گئی ہے کہ وہ مفعول بہ کے قایم مقام کھڑا ہو سکتا ہے جیسے اہل عرب کہتے ہیں:

یا سارق اللیلة اهل الدار۔

(اے رات کو اہل دار کی چوری کرنے والے)

یا مجازاً رات اور دن کو مکر کرنے والا بنایا ہے اِذْ تَاْمُرُوْنَنَا یہ مکر کی ظرف ہے یعنی تمہارا مکر دائمی تھا جبکہ تم ہمیں حکم فرماتے اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗۤ اَنْدَادًا یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کریں اور اس کے ساتھ شریک بنائیں اور کہتے پھریں کہ اللہ تعالیٰ کے اور بھی شریک ہیں۔

ف: مکرھم یا فی الواقع مکر و فریب مراد ہے جیسے ہم نے بیان کیا۔ جیسے دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یا قوم اذکروا نعمة اللّٰہ علیکم اذ جعل فیکم انبیاء وجعلکم ملوکا۔

اس لیے کہ ان میں انبیاء اور بادشاہ بنانا دونوں نعمتیں ہیں یا ان کے علاوہ اور امور جن سے وہ لوگ عوام کو اپنے دام تزویر میں پھنسا لیتے تھے پھر ان کی ترغیب و ترہیب کر کے ان سے کفر و شرک کا ارتکاب کراتے وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ اور انہوں نے ندامت کو دل میں چھپایا جب عذاب الٰہی دیکھا۔

حل لغات الندامة بمعنے التحسر فی امر فات یعنی کسی معاملہ کے رہ جانے سے حسرت کرنا یعنی دونوں کفار و مشرکین کے لیڈروں اور عوام نے اپنے فعل ضلال و اضلال کو دل میں چھپایا جب انہیں ندامت سے کوئی فائدہ نہ ہوا یعنی ایک دوسرے کی ملامت سے بچنے کے لیے دل ہی دل میں نادم ہوئے یا اسروا بمعنے اظہروا ہے اس لیے کہ اسرار لغات اضداد سے ہے ایسے ہی افعال کا ہمزہ ہر دو یعنی اثبات و سلب کا فائدہ دیتا ہے جیسے اشکیتہ بمعنے میں نے اس

شکایت کو دور کیا۔ یہاں یہی معنیٰ ان کے حال کی مناسبت سے زیادہ ظاہر ہے۔

وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِیْٓ اَعْنَاقِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ؕ اور ہم اپنے گلے میں طوق ڈالیں گے۔ اہل عرب کہتے ہیں:

فی رقبتہ غل من حدید۔

(اس کے گلے میں لوہے کی زنجیر ہے)

یعنی غل بمعنے قید و طوق ہے۔ الغل شے کے توسط کو کہتے ہیں، اس لیے جاری پانی کے درمیان کو غل کہا جاتا ہے اب صرف اس شے کو کہا جاتا ہے جس سے کسی شے کو باندھا جائے۔ بیڑی یا لوہے کی زنجیر جس عضو پر باندھی جاتی ہے چونکہ عضو زنجیر یا بیڑی کے درمیان آجاتا ہے اسی لیے اسے غل سے تعبیر کیا گیا کما فی المفردات۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم قیامت میں ان لوگوں کی گردنوں میں لوہے کی زنجیریں ڈالیں گے جن کے پاس دنیا میں حق آیا تو انہوں نے اسے ٹھکرایا خواہ خود بخود گمراہ ہوئے یا کسی کی ترغیب و ترہیب سے چونکہ اس کا تحقق یقینی ہے اسی لیے مضارع کو ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور یہاں پر اسم ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لانے میں ان کی مذمت کو واضح اور انہیں متنبہ کرنا مطلوب ہے ورنہ فی اعناقھم کہنا تھا هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ یعنی انہیں یہ عذاب صرف اسی وجہ سے ہوگا جو انہوں نے دُنیا میں کفر و شرک و دیگر معاصی و جرائم کا ارتکاب کیا اور یہ عبارت دراصل بما کانوا یعملون تھی باء جارہ کو حذف کیا گیا ہے۔

نکتہ: ان کے گلے میں طوق ڈالنے میں نکتہ یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے دنیا میں اپنے آپ کو شہوات نفسانی اور تسویلات یعنی مکر و فریب شیطانی جکڑ دیا تھا اسی مناسبت سے قیامت میں انہیں زنجیروں سے جکڑا جائے گا۔

مسئلہ: غلام (ایسے ہی شاگرد، مرید یا دوسرے کسی سزا یافتہ) کو زنجیروں سے جکڑنا مکروہ ہے اس لیے کہ یہ سزا آخرت کے ساتھ مخصوص ہے۔

ف: قہستانی نے لکھا کہ طوق اس زنجیر کو کہا جاتا ہے جس سے ہاتھوں کو باندھ کر گردن کے ساتھ ایسا مضبوط جکڑا جائے کہ جس سے مجرم سر نہ ہلا سکے اور دنیا کے ظالم عام طور پر ایسے کرتے ہیں۔

ف: بعض فقہاء نے فرمایا کہ اگر غلام کے بھاگنے کا شدید خطرہ ہو تو پھر اسے زنجیروں سے

باندھنا جائز ہے۔ کما فی الکبریٰ۔

مسئلہ: اگر کوئی غلام بھاگ جاتا ہو یا کوئی شخص فساد پھیلاتا ہو تو اسے جکڑنا جائز ہے تاکہ وہ بھاگ نہ سکے اور فسادی فساد نہ کر سکے اور اس طرح سے اپنا مال و اسباب بچایا جا سکے لیکن ایسے لوگوں کو رسّی وغیرہ سے باندھا جائے۔

مسئلہ: نصاب الاحتساب کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی سے جرم ثابت ہو جائے یا وہ خیانت کرے تو اس کے پاؤں میں رسّی باندھ کر اسے قید کرنا جائز ہے یہ ادب القاضی میں ہے اور لفظ اطاقۃ کے بجائے اطافۃ (بالفاء) بھی آیا ہے بمعنے عوام میں اس کے جرم کی تشہیر کرنا تاکہ آئندہ وُہ ایسا جرم نہ کرے۔ یاد رہے کہ ادب القاضی امام خصاف کی تصنیف ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْيَةٍ کشف الاسرار میں ہے کہ قریہ شہر کو کہتے ہیں اس لیے کہ وہ لوگوں کو اپنے اندر جمع کرتا ہے القریٰ سے ہے بمعنے جمع کرنا یعنی ہم نے کسی شہر میں نہیں بھیجا مِّنْ نَّذِيْرٍ کوئی نبی ڈرانے والا جو ان شہر والوں کو عذابِ الٰہی سے ڈرائے اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ المترف بمعنی المکرم وُہ شخص جس کے ہاں دُنیوی عیش و عشرت کے اسباب وافر ہوں یہ اترفہ (بالضم) سے ہے بمعنے التوسع۔ اہل عرب کہتے ہیں:

اترفہ ای انعمہ (فلاں نے فلاں کو نعمت سے نوازا) و اترفتہ النعمۃ یعنی فلاں کو دنیا کی وفرت نے گمراہ کیا۔

یعنی شہر کے بڑے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں نے رسل کرام علیہم السلام کو کہا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ بے شک جو کچھ تم اپنے گمان پر احکام توحید و ایمان لائے ہو ان سے كٰفِرُوْنَ ○ اس میں انکار رب جمع ارسلتم کے مقابلے میں جمع کافرون لایا گیا ہے۔

مسئلہ: آیت میں حضور علیہ السلام کو تسلی دی گئی ہے کہ اے میرے محبوب مدنی صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ گزشتہ میں ایسے ہی نبیوں اور گستاخوں نے کیا آپ کی قوم کے لیڈر جو کچھ کرتے ہیں، تو غم نہ کھائیے۔

سوال: آیت میں سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی تخصیص کیوں؟

جواب: چونکہ عوام ہمیشہ اپنے لیڈروں کی اتباع میں غلطیوں کا ارتکاب کرتے ہیں اسی لیے لیڈروں کے ضمن میں عوام خود بخود مذکور ہو گئے یا اس لیے کہ تکذیب و انکار کا بڑا داعی دراصل دنیا و دولت اور جاگیرداری اور سرمایہ داری ہے۔ اس کی وجہ سے پھر عوام بھی انکار و تکذیب کرتے ہیں۔

وَقَالُوْا اور اُن کافروں نے اپنی دنیا و دولت کی رونق یا ان امور سے جن کی وجہ سے دنیا میں فتنہ میں پڑے فقرا اور غربا عوام کو کہا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا دنیا میں مال و اولاد میں ہم تم سے زیادہ ہیں وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ○ اور اگر آخرت میں کوئی عذاب نازل ہوا بھی تو ہمیں نہیں ہوگا اس لیے کہ جیسے دنیا میں معزز و مکرم کیا جائے گا سے آخرت میں ذلیل و خوار نہیں کیا جائے گا قُلْ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کافروں کے رد میں فرمائیے اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ بے شک میرا پروردگار رزق کی وسعت بخشتا ہے لِمَنْ یَّشَآءُ جس کے لیے وسعت چاہتا ہے وہ مومن ہو یا کافر وَیَقْدِرُ جس کی روزی تنگ کرنا چاہتا ہے تو اس کی روزی تنگ کرتا ہے، وہ مومن ہو یا کافر۔ یہ اس کی اپنی مرضی پر ہے اور اس میں ہزاروں حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ اس سے یہ نہ کہا جائے کہ کسی کو رزق میں وسعت ملی ہے تو فلاں نیکی سے، یا کسی کی روزی تنگ ہے تو فلاں برائی سے۔ کیونکہ رزق کی وسعت اور تنگی کا دارومدار نیکی اور برائی سے متعلق نہیں۔ نہ کسی کو نیکی کی وجہ سے دنیوی اعزاز بخشا جاتا ہے اور نہ ہی کسی برائی سے کسی کی اہانت کی جاتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

الدنیا عرض حاضر یاکل منها البر والفاجر والآخرة وعد صدق یحکم فیها ملک قاهر۔

(دنیا ایک دسترخوان کی طرح ہے اس سے ہر نیک و بدکھا رہا ہے اور آخرت کا وعدہ سچا ہے وہاں اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے جس طرح چاہے گا فیصلہ فرمائے گا)

ع

ادیم زمین سفرۂ عام او ست
برین خوان یغما چہ دشمن چہ دوست

ترجمہ: زمین کا ٹکڑا اس کا عام دسترخوان ہے اس غنیمت کے دسترخوان پر دشمن دوست برابر ہیں۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لیکن اکثر لوگ۔ اس سے اہل غفلت اور خسارے والے لوگ مراد ہیں لَا یَعْلَمُوْنَ ○ اللہ تعالیٰ کے رزق گھٹانے بڑھانے کی حکمت سے بے خبر ہیں ان کا گمان ہے کہ رزق کی وسعت شرافت و کرامت سے اور روزی کی تنگی ذلت و خواری کی وجہ سے ہے حالانکہ وہ اس سے بے خبر ہیں کہ اللہ تعالیٰ کبھی کسی کو رزق وافر دیتا ہے تو وہ وسعت اس بندے کے لیے آزمائش

(باقی صفحہ ۴۰۹ پر)

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ
صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِى الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ○ وَ
الَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِى الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ○ قُلْ اِنَّ
رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ
فَهُوَ يُخْلِفُهٗ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ○ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ
اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ○ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ
كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ○ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ
لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ
بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ○ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ
اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى وَ
قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ وَمَآ
اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ○ وَكَذَّبَ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ فَكَيْفَ
كَانَ نَكِيْرِ ○

ترجمہ: اور تمہارے مال اور اولاد اس قابل نہیں کہ تمہیں ہمارے قریب تک پہنچا دیں مگر
وہ جو ایمان لائے اور نیکی کی ان کے لیے دونا دوں صلہ ان کے عمل کا بدلہ اور وہ بالاخانوں میں
امن و امان سے ہیں اور وہ جو ہماری آیتوں میں ہرانے کی کوشش کرتے ہیں وہ عذاب میں
لا دھرے جائیں گے تم فرماؤ بے شک میرا رب رزق وسیع فرماتا ہے اپنے بندوں میں جس کے لیے
چاہے اور تنگی فرماتا ہے جس کے لیے چاہے اور جو چیز تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو وہ اس کے
بدلے اور دے گا اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا اور جس دن ان سب کو اٹھائے گا
پھر فرشتوں سے فرمائے گا کیا یہ تمہیں پوجتے تھے وہ عرض کریں گے پاکی ہے تجھ کو تو ہمارا دوست

نہ ہو بلکہ وہ جِنّوں کو پُوجتے تھے ان میں اکثر انہیں پر یقین لاتے تھے تو آج تم میں ایک دوسرے کے بھلے بُرے کا کچھ اختیار نہ رکھے گا اور ہم فرمائیں گے ظالموں سے اس آگ کا عذاب چکھو جسے تم جھٹلاتے تھے اور جب ان پر ہماری روشن آیتیں پڑھی جائیں تو کہتے ہیں یہ تو نہیں مگر ایک مرد کہ تمہیں روکنا چاہتے ہیں تمہارے باپ دادا کے معبودوں سے اور کہتے ہیں یہ تو نہیں مگر بہتان جوڑا ہُوا اور کافروں نے حق کو کہا جب ان کے پاس آیا یہ تو نہیں مگر کھلا جادو اور ہم نے انہیں کچھ کتابیں نہ دیں جنہیں پڑھتے ہوں نہ تم سے پہلے ان کے پاس کوئی ڈر سُنانے والا آیا اور ان سے اگلوں نے جھٹلایا اور یہ اس کے دسویں کو بھی نہ پہنچے جو ہم نے انہیں دیا تھا پھر انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا تو کیسا ہُوا میرا انکار کرنا۔

(صفحہ ۳۹۶ سے آگے) ہوتی ہے۔ ایسے ہی اپنے بعض بندوں کے لیے رزق کی کمی کر کے ان کے درجات بلند فرماتا ہے۔ جناب صائب نے فرمایا: ؎

نفس را بدخو بناز و نعمت دنیا مکن

آب و نان سیر کاہل میکند مزدور را

ترجمہ: نفس بد کو دُنیا کے ناز و نعمت کا خُوگر نہ بنا۔ پیٹ بھر کر کھانا مزدور کو کاہل سُست بنا دیتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَا اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جملہ مستانفہ ہے یعنی اے لوگو! تمہارے مال اور اولاد نہیں ہے بِالَّتِیْ۔

سوال: اسم موصول مونث کیوں؟

جواب: جمع مکسر مطلقاً تانیث کے حکم میں برابر ہوتے ہیں یا اس کا موصوف محذوف ہے۔ وہ الخصلت ہے موصوف محذوف کی وجہ سے موصول کو مونث لایا گیا ہے۔

تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰى۔ زلفی کا منصوب مفعول مطلق کی وجہ سے ہے اس لیے کہ یہ تقریب کے معنی میں ہے۔ مزید کے باب سے مجرد مصدر مفعول مطلق آتا ہے جیسے انبت نبا تا۔ الزلفی اور الزلفۃ القربۃ ۔۔ تقربۃ تا ایک معنی ہے۔

ف: اخفش نے فرمایا کہ زلفی اسم مصدر ہے گویا فرمایا کہ التی تقربکم عندنا تقریبا۔

إِلَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا یہ تقربکم سے مستثنیٰ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تمہیں ہمارا قرب نہ تمہارے اموال سے حاصل ہوگا نہ تمہاری اولاد سے۔ ہاں مومن اور نیک عمل کرنے والوں کو قرب نصیب ہوتا ہے۔ صالح سے وہ مومن مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرے اور اپنی اولاد کو نیکی سکھائے اور صلاح و طاعت کی تربیت کرے یا من مبتدا ہے اور اس کا مابعد اس کی خبر ہے کما فی الکواشی۔ اس معنی پر یہ استثناء منقطع ہوگا کما فی فتح الرحمٰن۔ فَأُولَٰئِكَ پس وہی مومن نیک عمل کرنے والے لَهُمْ جَزَاءُ الضِّعْفِ ان کے لیے دوہری جزا ثابت ہے۔ لہم جار مجرور سے مل کر اپنے مابعد کی خبر ہے پھر جملہ اولئک کی خبر ہے جزاء مضاف الضعف مضاف الیہ۔ اور یہ اضافۃ المصدر الی المفعول کے قبیل سے ہے۔ یہ دراصل فاولئک لہم ان یجازوا الضعف ثم جزاء الضعف تھا۔ ثم جزاء الضعف جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انہیں ایک نیکی کے بدلے میں دس نیکیوں کا ثواب نصیب ہوگا بلکہ بہت سے خوش قسمت ایسے بھی ہوں گے جن کے ثواب کا اضافہ اس سے مزید یہاں تک کہ بعض حضرات کو ایک نیکی کا سات سو نیکیوں کے برابر ثواب ملے گا۔ بلکہ ایسے بھی ہیں جنہیں ایک نیکی کے بدلے میں ان گنت ثواب ہوگا بِمَا عَمِلُوا بسبب اس کے کہ انہوں نے نیک عمل کئے۔ وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ اور وہ جنت کے بالاخانوں میں ہوں گے یعنی انہیں اونچے محلات اور کئی منزلے مکانات نصیب ہوں گے۔

حلِ لغات الغرفات غرفۃ کی جمع ہے گھر کے بالاخانہ کو کہا جاتا ہے یعنی مکان کی اوپر کی منزل۔

آمِنُونَ ○ جمیع تکالیف و آفات جیسے موت، بڑھاپا، مرض، خوفِ اعداء وغیرہ سے بے خوف ہوں گے۔

ف: آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب نہ مال سے ملتا ہے نہ اولاد سے، اگرچہ لوگوں کے نزدیک یہی چیزیں محبوب و مرغوب ہیں۔ حالانکہ یہ چیزیں اکثر اللہ تعالیٰ سے دوری کا سبب بنتی ہیں۔ انہی کی محبت کو غیر اللہ کی محبت سے تعبیر کیا جاتا ہے اس لیے کہ ان کی محبت انسانوں کو اندھا کر دیتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

حبك الشيء يعمي ويصم۔

(تجھے کسی کی محبت اندھا اور بہرہ کر دے گی)

یعنی اس چیز کی محبت سے نہ دوسروں کو دیکھ سکو گے اور نہ ہی دوسروں کی دعوت کو قبول کرو گے۔
اور یہی باری تعالیٰ سے کمالِ بُعد کی علامت ہے اور کمالِ بُعد اندھا اور بہرہ بنا دیتا ہے۔

تقربِ الٰہی کے اسباب

تقربِ الٰہی کے اسباب درج ذیل ہیں:

(۱) اعمالِ صالحہ
(۲) احوالِ صافیہ
(۳) انفاسِ زاکیہ
(۴) عنایتِ سابقہ
(۵) رعایتِ صادقہ

جنہیں مندرجہ بالا اسباب میسر ہیں وہی بلند درجات کے مالک ہوتے ہیں۔ وہی ہجر و فراق دائمی سے محفوظ ہوتے ہیں اور جنہیں یہ اسباب حاصل ہوں وہ ایسے امور سے خوشی زندگی بسر کرتے اور ان پر فخر و ناز کرتے ہیں وہ انہیں قیامت میں کوئی فائدہ نہ دیں گے ان سے وہ اہلِ غفلت دنیوی امور میں منہمک رہتے تھے ان کے لیے تنزلات اور جمیع حالات میں خوف غالب ہوگا۔ صائب نے فرمایا! ؎

نمیدانند اہلِ غفلت انجام شراب آخر
بآتش می روند این غافلان از راہ آب آخر

ترجمہ: اہلِ غفلت خراب کا انجام نہیں جانتے ایسے غافل پانی سے آگ میں ہی جاتے ہیں۔

حکایت

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ نے کسی سے پوچھا کہ تمہیں بیداری میں اگر ایک درہم میسر ہو وہ تمہیں محبوب ہے یا خواب میں ایک دینار؟ اس شخص نے جواب دیا کہ مجھے جو خواب میں ایک دینار ملے گا وہی میرے نزدیک محبوب تر ہے (اس سے اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ دنیا سے محبت نہیں رکھتا) حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو اس لیے کہ جو شے بیداری میں محبوب ہوگی وہی خواب میں بھی محبوب ہوگی۔ ایسے ہی جو شے آخرت کے لیے محبوب نہیں وہ بیداری میں بھی محبوب نہیں ہوگی۔

فقرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں آپ کے دولتکدہ پر حاضر ہوئے۔ آپ کے گھر کی چھت بہت نیچی تھی۔ آپ اس وقت خواب سے بیدار ہوئے تھے۔ آپ کے جسم اطہر پر

چٹائی کے نشانات موجود تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، سرکار! یہ کیا۔ (یعنی آپ تو کائنات کے آقا ہیں اور یہ معمولی مکان، آپ کے لیے تو بہترین عمارت ہونی چاہیے) حضور علیہ السلام نے فرمایا "اے عمر! چٹائی کے نشانات تو پھر بھی آسان ہیں آنے والے ٹھکانے میں اگر اتنا بھی مل جائے تو غنیمت ہے۔ میرے حجرے کی چھت تو بہت اونچی ہے قبر کی چھت تو اس سے کہیں زیادہ نیچی ہوگی، ہم نے دُنیا دنیاداروں کے لیے چھوڑ دی اور انہوں نے ہمارے لیے آخرت چھوڑ دی۔ ہم جیسے دنیا میں ایسے بسر کرتے ہیں جیسے موسمِ گرما کا سوار کہ جیسے وُہ چاہتا ہے کہ سفر جلد طے ہو تاکہ سایہ کے نیچے جا کر آرام سے بیٹھے"۔

سبق عاقل وُہ ہے جو زینتِ دنیا سے دھوکا نہیں کھاتا اور وہ اپنے مالک و مولیٰ کی مرضی کے لیے جد و جہد کرتا ہے۔

ہر کہ کوتہ کند بدنیا دست

پر برآرد چو جعفر طیار

ترجمہ: جو بھی دنیا سے اپنا ہاتھ کوتہ کرتا ہے اسے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی طرح پر نصیب ہوں گے۔

اولیٰ یہی ہے کہ آخرت کی باقی رہنے والی نعمتوں کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اور دُنیوی فانی نعمتوں کو ترک کر دینا لازم ہے۔

حکایت ایک بادشاہ کو ایک وزیر سے بہ نسبت دوسرے وزیروں کے زیادہ محبت تھی۔ اس وزیر پر دوسرے وزراء حسد کرنے لگے اور طرح طرح کے طعن اور بہتان تراشیاں شروع کر دیں۔ بادشاہ نے چاہا کہ اس وزیر کا جوہر ظاہر کرے۔ چنانچہ ایک دفعہ اس نے ان سب کو اپنے شاہی مکان میں بلایا اور فرمایا کہ میرے خزانے سے جو کچھ چاہو لوٹ لو۔ کسی نے جواہرات اٹھائے کسی نے موتی، کسی نے کوئی اور چیز بیش قیمت۔ جس وزیر سے دوسرے وزیروں کو حسد تھا اس نے بادشاہ کا دامن پکڑ لیا اور کہا مجھے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں مجھے تو صرف آپ کی ضرورت ہے کیونکہ میرے نزدیک آپ سے زیادہ قیمتی اور کوئی شے نہیں۔

سبق اس دُنیا میں انسان امتحان کے لیے آیا ہے اور یہ دنیا بہت سی اعلیٰ چیزوں سے مزین ہے اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو فرمایا اس میں سے جو شے تمہیں اچھی لگتی ہے وہ لے لو۔ پھر اس دنیا کو دُلہن کی طرح سنوار دیا جس نے اس میں جی لگایا وُہ اپنے مالک و

مولیٰ سے دور ہو گیا اور اپنی غفلت عقل سے وادی دنیا میں پھنس گیا۔ اسے نہ مالک و مولیٰ یاد رہا نہ دارِ آخرت۔ اے بھائی! آج فرصت کے ایام ہیں ان میں آخرت کے سفر کے لیے زادِ راہ تیار کر لو ۔

از رباطِ تن چو بگذشتی دگر معمورہ نیست

زادِ راہے بر نمی داری ازیں منزل چرا

ترجمہ: جسم کی رباط سے جب گزرو گے اس کے بعد اور کوئی منزل نہیں ملے گی پھر یہاں سے زادِ راہ اٹھا کر کیوں نہیں جاتے!

دُعا: ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگتے ہیں کہ اپنے غیر سے ہماری امیدیں مطلقاً منقطع کر دے اور ہمارے عزائم اپنی طرف پھیر دے اور ہماری توجہ اپنی طرف لگا دے۔

وَالَّذِیْنَ یَسْعَوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا اس سے کفارِ قریش مراد ہیں یعنی وہ لوگ جو ہماری آیات قرآنیہ کے رد کرنے اور ان پر طعن و تشنیع کرنے اور ان کے ابطال میں جد و جہد کرتے ہیں مُعٰجِزِیْنَ درانحالیکہ وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہمیں عاجز کر دیں گے اور سمجھتے ہیں کہ وہ ہماری گرفت سے بچ جائیں گے اور انہیں اس مقابلہ پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ تاج المصادر میں ہے المعاجزۃ بمعنے کسی کام میں کسی پر غلبہ پانا۔ اس کی تحقیق اوائل سورۃ میں گزری ہے۔ اُولٰٓئِكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ۝ یہ الاحضار سے ہے بمعنے حاضر کرنا۔ یہی لوگ عذاب الٰہی میں حاضر کیے جائیں گے یعنی اللہ تعالیٰ سے چھپ نہیں سکیں گے اور جن امور پر انہیں اعتماد ہے قیامت میں وہ انہیں کوئی فائدہ نہیں دیں گے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا وعلیہم السلام کا احترام نہیں کرتے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے حقوق کی رعایت کرتے ہیں ایسے لوگ انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا وعلیہم السلام پر اعتراض کرنے کے عذاب میں مبتلا ہیں اور محارمِ الٰہی کے ارتکاب کی وجہ سے اپنی نحوست میں مبتلا رہیں گے ایسے لوگ حق تعالیٰ کی نظرِ عنایت سے گر جاتے ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

چوں خدا خواہد کہ پردۂ کس درد

میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کسی کا پردہ فاش کرتا ہے اس کا میلان نیک لوگوں پر طعن و تشنیع کی طرف ہو جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ فرمایئے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک میرا پروردگار اپنے بندوں میں جس کا رزق وسیع کرنا چاہتا ہے وَیَقْدِرُ لَهٗ اور پھر اس کا رزق کم کرنا چاہتا ہے تو کم کر دیتا ہے یہ اس کی آزمائش اور حکمت ہوتی ہے۔

ازالہ وہم یہ مضمون ایک شخص کے لیے ہے۔ پہلا مضمون دو شخصوں کے لیے تھا۔ اس معنے پر مضمون میں تکرار نہ ہوا۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ ما موصولہ بمعنے الّذی مبتدا اس کی خبر فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ہے یا شرطیہ بمعنے اَیُّ شَیْءٍ ہے اور ما انفقتم کی وجہ سے منصوب ہے اور من شیءٍ اس کا بیان ہے اور جواب شرط فهو یخلفه ہے۔ الانفاق بمعنے خرچ کرنا۔ اہل عرب کہتے ہیں:

نفق الشیئ بمعنے مضی و نفد یا بیچنے سے، جیسے نفق البیع نفاقا۔ یا موت سے، جیسے نفقت الدابة نفوقا یا فنا سے نفقت الدراهم تنفق۔ و انفقتها' الاخلاف بمعنے مال اور فرزند سے بدل دینا۔ اس کا صلہ لام اور علیٰ دونوں آتے ہیں۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کی کوئی شے ضائع ہو جائے تو اس کے بدلے میں دوسری شے دی جائے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ شے یا جو شے تم طاعت الٰہی طریق خیر اور نیکی میں خرچ کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا بدل اور عوض عطا فرمائے گا یا تو دنیا میں مال سے یا قناعت سے اور یہ وہ مال ہے کہ ختم ہونے کا نہیں یا آخرت میں ثواب اور بہشت کی نعمتوں سے یا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی فلہٰذا فقر سے نہ ڈرو اور جی بھر کر اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرو اور اللہ تعالیٰ کے الطاف کریمانہ کا انتظار کرو خواہ جلد یا بدیر۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وما انفقتم اور جو تم خرچ کرو گے موجود یا وجود سے تو وہی اس کا بدل دے گا یعنی وجود فانی کے عوض موجود اور وجود مجازی کے بدلے میں وجود حقیقی عطا ہوگا دنیا کا بدل یہ ہے کہ دنیا کو ٹھکرا اور فقر و فاقہ پر راضی ہونا اور ظاہر آ و باطناً راضی ہونا اور وہی سرور بالوجود والوجود میں مکمل ترین ہے ؎

افتد ہمائے دولت اگر در کمند ما
از ہمت بلند رہا می کنیم ما

ترجمہ: ہمائے دولت اگر ہماری قید میں آجائے تو ہم اپنی ہستی سے فارغ ہو جائیں گے۔

تفسیر عالمانہ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ اور اللہ تعالیٰ ان سے بہتر ہے جو کسی کو کچھ دیتے ہیں جیسے بادشاہ اور آقا اور عام انسان، جو کہ بادشاہ اپنے لشکر کو اور آقا اپنے غلام کو اور انسان اپنے عیال کو، اگرچہ ان کا کچھ دینا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ تو سب کو ایسا رزق دیتا ہے جسے فنا نہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ وہ تمام خرچ کرنے والوں سے بہتر ہے اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ منفق کا بہتر ہونا نفقہ کے بہتر ہونے کے اعتبار سے ہے اور دوسرے جتنا خرچ کریں گے وہ فانی ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کے لیے خرچ کیا جائے اس کا بدل ملے گا اور وہ باقی رہے گا اور قاعدہ ہے جو شے باقی ہو وہ فانی سے بہتر ہوتی ہے۔

ف : بحر العلوم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے مصالح کی تکمیل میں لگنا بزرگ ترین عبادات سے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آیت میں اسی کی رہبری فرمائی ہے۔ جیسا کہ حضور علیہ السلام نے اپنی امت کو ترغیب دلائی۔

حدیث شریف (حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:)
الخلق کلہم عیال اللہ واحبہم الیہ انفعہم لعیالہ۔
(تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کا عیال ہے اور اللہ تعالیٰ کو وہ بندہ محبوب تر ہے جو اس کے عیال (مخلوق) کو زیادہ فائدہ پہنچاتا ہے)

ف : خلق خدا کو عیال اللہ مجازاً کہا گیا ہے اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کا رزق اپنے ذمۂ کرم لگایا ہے اور اس کی کفالت کا وعدۂ کرم فرمایا تو گویا مخلوق اس کا عیال ہوئی۔

حدیث شریف میں ہے:
ان للہ املاکہ خلقہم کیف یشاء وصورہم علی ما یشاء تحت عرشہ الہمہم ان ینادوا قبل طلوع الشمس وقبل غروبہا فی کل یوم مرتین الا من وسع علی عیالہ وجیرانہ وسع اللہ علیہ فی الدنیا والآخرۃ الا من ضیق ضیق اللہ علیہ الا ان اللہ قد اعطاکم لنفقۃ درہم علی عیالکم خیر من سبعین قنطارا۔

(اللہ تعالیٰ کے چند فرشتے ہیں جنہیں اس نے جیسے چاہا پیدا فرمایا اور جس طرح ان کی صورت بنائی ہے وہ فرشتے عرش کے نیچے رہتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان الہام فرمایا ہے

وہ طلوعِ شمس سے قبل و غروب کے بعد دو بار اعلان فرمائیں خبردار جو بندہ اپنے عیال پہ وسعت کرے اور ہمسائیگان پر بھی۔ اللہ تعالیٰ اسے دُنیا و آخرت میں وسعت بخشے گا اور جو عیال و ہمسائیگان پر تنگی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے دنیا و آخرت میں تنگی میں ڈالتا ہے بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں ایک درہم کے خرچ کے مقابلہ میں ستر قنطار سے بھی بہتر رزق عطا فرمائے گا)

ف : قنطار اُحد پہاڑ کے برابر وزن کو کہا جاتا ہے اور خرچ کرو اور خرچ سے مت گھبراؤ اور تنگی نہ کرو اور نہ بخل کرو۔ اور جمعہ کے دن زیادہ خرچ کیا کرو۔

حدیث شریف ۱ میں ہے:
کل معروف صدقة وکل ما انفق الرجل علی نفسه واهله کتب له به صدقة وما وقی الرجل به عرضه کتب له به صدقة۔
(ہر نیکی صدقہ ہے اور جو کچھ اپنے اُوپر اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرو گے تو اس کے عوض صدقہ لکھا جائے گا اور جو شخص اپنی عزت بچاتا ہے اس کے لیے بھی صدقہ لکھا جائے گا)

صُوفیہ کا خرچ کرنا واصل باللہ حضرات کا خرچ کرنا توحید حقانی میں ہوتا ہے اور معرفت ذاتیہ افضل و اشرف ہے اس لیے مال کا خرچ اجسام کو نفع پہنچاتا ہے اور معارف کا قلوب و ارواح کو۔

ف : اور جو اپنی عزت بچاتا ہے وہ بھی صدقہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ غیر کو اپنی ہجو کا جواب دیا جائے مثلاً جیسے شاعر اور نقاد رد الکلام کرتے ہیں۔

حدیث شریف ۲ میں ہے:
ان لکل یوم نحسا فادفعوا نحس ذالک الیوم بالصدقة۔
(ہر دن میں نحوست اُترتی ہے اسے صدقہ دے کر دفع کرو)

حدیث شریف ۳ میں ہے:
ینادی مناد کل لیلة لا دواء للموت وینادی آخر ابنوا للخراب وینادی مناد هب للمنفق خلفا وینادی مناد هب للممسک تلفا۔
(ہر رات اللہ تعالیٰ کا فرشتہ پکارتا ہے موت کا کوئی علاج نہیں، دوسرا کہتا ہے کہ خراب (ویران مقام) کے لیے تیاری کرلو، ایک اور پکارتا ہے کہ خرچ کرنے والے کو مال عطا ہوتا ہے ایک اور کہتا ہے کہ بخیل کا مال ضائع اور تباہ ہوگا)

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا :

احوال گنج قارون کایام داد برباد

با غنچہ باز گوئید تا زر نہاں ندارد

ترجمہ : قارون کے خزانہ کو زمانہ نے تباہ و برباد کر دیا ۔ غنچہ سے کہو کہ وہ سونا چھپا کر نہ رکھے ۔

اور مثنوی شریف میں ہے :

۱ آں درم دادن سخی را لائق است

جان سپردن خود سخائے عاشق است

۲ نان دہی از بہر حق نانت دہند

جان دہی از بہر حق جانت دہند

۳ ہر کہ کارد گردد انبارش تہی

لیکش اندر مزرعہ باشد بہی

۴ وانکہ در انبار ماند و صرفہ کرد

اسپش و موش و حوادثہاش خورد

---

۵ جملہ در بازار زاں گشتند بند

تا چہ سود افتاد مال خود دہند

ترجمہ : (۱) راہ خدا میں پیسے خرچ کرنا سخی کا کام ہے جان دینا عاشق کا کام ہے ۔
(۲) اللہ تعالیٰ کے نام پر روٹی دو گے تو روٹی ملے گی ۔ راہ حق میں جان دو گے تو جان ملے گی ۔
(۳) جو بیج بوتا ہے چند روز تو اس کے پاس سے دانے چلے جائیں گے لیکن بعد میں اسے کھیت سے بہتر اور زیادہ ملے گا ۔
(۴) اور وہ جو بیج بونے کے دنوں میں دانے گھر میں رکھے ، تو اس کے دانے چوہے اور کیڑے کھائیں گے اور وہ حوادث کا شکار ہوں گے ۔
(۵) تمام بازار بند ہوں تو ان میں اناج لے جانے سے کیا فائدہ ہوگا ۔

حدیث شریف میں ہے : یوجر ابن آدم فی نفقتہ کلھا الا شیاء وضعہ فی الماء

والطین۔

(اللہ تعالیٰ بنی آدم کو ہر خرچ کرنے پر اجر و ثواب بخشتا ہے مگر وہ جو پانی اور مٹی پر خرچ کیا جائے اس کا کوئی ثواب نہ ملے گا)

ف : صدر الدین قنوی اس حدیث شریف کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اعمال کی صورتیں اغراض ہے ان کے جو اہر عمل کرنے والوں کے مقاصد و علوم و اعتقادیات اور ان کے ارادوں کے متعلقات ہوتے ہیں اگرچہ یہ حدیث شریف بہ اعتبار صیغہ کے مطلق اور عام ہے لیکن قرآن و احوال سے مخصوص عنہ البعض ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ پانی اور مٹی سے مراد تعمیر ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ ہر تعمیر گناہ ہے جبکہ بہت سی تعمیرات سے بے شمار اجر و ثواب نصیب ہوتا ہے جیسے مساجد و رباطات و دیگر عبادت گاہیں۔ ان کی تعمیرات میں تعمیر کنندہ کو بہت زیادہ اجر و ثواب ملتا ہے اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔

مسئلہ : ہاں ایسی تعمیرات میں گناہ ہے جو بلا ضرورت محض خوشنمائی یا تعمیرات پر اظہار فخر و مباہات اور ریا و سمعۃ پر مبنی ہو۔ اگر ارادہ ہو تو تعمیر کنندہ دنیا میں تو اس تعمیر سے کچھ نہ کچھ فائدہ اٹھائے گا لیکن آخرت میں اسے کوئی ثواب نہ ملے گا اس لیے کہ اس نے وہ کام کیا ہے جو صرف دنیا کے ساتھ متعلق ہے۔ اس معنے پر اس کی تعمیر کا جملہ عمل چونکہ اغراض سے متعلق تھا وہ دنیا سے کوچ کرنے کے بعد زائل ہو گیا اسے آخرت میں پہنچنے کا کوئی موقعہ میسر نہ ہوا اسی بنا پر آخرت میں اسے نہ کوئی ثمر نہ ثواب۔

خرچ کرنے والوں کی فہرست

علماء کرام نے خرچ کرنے والوں کے چند طبقات گنائے ہیں:

(۱) وہ حضرات جنہوں نے توکل علی اللہ کر کے اپنی جملہ ملکیت راہِ خدا میں لٹا دی جیسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی قوتِ یقینیہ سے تمام ملک راہِ خدا میں خرچ کر ڈالی۔

(۲) وہ حضرات جنہوں نے کچھ مال خرچ کیا اور کچھ بچا کے رکھا لیکن اس ارادہ پر نہیں کہ وہ اس سے دنیوی فوائد و منافع حاصل کرنا چاہتے تھے بلکہ بوقتِ ضرورت خرچ کرنے کے لیے بچا رکھا۔

(۳) بعض وہ جنہوں نے اپنا مال اتنا خرچ کیا جتنا ان پر واجب تھا۔

بخیل کی علامت

حضرت امام غزالی قدس سرہ نے فرمایا کہ بقدر واجب خرچ کرنا اور اس سے مزید خرچ نہ کرنا بخیل کا کام ہے اس لیے اس پر لازم ہے کہ وہ واجب کے علاوہ نفل صدقات میں سے بھی حصہ لے اگرچہ تھوڑا سہی۔

ف : مذکورہ بالا طبقات میں بھی مختلف قسمیں ہیں جنہیں ہم نے سورۂ فرقان کے اواخر میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے اگر تفصیل چاہیے تو وہاں دیکھ لیجئے اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ بحث محققانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اہلِ بذل واحسان سے بنائے اور نہ ہی امساک و بخل ہم سے سرزد ہو اور نہ ہی ذخیرہ اندوزی کی عادت ہو بلکہ ہمیں ایسے خرچ کرنے کی توفیق بخشے جو ہمارے لیے سرمایۂ آخرت وزادِ راہ کا کام دے اس لیے کہ اس کے خزانے بے بہا اور اس کے ایجاد جود وسخا کی کوئی انتہا نہیں وہی رات دن ہر ایک کو عطا کرتا اور فیض پہنچاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ! اپنی اُمت کو وہ دن یاد دلایئے جس میں اللہ تعالیٰ ہر امیر غریب، ہر سرکش اور کمزور اور جملہ موحدین اور تمام غیروں کی پرستش کرنے والوں کو جمع فرمائے گا جَمِيعًا درانحالیکہ وہ سب کے سب اکٹھے جائیں گے کوئی بھی ان میں سے نہیں رہ جائے گا۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا اس سے بنو ملیح قبیلہ کے وہ لوگ مراد ہیں جو ملائکہ کی اس گمان سے پرستش کرتے تھے کہ ملائکہ خدا تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں ان کی دلیل یہ تھی کہ ملائکہ خدا تعالیٰ کی بیٹیاں اس لیے ہیں کہ انہیں پردہ میں رکھا ہے۔

سوال : پردہ میں جن بھی تو ہیں تو پھر ان کی پرستش کیوں نہ کی اور انھیں خدا کی بیٹیاں کیوں نہ کہا۔

جواب : ملائکہ سماوی اور جنات ارضی ہیں۔ ان کا اعتقاد یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے۔

ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ پھر مشرکین یعنی ملائکہ کی پرستش کرنے والوں کو زجر و توبیخ کے ارادے پر اللہ تعالیٰ ملائکہ سے فرمائے گا اور یہ اس لیے بھی کہ انہیں ملائکہ کی شفاعت سے مکمل طور نا امیدی ہو اس لیے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ ان کے ملائکہ کرام اللہ تعالیٰ سے چھڑالیں گے أَهٰٓؤُلَآءِ کیا یہی کافر و مشرک ہیں إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ○ دنیا میں تمہاری پرستش کرتے تھے۔ ایاکم کا منصوب ہونا یعبدون کی وجہ سے ہے۔

سوال : مشرکین تو ملائکہ کرام کے علاوہ دوسری بہت سی اشیاء کو پوجتے تھے تو پھر یہاں ملائکہ کرام کی تخصیص کیوں ؟

جواب : یہ اس لیے کہ وہ ان کے معبودوں سے اشرف و اعلیٰ تھے۔ پھر انہیں تنبیہ کرنا مطلوب ہے کہ جب اس وقت تمہارے اشرف و اعلیٰ معبودوں کا یہ حال ہے تو پھر دوسروں کا کیا حال ہوگا۔

قَالُوا ملائکہ کرام اللہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس بیان کرتے ہوئے عرض کریں گے یہ جملہ مستانفہ

بیانیہ ہے۔ سُبْحٰنَكَ تیری ذات شرک سے منزہ اور پاک ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ترجمہ کیا ہے کہ اے اللہ! تو منزہ اور پاک ہے کہ تیرے سوا کسی اور کی عبادت کریں۔

اَنْتَ وَلِیُّنَا الولی عدو کی نقیض ہے یعنی تو ہی ہم سب کا والی ہے مِنْ دُوْنِهِمْ سوائے مشرکین کے یعنی مشرکین کے ساتھ ہمارا کوئی واسطہ اور تعلق نہیں۔ جب ہم ان سے کوئی واسطہ اور تعلق ہی نہیں رکھتے تو پھر ہم ان کی پرستش سے کس طرح راضی ہوتے اس کے بعد ملائکہ نے اس قول سے اعراض کرتے ہوئے اپنی پرستش سے برأت کا اظہار کرنے کے بعد اصل حقیقت ظاہر کر دی بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ بلکہ اپنی جہالت وغوایت کی وجہ سے جنوں یعنی شیاطین کی پرستش کرتے تھے یعنی ان کی اطاعت میں غیر اللہ کی پرستش کرتے تھے۔

ف: بعض مفسرین نے لکھا کہ وہ لوگ ملائکہ کے خیالی مجسمے بنا کر ان کی پرستش کر کے کہتے کہ یہی ملائکہ ہیں اور شیاطین کو جنات سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ شیاطین جو اس سے اوجھل ہیں اور جو شے نظر سے اوجھل ہو اسے جن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اَكْثَرُهُمْ یہاں پر اکثر بمعنی کل ہے اور ھُمْ کی ضمیر کا مرجع مشرکین ہیں جیسا کہ سیاق کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی تمام مشرکین ایسے ہوں گے جیسے مذکور ہوگا۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ ضمیر انسانوں کی طرف راجع ہے اور اکثر اپنے حقیقی معنے پر ہے یعنی اکثر لوگ بِهِمْ جنوں کے ساتھ یعنی ان کی جھوٹی بات مان کر کہ ملائکہ اللہ کی لڑکیاں ہیں مُؤْمِنُوْنَ تصدیق کرنے والے تھے اور انہیں کی تابعداری کی اور جو عقیدہ ان کے دل میں القاء کرتے وہ اسے مان لیتے تھے۔ انہیں کہا گیا کہ ملائکہ تمہاری سفارش کریں گے فلہٰذا تم ان کی پرستش کرو۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جیسے ایک قوم نے شیاطین کے کہنے پر ملائکہ کی پرستش کی اور پھر قیامت میں ملائکہ کرام ان کی پرستش سے برأت کا اظہار کریں گے ایسے ہی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت تو کرتے ہیں لیکن والدین یا اساتذہ یا اہل بلد یا تعصب کی بنا پر یا خواہشات نفسانی سے جیسے یہود و نصاریٰ اور صابئین اور مجوس اور اہل بدعت و اہل ہوا اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں تو قیامت میں اللہ تعالیٰ اس سے برأت کا اظہار کرے گا اور فرمائے گا کہ میں ایسے عبادت گزاروں سے بری ہوں جو غیروں کے کہنے سے یا اہل ہوا کی اطاعت سے میری عبادت کرتے تھے اس لیے کہ جو اہل ہوا کے کہنے پر میری عبادت کرتا تھا وہ دراصل اپنی خواہش

بیانیہ ہے ۔ سُبْحٰنَكَ تیری ذات شرک سے منزّہ اور پاک ہے ۔

ف : کشف الاسرار میں ترجمہ لکھا ہے کہ اے اللہ ! تو منزّہ اور پاک ہے کہ تیرے سوا کسی اور کی عبادت کریں ۔

اَنْتَ وَلِيُّنَا الولی عدو کی نقیض ہے یعنی تو ہی ہم سب کا والی ہے مِنْ دُوْنِهِمْ سوائے مشرکین کے یعنی مشرکین کے ساتھ ہمارا کوئی واسطہ اور تعلق نہیں جب ہم ان سے کوئی واسطہ اور تعلق ہی نہیں رکھتے تو پھر ہم ان کی پرستش سے کس طرح راضی ہوتے ان کے بعد ملائکہ نے اس قول سے اعراض کرتے ہوئے اپنی پرستش سے برأت کا اظہار کرنے کے بعد اصل حقیقت ظاہر کر دی بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ بلکہ اپنی جہالت وغوایت کی وجہ سے جنوں یعنی شیاطین کی پرستش کرتے تھے یعنی ان کی اطاعت میں غیر اللہ کی پرستش کرتے تھے ۔

ف : بعض مفسرین نے لکھا کہ وہ لوگ ملائکہ کے خیالی مجسمے بنا کر ان کی پرستش کر کے کہتے کہ یہی ملائکہ ہیں اور شیاطین کو جنات سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ شیاطین جو اس سے او جہل ہیں اور جو شے حواس سے او جہل ہوا سے جن سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔

اَكْثَرُهُمْ یہاں پر اکثر بمعنے کل ہے اور ھُمْ کی ضمیر کا مرجع مشرکین ہیں جیسا کہ سیاقِ کلام سے معلوم ہوتا ہے ۔ یعنی تمام مشرکین ایسے ہوں گے جیسے مذکور ہو گا ۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ ضمیر انسانوں کی طرف راجع ہے اور اکثر اپنے حقیقی معنے پر ہے یعنی اکثر لوگ بِهِمْ جنوں کے ساتھ یعنی ان کی جھوٹی بات مان کر کہ ملائکہ اللہ کی لڑکیاں ہیں مُّؤْمِنُوْنَ ○ تصدیق کرنے والے تھے اور انہیں کی تابعداری کی اور جو عقیدہ ان کے دل میں القاء کرتے وہ اسے مان لیتے مثلاً انہیں کہا گیا کہ ملائکہ تمہاری سفارش کریں گے فلہٰذا تم ان کی پرستش کرو ۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جیسے ایک قوم نے شیاطین کے کہنے پر ملائکہ کی پرستش کی اور پھر قیامت میں ملائکہ کرام ان کی پرستش سے برأت کا اظہار کریں گے ایسے ہی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت تو کرتے ہیں لیکن والدین یا اساتذہ یا اہلِ بلا یا تعصب کی بنا پر یا خواہشاتِ نفسانی سے جیسے یہود و نصاریٰ اور صابئین اور مجوس اور اہلِ بدعت و اہلِ ہوا اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں تو قیامت میں اللہ تعالیٰ اس سے برأت کا اظہار کرے گا اور فرمائے گا کہ میں ایسے عبادت گزار لوگوں سے بری ہوں جو غیروں کے کہنے سے یا اہلِ ہوا کی اعانت سے میری عبادت کرتے تھے اس لیے کہ جو اہلِ ہوا کے کہنے پر میری عبادت کرتا تھا وہ دراصل اپنی خواہش

کی پرستش کرتا تھا اس لیے کہ اس نے مخلص ہو کر میری عبادت نہیں کی تھی حالانکہ میں نے اسے کہا تھا کہ خلوص سے میری عبادت کرنا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں نماز کی عبادت کے لیے فرمایا کہ کہو ایاک نعبد وایاک نستعین یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں نہ کہ تیرے غیر کی اور ہم تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں نہ کہ غیر سے۔ اَکْثَرُھُمْ بِھِمْ مُّؤْمِنُوْنَ میں اشارہ ہے کہ اکثر اہلِ ایمان مدعیانِ اسلام جو دراصل اہل ہوا ہیں اور وہ دوسروں کی تقلید و تصدیق سے ایمان قبول کرتے ہیں اور بُرے اعتقاد اور بدعت سیئہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں کما فی التاویلات النجمیہ۔

صائب نے فرمایا: ؎

چہ قدر راہ بتقلید توان پیمودن
رشتہ کوتاہ بود مرغ نو آموختہ را

(ترجمہ: تقلید کے ساتھ کہاں تک دوڑ لگاؤ گے نو آموز پرندہ کی ڈور چھوٹی ہونی چاہیے)

تفسیر عالمانہ فَالْيَوْمَ تو حشر کے دن لَا يَمْلِكُ، الملك (بالحرکات الثلاث) صاحب ملک ہونا بَعْضُكُمْ اس سے مشرکوں کے بُت مراد ہیں لِبَعْضٍ اس سے پرستش کرنے والے مراد ہیں نَّفْعًا سے شفاعت وَّلَا ضَرًّا اس دفع ضرر سے عذاب مراد ہے یہاں مضاف محذوف ہے کیونکہ قیامت میں حکمرانی صرف اللہ تعالیٰ کی ہوگی اس لیے کہ وہ دار جزا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا مخلوق کا کوئی فرد کسی کو جزا سزا نہ دے گا۔ الارشاد میں ہے کہ حکمرانی کو صرف دار الجزاء سے مقید کرنے کا فائدہ یہ ہے (حالانکہ اللہ تعالیٰ کی حکمرانی علی الاطلاق ہے) تاکہ بندے نفع کی امیدیں صرف اسی سے وابستہ کریں یہ کلام بھی منجملہ از گفتگوئے ملائکہ کرام ہے یہ اس وقت کہیں گے جب کافروں کے غلط انتساب کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس سے فراغت پاکر بر سرِ میدان اپنے پرستاروں کو کہیں گے کہ ہم عاجز اور قاصر ہیں تاکہ ملائکہ سے ان کی شفاعت کی امید کی جڑ کٹ جائے۔ فاء ترتیب کے لیے نہیں یعنی اسے اس لیے نہیں لایا گیا کہ ما بعد کا حکم جواب ملائکہ پر مرتب ہو کیونکہ وہ جواب تو محقق ہے ملائکہ انھیں جواب دیتے یا نہ۔ بلکہ اس ترتیب کے لیے ہے کہ خبر کو جواب ملائکہ پر مرتب کیا گیا ہے۔ وَنَقُوْلُ اور ہم آخرت میں فرمائیں گے لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ان لوگوں کے لیے جنہوں نے کفر و تکذیب سے اپنے نفسوں پر ظلم کیا اس لیے کہ انھوں نے ایمان و تصدیق کے بجائے کفر و تکذیب کا انکار کیا ہے اس کا عطف یقول پر ہے یملک پر اس کا عطف نہیں ہے جیسا کہ بعض کا خیال ہے اس لیے کہ یہ منجملہ اس گفتگو کے ہے جو قیامت میں ہوگی ملائکہ کو خطاب کرتے ہوئے کہا جائے گا اور یہ اسے جواب

حکم پر مرتب کیا گیا ہے۔ اور یہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حکایتاً بیان کیا گیا ہے کہ بت پرستوں کو قیامت میں یونہی کہا جائے گا جیسا کہ پہلے حکایتاً بیان کیا گیا ہے کہ ملائکہ کرام کو کہا جائے گا ذُوْقُوْا ذوق دراصل اس شے کو کہا جاتا ہے جو کثیر شے کے پڑھنے کے لیے تھوڑی سی شے چکھی جائے۔ لیکن یہاں کثرت کے لیے ہے عَذَابَ النَّارِ الَّتِیْ کُنْتُمْ بِهَا تُکَذِّبُوْنَ ○ بہا کا تعلق تکذبون سے ہے یعنی جہنم کا وہ عذاب چکھو جسے تم جھٹلاتے تھے اور تمہارا اصرار تھا کہ قیامت آئے گی نہیں اگر آئے گی تو ہمیں عذاب نہ ہوگا لیکن اب دیکھ لو کہ تم اس میں داخل ہو اس طرح سے تمہارا گمان اور دعویٰ باطل ہو گیا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جو شخص اپنا دل غیر سے لگائے اور اپنے حال کی اصلاح جیلے بہانے یا اپنے جیسے عاجزوں سے چاہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے دلوں سے رحمت چھین لیتا ہے اور انھیں خالی خط چھوڑ دیتا ہے اور ان کے احوال کو مشوش بنا دیتا ہے یہاں تک نہ انھیں اپنی ہم جنسوں سے مدد ملتی ہے اور نہ ہی ان کے امور میں ان کی عقل کام کرتی ہے اور نہ ہی انہیں کوئی سمجھ بوجھ ہوتی ہے ان کا رجوع اللہ تعالیٰ کی بجائے دنیا کی طرف رہتا ہے اگرچہ وہ مرنے کے بعد اس کی طرف رجوع کریں گے لیکن وہ ان پر رحم نہیں فرمائے گا اور نہ ہی ان کے سوال کا جواب دے گا بلکہ انہیں ہجر و فراق کی آگ سے جلائے گا اس لیے وہ ظالم ہیں یعنی غیر اللہ کی پرستش کرنے والے۔

ملفوظ ولی اللہ ایک شیخ کامل احمد حرب نامی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اس لیے پیدا فرمایا تاکہ وہ غیروں کو پہچانیں اور غیر اللہ کی پرستش نہ کریں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کا شریک بنائیں اور اسے رزاق مانیں کہ اس نے روزی دی اور اسے قہار سمجھیں کہ وہ سب کو موت دے گا اور موت ہی تو ہے جس نے بڑے بڑے سرکشوں کو ملیا میٹ کیا اور بڑے فرعونوں کو مٹی میں ملا دیا اور اسے قادر مانیں کہ اس نے سب کو زندگی بخشی چونکہ وہی قادر مطلق ہے اسی لیے انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے عجز و نیاز کا اظہار کرے بلکہ اپنے آپ کو اس کی قدرت کے تابع سمجھے اور اختیار سے ہی اس کی طرف رجوع کرے ورنہ اضطراری طور تو اس کے پاس جانا ہی پڑے گا اور یقین رکھے کہ توفیق وہی بخشتا ہے ؎

نکشود صائب از مدد خلق ہیچ کار
از خلق رو بسوئے خدا می کنیم ما

ترجمہ: صاحب! مخلوق کی مدد سے کام نہیں چلتے۔ مخلوق کی طرف سے منہ پھیر کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہمارا رجوع ہے۔

ف: جو شخص جن کی پرستش کرتا اور شیطان کا مطیع بنتا ہے تو سمجھو کہ اس کا دین زوال پذیر ہوا اسے دائمی عذاب میں مبتلا رکھا جائے گا جیسے ابلیس ابدی عذاب میں مبتلا ہے اور جو نفس کی اطاعت کرتا ہے یعنی معصیت کا ارتکاب کرتا ہے تو اسے چند روز عذاب ہوگا لیکن پھر اسے نجات نصیب ہو گی اور ہوٰی کی اطاعت کرتا ہے یعنی شہواتِ نفسانی کی اتباع کرتا ہے تو عذاب شدید میں مبتلا کیا جائے گا جو ابلیس کا کہا مانتا ہے تو وہ اس سے دُور ہو گیا اور جس نے نفس کی اطاعت کی اس سے پرہیزگاری دُور ہو گئی اور جس نے ہوٰی کی اتباع کی اس سے عقل گئی۔

حکایت: یحییٰ علیہ السلام باوجود اتنی بزرگی اور جلالت شان کے اور باوجودیکہ آپ نے کبھی گناہ کا ارادہ تک نہ کیا لیکن پھر بھی عذاب جہنم سے ہر وقت ڈرتے رہتے تھے اور رات دن گریہ وزاری فرماتے رہتے تھے۔

سبق: اس غافل کا کیا حال ہوگا جو ہر وقت معصیت میں مبتلا ہے لیکن پھر بھی سلب ایمان سے خائف نہیں حالانکہ اس کے پیچھے بہت بڑا اور سخت کینہ و دشمن (ابلیس) لگا ہوا ہے۔ اسی لیے لازم ہے انسان غیر اللہ کی طرف مائل ہونے سے تو بہ کرے اور ہر حال میں اسی خیال میں رہے بلکہ صبح و شام گریہ وزاری کرتا رہے تاکہ جہنم کی آگ سے نجات اور بہشت اور قرب و شہود رحمان کی کامیابی حاصل ہو سکے

زپشت آئینہ روی مراد نتواں دید
ترا کہ روی بخلق است از خدا چہ خبر

ترجمہ: شیشے کی پیٹھ سے چہرہ نہیں دیکھا جا سکتا جب تیری توجہ مخلوق کی طرف ہے تو پھر تجھے خدا تعالیٰ کی کیا خبر۔

تفسیر عالمانہ: وَإِذَا تُتْلٰى اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے مسلسل پڑھی جاتی ہیں عَلَيْهِمْ مشرکین مکہ پر اٰيٰتُنَا ہماری آیات قرآنیہ بَيِّنٰتٍ درانحالیکہ وہ حقیقۃً توحید اور بطلان شرک پر واضح طور پر دلالت کرتی ہیں قَالُوْا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ اس کی تنکیر تحقیر و تذلیل کی ہے۔ ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں بہت بڑے مشہور و معروف تھے

يُرِيدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ اس کا ارادہ ہے کہ وہ تمہیں پھیر دے عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ اس سے جس کی تمہارے آباء عرصہ دراز سے (بتوں کی) پرستش کرتے چلے آرہے ہیں اور تمہیں اس بدعت کی اتباع کا کہتا ہے جس کا نہ کوئی سر ہے نہ پاؤں اور نہ ہی درحقیقت یہ کوئی دینِ الٰہی ہے جس کی وہ دعوت دیتا ہے ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ نبی علیہ السلام تمہیں بُت پرستی سے روکتے ہیں اور اپنی پیدا کردہ بدعت (جسے وہ دینِ اسلام سے تعبیر کرتے ہیں) کی دعوت دے کر اسی بدعت کے تابع کرنا چاہتے ہیں۔ اور آباء کی اضافت بجائے اپنے مخاطبین کی طرف اس لیے کی تاکہ ان کی رگِ حمیت پھڑکے اور شرک کی تقریر میں تاکید اور مبالغہ اور توحید سے مکمل طور نفرت ہو وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اور کہتے ہیں نہیں ہے یہ قرآن اِلَّآ اِفْكٌ مگر گھڑا ہوا یعنی اپنی صحیح سمت سے ہٹا ہوا اس لیے کہ اس کے مضامین مثلاً توحید و بعث و نشر ان کے عقاید و مراسم کے مطابق نہیں تھے مُّفْتَرًى من گھڑت ہے جسے اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر رکھا ہے۔ جان بوجھ کر جھوٹ بولنے کا نام افتراء ہے۔ یہ قول مشرکین عناداً ومکابرۃً کہا ورنہ ان کے ایک بہت بڑے لیڈر عتبہ بن ربیعہ نے کہا تھا کہ یہ قرآن مجید نہ شعر ہے نہ کہانت ہے نہ جادو وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ اور کافروں نے حق یعنی قرآن مجید کے بارے میں کہا۔ یہ عطف عنوان کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے اس لیے کہ پہلے سے قرآن مجید کا معنیٰ اور دوسرے سے اس کے الفاظ معجزہ مراد ہے اور ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لانے میں ان پر اظہارِ غضب کے لیے ہے اور واضح کرنا ہے کہ قرآن مجید سے صرف وہی لوگ منکر لیتے ہیں جو کفر میں انتہائی سرکش اور گمراہی و بطلان میں بہت زیادہ منہمک ہیں لَمَّا جَآءَهُمْ جبکہ ان کے ہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا۔ لفظ لما میں اشارہ ہے کہ ان لوگوں کے ہاں جونہی قرآن مجید آیا تو فوراً تکذیب و انکار پہ تل گئے ذرہ برابر بھی تامل و فکر سے کام نہ لیا اِنْ یہ نافیہ بمعنے ما ہے هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ o نہیں ہے یہ قرآن مجید مگر جادو۔ ظاہر یعنے اس کی ساحریت ایسی ظاہر ہے کہ اس میں ذرہ برابر بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ السحر' سحر لیحو سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی سے دھوکا کرے اور متحیر و مدہوش بنا دے۔ یہ اس وقت جب ساحر ایسا کام دکھائے کہ جس کے بالمقابل سے مقابلہ نہ ہو سکے اور نہ ہی مسحور کو اس کا ادراک ہو سکے کما فی شرح الامالی۔

ف: حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ السحر' سحر سے ماخوذ ہے یعنی وہ وقت فجرِ اول و فجرِ ثانی کے درمیان ہے وجہ تشبیہ اختلاط ہے اس لیے کہ اس وقت میں صبح کی روشنی اور رات کی تاریکی آپس میں مختلط ہوتی ہیں چونکہ سورج کے طلوع کو دیر ہوتی ہے اسی لیے تاریکی شب

کی وجہ سے آنکھوں کو اشیاء پورے طور پر نظر نہیں آتیں ایسے ہی جب جادوگر اپنا جادو کسی پر ڈالتا ہے تو حق و باطل کا امتیاز نہیں ہو سکتا بلکہ باطل محض ہوتا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی جو بعد کو دیکھنے والے کا مشاہدہ غلط اور گمان فاسد ہو جاتا ہے۔

ف : حضرت شیخ شعرانی قدس سرہٗ نے کبریت احمر میں لکھا کہ شیخ اکبر قدس سرہٗ کا یہ کلام ایسا نفیس ہے کہ ہم نے پہلے کسی سے نہیں سنا۔

وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ اور وہ جو ہم نے مشرکین مکہ کو کتابیں دیں۔ یہ من استغراقیہ ہے جو تاکید نفی کے لیے مفعول پر داخل ہوا ہے يَّدْرُسُوْنَهَا انہیں پڑھتے ہیں جن میں شرک کی مذمت کے دلائل تھے۔ کما قال تعالیٰ :

ام انزلنا علیھم سلطانا فھو یتکلم بما کانوا بہ یشرکون۔

(کیا ہم نے ان پر کوئی دلیل نازل کی ہے جو بولے اس کے لیے جسے شریک بناتے ہیں)

اور فرمایا :

ام اٰتیناھم کتابا من قبلہ فھم بہ مستمسکون۔

(کیا ہم نے انہیں کتاب دی ہے اس سے پہلے تو وہ اسے پکڑنے والے ہیں)

یہاں پر صیغہ جمع لانے میں تنبیہ ہے کہ جب ایسے دلائل سے شبہات پیدا ہوں تو ضروری ہے کہ اس وقت کتاب کو خوب غور و خوض سے پڑھا جائے اور مکمل طور پر اس کے معانی سمجھنا چاہییں۔ اور تدریس درس کا مبالغہ ہے۔ المفردات میں امام راغب رقمطراز ہیں :

درس الشیٔ بمعنے بقی اثرہ یعنی اس کا نشان باقی رہا۔ اور قاعدہ ہے کہ جو شے نشان رکھتی ہے وہ بالآخر مٹ جاتی ہے اسی لیے درس کو انمحا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ایسے ہی کہا جاتا ہے :

درس الکتب و درست العلم۔

یعنی میں نے حفاظت کے طور اس کے اثر کو یاد میں لیا۔ اور چونکہ یہ تناول کے دائمی طور ہوتا ہے اسی قراۃ کتاب کو درس سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ۝ اور ہم نے ان کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا بھیجا جو انہیں شرک کی طرف بلائے اس کے ترک پر عذاب الٰہی سے ڈرائے۔ اور ظاہر ہے ان وجوہ میں سے کوئی وجہ بھی نہیں تو پھر یہ شرک انہیں کہاں سے ملا اور کب سے یہ مذہب

رائج ہوا اس سے ان کی تجہیل و تفسیق مراد ہے اور یہ ظاہر کرنا ہے کہ یہ پہلے درجے کے سفیہ اور بے وقوف ہیں کہ انہیں اس کے متعلق کچھ پتہ ہی نہیں چلتا۔ اب اس پر تہدید کرتے ہیں وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ اور وہ لوگ جنہوں نے ان سے پہلے تکذیب کی یعنی امم سابقہ اور قرونِ ماضیہ کے لوگوں نے ایسے ہی تکذیب کی جیسے کفارِ مکہ نے آپ کی تکذیب کی وَمَا بَلَغُوا اور قریش مکہ اور مشرکین عرب نہیں پہنچے مِعْشَارَ مَا آتَيْنٰهُمْ جو کچھ ہم نے انہیں دیا اس کے دسویں حصے کو نہیں پہنچے اس لیے کہ ان کی قوت اجسام اور کثرت اموال و اولاد و طول الاعمار کے مقابلے میں یہ لوگ عشر عشیر بھی نہیں۔

حلِ لغات المعشار بمعنے عشر (دسواں حصہ) جیسے المرباع بمعنے الربع ہے۔ الواحدی نے فرمایا، المعشار بمعنے العشیر والعشر عشرۃ کا دسواں حصہ۔ بعض نے کہا المعشار عشر العشیر۔

فَكَذَّبُوا رُسُلِي اس کا عطف وکذب الذین بطریق التفصیل والتفسیر کے ہے۔ کذب قبلھم قوم نوح فکذبوا عبدنا۔ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ۝ پھر کیسے ہے ان کے لیے میرا انکار ان کی جڑ کاٹنے اور نیست و نابود کرنے میں۔ یعنی جب میں نے ان بڑے کافروں کو مٹا دیا تو پھر یہ کون لگتے ہیں اسی لیے انہیں ان کے حالات سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جب کوئی صاحبِ نظر لوگوں کو دعوت الی الحق دیتا ہے تو اس کے بُرے ساتھی اور اس کی جاہل برادری اور اس کے دین سے بے بہرہ دوست کہیں گے (اس طرح کہنے والے بہت سے علماً بھی ہوتے ہیں) کہ یہ لوگ دین کی خاطر دعوتِ اسلامی نہیں دے رہے بلکہ انہیں دنیٰ منفعت مطلوب ہے اور محبتِ دنیا میں گرفتار ہو کر اس طرح کا حیلہ بہانہ بنایا ہوا ہے اور مکر و فریب اور دھوکا سازی سے کاروبار چلایا ہوا ہے۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اولئك قطاع الطریق علی العباد۔
(یہی لوگ میرے بندوں کے لیے ڈاکو اور قزاق ہیں)

بہرحال اس مرد کے لیے وہ لوگ کہتے ہیں کہ ایسے شخص سے بچ جاؤ اس لیے کہ یہ تمہیں شکار کرنا چاہتا ہے اور تمہیں اپنا غلام بنانا چاہتا ہے تاکہ تم اس کے فرماں بردار ہو کر اس کے کاروبار میں مدد کر سکو اور تمہیں وہ اپنا مرید بنانا چاہتا ہے تاکہ تمہیں تمہارے مذاہب سے دُور کر دے۔ اس کی نظر

تمہارے اموال پر نظر ہے اور وہ کون مردِ مجاہد ہے جو دنیا سے بچ سکے اور اپنے اہل و عیال اور اقارب اور رشتہ داروں سے دُور ہو سکے ایسے اولاد کو خیر باد کہہ سکے اور یہ حق کا طریق ہی نہیں ہے اور نہ ہی اس طرح سے طریقِ حق کی تکمیل ہو سکتی ہے یعنی جس میں صرف دنیوی مطلوب ہو وہ طریقِ حق نہیں ہو سکتا ۔ انسان کامل وُہ ہے جو دنیا میں رہ کر دنیا کا کام بھی کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف بھی متوجہ رہے اور اندرونی دنیا سے روگردان ہو ۔ جو شخص خواطر الدنیۃ اور ہواجس نفسانیہ ردیہ کا شکار ہوتا ہے وُہ گمراہ ہو کر تباہ و برباد ہوتا ہے ۔ جیسے پہلے لوگ گمراہ ہو کر تباہ و برباد ہُوئے ۔ طالب حق پر لازم ہے کہ وہ ان لوگوں سے عبرت حاصل کرے جو مشایخ و علماءُ پر اعتراض و انکار کرکے تباہ و برباد ہُوئے ۔ ان لوگوں کا انجام یُوں ہُوا کہ دنیا میں رہ کر دینی مراتب سے محروم ہُوئے اور عذابِ آخرت میں مبتلا ہو کر ہجر و فراقِ الٰہی میں گرفتار ہُوئے ۔ اے عزیز! ایسے بدبختوں کی صحبت سے دور رہئے جو عشاق کے طریق سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں اس لیے کہ وُہ بظاہر دوست ہیں اور حقیقت میں دشمنِ دین ۔

مثنوی شریف میں ہے ؏

آدمی را دشمنِ پنہاں بسیست
آدمیٔ با حذر عاقل کسیست

(ترجمہ : آدمی کے پوشیدہ دشمن بہت ہیں ہوشیار آدمی عقلمند انسان ہے ۔)

مولانا جامی قدس سرہٗ درۃ التاج میں رقمطراز ہیں :

۱ چوں سکندر بقصدِ آبِ حیات
کرد عزمِ عبور بر ظلمات

۲ بزمینے رسید پہن و فراخ
راند خیل و حشم دراں گستاخ

۳ ہر کجا می شد از یسار و یمین
بود پر سنگریزہ روئے زمین

۴ کرد روئے سخن بسوئے سپاہ
کاے ہمہ کردہ گم ز ظلمت راہ

۵ ایں ہمہ گوہراست بے شک و ریب
کیستان پر کنید از دامن و جیب

۶ ہر کرا بود شک در اسکندر
آں حکایت نیامدش باور

۷ گفت در زیر نعل لعل کہ دید
زرّ و گوہر برہگذر کہ شنید

۸ وانکہ آئینۂ سکندر بود
سرّ جانش درو مصوّر بود

۹ ہرچہ از وے شنید باور داشت
آنچہ مقدور بود ازاں برداشت

۱۰ چوں بریدند راہ تاریکے
تافت خورشید شان ز نزدیکے

۱۱ آں یکے دست میگزید کہ چوں
زیں گہر بر نداشتم افزوں

۱۲ واں دگر خوں ہمی گریست کہ آہ
نفس و شیطاں زدند بر من راہ

۱۳ کاشکے کز گہر بکردم بار
بر سکندر نکردمے انکار

۱۴ تا بگفتا وے ازاں تقصیر
در حجاب و خجالت و تشویر

ترجمہ:- (۱) جب سکندر کا آبِ حیات کا ارادہ ہوا تو ظلمات کو عبور کرنے کا پروگرام بنایا۔
(۲) ایک وسیع اور چٹیل زمین میں پہنچا اس میں لشکر کو تیز کر دیا۔
(۳) ہر جگہ، دائیں بائیں اس نے زمین پر سنگریزے بکھرے ہوئے پائے۔
(۴) لشکر کی طرف منہ کر کے مخاطب ہوا کہ ظلمت کی وجہ سے راہ گم کردہ لوگو۔
(۵) بیشک یہ (سنگریزے) جواہرات ہیں ان سے اپنے کیسے اور دامن اور بوریاں بھرلو۔
(۶) جسے سکندر کی بات پر شک تھا اس نے یقین نہ کیا۔
(۷) اور کہا کبھی ان جوتوں کے نیچے اور ایسی راہوں میں جو ہر و موتی ہوتے ہیں !

(باقی بر صفحہ ۴۱۸)

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۚ مَا

بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ۝ قُلْ

مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

شَهِيْدٌ ۝ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ قُلْ جَاۗءَ الْحَقُّ وَمَا

يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ۝ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ ۚ وَاِنِ

اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ۝ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ

وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ۝ وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ

مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ۝ وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۢ

بَعِيْدٍ ۝ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ

كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ۝

ترجمہ : تم فرماؤ میں تمہیں ایک ہی نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ کے لیے کھڑے رہو دو دو اور اکیلے اکیلے ۔ پھر سوچو کہ تمہارے ان صاحب میں جنون کی کوئی بات نہیں وہ تو نہیں مگر ڈر سنانے والے ایک سخت عذاب کے آگے ۔ تم فرماؤ میں نے تم سے اس پر کچھ اجر مانگا ہو تو وہ تمہیں کو میرا اجر تو اللہ ہی پر ہے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے تم فرماؤ بے شک میرا رب حق کا القا فرماتا ہے بہت جاننے والا غیبوں کا ۔ تم فرماؤ حق آیا اور باطل نہ پہل کرے اور نہ پھر کر آئے ۔ تم فرماؤ اگر میں بہکا تو اپنے ہی بُرے کو بہکا اور اگر میں نے راہ پائی تو اس کے سبب جو میرا رب میری طرف وحی فرماتا ہے بیشک وہ سننے والا نزدیک ہے ۔ اور کسی طرح تو دیکھے جب وہ گھبراہٹ میں ڈالے جائیں گے پھر بچ کر نہ نکل سکیں گے اور ایک قریب جگہ سے پکڑ لیے جائیں گے اور کہیں گے ہم اس پر ایمان لائے اور اب وہ اسے کیونکر پائیں اتنی دور جگہ سے کہ پہلے تو اس سے کفر کر چکے تھے اور بے دیکھے پھینک مارتے ہیں دور مکان سے اور روک کر دی گئی ان میں اور اس میں جسے چاہتے ہیں جیسے ان کے پہلے گروہوں سے کیا گیا تھا بیشک وہ دھوکا ڈالنے والے شک میں تھے ۔

(صفحہ ۴۱۶ سے آگے)

(۸) لیکن جہاں آئینۂ سکندر ہوتا وہاں پر اس کے جسم و جان کی تصویر سامنے نظر آجاتی۔

(۹) جس نے سکندر سے سنا اور یقین کرلیا کہ واقعی یہ دُرّ سنگریزے، گوہر و موتی ہیں جتنے وُہ اٹھا سکا اتنے جواہر اٹھا لیے۔

(۱۰) تاریک راستہ جب طے کرلیا تو قریب ہی انہیں سُورج چمکتا نظر آیا۔

(۱۱) جنہوں نے موتی تھوڑے اٹھائے وہ کفِ افسوس ملنے لگے کہ ہم نے زیادہ کیوں نہ اٹھائے!

(۱۲) دوسرے خُون کے آنسو بہاتے کہ افسوس کہ نفس و شیطان نے ہمارا راستہ مارا۔

(۱۳) کاش ہم بھی بہت سے موتی اٹھاتے سکندر کی بات کا انکار نہ کرتے۔

(۱۴) تاکہ اس سے ہمیں کوتاہی نہ ہوتی ایسے حجاب و خجالت اور پریشانی میں۔

ف : ایسے ہی قرآن مجید کے مکذبین و مصدقین کا قیاس کیجئے۔

تفسیر عالمانہ قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ فرمائیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! بیشک میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں۔ الوعظ بمعنے زجر جو تخویف کو مقترن ہو۔ الخلیل میں ہے کہ الوعظ بمعنے ایسی خیر و بھلائی یاد دلانا جس سے قلب رقیق ہو۔ العظۃ والموعظۃ اسم ہے۔ یعنی میں تمہیں ایک نصیحت کرتا ہوں اَنْ تَقُوْمُوْا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں کھڑے ہوجاؤ اور اپنے مجمعوں سے دُور ہوجاؤ۔ قیام کا اصل معنی ہے دو مردوں کے آگے کھڑا ہونا۔ یہ جلوس کی نقیض ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ قیام بمعنے کسی کے حکم کی فرمانبرداری کرنا اور طلب حق کا اہتمام کرنا لِلّٰہِ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی رضا جوئی کے لیے، نہ ہی اس میں ریا ہو اور نہ ہی تم متفرق ہوجاؤ مَثْنٰی دو دو ہو کر، وَفُرَادٰی اور تنہا تنہا ہو کر۔

امام راغب نے فرمایا کہ الفرد وُہ ہے جس میں غیر کا اختلاط نہ ہو۔ اور یہ الوتر سے اعم اور الواحد سے اخص ہے۔ اس کی جمع فرادٰی آتی ہے۔

المختار میں ہے کہ الفرد بمعنے الوتر۔ علی خلاف القیاس الافراد اور الفرادٰی (بالضم) آتا ہے گویا وہ فردان کی جمع ہے۔

ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا التفکر بمعنے قلب سے کسی معنے کی طلب کرنا۔ یعنی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں غور و فکر کرو مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ تمہارے ساتھی، یعنی رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو جنون نہیں ہے۔ یعنی انہیں کوئی جنون نہیں جو انہیں دعویٰ نبوتِ عامہ پر ابھارتا ہے جیسے اسے کافرو! تمہارا خیال ہے۔ اثنین و فرادیٰ کی قید اس لیے لگائی ہے کہ دو آدمی جب اللہ تعالیٰ کی طرف التجا کرتے اور حق کی طلب کرتے ہیں اور انہیں انصاف مطلوب ہوتا تو وہ یقیناً حق کو حاصل کر لیتے ہیں ایسے ہی ایک کی بات ہے بخلاف کثیر جماعت کے کہ ان میں انصاف کی اُمید بہت کم ہوتی ہے اور بہت بڑا اختلاف اُٹھتا ہے اور ہم نے آنکھوں سے دیکھا ان میں غیظ و غضب کی آگ بھڑک اُٹھتی ہے اور نہ ہی ایسے لوگوں سے ملتِ اسلامیہ کی خدمت کی امید رکھی جا سکتی ہے۔

ف: مثنیٰ کو فرادیٰ سے مقدم کرنے میں ایک حکمت یہ ہے کہ بہ نسبت ایک کے دو کا آپس میں مشورہ کرنا زیادہ اطمینان بخش ہوتا ہے اس لیے کہ جب دو آدمی ایک جگہ پر بیٹھ کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے متعلق خواہش نفسانی کو ترک کر کے صحیح طور پر غور و خوض کریں تو مطلب کو پہنچ جائیں گے۔

شیخ اکبر قدس سرہٗ کی تقریر فتوحاتِ مکیہ میں ہے کہ واعظ کو وعظ اس ارادہ سے کرنا چاہیے کہ رضائے حق حاصل ہو یا دین کی غیرت کی خاطر یا تعظیمِ احکام مدِنظر ہو مثنیٰ میں اللہ تعالیٰ و رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے۔ اس مرتبہ کے انسان کی علامت یہ ہے کہ اسے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے کا موقع نصیب ہوتا ہے اس میں نہ خواہشِ نفسانی ہوتی ہے اور نہ وہ تعظیم، غیرہ کا خیال کرتا ہے اور نہ ہی اسے اپنی غیرت کا تقاضا ہوتا ہے و فرادیٰ اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد ہے یہ اس وقت ہے جب ما بصاحبکم من جنۃ کو محذوف کے متعلق کیا جائے۔ اس تقریر پر تتفکروا پر وقف نہ کیا جانے اور یہ بھی ہے کہ تتفکروا پر وقف تام ہو تو اس وقت یہ معنیٰ ہوگا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پورا غور و خوض کرو گے اور ان کے لانے ہوئے احکام میں تحقیق کرو گے تو تمہیں مکمل طور ان کی ذات کے متعلق معلومات حاصل ہو جائیں گی۔ اس معنے پر ما بصاحبکم من جنۃ جملہ مستانفہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو نظر و تامل پر تنبیہ فرمائی گئی ہے۔ ایسا بہت بڑا امر جس کے تابع دنیا و آخرت ہے وہ ایک مجنون کے ہاتھ میں دے دینا قباحت ہے۔ اگر وہ

مجنون ہوتا تو اتنا بڑا کام اس کے سپرد نہ ہوتا۔ جب کفار و مشرکین آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ان کے ہر معاملہ میں تائید غیبی ہو رہی ہے اور ان کی نبوت کو اللہ تعالیٰ دلائل و حجج سے موثق فرما رہا ہے تو اس سے تمہیں یقین ہونا چاہیے جملہ عالم سے زیادہ عقیل ہیں اور قول کے لحاظ سے تمام لوگوں سے نفیس ہیں اور علم کے لحاظ سے افضل اور عمل کے لحاظ سے احسن اور کمالات بشریہ کے لحاظ سے جامع ترین ہیں بنا بریں ان کے دعوٰی کی تصدیق ضروری ہے جبکہ انہیں ایسے معجزات بھی ملے ہیں جن کے سامنے پہاڑ بھی جھک جاتے ہیں۔

اِنْ هُوَ نہیں ہیں تمہارے صاحب اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ تمہیں ایسی زبان سے ڈر سناتے ہیں جو حق بولتی ہے بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ○ دنیا و آخرت کے سخت ترین عذاب سے اگر تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرو گے، کیونکہ آپ قیامت کے وقوع سے پہلے بھیجے ہوئے نبی ہیں۔ قسم بمعنے اوّل اور قریب ہے اور جو شے تمہارے قریب ہو گی وہی نفس کے قریب ہو گی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے بین یدی عذاب شدید یعنی دنیا و آخرت میں وہ تمہیں عذاب شدید سے نجات دلائیں۔ عذاب شدید سے جہل، نکرۃ، جحود، طرد، لعن یعنی ان امور سے نجات بخشتے ہیں اور آخرت میں حسرت و ندامت اور سوال کی خجالت سے نجات بخشیں گے۔ بعض اخبار میں ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ سوال کرے گا وہ عذاب میں مبتلا ہو گا اس پر وہ خجل اور شرمسار ہو گا اور کہے گا: یا اللہ! ہمیں چاہے کتنا عذاب پہنچا دیجئے لیکن ہم سے سوال نہ ہو۔

تفسیر عالمانہ قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فرمائیے میں تم سے تبلیغ رسالت پر کوئی انعام نہیں چاہتا فَهُوَ لَكُمْ وہ تمہارے لیے ہے یعنی اس تبلیغ پر میرا تم سے کسی قسم کے اجر اور مزدوری کا سوال نہیں۔

شانِ نزول بعض نے فرمایا کہ جب قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودۃ فی القربٰی کا نزول ہوا تو حضور علیہ السلام نے مشرکین مکہ سے فرمایا کہ مجھے میرے رشتہ داروں کے متعلق ایذا نہ پہنچایا کرو۔ وہ آپ کے کہنے پر آپ کے رشتہ داروں کو گالی دینے سے رک گئے۔ لیکن آپ نے ان کے معبودان باطلہ کی مذمت فرمائی تو مشرکین نے کہا کہ ادھر تو ہمیں اپنے رشتہ داروں کو گالی سے روکتے ہو اور خود ہمارے معبودوں کو گالی دیتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ چاہو تم میرے رشتہ داروں کو گالی دو چاہے

انہیں کچھ نہ کہو اِنْ اَجْرِیَ نہیں میرا اجروثواب اِلَّا عَلَی اللّٰهِ مگر اللہ تعالیٰ پر اس لیے کہ میں دنیوی اسباب نہیں چاہتا بلکہ میرا اجروثواب اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ وہی ہر شے پر مطلع ہے میرے صدق اور میرے خلوصِ نیت کو خوب جانتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جو بھی دعوت الی الحق کا امر سرانجام دے اس پر لازم ہے کہ وہ اس میں خالص رضائے الٰہی مدِنظر ہو اسے دنیا و آخرت کا کوئی لالچ درمیان میں نہ ہو۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

۱ زیان میکند مرد تفسیر دان
کہ علم و ادب میفروشد بنان

۲ کجا عقل با شرع فتوٰی دہد
کہ اہل خرد دین بدنیا دہد

ترجمہ : (۱) زیان کرتا ہے وہ مردِ مفسر جو علم و ادب کو روٹی کے بدلے بیچتا ہے۔
(۲) عقل شرع سے کب فتوٰی دیتا ہے کہ عقلمند دین کو دنیا سے دے۔

ف : حضرت امام زروقی نے فرمایا :

الشهيد هو الحاضر الذی لا يغيب عنه معلوم ولا مرئی ولا مسموع ومنه عرف ان الشهيد عبد حافظ على المراقبة واتقى بعلمه و مشاهدة عن غيره۔ (روح البیان ج ۷، ص ۳۰۸)

(شہید بمعنے حاضر کہ جس سے کوئی معلوم و مرئی و مسموع شے چھپی نہ رہے اور عرف میں[1] شہید وہ بندہ ہے جو مراقبہ کا محافظ ہو اور اپنے علم و مشاہدہ کے ذریعہ غیر سے بچتا ہے)

تفسیر عالمانہ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ القذف بمعنے پتھر، تیر وغیرہ جیسی شے کو دور پھینکنا۔ استعارۃً مطلق القا کو کہتے ہیں بامتعدیہ کی ہے اب معنی یہ ہوا کہ فرمایئے کہ میرا رب حق یعنی وحی القا کرتا ہے اور اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اسے چن کر اس پر وحی نازل فرماتا ہے نہ تو اجتباء کسی علت کا محتاج ہے اور نہ ہی اس کا

---

[1] یہی معنیٰ ہم اہلسنت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مجازاً استعمال کرتے ہیں۔
اویسی غفرلہٗ

اصلاً کسی حیلے سے حاصل کیا جا سکتا ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ باطل کو پھینک کر اسے تباہ و برباد کرتا ہے اور اسے مٹاتا ہے۔ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ○ صفت اور مرفوع ہے اور یہ اس کے اسم کے محل پر محمول ہے یا یقذف کی ضمیر مستتر سے بدل ہے یا ان کی خبر ثانی ہے یعنی وہ اپنی آسمانی و ارضی مخلوق کے تمام پوشیدہ امور کو خوب جانتا ہے ان کا وہ امر قولی ہے یا فعلی وغیرہ۔

وظیفہ جو شخص "یا علام الغیوب" کو زیادہ سے زیادہ پڑھے اس پر ایسا حال غالب آجائے گا کہ غیبی باتیں اس کے منہ سے صادر ہوتی ہیں اور اس کے ما فی الضمائر کے حالات منکشف ہو جاتے ہیں اور اس کی روح عالم علوی کی طرف ترقی کرتی ہے اور آنے والے واقعات و حالات اس کی آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں۔ جو شخص اس کا ورد رکھے اس کا نسیان دور ہوگا اور قوتِ حافظہ تیز ہوگی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ غیوب کو صیغہ جمع میں لایا گیا ہے اس لیے کہ وہ ہر طرح کا غیب جانتا ہے اور وہ ہر ایک کے دل کی بات کو جانتا ہے ایسے ہی جو کچھ کسی کے دل میں آنے والے امور ہیں ان کو بھی جانتا ہے ایسے ہی قیامت تک آنے والے لوگوں کے جملہ حالات اور ان کے قلوب کے اسرار کو جانتا ہے اور صیغہ مبالغہ لانے میں بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ وہ حالات مختلفہ کے جملہ امور کو اپنی اپنی اصل حالت پر جانتا ہے اس کے علم میں کسی قسم کا تغیر نہیں اگرچہ معلومات مختلف حالات میں مختلف ہوتی رہتی ہیں اس کو کوئی شے مشغول نہیں رکھ سکتی۔

تفسیر عالمانہ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ فرمایئے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! حق آیا یعنی توحید و اسلام وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ۔ بدأ بمعنے ابتداءً کسی فعل کو کرنا۔ الاعادہ بمعنے لوٹانا۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ شرک مٹ کر رہ گیا یہاں تک کہ اس کا نام و نشان بھی ختم ہو گیا یہ زندہ شے کے مرنے سے ماخوذ ہے کہ جیسے جب وہ مر مٹے تو اس کا نام و نشان تک نہیں رہتا نہ اس کا ہونا کسی کو محسوس ہوتا ہے یا مٹ جانا ایسے ہی شرک کے مٹنے کو اسی سے مثال دی گئی ہے تاکہ معلوم ہو کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کو جڑوں سے اکھاڑا اور ایسا مٹایا کہ اب اس کا نشان بھی باقی نہ رہا۔

(ف: لیکن وہابیہ دیوبندیہ نجدیہ مودودیہ فرقہ کے نزدیک تو بات بات پر شرک کا فتویٰ جاری و ساری ہے معلوم ہوا کہ یہ سارے فرقے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مخالف ہیں۔ اضافہ از اویسی غفرلہٗ)

حدیث شریف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں تشریف لائے کعبہ مکرمہ کے گرد تین سو ساٹھ بت دیکھے آپ اپنے ہاتھ کی لکڑی سے بتوں کو توڑتے جا رہے تھے اور فرماتے جا رہے تھے:

قل جاء الحق وما یبدئ الباطل وما یعید۔

قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فرمایئے اگر میں سیدھے راستے سے بھٹک جاؤں جیسا کہ تمہارا گمان ہے کہ جب سے میں نے تمہارے آباء کا دین چھوڑا ہے تم کہتے ہو کہ یہ گمراہ ہو گئے ہیں **فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِىْ** تو بے شک میں اپنے نفس پر گمراہی ڈال رہا ہوں یعنی میری گمراہی کا وبال میرے نفس پر ہے اس لیے وبال کا اصل سبب گمراہی ہے اس لیے کہ ذاتی طور پر وبال کا سبب یہی نفسِ امارہ بنتا ہے اسی لیے اس کے مقابلہ میں فرمایا **وَاِنِ اهْتَدَيْتُ** اور اگر میں سیدھے راہ کی طرف ہدایت پاؤں **فَبِمَا يُوْحِىْٓ** پس اس سبب سے کہ وحی کی جاتی ہے **اِلَىَّ رَبِّىْ** میری طرف میرے رب سے، حکمت و بیان سے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق و ہدایت کی وجہ سے ہدایت نصیب ہوتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ ضلالت کا منشا خود اپنا نفس ہے جو نفس کو اس کی طبیعت کی طرف سپرد کیا جائے تو اس سے صرف ضلالت و گمراہی حاصل ہوتی ہے۔ اور ہدایت بھی اللہ تعالیٰ کے عطیات سے ہے اور نفس کو اللہ تعالیٰ کے عطیات سے کوئی عطیہ نصیب نہیں ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ووجدک ضالاً فھدیٰ۔

تفسیر عالمانہ **اِنَّهٗ** بے شک اللہ تعالیٰ **سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ** ○ سمیع اور قریب ہے۔ یعنی وہ ہدایت یافتہ اور گمراہ کی ہر بات کو جانتا ہے اور ان کے اعمال کی ہی اسے خبر ہے چاہے وہ کتنا ہی اپنے افعال و اقوال کو چھپائیں۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ وہ ہر بولنے والے کی بات کو جانتا ہے اور وہ ہر شے کے قریب ہے اگرچہ وہ بظاہر کتنا ہی بعید ہو۔

دوست نزدیک تر از من بمن است
وین عجب تر کہ من از وے دورم
چہ کنم با کہ توان گفت کہ او
در کنار من و من مہجورم

ترجمہ : دوست میرے نزدیک اور میرے ساتھ ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ میں اس سے دور ہوں۔ کیا کروں، کسے کہوں کہ وہ میری بغلوں میں ہے لیکن جُدائی کا شکار ہوں۔

ف : بعض مشایخ نے فرمایا کہ سمیع وُہ ہے جب اپنی صفت سمع سے ہر شے منکشف ہو، وہ ہر مسموع کے کلام وغیرہ سے ادراک کرتا ہے۔

وظیفہ اسم سمیع اجابت دُعا کے لیے تیر بہدف ہے جو اسے خمیس کے دن پانچسو مرتبہ پڑھ کر دُعا مانگے اس کی دُعا قبول ہوگی۔ اور بندے کا اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کا یہ معنیٰ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے نیک گمان رکھے۔ چنانچہ حدیث قدسی میں ہے،

انا عند ظن عبدی بی۔

(میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوں)

ف : بعض مشایخ نے فرمایا کہ وہ قریب بایں معنیٰ ہے کہ علی العموم اپنے ظہور سے ہر ایک کے قریب ہے اگرچہ اسے کوئی نہ دیکھے بخلاف اہلِ خصوص کہ ان کے لیے درمیانی حجابات دور کر کے دیکھنا ضروری ہے۔ حجابات سے مراد اس کا اپنا نفس ہے۔

حضرت جنید قدس سرہٗ سے سوال ہُوا کہ قریب کا کیا معنیٰ ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اجتماع کے اعتبار سے قریب ہے۔ اور باعتبار افتراق کے بعید ہے اور قرب حیا لاتا ہے۔ اسی لیے بعض بزرگوں نے فرمایا: ؎

نعرہ کمتر زن کہ نزدیکست یار

(آہستہ بول کہ یار نزدیک ہے)

اس میں اہلِ مشاہدہ کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہر وقت ادب کو ملحوظ رکھتے ہیں اور وہ اتنی گفتگو کرتے ہیں جیسے ایک قریب دوسرے قریب کے ساتھ بولتا ہے، اور اہلِ حجاب کو ادب کہاں! وہ اگر اللہ تعالیٰ کو قریب سمجھتے ہیں تو اپنے حال کے مطابق انہیں مشاہدہ کہاں، ان دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔

تفسیر صُوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ کسی کے گمراہ کرنے سے کوئی گمراہ نہیں ہوتا اس لئے کہ ضلال بھی اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے اور وہ اسے اس وقت پیدا کرتا ہے جب بندہ ہدایت سے اعراض کرتا ہے اسے یوں سمجھے کہ جیسے کسی کے کافر بنانے سے کوئی کافر نہیں

ہوتا اس لیے کہ کفر بھی منجانب اللہ ہے اور وہ بھی ایمان سے اعراض سے پیدا ہوتا ہے۔ نیز اس میں ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ کی طرف اشارہ ہے۔ جب بکری کو ذبح کیا جاتا ہے تو اسے اس کے پاؤں سے لٹکایا جاتا ہے۔ اسی طرح ہر ایک کو اپنے اعمال کی جزا و سزا ملتی ہے کسی کو دوسرے کے عمل سے جزا و سزا نہ ملے گی۔ نہ کسی کو دوسرے کے عمل سے فائدہ ہوگا نہ کسی کی بدعملی سے ضرر سے

ہر کہ او نیک می کند یابد
نیک و بد ہر چہ می کند یابد

(ترجمہ: جو کوئی نیکی کرتا ہے یا بُرائی، اس کی جزا و سزا پائے گا)

حکایت جب نابغہ مسلمان ہوا تو اس سے کہا گیا کہ اصبوث۔ یعنی کیا تو حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو مان گیا ہے۔ اس نے کہا مجھ پر تین آیات غالب آگئی ہیں میں نے ارادہ کیا کہ میں ان کے قافیہ پر تین اشعار کہوں۔ جب میں نے یہی آیت سُنی تو مجھے اس کے مقابلہ کی سکت نہ رہی۔ اس سے میرا یقین محکم ہو گیا کہ یہ بشر کا کلام نہیں اور وہ آیات یہ ہیں:

قل ان ربی یقذف بالحق علام الغیوب۔

اور انہ سمیع قریب۔

تفسیر عالمانہ وَلَوْ تَرٰى یہ خطاب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یا ہر اس شخص کو جو اس خطاب کا اہل ہے یا وہ اس خطاب کو سمجھتا ہے اِذْ فَزِعُوْا اگر تم دیکھو جب کافروں کو گھبراہٹ ہو یا جب مرتے وقت ڈریں گے یا قبر سے اُٹھتے ہی یا بدر کے دن۔ اور لَوْ کا جواب محذوف ہے لرأیت امراھائلا تو اسے بہت بڑا ہولناک پاؤ گے۔ مضارع کے بجائے ماضی اس لیے لایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تحقق وقوع ماضی و مستقبل برابر ہے۔

کعبہ کو ڈھانے والے دھنس جائیں گے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اسی ہزار سفیانی اور اس کی قوم آخری زمانہ میں کعبہ کو ڈھانے کے لیے نکلیں گے۔ جب بیداء کے مقام پر پہنچیں گے تو وہیں دھنس جائیں گے ان میں سے صرف وہ لوگ بچیں گے جو اس واقعہ کی دوسروں کو خبر دیں گے۔

ف: بیداء وہ صاف چٹیل میدان ہے جو حرمین کے درمیان واقع ہے کما فی القاموس۔

ف: بچنے والے جہینہ ہوں گے اسی لیے انہیں یقینی طور پر کہا جائے گا اذ فزعوا الخ

ف: وکاشفی نے لکھا کہ اس تمام لشکر سے صرف دو شخص نجات پائیں گے ایک مکہ میں جا کر خبر دے گا

دوسرا جہنمی ہوگا جس کا چہرہ گُدّی کی طرف پھر جائے گا وہ اسی حالت میں قوم سفیانی کو خبر دے گا۔

فَلَا فَوْتَ الفوت شے کا انسان سے ایسا بعید ہو جانا کہ اس کا ادراک مشکل ہو جائے۔ یعنی قیامت میں وہ عذابِ الٰہی سے نہیں بچ سکیں گے اور نہ ہی اسے بھاگنے سے نجات ملے گی اور نہ ہی ان کے لیے کوئی جائے پناہ ہوگی بلکہ جدھر جائیں گے وہیں انھیں گرفت ہوگی وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ○ اور وُہ قریب کی جگہ سے پکڑے جائیں گے یعنی زمین کے اوپر سے نچلے خطہ کی طرف یا جہاں رہتے ہوں گے وہاں سے جہنم کی طرف یا بدر کے جنگل سے قلیب کی طرف یعنی وُہ گڑھا جو پتھروں اینٹوں کی تکمیل سے پہلے ویران پڑا ہوتا ہے یا اس سے وُہ گڑھا مراد ہے جو عاد قدیم کے نشانات سے باقی پڑا تھا یا ان کا اپنے پاؤں کے نیچے دھنسنا مراد ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ جہاں بھی ہوں اللہ تعالیٰ کے قریب ہیں اس کا عطف فزعوا پر ہے وَقَالُوْٓا اور عذاب کو دیکھ کر کہیں گے اٰمَنَّا بِهٖ ہم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے یہ ضمیر قبل از ذکر نہیں اس لیے کہ آپ کا ذکر گرامی ما بصاحبکم من جنة میں ہوا ہے وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ واؤ کے ساتھ بمعنے سہل تناول (آسانی سے لینا) النوش سے ہے۔ تناوش و تناول کا ایک ہی معنیٰ ہے بمعنے جہاں تک ہاتھ پھیلا کر شے کو لیا جانا ممکن ہو۔ اس کے لینے کے بعد کہتے ہیں تناول و تناوش یا ہمزہ کے ساتھ ہے تو وہ ہمزہ بھی واؤ سے مبدل ہوگا کیونکہ جب واؤ پر ضمہ ہو تو اسے ہمزہ کے ساتھ تبدیل کرنا جائز ہے۔ مثلاً اقتت وقتت میں اور ادؤد ادور میں یا یہ الناش سے ہے بمعنے الطلب کما فی المفردات۔ اب معنی یہ ہوا کہ اب انہیں ایمان کہاں سے بآسانی حاصل ہوگا مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ○ دُور کے مکان سے، اس لیے کہ ایمان دنیا میں قبول کرنا ضروری تھا اس لیے کہ دار التکلیف وہی تھا، اب وہ ان سے دُور ہو گیا اس لیے کہ اب وہ اس سے کوچ کر کے آخرت میں آ گئے ہیں۔ یہ مثال اس سے دی گئی ہے کہ مرنے کے بعد اگرچہ اپنے ایمان میں خلوص ظاہر کریں گے تب بھی بے سُود، اس لیے کہ اب ایمان ان سے کوسوں دور ہو گیا جیسے انسان میلوں کوسوں دُور چلا جائے اور پھر وہاں سے ہاتھ پھیلا کر کسی کو اٹھانا چاہے تو وہ شے اسے نہیں مل سکے گی ایسے ہی اس کا حال ہے جو دارِ دنیا میں ایمان سے محروم رہا تو اسے مرنے کے بعد دولتِ ایمان نصیب نہ ہوگی وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ حالانکہ اس سے قبل وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کر چکے تھے یا یہ ضمیر اس عذاب شدید کی طرف لوٹتی ہے جس سے انھیں حضور علیہ السلام نے ڈرایا مِنْ قَبْلُ اس سے قبل دنیا میں جو ان کے لیے دارِ تکلیف تھا۔ اب اس کے

ان پر دروازے بند ہو گئے اگرچہ توبہ اور اظہارِ ندامت کر رہے ہیں لیکن چونکہ ان کے اسباب منقطع ہو چکے ہیں اسی لیے انھیں اب خسران و ندامت اور عذاب اور درد کے سوا اور کوئی شے نصیب نہ ہوگی ؎

فخل سبیل العین بعدك للبکا
فلیس لایام الصفاء رجوع

ترجمہ ، اب آنکھوں کو رونے کے لیے چھوڑ دے اس لیے کہ اب ان ایام صفا کا دور چلا گیا۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

چو بر روئے زمین باشی توانائی غنیمت دان
کہ دوران ناتوانیہا بسی زیر زمین دارد

ترجمہ : جب دنیا میں بسر کرو تو فرصت کو غنیمت جانو کہ دورِ زمانہ نے بہت بڑے طاقتوروں کو زیرِ زمین کر دیا۔

یعنی جب انسان مرکر زیرِ زمین ہو جاتا ہے تو کچھ نہیں کر سکتا ایسے ہی جب زمین کے اوپر زندہ رہ کر کچھ نہ کرسکا۔

وَيَقْذِفُونَ بِالْغَيْبِ با تعدیہ کی ہے یعنی ظن کاذب کے مطابق باتیں بناتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کی شان کے لائق نہیں مثلاً طعن و تشنیع کرتے ہیں یا عذاب کے بارے میں غلط باتیں بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پہلے ہوگا نہیں اگر ہوگا تو ہمیں نہیں ہوگا۔ چنانچہ کہتے تھے ،

وما کنا بمعذبین۔

مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ۝ مکان بعید سے ، یعنی وہ باتیں حضور علیہ السلام کی شان کے لائق نہیں بلکہ کوسوں دور ہیں مثلاً شعر ، سحر ، کہانت اور کذب ۔ یہ مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی شے کو ایسا دُور پھینکے کہ اس کے گرنے کی جگہ کو خود بھی نہ دیکھ سکے اور پھر یہ سمجھے کہ وہ اصلی جگہ پر پہنچ گیا ہوگا ۔ اس کا عطف وقد کفروا پر ہے۔ اس میں حال کے معنی کی وجہ سے یا صرف قالوا پر وجہ تمثیل ظاہر ہے کہ جس طرح دُور کی جگہ پر تیر پھینکنے والے کو تیر پھینکنے سے کوئی فائدہ نہیں ایسے ہی مرنے کے بعد اظہارِ ایمان پر کافروں کو کوئی فائدہ نہیں وَحِيْلَ

بَيْنَهُمْ اور حائل ہو جائے گی اور ان کافروں کے درمیان ممانعت کھڑی ہو جائے گی وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ اس کے درمیان جو وہ چاہیں گے یعنی ایمان اور نجات از نار کے درمیان ۔ كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِمْ مِّن قَبْلُ جیسا کہ امم ماضیہ کے کفار کے ساتھ کیا گیا ۔ إِنَّهُمْ كَانُوا بے شک تھے وہ دنیا میں فِي شَكٍّ شک میں' اس میں کہ جو ان پر ایمان و یقین واجب تھا جیسے توحید اور مرنے کے بعد قبور سے اٹھنا اور کفر پر بار بار کے اصرار پر نزول عذاب مُّرِيبٍ ○ شک میں ڈالنے والا یعنی تہمت میں ڈالنے اور دل کو مضطرب کرنے اور شور و شر میں ڈالنے والا ۔

ف : مفسرین نے فرمایا کہ مریب اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو شک میں ڈالے ۔ یا اس شخص کے لیے بولتے ہیں جب کوئی کسی کو شک میں ڈالے یا اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو شکی ہو جائے پہلا معنیٰ اشخاص و اعیان کے لیے استعمال ہوتا ہے دوسرا غیر اعیان میں ۔ یہاں دوسرا معنیٰ ہے کہ صاحب شک نے انہیں شک میں ڈالا ۔ یہ اسناد مجازی ہے جیسے شعر شاعر ۔ اس لیے کہ صاحب شعر کی طرف اسناد کی بجائے شاعریت کو شعر کی طرف کیا جاتا مجاز ہے اور اس سے مبالغہ مطلوب ہوتا ہے ۔ یعنی دنیا میں جب کافروں کا کام شک ہی شک تھا تو پھر آخرت میں انہیں یقین کیا فائدہ دے گا ۔ اس لیے کہ دنیا جو دار تکلیف تھی سے نکل کر دار آخرت میں چلے گئے وہاں عذاب کو دیکھ کر اظہار ایمان کریں گے تو انہیں وہ اظہار ایمان کوئی فائدہ نہ دے گا اگرچہ وہ اس وقت یقین سے کہیں گے ۔

ف : آیت میں کفر و رجم بالغیب اور شک کی مذمت کی گئی ہے ۔

سبق : کسی کو لائق نہیں کہ وہ احکام الٰہیہ میں سے کسی حکم کا انکار یا اس میں شک کرے جبکہ اسے دلیل سے معلوم ہو یا مشاہدہ کرلے ۔

شیخ اکبر قدس سرہٗ کی تقریر

الفتوحات المکیہ میں ہے کہ کوئی بیگانہ مرد اگر کسی بیگانہ عورت کو دیکھ رہا ہو تو اس سے فوراً بدگمانی نہ کرنی چاہیے ۔ اس لیے ممکن ہے کہ وہ اس سے نکاح کرنا چاہتا ہو وہ دیکھنے والا طبیب وڈاکٹر ہو تو ان دونوں کو بیگانی عورت کو دیکھنا جائز ہے ۔ اگر کوئی بدگمانی کرے گا اور حقیقت حال اس کے برعکس ہو تو گناہ اس بدگمانی کرنے والے کو ہوگا ۔ ایسی بدگمانی کرنے والے عموماً گنہگار مجرم ہوتے ہیں ورنہ دیندار تو ایسی بدگمانی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتے ہیں اس لیے کہ انہیں معلوم ہے کہ بہت سے گمان گناہ ہوتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم یہ جو بدگمانی کر رہے ہیں ممکن ہے یہ بھی انہی سے ہو تو پھر وہ ایسی گفتگو یا تصور کیوں کرے جس میں گناہ ہو ۔

سبق: انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے نفس سے بدگمان رہے کیونکہ انسان جانتا ہے کہ نفس کی شرارت بہت بُری اور گندی ہے اور انسان اپنے آپ کو خوب جانتا ہے کہ اس کے اندر کون سی خرابیاں ہیں لیکن اپنے اوپر بدگمان رہ کر نفس کو بچا لینا آج تک ہم نے سوائے مشایخ کرام اور اولیاء کرام کے اور کسی کو نہیں دیکھا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے توفیق کی درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہمیں نفس کی شرارتوں سے بچائے۔ (آمین ثم آمین) ؎

ہمیشہ در صدد عیب جوئی خویشیم

نبودہ ایم پے عیب دیگراں ہرگز

ترجمہ: ہم ہمیشہ اپنی عیب جوئی میں لگے رہے اسی لیے ہمیں دوسروں کے عیب کا علم نہ ہو سکا۔

وہی صالح اعمال اور اچھے اخلاق کی توفیق بخشنے والا ہے۔

(صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے لکھا کہ) سورۃ سبا، کی تفسیر سے منگل کی شام ۲۵ ربیع الاول ۱۱۱۹ھ کو فراغت ہوئی۔

فقیر اویسی غفرلہٗ نے گیارہ بجے بروز جمعۃ المبارک ۱۱ جمادی الاُخریٰ ۱۳۹۸ھ میں اس کے ترجمہ سے فراغت پائی۔ فلہذا الحمد علی ذلک وصلی اللہ علی حبیبہ الکریم الرؤف الرحیم سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

سُورۃ الملائکۃ (فاطر)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ
مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۭ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○
مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ
بَعْدِهٖ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۭ
هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ڮ فَاَنّٰى
تُؤْفَكُوْنَ ○ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ
الْاُمُوْرُ ○ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۫ وقفه
وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ○ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ
اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ○ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ
عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ○

ترجمہ : اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔ سب خوبیاں اللہ کو جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا فرشتوں کو رسول کرنے والا جن کے دو دو تین تین چار چار پر ہیں بڑھاتا ہے آفرینش میں جو چاہے۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ جو رحمت لوگوں کے لیے کھولے اس کا کوئی روکنے والا نہیں اور جو کچھ روک لے تو اس کی روک کے بعد اس کا کوئی چھوڑنے والا نہیں اور وہی عزت و حکمت والا ہے۔ اے لوگو! اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو کیا اللہ کے سوا اور بھی کوئی خالق ہے کہ آسمان اور زمین سے تمہیں روزی دے اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو تم کہاں اوندھے جاتے ہو اور اگر یہ تمہیں جھٹلائیں تو بیشک تم سے پہلے کتنے ہی رسول جھٹلائے گئے اور سب کام اللہ ہی کی طرف پھرتے ہیں۔ اے لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ سچ ہے تو ہرگز تمہیں دھوکا نہ دے دنیا کی زندگی، اور ہرگز تمہیں اللہ کے حکم پر فریب نہ دے وہ بڑا فریبی۔ بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے دشمن سمجھو۔ وہ تو اپنے گروہ کو اسی لیے بلاتا ہے کہ دوزخیوں میں ہوں۔ کافروں کے لیے سخت عذاب ہے اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔

تفسیر عالمانہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سورۃ الملائکہ[1] مکیہ ہے اور اس کی پینتالیس آیات ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تمام محامد اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں۔ اس کے ماسوا کی طرف متجاوز نہیں۔ آیت میں اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف خود فرمائی ہے لیکن اس سے بندگانِ خدا کو تعلیم ہے کہ اس کی تعریف کس طرح کریں۔

ف : تعریف نعمت اور محنت سے متعلق ہوتی ہے کیونکہ ہر محنت پر عطیاتِ ایزدی نصیب ہوتے ہیں مثلاً چھینک ایک نعمت ہے اس لیے کہ یہ مسام یعنی جسم کے سوراخوں کے کھلنے اور دماغ سے اجزء خبیثہ کے اندفاع کا سبب ہے جہاں تذکرو تفکر کی قوت ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ سر کا بحران ہے جیسے مریض کے بدن کا بحران پسینہ ہے۔ اسی لیے شارع نے چھینک کے وقت حمد کا حکم فرمایا ہے۔

دردِ سر اور داڑھ کے درد کا علاج

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا : جو چھینک والے سے پہلے ہی الحمد للہ علیٰ کل حال

---

[1] ہمارے ہاں اس کا نام سورۃ الفاطر ہے۔ اویسی غفرلہٗ

کہہ دے وہ درد سر اور داڑھ کے درد سے محفوظ رہے گا۔

اور سُنت کی مثال انگڑائی ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

جذام کا علاج من عطس او تجشا فقال الحمد للہ علیٰ کل حال دفع اللہ بہا عنہ سبعین داءً اھونہا الجذام۔

(جو چھینک یا ڈکار کے وقت کہتا ہے الحمد للہ علیٰ کل حال، تو اللہ تعالیٰ اس سے ستر بیماریاں دُور کرے گا، ان میں سے ایک جذام ہے)

التجشی بمعنے معدے کا سانس لینا یعنی ڈکارنا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ڈکار معدے کے طعام سے بھر جانے سے آتا ہے یہ دین کے مصائب میں سے ایک مصیبت ہے بالخصوص جب نماز میں آئے، اور مصیبت کے وقت بھی حمد کی جاتی ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل کہ آپ ہر مصیبت کے وقت فرماتے: الحمد للہ علیٰ کل حال۔

ربط: حمد کو پہلے نعمت ایجاد پر مرتب فرمایا اس لیے کہ اس سے پہلے کوئی شے نہیں جبکہ ہر کمال کی بنا اسی پر ہے اسی لیے فرمایا:

فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والے کے لیے یہ اضافہ محضہ ہے کیونکہ یہ فاعل بمعنے ماضی ہے اور اسمِ اللہ کی صفت ہے اور جس نے اسے صفت غیر محضہ بنایا ہے وُہ کہتا ہے کہ بدل ہے اور اسمائے مشتقیہ میں یہ قلیل ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ اللہ آسمانوں و زمینوں کو ایسے طور پیدا فرمانے والا ہے کہ جس کی پہلے کوئی مثال نہیں۔

حلِ لغات الفطر (بالفتح) بمعنے الشق (چیرنا) یا کسی شے کو طول میں چیرنا۔ جیسے امام راغب کا مذہب ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ عدم کو چیر کر ان کو نکالا۔ الفطر (بالکسر) بمعنے ترک الصوم۔

حکایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے فاطر السمٰوٰت کا مفہوم سمجھ نہیں آرہا تھا۔ دو اعرابی لڑتے جھگڑتے میرے پاس آئے۔ دونوں کا جھگڑا کنوئیں کے بارے میں تھا۔ ایک نے کہا،

فطرتھا (اسے میں نے ہی ابتداءً کھودا ہے)

تب میں سمجھا کہ فاطر کا مفہوم کیا ہے۔ المبرد نے کہا،

فاطر بمعنے خالق مبتدا۔

ارواحِ انسان ملائکہ سے پہلے اس میں اشارہ ہے کہ سب سے پہلے ارادۂ تخلیق کا تعلق سموات ارواح وارض نفوس سے ہے اور ملائکہ انسانی ارواح سے بعد پیدا ہوئے جیسا کہ آیت میں ان کا ذکر بعد کو ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اور ملائکہ سے رسل بنانے والا ہے۔ یہ اضافہ محضہ ہے اور اسم اللہ کی دوسری نعت ہے اور رُسُلًا، جاعل کا مفعول ہے اور وہ بمعنے ماضی ہے اگرچہ بصریوں کے نزدیک بلا تعریف (الف ولام) عمل نہیں کرتا لیکن چونکہ مضاف ہے اسی لیے معرف باللام کے مشابہ ہو کر عمل کر رہا ہے۔ الجاعل بمعنے المصیر ہے اور الملٰئکۃ سے جبریل و اسرافیل و میکائیل وعزرائیل اور حفظہ وغیرہم علیہم السلام مراد ہیں۔

خصوصیّت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بعض کے نزدیک اسرافیل علیہ السلام صرف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے زمین پر آئے اور آپ کو آنے والے تمام حالات تا قیامت سنا کر آسمان پر واپس آ گئے۔[1]

انسان العیون میں ہے کہ نبوت (کے اظہار) سے پہلے چھ ماہ حضور علیہ السلام ان کی آواز سنا کرتے تھے لیکن ان کو دیکھا نہیں تھا۔ تو قبل از نبوت چھ ماہ کا نزول بھی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ہے۔

رُسُل کی تحقیق رُسُل، رسول کی جمع ہے بمعنی المرسل (بالفتح)۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ملائکہ کو پیغمبر بنا کر بھیجنے والا ہے کہ وہ انبیاء اور اولیاء (علیٰ نبینا و علیہم السلام) کے درمیان وسائط ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام بذریعہ وحی و الہام اور رؤیا و صالحہ پہنچاتے ہیں۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ القاء دو قسم ہے:

۱- صحیح

۲- فاسد

---

[1] اسے ہم علم غیب کلی سے تعبیر کرتے ہیں اور اسرافیل علیہ السلام کا سنانا اس پر دال نہیں کہ آپ کو اس سے قبل علم نہ تھا بلکہ سنانا محض اسرافیل علیہ السلام کی اپنی سعادت پر مبنی تھا۔ جیسے ہم کسی بزرگ کے سامنے کچھ باتیں سنانے بیٹھ جاتے ہیں اگرچہ انہیں ان کا علم ہوتا ہے لیکن ہمارا سنانا اپنی باریابی کے لیے ہوتا ہے۔ اویسی غفرلہٗ

صحیح اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتا ہے جو علوم و معارف پر مشتمل ہوتا ہے یا ملکی ہوتا ہے۔ اس کی علامت طاعت اور ہر نیک کی طرف رجوع ہے اسے الہام سے تعبیر کرتے ہیں۔

خاسد نفسانی ہوتا ہے یعنی جس میں حظِ نفسانی ہو اسے ہاجس کہا جاتا ہے یا وہ شیطانی ہوتا ہے وہ انسان کو معصیت پر ابھارتا ہے اسے وسواس کہتے ہیں۔

اُولِیْٓ اَجْنِحَۃٍ یہ رُسُلًا کی صفت ہے اور اولوا بمعنے اصحاب۔ ذُو کی جمع ہے، جیسے اولاء ذا کی۔ حالتِ جر و نصب میں واؤ لکھنے میں باقی رکھی جاتی ہے تاکہ الی کے ساتھ ملتبس نہ ہو اور بحالتِ رفع واؤ کا لکھنا حالتِ جر و نصب محمول کرنے پر۔ الاجنحۃ، جناح کی جمع ہے، بمعنے پر و بال مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَرُبٰعَ یہ اجنحۃ کی صفتیں اور محلاً مجرور ہیں۔ ان کا معنیٰ ہے دو دو تین تین چار چار۔ یعنی وہ ملائکہ دو دو تین تین چار چار پروں والے ہیں ان کے ذریعے وہ زمین و آسمان پر آتے جاتے ہیں۔ پروں کی وجہ سے انہیں تیز رفتاری حاصل ہے۔ آسمان و زمین کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے ایسے ہی ہر آسمان کے درمیان کی مسافت پانچسو سال ہے بعض اوقات اس ساری مسافت کو آنِ واحد میں طے کر لیتے ہیں۔

پروں کی تعداد اور ان کی حکمتیں

پروں کی تعداد میں بعض ملائکہ کو دوسروں پر فضیلت اور کمال استعدادیت پر دلالت کرتی ہے۔ اب آیت کا مطلب یہ ہے کہ کسی فرشتے کے دو اور کسی کے تین اور کسی کے چار پر ہیں۔ کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ ان کے دو پر تو اڑنے کے لیے ہیں اور تین تین چار چار پر محض آرائش و زیبائش کے طور ہیں۔ مروی ہے کہ ملائکہ کی ایک قسم ہے جن کے چھ پر ہیں دو سے جسم کو ڈھانپتے ہیں دو سے اڑتے ہیں دو سے اللہ تعالیٰ سے حیا کر کے اپنے چہروں کو چھپاتے ہیں لیکن بعض بزرگوں کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان تمام پروں سے اڑتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فعل ہذا کے لیے بندوں کو خبر دے کر اس میں غور و فکر کی دعوت دی اسی لیے ملائکہ کے حالات بعض حضرات (جیسے انبیاء اور بعض اولیاء) آسمان و زمین میں آنکھوں سے معاینہ فرماتے ہیں بعض کو کسی خبر یا نقل سے علم حاصل ہوتا ہے لیکن ان کے جاننے کیلیے عقل کو کوئی دخل نہیں۔ بہرحال ملائکہ کی صورتوں اور پروں کی کیفیت عقل سے معلوم نہیں ہو سکتی کہ عقل طور کہا جا سکے کہ وہ کس طرح اڑتے ہیں، تین پروں سے یا چار سے۔ بس اس سے یہ عقیدہ مضبوط کرنا ہے کہ اللہ بہت بڑی قدرتوں اور حکمتوں والا ہے۔

جبریل علیہ السلام کا قد و قامت

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج جبریل علیہ السلام کو دیکھی کہ ان کے چھ سو پر ہیں، ان میں دو ایسے ہیں جو مشرق و مغرب تک پھیلے ہوئے ہیں۔

اس حدیث کے علاوہ دیگر روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ چار سے زاید پر والے بھی فرشتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے چار تک بیان کر کے زاید کی نفی نہیں فرمائی۔

ف: سُہیلی نے فرمایا، ملائکہ میں پروں سے ان کی صفت ملکیہ اور قوت روحانیہ مراد ہے الجس سے پرندوں والے پر مراد نہیں اور یہ اس کے منافی نہیں کہ وہ مشرق و مغرب کو بھر دیتے ہیں۔ (انسان العیون)

مصنف روح البیان کا فیصلہ

فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ ظاہر سے عدول اچھا نہیں جبکہ حقیقی معنی پر محمول کرنے میں حرج بھی نہیں اور روایات میں ملائکہ کے پر و بال کی تصریح موجود ہے کہ ان کے پر پرندوں جیسے ہیں وہ اس لئے تاکہ مخلوقات اور ملائکہ کی صورتوں میں فرق رہے اگرچہ وہ روحانی مخلوق ہے لیکن اجسام لطیفہ تو رکھتے ہیں پھر ان کے لیے پروں کی جسمانیت (اگرچہ لطیف ہی) سے کون سی شے مانع ہے جیسا کہ اجسام کے لیے جسمانی پر ثابت ہیں تو پھر یوں کہا جائے کہ ارواح نورانی روحانی پر ہیں جیسے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے لیے ثابت ہیں۔

خلاصہ یہ کہ مناسب یہی ہے کہ کہا جائے کہ علویوں کا حال یہ ہے کہ ان کے پر ہوں جن سے اُڑیں اور سفلیوں کا حال یہ ہے کہ وہ زمین پہ چلیں۔ زمین و آسمان کی مخلوق پر جس کی گہری نظر ہے وہ اسے خوب سمجھتا ہے۔ مثلاً براق اگرچہ خچر کی شکل میں تھا لیکن وہ چونکہ علوی تھا اس لیے اس کے پر تھے اور یہ بھی ہمارے خلاف نہیں کہ پروں میں قوت ملکیہ کی طرف اشارہ ہو۔

ملائکہ کی صورتیں

کشف الاسرار میں ہے کہ ملائکہ کرام کی صورتوں کے متعلق عجائب و غرائب وارد ہیں:

(۱) حاملان عرش کے سینگ ہیں اور ان کی صورتیں پہ ... بیل جیسی ہیں۔

(۲) حدیث شریف میں ہے کہ آسمان کے بعض ملائکہ وہ ہیں جن کا آدھا حصہ برف ہے آدھا آگ۔ ان کی تسبیح یہ ہے:

یا من یؤلف بین الثلج والنار الف بین قلوب المؤمنین۔

(اے ثلج اور آگ کے جمع کرنے والے اہل ایمان کے قلوب میں آپس کی الفت پیدا فرما)

اعجوبہ مچھر اللہ تعالیٰ نے زمین پر کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں فرمائی کہ جس کے پر بھی ہوں اور سینگ بھی، اس کی سونڈ بھی ہو اور پاؤں بھی سوائے مچھر کے، باوجودیکہ تمام مخلوق سے ضعیف ترین ہے (مومن فرشتے سے افضل ہے) باوجودیکہ فرشتے بارگاہِ حق کے قریب تر اور نورانی مخلوق ہیں اور مومن باوجودیکہ مٹی سے ہے لیکن فرشتوں سے افضل ہے۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

المومن اکرم علی اللہ من الملٰئکۃ حسن۔

(وہ فرشتے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں مقرب ہیں ان سے مومن مکرم تر ہے)

ولی اللہ کی پرواز ملائکہ اگرچہ ایک لمحہ میں زمین سے آسمان تک پہنچ سکتے ہیں تو مومن کامل آنکھ جھپکنے سے پہلے آسمانوں سے اوپر اڑکر پہنچ جاتے ہیں اس لیے ان کے ہاں عقول سلیمہ اور الباب صافیہ اور توجہات مسرعہ و جذبات معجلہ کے پر ہیں یہ جہد و جہد میں لگے رہے اور سلوک طے کیے پھر انہیں سیر الی اللہ نصیب ہوئے پھر ایسی پرواز نصیب ہوتی جسے ملائکہ دیکھتے رہ گئے۔ حضور نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل۔ (روح البیان ج ۷ ص ۳۱۲)

(میرا اللہ کے ساتھ ایک ایسا وقت ہوتا ہے کہ نہ اس وقت کسی فرشتے کی گنجائش ہے نہ کسی نبی مرسل کی)

؎

۱ بر بساط بوریا سیر دو عالم میکنیم
باد جود نے سواری برق جولانیم ما

۲ چوں باوج حق پریم عاجز شود از ما ملک
گرد باد لا مکانی طرفہ سیرانیم ما

ترجمہ: بوریا پر بیٹھ کر دو عالم کی سیر کرتا ہوں۔ سواری کے بغیر ہماری برق کی دوڑ ہوتی ہے۔ جب ہم حق کی طرف اڑتے ہیں تو ملائکہ ہماری پرواز سے عاجز ہوتے ہیں ہماری سیر لامکاں پر ہوتی ہے۔

یَزِیْدُ اللہ تعالیٰ بڑھاتا ہے۔ زاد لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ لغت میں ازاد نہیں آیا **فِی الْخَلْقِ** جس مخلوق کو، وہ ملائکہ ہوں یا کوئی اور۔ الخلق میں لام جنس کی ہے بمعنے مخلوق۔

مَا یَشَآءُ جو چاہے جس قدر بڑھاتے اپنی مشیت و حکمت پر بڑھاتا ہے کہ جسے کوئی بھی احاطہ نہیں کر سکتا اس لیے ملائکہ کے متعدد پروں یا اس طرح کی دوسری مخلوق میں دوسروں سے مختلف الحال ہونے میں شک کی گنجائش نہیں کیونکہ اس کی مشیت و مقتضائے حکمت یونہی تھا۔

ف: آیت میں صوری معنوی کی زیادتی کی طرف اشارہ ہے مثلاً حسن الصورۃ بالخصوص چہرے کا حسن بعض میں زیادہ ہوتا ہے بعض میں کم۔ اسی لیے کہا گیا ہے،

ما بعث اللہ نبیا الا حسن الشکل وکان نبینا علیہ السلام احلم۔ (روح البیان ج ۷، ص ۳۱۴)	ہر نبی حسین شکل تھا سوائے ہمارے نبی کے کہ آپ ملیح تر تھے۔

یعنی ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بہ نسبت یوسف علیہ السلام کے ملیح و شیریں تر تھے۔

نبی کا گستاخ واجب القتل

جو نبی علیہ السلام کے بارے میں یہ کہے کہ وہ سیاہ (کالے) تھے وہ واجب القتل ہے (ہدیۃ المہدیین)

مسئلہ: اگر اس کی مراد تقبیح و تحقیر نہ ہو بلکہ اس سے سانولی شکل یا عربی اسود مراد لے تو کوئی حرج نہیں جیسے حضور علیہ السلام نے عجم کو احمر اور عرب کو اسود کہا۔ کما قال علیہ السلام:

بعثت الی الاحمر والاسود۔

(میں عرب و عجم کی طرف مبعوث ہوا)

آں سیہ چردہ کہ شیرینی عالم با اوست

(ترجمہ: وہ سیاہ تل کہ رونق عالم اسی سے ہے)

صوری حسن کی علامات

(۱) آنکھوں کی ملاحت

(۲) صورت کا معتدل ہونا

(۳) زبان کی نرمی و طلاقت

(۴) گرفت کی قوت

(۵) بالوں کا حسن

(۶) اچھی آواز

چنانچہ ہمارے نبی علیہ السلام کے متعلق مشہور ہے کہ آپ پیاری آواز والے ہیں۔

حدیث شریف ۱ میں ہے:
للہ اشد اذنا للرجل الحسن الصوت بالقرآن من صاحب قینۃ الی قینتہ۔

(اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف مغنیہ کے مالک سے مغنیہ کی طرف کان لگانے والے سے زیادہ متوجہ ہوتا ہے جو قرآن مجید کو پیارے لہجے میں پڑھتا ہے)

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف ۲ زینوا القرآن باصواتکم۔

(اپنی آواز سے قرآن کی زینت کا اظہار کرو)

ورنہ قرآن مجید تو خود ہی مزین ہے اچھی آواز سے اس کے حسن کو ظاہر کرو۔

مسئلہ: جب تک قرآن مجید کا معنیٰ تبدیل نہ ہو اسے اچھی آواز اور بہتر لہجہ میں پڑھنا جائز ہے۔

ے

۱ چنانکہ میرود از جاے دل بوقت سماع

ہم از سماع بہ اُوا سے خود کند پرواز

۲ خدایرا حدیٔ عاشقانہ سر کن

کہ بے حدی نشود قطع راہ دور و دراز

ترجمہ: (۱) جیسا کہ محض سنتے ہی دل پر اثر انداز ہو سنتے ہی اپنے ماوٰی کی طرف پرواز کرے۔

(۲) خدا را عاشقوں والا حدی پڑھنا سیکھ کہ بے حُدی اتنا لمبا سفر طے کرنا مشکل ہے۔

(۷) خوشنویسی (بھی حُسنِ ظاہری میں شامل ہے۔

حدیث شریف میں ہے:
الخط الحسن یزید الحق وضحا۔

(اچھا خط حق کو اور واضح کرتا ہے)

وہو بالفتح الضوء والبیاض۔

حدیث شریف میں ہے:
علیکم بحسن الخط فانہ من مفاتیح الرزق۔

(خط بہتر کرو کیونکہ یہ رزق کی چابی ہے)

فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی نور اللہ مرقدہٗ) کہتا ہے کہ خوشخطی وہ ہنر ہے کہ ہر ملک اور ہر زمانہ میں مرغوب ہے بہترین خطاطی کمالاتِ بشریہ کا اعلیٰ کمال ہے لیکن یہ مقاصد پر میں داخل نہیں۔ بعض مشائخ نے اپنی وجہ معاش اسی خوشنویسی کو بنایا اور وہ در در کے بھکاری یا دوسروں کے دست نگر نہیں بنے یہ بھی اللہ کے احسانات سے ہے ؎

برو بحسن خطت دل فراخ کن یارا
ز تنگدستی مبر شکوہ اہلِ دنیا را

ترجمہ: اے دوست خطاطی سیکھ کر دل کو فراخ کر، لوگوں کے سامنے اپنی تنگدستی کا شکوہ نہ کر۔

دوسرا معنوی حسن کمال عقل اور رائے صواب و جرأت قلبی و سماحت نفس وغیرہ۔

ف: حقائق سلمی میں ہے کہ تواضع بزرگوں کو، سخاوت اغنیاء کو، استغناء فقراء کو، صدق اہلِ ایمان کو اور شوق عشاق کو سجتا ہے۔

ف: امام قشیری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بلند ہمتی اسے نصیب ہوتی ہے جو اس کا طالب ہو علو ہمتی سے تعلق بالمولیٰ مراد ہے نہ کہ دنیا و عقبیٰ کا تعلق ؎

ہما سے چون تو عالی قدر حرص استخوان حیف است
دریغا سایۂ ہمت کہ بر نا اہل افگندی

ترجمہ: تو ہما ہے اور بلند قدر، تجھے ہڈیوں کی حرص نہیں سجتی۔ افسوس کہ تو نے اپنا سایہ کسی نا اہل پر ڈالا۔

ف: بعض نے کہا انسانی کمال' جمال و کمال اور سیہ روئی میں ہے لیکن فقیر (اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ مقام امتنان کے لائق نہیں جیسا کہ اہلِ اذعان سے مخفی نہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ بے شک اللہ تعالیٰ ہر ممکن شے پر قادر ہے یہ حکم مذکور کی بطور تحقیق تعلیل ہے اس لیے کہ جملہ ممکنات پر قدرت دلالت کرتی ہے کہ وہ شے کے زیادہ کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے اور منجملہ اس کی قدرت کے شہوات اور خضلات سے نکال کر دائرۂ علم میں داخل کرنا بھی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو جو عاجز سمجھتا ہے وہ کافر ہے۔ دیکھیے حضرت ابراہیم بن ادھم پر پہلے لطف صوری فرمایا تو اسے سلطنت اور جاہ و حشم عطا فرما دیا پھر لطف معنوی سے

نوازا تو تعلقاتِ دنیوی اور کدوراتِ نفسانی سے نکال کر واصل الیٰ عالم الاطلاق اور داخل درحرم وفاق بنا دیا۔

حکایت

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ بہت بڑے بادشاہ تھے اور مال و اسباب اور آل و اولاد کی کوئی کمی نہ تھی لیکن ایک دن شکار کے لیے گھر سے نکلے تو پہلے لومڑی اور پھر ہرن کے پیچھے گھوڑا دوڑایا۔ اسی دوران انہیں ہاتفِ غیبی نے آواز دی، اے ابراہیم! کیا تم شکار کے لیے پیدا ہوئے ہو یا اس کا کوئی حکم ہے۔ پھر ان کی زین سے ہاتف بولا کہ اسی لیے پیدا ہوئے ہو یا اس کا تمہیں حکمِ خداوندی ہے؟ یہ سُن کر گھوڑے سے اترے تو آپ کو اپنا چرواہا ملا اس سے اُون کا جُبہ لے کر پہن لیا اور گھوڑا مع سازو سامان اسے دے کر جنگل میں چلے گئے پھر دنیا نے دیکھا کہ کیا سے کیا ہو گئے!

حکایت شجاع کرمانی

شاہ ابوالفوارس شاہین بن شجاع کرمانی رضی اللہ عنہ ایک دن شکار کو نکلے۔ آپ کرمان کے بادشاہ تھے۔ شکار کی دُھن میں چلتے چلتے ایک دور دراز جنگل میں تنہا پہنچے۔ آپ کو ایک نوجوان ملا جو درندے پر سوار تھا اور ان کا لاؤ لشکر بھی ان کے اردگرد درندوں کا تھا۔ درندوں نے شاہ کرمان کو دیکھا، اس کی طرف دوڑے۔ نوجوان نے درندوں کو ڈانٹ کر بادشاہ کے قریب ہو کر علیک سلیک کے بعد کہا، شاہ جی! اتنی غفلت کیوں، تم دُنیا میں اتنے غرق ہو گئے کہ خدا تعالیٰ بھی بھول گیا اور آخرت بھی یاد نہ رہی۔ لذتوں میں چُور ہو کر مالک کی خدمت کو بھی بھول گئے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں شاہی اس لیے دی تاکہ اس سے عبادت میں چُستی دکھاؤ اس کے ذریعہ تم شغلِ اُخروی میں سبقت لے جاؤ۔ جوان نصیحت کر رہا تھا کہ اچانک ایک بڑھیا پانی کا گلاس لائی۔ گلاس نوجوان کو تھما دیا نوجوان نے تھوڑا سا پانی پی کر باقی بادشاہ کو دے دیا، بادشاہ نے پیا۔ فرماتے ہیں میں نے اس جیسا لذیذ اور ٹھنڈا پانی کبھی نہیں پیا تھا۔ بڑھیا تو پانی دے کر غائب ہو گئی اور نوجوان بدستور شاہِ کرمان کی نصیحت میں لگا رہا اور فرمایا، دیکھیے شاہ جی! یہ دُنیا اور اس کا تمام سرمایہ اللہ تعالیٰ کا ہے لیکن اس نے مجھے عطا فرما کر حکم فرمایا ہے جو چاہو جتنا خرچ کرو۔ اب جب مجھے کوئی ضرورت پڑتی ہے تو دنیا کو بلا کر اس سے اپنی ضرورت کی چیز لے لیتا ہوں۔ یہ بڑھیا دنیا ہی تو تھی کیا تمہیں معلوم نہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا کو حکم دے رکھا ہے کہ جو بندہ میری بندگی کرے تو اس کی خادمہ (لونڈی) بن جا اور جو تیری خدمت کرے تو اسے اپنا خادم (غلام) بنا لے۔ یہ سُن کر شاہِ کرمان تائب ہوا۔ پھر جو مرتبہ انہیں

ملا وہ دنیا جانتی ہے۔

ف : یہ دونوں بادشاہ تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی یاد سے گویا فرشتے بن گئے اور یہ آیت (یزید فی الخلق ما یشاء) ان کے حال پر صادق آتی ہے اللہ ہی توفیق بخشنے والا ہے۔

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ ما شرطیہ محلاً منصوب ہے اس کا عامل یفتح ہے الفتح بمعنے بیڑیاں زائل کرنا اور عرف میں بمعنے فتحمندی۔ چونکہ یہ ارسال و اطلاق کا سبب ہے۔ اسی لیے استعارۃً یہ ارسال کے معنیٰ میں ہے جیسا کہ لا مرسل لہ کا قرینہ بتاتا ہے کہ مرسل' فاتح کی بجائے استعمال ہوا ہے۔ تفسیر الارشاد میں ہے کہ ارسال کو فتح سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ وہ نفیس خزائن اور عزیز ترین مال ومنال سے ہے۔ اور رحمۃً کو نکرہ لانے میں اشارہ ہے کہ یہ خزانہ لٹانے کا ہے لیکن ہے تمہاری سمجھ سے بالاتر۔ یعنی وہ جو بھی رحمت کے خزانے لٹائے وہ نعمت ہو یا صحت و عافیت، علم ہو یا حکمت وغیرہ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر وہ جو اپنی بخشائش (جیسے نعمت و عافیت و صحت) بھیجتا ہے۔ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا مخلوق میں کوئی بھی طاقت نہیں رکھتا کہ اسے روک سکے کیونکہ اسے دنیا سے کوئی شے روکنے والی نہیں۔

ف : بعض نے کہا کہ فتح دو قسم ہے :

(۱) فتح الٰہی یعنی علوم اور ان ہدایات تک پہنچنا جو ثواب و مقامات کا ذریعہ ہیں اسی کو فرمایا :

انا فتحنا لک فتحاً مبیناً۔

(بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرمائی)

اور فرمایا :

فعسی اللہ ان یاتی بالفتح او امر من عندہ۔

(تو قریب ہے اللہ فتح لائے یا کوئی امر اسی کی طرف سے آئے)

(۲) فتح دنیوی یعنی لذات بدنیہ تک پہنچنا۔ اسی کو فرمایا :

ما یفتح اللہ للناس من رحمۃ الخ

(وہ جو اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے رحمت کھولے)

اور فرمایا :

لفتحنا علیہم برکات من السماء والارض۔

(ہم نے ان پر آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیے)

فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ موجودات میں سے کوئی بھی اس کے کھولنے کی طاقت نہیں رکھتا اور نہ ہی کوئی کسی کو دے سکتا ہے جس سے وہ روک دے اسے کوئی دینے والا نہیں۔

نکتہ: پہلے جملے میں ضمیر مؤنث اور ثانی میں مذکر اس لیے ہے کہ رحمۃ مؤنث ہے اسی لیے ضمیر مؤنث صحیح ہے لیکن دربارہ مذکر میں رحمۃ مرجع نہیں بلکہ مطلق مملوک اشیا، تو اس میں اشارہ ہے کہ اس کی رحمت اس کے غضب سے سابق ہے یعنی بحیثیت تعلق کے، ورنہ اس کی دونوں صفات صفات باری تعالیٰ ہیں ان میں ذاتی طور ایک دوسری سے سبقت کا کوئی معنیٰ نہیں۔

مِنْۢ بَعْدِهٖ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی امساک ومنع، جیسے فمن یھدیہ من بعد اللہ میں بعد کے بعد ہدایت مضاف محذوف ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے بعد وَهُوَ الْعَزِيْزُ اور وہ ہر شے پر غالب ہے منجملہ ان کے فتح وامساک ہے کوئی ایسا نہیں جو اس کے بالمقابل ہو کر فتح و امساک کر سکے الْحَكِيْمُ صاحب حکمت ہے کہ جیسے اس کی حکمت ومصلحت کا تقاضا ہوتا ہے اسی طرح کرتا ہے۔

وظیفۂ نبوی حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد پڑھتے:

لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریك له له الملك وله الحمد وھو علی کل شئ قدیر اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منك الجد.

(اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اس کا ملک ہے اسی کے لیے حمد ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے اے اللہ! جسے تو دے اسے کوئی نہیں روک سکتا اور جس سے تو روکے اسے کوئی نہیں دے سکتا کوشش سے کوئی فائدہ نہیں تجھ سے ہی بزرگی ہے)

شرح الحدیث الجد بالفتح بمعنے الحظ والاقبال (دنیا کا بخت واقبال) یعنی جسے دنیوی بخت اقبال حاصل ہے اسے اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا، ہاں اسے فائدہ ہوگا تو طاعت اور عمل صالح سے۔

حدیث شریف حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ہاتھ اس امت کے لیے ہمیشہ کھلے رہیں گے یہاں تک کہ جب اچھے لوگ

شریروں سے نرمی اور نیک لوگ فاجروں کی تعظیم و تکریم کرنے لگیں گے اور قراء علماء اپنے علم سے معصیت کے درپے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنا دستِ رحمت ان سے کھینچ لے گا۔

تفسیر صوفیانہ صاحب کشف الاسرار نے فرمایا کہ اہلِ فہم جانتے ہیں کہ یہ آیت اہلِ ایمان کی فتوحات اور اہلِ عرفان کے متعلق ہے فتوح کہتے ہیں بلا طلب و بلا کسب شے کا حاصل ہونا۔

یہ دو قسم ہے:

(۱) مواہب صوریہ، جیسے رزق بلا کسب۔

(۲) مطالب معنویہ، جیسے علم لدنی جو پڑھنے کے بغیر حاصل ہو۔

ے

۱ دست لطفش منبع علم و حکم
بے قلم بر صفحۂ دل زد رقم

۲ علم اہلِ دل نہ از مکتب بود
بلکہ از تلقین خاص رب بود

ترجمہ: (۱) اس کا دستِ لطف علم و حکمتوں کا سرچشمہ ہے قلم کے بغیر دل کی تختی پر لکھ دیا۔

(۲) اہلِ دل کا علم مدرسہ کا محتاج نہیں بلکہ انہیں رب تعالیٰ کی خصوصی تلقین نصیب ہوتی ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ اتنی جدوجہد کرے کہ اسے بغیر مشقت اور تکلیف کے رزق صوری و معنوی نصیب ہو۔

حکایت حضرت شیخ ابو یعقوب بصری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حرم شریف میں دس دن بھوکا رہا اور نڈھال ہو گیا۔ مجھے نفس نے وسوسہ میں ڈالا کہ کہیں باہر نکل جائیے ممکن ہے کچھ کھانے کو مل جائے۔ ایک وادی کی طرف نکلا تو مجھے گرا ہوا شلجم ملا میں نے اسے اٹھا لیا، ایک شخص میرے قریب بیٹھ گیا اور بند تھیلا میرے آگے ڈال کر کہا یہ آپ کے لیے ہے۔ میں نے پوچھا: میری تخصیص کیسی؟ اس نے کہا کہ ہم سمندر میں دس دن سفر کرتے رہے ایک دن کشتی ڈوبنے لگی سب نے کہا کہ منت مانو تا کہ ہم ڈوبنے سے بچ جائیں۔ ہر ایک نے جیسے چاہا منت مانی، میں نے منت مانی کہ حرم کے باہر جو شخص مجھے سب سے پہلے ملے گا میں اسے کچھ صدقہ کروں گا چونکہ سب سے پہلے مجھے آپ ہی ملے اس لیے یہ آپ کو دے رہا ہوں، میں نے اُسے کھولا تو اس میں بہترین کیک، بادام اور کباب تھے میں نے ان سے

ایک ایک اٹھا کر باقی اسے دے دیا اور کہا: بچوں کو کھلاؤ میری طرف سے ہدیہ ہے پھر میں نے دل میں کہا کہ افسوس میرا رزق مجھے دس روز سے تلاش کر رہا ہے اور میں وادیوں میں بھٹک رہا ہوں ؎

صائب فریب نعمت الوان نمی خوریم
روزیؔ خود ز خوان کرم می خوریم ما

ترجمہ: اے صائب! ہم قسم قسم نعمتوں سے دھوکا نہیں کھاتے ہم تو روزی اس کے نعمت کے دسترخوان سے کھاتے ہیں۔

اور فرمایا: ؎

کشاد عقدۂ روزی بدست تقدیر است
مکن ز رزق شکایت ازین و آن زنہار

ترجمہ: روزی کی عقدہ کشائی تقدیر کے ہاتھ میں ہے روزی کی شکایت کسی سے نہ کر۔

دُعا: اے اللہ ہمارے لیے بہترین دروازہ کھول اور ہمیں وہاں سے روزی دے جو اپنے محبوبوں کو عطا فرماتا ہے تُو ہی تو رحمت کے دروازے کھولنے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عام ہے' لام جنس کی ہے یا اس سے صرف اہل مکہ ہی مراد ہیں اس وقت لام عہد کی ہے اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ اپنے اوپر کے انعام کو یاد کرو۔

قاعدہ: قرآن مجید میں لفظ نعمت کا لفظ تا کے ساتھ آیا ہے اسے ابن کثیر، ابو عمرو، کسائی نے یا (وقف) کے ساتھ پڑھا ہے یہاں پر نعمت بمعنے انعام ہے اگر مصدر کے معنیٰ میں ہو، ورنہ انعام کا اسم ہے۔

اب معنی یہ ہُوا کہ نعمت کا حق جان کر اس کی حفاظت اور اس کا اعتراف کرو اور عبادت و اطاعت صرف اسی سے مخصوص سمجھو جس نے تمہیں نعمتوں سے نوازا ہے۔ نعمت عام ہے خارجیہ ہو جیسے مال وجاہ۔ یا بدنیہ ہو جیسے صحت وطاقت یا نعمت نفیسہ جیسے عقل وفہم۔ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ۔ ربط: چونکہ نعمت کا ذکر منعم کے ذکر کو مستلزم ہے اسی لیے استفہام انکاری سے یاد دلایا کہ کیا کوئی اللہ کے سوا خالق ہے یعنی کیا خالق حقیقی کے علاوہ کوئی اور خالق موجود ہے یعنی اس کے سوا کوئی اور خالق نہیں۔ خالق مبتداء اور اس کی خبر محذوف ہے۔ من کا اضافہ محض تاکید اً ہے تاکہ عموم کے معنی کی تاکید ہو۔ غیر اللہ' خالق کی محلاً نعت ہے اور مجرور ہو تو بھی لفظاً نعت ہے۔

الاسئلۃ المتقدمہ میں ہے کہ اس میں معتزلہ کا رد ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اپنے افعال کے

ردِ معتزلہ ہم خود خالق ہیں۔ ان کی تردید آیت میں واضح ہے بلکہ اس میں تاکید کے لیے مِنْ کا اضافہ ہے تاکہ عقیدہ مستحکم ہو کہ صرف اور صرف وہی خالق ہے۔

یَرْزُقُکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وہی تمہیں آسمان و زمین سے روزی بخشتا ہے یعنی آسمان سے بارش اور زمین سے کھیتی کے ذریعے تمہیں رزق عطا ہوتا ہے۔ یہ جدید کلام ہے اس میں سابق کلام کے ساتھ اعراب کا کوئی تعلق نہیں اور نہ اسے خالق کی نعت بنایا جا سکتا ہے کیونکہ اس کا معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ ایسا خالق ہے کہ اس کا غیر نہیں اور رازق ہے لیکن اس سے غیر اللہ کی رزاقیت کی نفی نہ ہو سکے گی اور نہ ہی اسے مبتدا کی خبر بنایا جائے گا کیونکہ اس کا معنیٰ یہ ہوگا کہ غیر اللہ ایسا خالق نہیں جو روزی دے۔ اس سے بھی غیر اللہ کے وجود کی نفی نہ ہوگی حالانکہ مقصود یہ ہے کہ اس کی ذات کے سوا کوئی نہیں جس کے یہ اوصاف ہوں۔

نکتہ ان اوصاف کو یہاں ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب بندہ یقین کرے گا کہ اس کے سوا نہ کوئی خالق ہے نہ رازق تو اس کے دل کا تعلق غیر اللہ سے نہ ہوگا بلکہ صرف ذات سے متعلق ہو کر صرف اسی کا طالب ہوگا اور نہ کسی سے رزق کی طلب کرے گا بلکہ وہ اپنے سے بھی بیزار ہو کر غلط تدابیر اور حیلوں سے محفوظ ہو جائے گا اور نہ ہی اپنے جیسوں کے لیے وہم میں پھنسے گا اس طرح ایسی خرابیوں سے بچ کر تقدیر کے شہود میں مستغرق ہو جائے گا۔

ف: میرے پیر و مرشد اور شیخ محقق نے فرمایا کہ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نفس کے گرفتار! تجھے یاد نہیں کہ تو کچھ نہیں تھا پھر تجھے وجود بخشا۔ اب اگر تو اپنے آپ کو میری درگاہ میں لے آئے اور تمام تدابیر کو ختم کر کے ہماری تدبیر پر اکتفا کرے اور اسی میں اپنی خیر تصور کرے تو پھر تمام پریشانیوں سے محفوظ ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل سے ایسے ہی بنا دے۔ (آمین)

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ○ جب تمہیں یقین ہے کہ وہی الوہیت و خالقیت و رزاقیت کا مستحق ہے تو پھر کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو کہ توحید کا دامن چھوڑ کر شرک کے پنجے میں گرفتار ہو رہے ہیں اور اسی حقیقی مالک کی عبادت کو ترک کر کے بت پرستی میں مبتلا ہو رہے ہو وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ اگر کفار اس پر مُصر ہیں کہ وہ تمہاری تکذیب سے باز نہیں آتے تو اے محبوب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) غم نہ کھائیے بلکہ صبر کیجئے فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ کیونکہ تمہارے پہلے رسل کرام کی بھی تکذیب ہوئی حالانکہ وہ بھی بہت عزت والے اور کثیر التعداد تھے

مِنْ قَبْلِكَ تم سے پہلے تو انہوں نے صبر کیا تو کامیاب ہوئے وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ اور صرف اللہ کی طرف جملہ امور لوٹائے جائیں گے۔ الرجع بمعنے الرد۔ بالآخر یہ تمام امور اسی کی طرف لوٹیں گے تو وہی سب کو جزا و سزا دے گا یعنی صابر کو صبر کی اور تکذیب کرنے والے کو تکذیب کی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے اولیاء کو تسلی کا سبق ہے اور تنبیہ ہے کہ صبر سے ایذاء کا دکھ درد ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اور بتایا گیا ہے کہ جیسے تمہیں کفار دکھ پہنچا رہے ہیں ایسے ہی سابق انبیاء علیہم السلام کو بھی دکھ پہنچے انہوں نے صبر کیا تو اللہ نے ان کی مدد فرمائی اور تم بھی صبر کرو گے تو تمہیں بھی مدد ملے گی۔ غرضیکہ تمہیں ان کا طریقہ اپنانا چاہیے ایسے ہی ارباب سلوک کو سبق سیکھنا چاہیے کہ جب انبیاء علیہم السلام کے ساتھ سفہاء غلط طریق سے پیش آئے اور ان کی اتباع صرف چند معمولی آدمیوں نے کی ایسے ہی تمہاری ارادت میں اگرچہ اور معمولی لوگ داخل ہوتے ہیں اور باقی ایذاء دیتے ہیں تو صبر کیجئے کیونکہ اہل حقائق کا ہمیشہ سے یہی طریق رہا ہے کہ وہ ایذاء برداشت کرتے آئے بلکہ وہ اسی کو راحت سمجھتے کہ وہ ایذا دینے والوں کا حال چھپاتے۔ عوام اس طریقے کو جلد قبول کرتے ہیں بخلاف قرّاء خود بینوں کے بلکہ علماء ظواہر تو اس کا کھلم کھلا انکار کر دیتے ہیں یہ انکار و اقرار عزیز و علیم کی طرف لوٹے گا وہی مبداء معاد کو جانتا اور صرف اپنے ارادے اور حکمت و مصلحت پر تدبیر کرتا ہے۔

سبق : دانا عشق و اقرار کو اختیار کرتا ہے اگرچہ اسے معلوم ہے کہ اس میں دکھ درد اور ملامت ہے اور نفی و انکار سے دور بھاگتا ہے اگرچہ اس میں راست و سلامت ہے اسی لیے کہ عشق کا قطرہ عابدین کی کروڑوں عبادت سے بہتر ہے۔ حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے کہا : ؎

ہر چند غرق بحر گناہم ز صد جہت
گر آشنائے عشق شوم غرق رحمتم

ترجمہ : اگرچہ گناہوں کے دریا میں غرق ہوں۔ اگر عشق سے آشنائی نصیب ہو گئی تو رحمت میں غوطہ لگا رہا ہوں۔

ف : طریقۂ عشق تفرید کے ساتھ توحید و اثبات ہویت ہے۔ چنانچہ فرمایا لا الٰہ الا ھو۔ اس میں اشارہ ہے کہ وہ غائب موجود ہے اگر حواس سے غائب ہے وہ ازل سے موجود ہے وہی معبود ہے وہی ہر مبتدی و منتہی کا ذکر ہے مبتدی کے حق میں تو وہ غائب ہے کیونکہ وہ اہل حجاب سے ہے اور منتہی کے حق میں حاضر ہے کیونکہ وہ اہل کشف سے ہے اس لیے کہ وہ صرف مطلق ہویت کا مشاہدہ کرتا ہے بظاہر

وہ دو حرفوں (ہ، و) سے مرکب ہے اور عقل میں بھی دو حرفوں (ا، ی) سے مرکب ہے۔ ان دونوں کو ملانے سے چار حرف بنتے ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ وہ احاطۂ تربیعیہ سے محیط ہے یعنی احاطۂ اول و آخر و ظاہر و باطن سے اولیت و آخریت عقلی اعتبار سے ہے اس پر الف و یاء دلالت کرتے ہیں اور ظاہریت و باطنیت حسی اعتبار سے ہیں اس پر ہاؔ و واؤ دلالت کرتے ہیں الف ہاؔ میں پوشیدہ ہے اور یاؔ واؤ میں۔

مسئلہ: ذکر جہاد سے افضل ہے کیونکہ جہاد و شہادت کا اجر بہشت ہے۔ ذاکر خدا تعالیٰ کا ہم نشین ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

انا جلیس من ذکرنی۔

(میں اس کا ہم نشین ہوں جو مجھے یاد کرتا ہے)

اور ظاہر ہے کہ شہودِ حق دخولِ جنت سے افضل ہے اسی لیے رویۃ باری تعالیٰ دخولِ جنت کے بعد نصیب ہوگی۔ لیکن ذکر میں قلب و روح و جمیع قویٰ کا حضور ضروری ہے ؎

حضورِ قلب بباید کہ حق شود مشہود
وگرنہ ذکر مجرد نمی دہد یک سود

ترجمہ: حضورِ قلب ضروری ہے تاکہ حق مشہود ہو ورنہ خالی ذکر کوئی فائدہ نہ دے گا۔

تفسیر عالمانہ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ اے لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ یعنی مرنے کے بعد جی اٹھنا اور جزا و سزا حق ہے یعنی ثابت ہے جس کا خلاف ہرگز نہ ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ثواب و عذاب اور جنت کے درجات اور دوزخ کے درکات اور ملیک مقتدر کے ہاں نشست اور اعلیٰ علیین کے قربات اور اسفل السافلین کا بُعد حق ہے۔ جب کوئی یہ جانے گا تو نزولِ موت سے پہلے اس کی تیاری کرے گا، نہ اسے رزق کی فکر ہوگی نہ وہ اپنے پروردگار پر کفایت تشغل کی تہمت لگائے گا بلکہ طاعت کی کثرت سے خوش اور رزق مقسوم پر راضی ہوگا۔

تفسیر عالمانہ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا تمہیں حیاتِ دنیا دھوکا میں نہ ڈالے یعنی تمہیں دنیا کے اسباب کا خیال آخرت کے تصورات سے نہ ہٹا لے حالانکہ تمہیں آخرت کے لیے نیک اعمال کی کوشش کرنی چاہیے اور تمہیں دنیوی زیب و زینت اور اس کے شہوات ریاضات و مجاہدات و ترک الاوطان طلب حق میں مفارقۃ الاخوان سے دور نہ کر دے۔

ف : اگرچہ بظاہر حیاتِ دنیا سے نہی ہے لیکن درحقیقت دنیا سے ہی دھوکا کھانے کی نہی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:
یا ابن آدم لا یغرنك طول المهلة فانما یعجل بالاخذ من یخاف الفوت۔
(اے ابن آدم! تمہیں لمبی مہلت (زندگی) دھوکا نہ دے جو فوت ہونے سے ڈرتا ہے اسے جلد ہی پکڑا جاتا ہے)

حکایت حضرت علاء بن زیاد فرماتے ہیں کہ میں نے دنیا کو خواب میں دیکھا تو وہ نہایت قبیح اور اندھی اور بوڑھی تھی لیکن دنیوی زیب و زینت سے بھرپور۔ میں نے کہا میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں بتا تو سہی تو ہے کون؟ اس نے کہا میں دنیا ہوں۔ اگر مجھ سے حقیقی پناہ مانگتا ہے تو درہم و دنانیر اپنے سے دور رکھو اتنا اپنے پاس رہنے دے جتنا تجھے نان و نفقہ پر یا راہِ حق میں خرچ کرنا پڑے۔

حدیث شریف میں ہے:
الدنیا غنیمة الاکیاس و غفلة الجهال۔
(دنیا سمجھدار کے لیے غنیمت اور جہال کے لیے غفلت کا سبب ہے)
اس لیے کہ سمجھدار دنیا کو مختلف طاعات کے لیے خرچ کرتا ہے گویا وہ دنیا میں طاعات کا بیج بو رہا ہے تاکہ کل قیامت میں اس سے فصل کے ڈھیر اٹھا سکے۔ اسی لیے حدیث شریف میں فرمایا،
الدنیا مزرعة الآخرة۔
(دنیا آخرت کی کھیتی ہے)

س

۱ نگہ دار فرصت کہ عالم دمیست
دمے پیش دانا براز عالمیست

۲ دل اندر دلارام دنیا مبند
کہ ننشست با کس کہ دل برنکند

ترجمہ (۱) فرصت کو نگاہ میں رکھو اس لیے کہ دنیا ایک لمحہ ہے اسی لیے سمجھدار کے لیے ایک لمحہ تمام عالم دنیا سے بہتر ہے۔
(۲) دنیا بظاہر محبوب ہے اس میں دل نہ لگا یہ جس کے ساتھ بیٹھی ہے اس کا دل توڑا ہے۔
وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ اور اللہ کے کرم و عفو اور وسعت رحمت کر دھوکا نہ دے الْغَرُوْرُ دھوکا دینے

والا ہے۔

حلِ لغات الغرور بروزن فعول شکور صبور کی طرح مبالغہ ہے یہ شیطان کا نام ہے اس لیے کہ وہ انتہائی دھوکا باز ہے اور غرور مصدر ہے بمعنے دھوکا دینا۔ المفردات میں ہے کہ ہر وُہ شے جو انسان کو دھوکا دے جیسے جاہ و مال اور شہوت و شیطان وُہ غرور ہے۔ اور شیطان کو بھی الغرور اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ تمام دھوکا بازوں کا سرغنہ ہے۔ اور دنیا کو بھی الغرور کہتے ہیں کہ وہ دھوکا اور نقصان دے کر ہاتھوں سے نکل جاتی ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ تمہیں سب سے بڑا دھوکا باز شیطان دھوکا نہ دے بایں طور کہ گنا ہوں پر اصرار اور دل میں مغفرت کی امید۔ مثلاً کہتا رہے کہ گناہ کیے جاؤ کیونکہ وہ غفور ہے وہ تمام گناہ بخش دے گا اور اسے تمہاری عبادت کی کیا ضرورت ہے اور تمہیں عذاب دے کر اسے کیا فائدہ ہوگا اگرچہ اس کی یہ باتیں اپنی جگہ صحیح ہیں لیکن گناہوں کو ہاتھ لگانا اور بخشش کی امید میں رہنا ایسے ہے جیسے زہر اس خیال پر پینا کہ تریاق مل جائے گا تو زہر اتار دے گا خدانخواستہ زہر پی لے لیکن تریاق نہ ملے تو پھر سوائے مرنے کے چارہ نہیں۔ ایسے ہی گناہ کرے اور بخشش نصیب نہ ہو تو تباہی و بربادی کے سوا چارہ نہ ہوگا۔ مانا کہ اللہ تعالیٰ اکرم الاکرمین ہے لیکن اہلِ کرم کے لیے۔ اور وہ شدید العقاب بھی ہے اہلِ عذاب کے لیے۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ شیطان کے دھوکوں سے ایک تسویف در توبہ، وہ یہ کہ گناہ کرانے کے بعد یہ کہے کہ توبہ میں دیر کیجیے کیونکہ ابھی تُو جوان ہے نقد عیش کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔

سے

امشب ہمہ شب یار و می و شاہد باش
چوں روز شود توبہ کن و زاہد باش

ترجمہ : آج رات تمام شب محبوب اور شراب میں بسر کیجئے صبح کو توبہ کرکے زاہد بن جانا۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ ایسے دھوکے سے راہِ حق سے نہ بھٹکے اور اس نکتہ الفرصت تمر السحاب (فرصت بادل کی طرح نکل جائے گی) سے غافل نہ ہو۔ سے

عذر با فردا فگندی عمر فردا را کہ دید
(عذر کو کل تک چھوڑ رہا ہے بھلا کسے معلوم ہے کہ کل ہوگی یا نہ) [1]

---

[1] اسی لیے بزرگ فرماتے ہیں کہ آج کا کام کل پہ نہ چھوڑو۔ اویسی غفرلہٗ

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تمہارے ساتھ تو اس کی پرانی دشمنی ہے تمہارے باپ آدم علیہ السلام کے ساتھ اس نے کیا کیا۔ ایسے ہی اب بھی تمہاری دشمنی میں کوئی کمی نہیں کرتا۔

ف: لکم کی تقدیم صرف اہمیت کے اظہار کے لیے ہے۔

فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا تم بھی اسے دشمن سمجھو کر اپنے عقائد و اعمال اس کے خلاف رکھو اور ہر وقت اس سے پُر خطر رہو۔

نسخہ روحانی کسی بزرگ سے سوال کیا گیا کہ شیطان سے کس طرح دشمنی کی جائے انہوں نے فرمایا کہ اس کی آرزو پوری نہ کرو اور اپنے نفس کی مخالفت کرو اور جو کچھ کرو وہ شرع شریف کے موافق اور طبع کے مخالف ہو۔ صرف زبان سے کہنا کہ ہم اس کے دشمن ہیں، کسی کام کا نہیں۔ جب تک قلب و روح اور اعضاء سے اس کی مخالفت عملی طور پر نہ کرو۔

شیطان سے دوری کا نسخہ ذکر الٰہی پر مداومت اور پروردگار سے استعانت سے شیطان قریب نہیں آتا کیونکہ جب کتے کے مالک کی مدد نہ ہو گی کتے پھاڑ کھائیں گے۔

اِنَّمَا يَدْعُوْا بے شک شیطان بلاتا ہے حِزْبَهٗ اپنے گروہ اور جماعت کو۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ شیطان کی جماعت سے ذکر سے روگردانی کرنے والے اور غیر اللہ سے مشغول ہونے والے۔

لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ○ تاکہ وہ شیطان کی پیروی و اتباع سے دائمی طور دوزخ میں رہیں۔

الارشاد میں ہے کہ اس سے شیطان کی عداوت اور اس سے دور رہنے کی تقریر مطلوب ہے اور تنبیہ ہے کہ شیطان کا مقصد اپنی جماعت کو بڑھانا ہے اور دنیوی مشاغل میں غرق ہونے والوں کو یقین ہونا چاہئے کہ جتنا اس میں انہماک اور سرگردانی کرو گے اتنا ہی اُخروی عذاب میں مبتلا ہو گے۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وہ جو کافر ہیں یعنی ایمان کے موجبات کے خلاف ہو کر اس پر اصرار کرتے ہیں لَهُمْ ان کے کفر اور دعوتِ شیطان کو قبول کرنے کی وجہ سے ان کے لیے عَذَابٌ شَدِيْدٌ سخت عذاب ہے نقد یا دیر سے۔ نقد تو یوں کہ ان کے قلوب متفرق اور بصائر میں اندھاپن اور پست ہمتی، یہاں تک کہ بت پرستی پہ خوش اور خواہشاتِ نفسانی پہ راضی اور شیطان کی اتباع میں سرمست ہیں

اور دیر سے عذاب یوں کہ آخرت میں دوزخ میں جائیں گے اور اس کی سختی و شدت سب کو معلوم ہے ۔
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور وہ جو ایمان اور یقین پر ثابت قدم ہیں وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور نیک عمل
کیے یعنی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اطاعت کی تاکہ نورِ ایمان میں اضافہ ہو لَهُمْ ایمان اور عمل صالح
منجملہ اس کے شیطان کے ساتھ دشمنی بھی ہے اس وجہ سے ان کے لیے مَّغْفِرَةٌ بہت بڑی بخشش
ہے اور یہ نقد انعام ہے کہ ان کے گناہوں کی پردہ پوشی کی گئی ورنہ ان کی سخت رسوائی ہوتی اور دیر سے
مغفرت کا وعدہ یہ کہ ان کے گناہ ان کے عملنامہ سے مٹادیے جائیں گے اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ تباہ و
برباد ہوتے وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ اور بہت بڑا اجر کہ جس کا کوئی حساب نہیں کہ آج انہیں آسانی
سے عبادت اور دائمی معرفت اور قلب کو زوائد یقین اور خصوصی احوال اور قسم قسم کے عطیات نصیب
ہوئے اور آخرت میں ہر مقصد حاصل بلکہ سوال سے ماسوا ۔

ف : کل قیامت میں اولیاء اللہ کا حال بادشاہ کے اس خصوصی لشکر جیسا ہوگا جسے بادشاہ کہے
کہ کل مزین ہو کر میرے ہاں آنا، جو سب سے زیادہ مزین ہوگا اس کو بہت بڑا انعام ملے گا پھر
خود بادشاہ اپنی طرف سے خصوصی سامانِ زیب و زینت بھیج کر مخصوص سپاہیوں تک پہنچا دے تو
لامحالہ بادشاہ کے ہاں تمام سپاہیوں سے وہی انعام پائیں گے جنہیں بادشاہ نے خود منتخب
فرمایا ایسے ہی ان حضرات کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنی طاعت کی توفیق بخشی اور ان کو توجہات صافیہ کی
خصوصی توفیق نصیب ہوئی اسی لیے یہ قیامت میں سب سے زیادہ ممتاز اور برگزیدہ ہوں گے۔
اس بندۂ خدا کو بہت زیادہ شکر کرنا چاہیے جسے اللہ تعالیٰ نے خود ہی اپنی خدمت کے لیے چن لیا
اور اپنی عبادت و طاعت کی توفیق بخشی ۔

سبق : اس زمانہ میں عبادت و طاعت کے راستہ پر چلنے والے لوگ بہت تھوڑے ہیں ۔
حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

نشانِ اہلِ خدا عاشقیست باخود دار
کہ در مشائخ شہر ایں نشاں نمی بینم

ترجمہ : اہلِ خدا کا نشان عاشقی ہے تو اسے محفوظ کر لے کیونکہ شہر کے مشائخ
میں یہ نشان نہیں ہے ۔

ف : اللہ کے ایسے بندے ہیں جن کے قلوب کی تعمیر ہم و غم ، حزن جن کا وطن اور عشق و محبت
جن کے محلات اور بروج ہیں ؎

(باقی برصفحہ ۴۵۳)

أَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي
مَنْ يَشَاءُ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا
يَصْنَعُونَ ○ وَاللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيَاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَسُقْنَاهُ إِلَىٰ
بَلَدٍ مَيِّتٍ فَأَحْيَيْنَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا كَذَٰلِكَ النُّشُورُ ○ مَنْ
كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ
الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ وَالَّذِينَ يَمْكُرُونَ السَّيِّئَاتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ
وَمَكْرُ أُولَٰئِكَ هُوَ يَبُورُ ○ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ
جَعَلَكُمْ أَزْوَاجًا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ وَمَا يُعَمَّرُ
مِنْ مُعَمَّرٍ وَلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهِ إِلَّا فِي كِتَابٍ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ○ وَ
مَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَائِغٌ شَرَابُهُ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ
وَمِنْ كُلٍّ تَأْكُلُونَ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُونَ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى
الْفُلْكَ فِيهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ○ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي
النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ
مُسَمًّى ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ
مِنْ قِطْمِيرٍ ○ إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا
لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ○

ترجمہ: تو کیا وہ جس کی نگاہ میں اُس کا بُرا کام آراستہ کیا گیا کہ اس نے بھلا سمجھا ہدایت والے
کی طرح ہو جائے گا اس لیے اللہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہے اور راہ دیتا ہے جسے چاہے تو
تمہاری جان ان پر حسرتوں میں نہ جائے اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں اور اللہ ہے جس نے
بھیجیں ہوائیں کہ بادل ابھارتی ہیں پھر ہم اسے کسی مُردہ شہر کی طرف رواں کرتے ہیں تو اس کے
سبب ہم زمین کو زندہ فرماتے ہیں اس کے مرے پیچھے۔ یونہی حشر میں اٹھنا ہے جسے عزت کی

چاہ ہو تو عزت تو سب اللہ کے ہاتھ ہے اسی کی طرف چڑھتا ہے پاکیزہ کلام اور جو نیک کام ہے وہ اسے بلند کرتا ہے اور وہ جو بُرے داؤں کرتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اور انہیں کا مکر برباد ہوگا اور اللہ نے تمہیں بنایا مٹی سے پھر پانی کی بوند سے پھر تمہیں کیا جوڑے جوڑے اور کسی مادہ کو پیٹ نہیں رہتا اور نہ وہ جنتی ہے مگر اس کے علم سے اور جس بڑی عمر والے کو عمر دی جائے یا جس کسی کی عمر کم رکھی جائے یہ سب ایک کتاب میں ہے بیشک یہ اللہ کو آسان ہے اور دونوں سمندر ایک سے نہیں، میٹھا ہے خوب میٹھا جس کا پانی خوشگوار اور یہ کھاری ہے تلخ اور ہر ایک میں سے تم کھاتے ہو تازہ گوشت اور نکالتے ہو پہننے کا ایک گہنا اور تو کشتیوں کو اس میں دیکھے کہ پانی چیرتی ہیں تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور کسی طرح حق مانو رات لاتا ہے دن کے حصہ میں اور دن لاتا ہے رات کے حصہ میں اور اس نے کام میں لگائے سورج اور چاند ہر ایک ایک مقرر میعاد تک چلتا ہے یہ ہے اللہ تمہارا رب اسی کی بادشاہی ہے اور اس کے سوا جنہیں تم پوجتے ہو دانہ خرما کے چھلکے تک کے مالک نہیں تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار نہ سنیں اور بالفرض سن بھی لیں تو تمہاری حاجت روا نہ کر سکیں اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک سے منکر ہوں گے اور تجھے کوئی نہ بتائے گا اس بتانے والے کی طرح۔

(صفحہ ۳۵۱ سے آگے)

۱ احبک حبین حب الہوی

وحب لانک اہل لذاکا

۲ فاما الذی ہو حب الہوی

فذکر شغلت بہ عن سواکا

۳ واما الذی انت اہل لہ

فکشفک للحجب حتی اراکا

۴ ولا حمد فی ذا ولا ذاک لی

ولکن لک الحمد فی ذا وذاکا

ترجمہ: (۱) میں تجھ سے دو محبتیں کرتا ہوں حب ہوا، دوسری تیری محبت جس کا تو اہل ہے۔

(۲) وہ جو حب ہوا ہے وہ ذکر ہے جس سے میں صرف تجھ میں مشغول رہتا ہوں۔
(۳) وہ تیری محبت حجابات کا کشف ہے یہاں تک کہ تجھے دیکھتا ہوں۔
(۴) نہ یہ حمد میرے لیے نہ وہ، یہ بھی تیرے لیے اور وہ بھی۔

دعا: ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمارے قلوب کو انواع طاعات سے آباد فرما اور ہمارے بواطن کو اصنافِ ارادات سے مزین فرما اور ہمیں اپنے ان خاص بندوں سے اٹھا جن کے لیے بہت بڑا اجر اور ثواب ہے اور اپنی وجہِ جمیل کے انوار کے مطالعہ سے مشرف فرما۔ اول و آخر اور ظاہر و باطن میں یہی امید ہے۔

تفسیر عالمانہ اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ مزین بمعنے سنگارنا، کیا وہ جو سنگارا گیا ہے اس کے لیے سُوْٓءُ عَمَلِهٖ اس کا برا عمل فَرَاٰهُ حَسَنًا اور وہ اسے اچھا سمجھتا ہے۔

سوال: تم نے یہاں پر رؤیۃ کو سمجھنے یعنی گمان کرنے کے معنی میں لیا ہے اس کی وجہ؟

جواب: رؤیت جب متعدی بدو مفعول ہو تو ظن و تخمین و علم کے معنی میں آتا ہے یہاں متعدی بدو مفعول ہے اسی لیے یہ معنی کیا گیا ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ کیا وہ جو اپنے کفر کو اچھا سمجھتا ہے اور وہ جو کفر و معاصی کو برا سمجھتا ہے کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ یعنی یہ دونوں برابر نہیں۔ یہاں پر کافی عبارات محذوف ہیں اس لیے کہ قرینہ سابقا موجود ہے فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ پچھلے مضمون کی تقریر ہے اور ثابت کرتا ہے کہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہیں۔

اب معنی یہ ہوا کہ وہ جسے چاہے گمراہ کرے لیکن اسے جو گمراہی کو اچھا سمجھتا ہے اور اسی طرف اپنا اختیار صرف کرتا ہے تو ایسے کو اللہ تعالیٰ گمراہی کی طرف پھیرتا ہے وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اس لیے کہ اس نے ہدایت کی طرف اپنے ارادہ سے پھیرا اسی لیے اسے اللہ تعالیٰ اعلیٰ علیین کی طرف پہنچاتا ہے فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ فا سببیہ ہے کیونکہ پہلے کا مضمون نہی عن التحسر کا متقاضی ہے۔

حلِ لغات الذھاب بمعنے مر المضی یعنی چلنا۔ ذہاب النفس موت سے کنایہ ہے۔ الحسرۃ بمعنے شدۃ الحزن علی ما فات الشئ کے چلے جانے پر شدید حزن و ندامت۔

جب اس سے جہل ہٹ جائے تو اب محسوس ہوا کہ جو کچھ کیا وہ غلط ہے۔ حسرات مفعول لہ ہے اور جمع اس لیے ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے احوال اور قبیح اعمال سے بہت زیادہ مغموم و

محزون ہو جاتے تھے۔ اور یہ آپ کے حزن و تاسف کا موجب تھے۔ علیہم، تذھب کا صلہ ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے:

ھلک علیہ حبا ومات علیہ حزنا۔

(وہ اس کی محبت سے ہلاک ہوا اور اس کے غم و حزن سے مرا)

اسے حسرات سے متعلق نہیں کہا جا سکتا اس لیے کہ مصادر پر صلات مقدم نہیں ہوا کرتے۔

اب معنی یہ ہوا کہ جب تمہیں معلوم ہو گیا کہ جملہ امور اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہیں تو ان کی گمراہی اور گناہوں کے طرار اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالیے اور نہ ہی ان کی تکذیب و انکار سے غم نہ کھائیے۔ خلاصہ یہ کہ اے پیارے نبی علیہ السلام پے در پے کی حسرتوں سے تمہاری جان ہلاک نہ ہو کہ تم ان کے گندے کرتوتوں سے پریشان ہو جاتے ہو کہ ان پر عمل بہت بڑی حسرت کا موجب ہے حالانکہ تم نے ان کی پند و نصیحت میں کمی نہیں کی اور نہ تبلیغ احکام میں کمی کی ہے بلکہ باحسن وجہ تم نے تبلیغ کا حق ادا کیا ہے اسی لیے اب تم پر کسی قسم کی تکلیف اور مشقت نہیں۔ حالانکہ اب یہ دکھ درد ان کو ہو گا کہ دنیا و آخرت میں ذلیل و خوار ہوں گے کیونکہ وہ اب تمہاری نگاہ سے گر گیا اور جو تمہاری نگاہِ کرم سے گیا وہ اللہ تعالیٰ سے بھی گیا۔ جب اس کا یہ حال ہے تو پھر اس پر کون رحم کرے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ بے شک اللہ تعالیٰ ان کے کرتوتوں کو خوب جانتا ہے اس لیے ان کو جزا بھی ویسی ہی ملے گی اگرچہ وہ اپنے کردار کو اچھا سمجھتے تھے لیکن بری شے کو اچھا سمجھنے سے اچھی نہیں ہو جاتی۔

ف: کافر اپنے خیال میں اپنے اعمال کو اچھا سمجھتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا۔

(وہ گمان کر رہے تھے کہ وہ نیکی کا کام کر رہے ہیں)

پھر قاعدہ ہے کہ جو دنیا کا راغب حلال و حرام جمع کرتا ہے اور اس کے زوال کا اسے فکر نہیں ہوتا اور نہ اس سے ڈرتا ہے جب تک دنیا سے رخصت نہ ہو تو اسے اپنا ہر کام اچھا لگتا ہے۔ ؎

شد قوائے جملہ اجزائے جسمت در فنا

با ہزاراں آرزو دست و گریبانی ہنوز

ترجمہ: جملہ اجزا کے قوی تیرے جسم میں فنا ہیں باوجود ہزار تمناؤں کے تا حال تو دست بگریباں ہے۔

ف: جو اس وجہ میں ہو کر جنت میں نجات و درجات نصیب ہوں گے تو آرام پائے گا اور وہ

صرف اسی وہم میں رہا تو گویا وہ بھی اپنے اعمال کی زینت میں مبتلا ہے اس لیے کہ اپنے رب کی مناجات کی حلاوت سے غافل ہوتا ہے۔ ؎

ما ئیم و ہمیں عاشق و لذت دیدار
زاہد تو برو در طلب خلد برین باش

ترجمہ : ہم ہیں کہ عاشق ، لذت دیدار میں مست ہیں۔ اے زاہد ! تو جا اور بہشت بریں کی طلب میں گزارہ کر۔

تفسیر صوفیانہ جو شہوات دنیا میں مست ہے کیا اس جیسا ہو سکتا ہے جو عقبیٰ کے درجات میں خوش ہے۔ پھر یہ اس جیسا نہیں ہو سکتا جو جمالِ مولیٰ میں محوِ خیال ہے۔ یہ اور وہ برابر نہیں اس لیے لازم ہے کہ اس تصور میں مستغرق ہوں جو سب سے زیادہ بہتر ہے یعنی حسنِ مطلق کیونکہ وہ ہر حسن کا مبدا ہے جو وہاں تک پہنچ گیا تو وہ اس کی ذات وصفات وافعال واعمال کے حسن سے متصف ہوا۔ جس نے اسے پا لیا اسے سب کچھ نصیب ہو گیا۔ جسے وہ نہ ملا اسے کچھ نہ ملا خواہ وہ تمام دنیا کا مالک کیوں نہ ہو جائے۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادہم قدس سرہٗ ایک دن دریا ئے دجلہ کے کنارے پر بیٹھ کر گدڑی سی رہے تھے آپ کی سوئی دریا میں گر پڑی۔ کسی نے سوال کیا بادشاہ ! تو نے شاہی کھو کر کیا پایا ؟ آپ نے دریا کی مچھلیوں کو اپنی سوئی لانے کا حکم فرمایا تو دریا سے تقریباً ایک ہزار مچھلیاں سونے کی سوئیاں منہ میں لے کر حاضر ہو گئیں۔ فرمایا مجھے اپنی اصلی سوئی چاہیے۔ ایک کمزور سی مچھلی نے آپ کی سوئی آپ کے سامنے لا کر رکھ دی۔ فرمایا یہ تو ادنیٰ ترین مرتبہ ہے بڑے مراتب جو مجھے ملے تم ان سے بے خبر ہو۔

سبق یہ ہدایت خاصہ ونیت خالصہ واعمال صالحہ وحسن حال مع اللہ تعالیٰ کا نتیجہ ہے۔ یہ اسے نصیب ہوتا ہے جو راہِ طریقت میں قدم رکھتا ہے اور اپنی اصلاح شریعت سے کرتا ہے اور نفس امارہ کو طریقت پر چلاتا ہے وہ حسن ہے جسے شرع وعقلِ سلیم اچھا سمجھے اور وہ قبیح ہے جسے یہ دونوں برا کہیں اور اہل اہوا و اہل بدعت زندیقہ تو اپنے ہر عمل کو بہتر سمجھتے ہیں کیونکہ انہیں شیطان نے ایسے سمجھایا ہے اس لیے وہ طریق ہدایت وسنت سے بھٹک گئے ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے سیدھے راستے پر چلائے جس پر اہل دین قویم چل گئے۔ اور ہمیں اعمال حسنہ کی ہدایت بخشے اور اچھے اخلاق سے سنوارے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ وَاللّٰہُ یہ مبتدا ہے اس کی خبر الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ قرآن مجید میں ارسال دو معنوں میں آتا ہے :

(۱) بھیجنا ، جیسے انا ارسلنٰک۔

(۲) کھولنا ، جیسے ارسل الریاح۔

حلِ لغات المفردات میں ہے ارسال انسان اور اشیائے محبوبہ ومکروہہ کے آتا ہے۔ کبھی تخلیہ وترک منع کے لیے آتا ہے جیسے انا ارسلنا الشیاطین علی الکٰفرین اور ارسال امساک کے بالمقابل آتا ہے۔ الریاح ' ریح کی جمع ہے بمعنے چلنے والی ہوا۔ اس کا اصل روح ہے اس کی جمع ارواح آتی ہے اس کی جمع ارياح کہنا غلط ہے۔

ف : صاحب کشف الاسرار نے اس کا ترجمہ لکھا کہ وہ اللہ جس نے اپنی تدبیر و تقدیر سے لائق اوقات اور مناسب اندازہ پر مختلف مخارج سے مختلف ہوائیں چلائیں ، اس سے جنوب وشمال وصبا کی ہوائیں مراد ہیں کہ یہ رحمت کی ہوائیں ہیں اس میں باد دبور شامل نہیں کیونکہ وہ عذاب کی ہوا ہے اور باد جنوب باد شمال کی مخالف سمت سے مطلع سہیل سے مطلع ثریا تک چلتی ہے اور باد شمال بالفتح و بالکسر مطلع شمس سے بنات النعش تک یا مطلع شمس سے مسقط النسر الطائر تک چلتی ہے اور رات کو بہت کم چلتی ہے اور صبا مشرق سے رات کو اس موسم میں چلتی ہے جب دن اور رات برابر ہو جاتے ہیں۔ اسے صبا بھی اسی لیے کہا جاتا ہے کہ نفوس اس کی طرف مائل ہیں کیونکہ صبا بمعنے میلان ہے یا اس لیے کہ یہ دبور یا کعبہ معظمہ کے دروازے کے بالمقابل ہے یا اس لیے کہ نفوس کو مقبول ہے اور صبا بمعنے قبول (بالفتح) بھی آیا ہے۔

فَتُثِیْرُ سَحَابًا تو وہ بادلوں کو ابھارتی ہیں یعنی زمین و آسمان کے درمیان بارش کے اتارنے کے لیے پھیلاتی ہیں۔ یہ ثار الغبار کا باب مزید ہے بمعنے ھاج وانتشر ساطعا یعنی وہ چمک پر پھیلا۔

تاج المصادر میں ہے الاثارۃ بمعنے گرد وغبار کو پھیلانا اور زمین کی غبار اڑانا اور ہوا کا بادل لانا۔ السحاب وہ جسم جسے اللہ تعالیٰ پانی سے پُر کرے۔ بعض نے کہا وہ بخار جو دریا اور زمین سے اٹھ کر پہاڑ پر پہنچے اور وہ اسے بند کر کے برف بنا دے جس سے پانی تیار ہو کر نیچے گرے۔ السحب کا حقیقی معنی ہے کھینچنا جیسے سحب الذیل الانسان علی الوجہ (انسان نے دامن کو چہرے کی طرف کھینچا) اور السحاب کو اسی لیے سحاب کہا جاتا ہے کہ وہ پانی کو کھینچتا ہے۔

سوال : ارسل وسقناہ ترماضی ہیں اس کے درمیان فتثیر مضارع کیوں؟

جواب : حکایت حال ماضی کے لیے ہے تاکہ وہ صورت بدیعہ کمال قدرت وحکمت پر دلالت کرنے کو دیدہ ذہن میں پورے طور اترے اس لیے کہ اسی خاصیت کے احداث کو بیان کرنا مطلوب ہے۔ اس لیے اسے اس کی طرف اسناد کیا۔ چنانچہ فرمایا :

فَسُقۡنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ - السوق بمعنے چلانا۔ اور البلد وہ مکان محدود جو لوگوں کے اجتماع اقامت سے متاثر ہو اور اثیر کے اعتبار کی وجہ سے اس کے ظاہر کو بلد بمعنے اثر کہا جاتا ہے البلد المیت وہ مقامات جہاں کھیتی نہ ہو کہ وہ قحط سے ویران پڑ جائے۔ الراغب نے فرمایا کبھی وہ قوت نامیہ موجودہ جو انگوریوں میں ہوتی ہے کے بالمقابل کو موت کہا جاتا ہے۔

سوال : پہلے صیغہ ارسل غائب کا پھر سقنا صیغہ متکلم کیوں؟

جواب : یہ التفات از غیبۃ الی المتکلم کے قبیل سے ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ جملہ امور اللہ تعالیٰ سے خاص ہیں باقی اشیاء وسائط و وسائل ہیں۔

سوال : بلد میت کو نکرہ کیوں لایا گیا؟

جواب : ان سے بعض وہ مقامات مراد ہیں جہاں بظاہر پانی کے اسباب مفقود ہوں۔

فَاَحۡيَيۡنَا فاء (تینوں) سبب کی ہیں کیونکہ ان کا ماقبل ان کے مدخول کے اسباب میں، اسرف پہلی سبب پر داخل ہے بخلاف دو آخری فا کے کہ وہ مسبب پر داخل ہیں بِهٖ تو ہم نے پانی کے ذریعے آباد کیا وہ پانی جو بادل سے اترا ہے۔

سوال : تم نے پانی کا معنی کہاں سے لے لیا؟

جواب : سحاب کا لفظ پانی پر دلالت کرتا ہے اس لیے کہ انہیں خارجاً بھی تلازم ہے اور ذہناً بھی یا یہ ضمیر السحاب کی طرف راجع ہے یہ سبب السبب کے قبیل سے ہے۔

الۡاَرۡضَ زمین، یعنی ہم نے زمین پانی کے ذریعے سرسبز و شاداب بنایا بَعۡدَ مَوۡتِهَا اس کے خشک ہو جانے کے بعد كَذٰلِكَ النُّشُوۡرُ ○ کاف محلاً مرفوع خبر ہے یعنی اسی احیاء کی طرح کہ جسے تم آنکھوں سے دیکھ رہے ہو ہم مردوں کو قیامت میں زندہ کر کے قبروں سے اٹھائیں گے ہماری قدرت دونوں کے لیے برابر ہے۔ یہ آیت کفار کے قیامت میں اٹھنے کے انکار کا رد اور حجت ہے کہ جس طرح تم اس ویران زمین کو آباد کرنے کے منکر نہیں ہو سکتے ایسے ہی قبور سے زندہ اٹھنے کے بھی منکر نہ ہو۔

حدیث شریف : ابن رزین عقیلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ

(صلی اللہ علیہ وسلم)! اللہ تعالیٰ مُردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟ تو آپ نے فرمایا، کیا تم اس علاقہ سے کبھی نہیں گزرے کہ پہلے وہ ویران پڑا ہو پھر چند دنوں کے بعد سرسبز و شاداب نظر آتا ہے۔ میں نے کہا بار ہا گزرا ہوں۔ آپ نے فرمایا، ایسے ہی اللہ تعالیٰ مُردے زندہ کرے گا۔"

تفسیر دیگر بعض نے کہا کہ آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ جیسے یہ زمین پانی سے آباد ہوتی ہے ایسے ہی قیامت میں مُردوں کو پانی سے زندہ کرے گا۔

حدیث شریف میں ہے اللہ تعالیٰ عرش کے نیچے سے مرد کی منی جیسا پانی نازل کرے گا جس سے ایسے اجسام پیدا ہوں گے جیسے انگوری زمین سے اگتی ہے پھر اسرافیل علیہ السلام کو نفخ صور کا حکم ہوگا وہ دوسری بار پھونکیں گے ان کے صور کے سوراخوں سے ارواح شہد کی مکھیوں کی طرح نکل کر زمین و آسمان کو بھر دیں گے پھر حکم ہوگا کہ ہر رُوح اپنے جسم میں داخل ہو اس پر تمام ارواح ان اجسام میں داخل ہوں گی جو زمین پر پڑے ہوں گے پھر ناک کے سوراخوں سے داخل ہو کر روح سارے جسم میں ایسے پھیل جائے گا جیسے زہر جسم کے رونگٹے رونگٹے میں پھیلتی ہے پھر زمین پھٹ جائے گی اس سے جسم اور پاؤں سے ننگے نکلیں گے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ جب کسی علاقہ کو آباد کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو وہاں ہوا کے ذریعے بادل بھیج کر بارش برساتا ہے ایسے ہی جب کسی دل کو آباد کرنا چاہتا ہے تو اس کے دل پر امید کی ہوا چلا کر اس کے دل کے ارادوں کو ابھارتا ہے پھر اس پر جود کا مینہ برساتا ہے جس سے دل میں بسط کے پھول اور روح کے انوار پیدا کرتا ہے اس سے اس بندے کا دل دائمی عیش اور حضوری سے بسر کرتا ہے ؎

یارب از ابر ہدایت برسان بارانے
پیشتر زانکہ چو گردے ز میان برخیزم

ترجمہ: اے پروردگار! ابر ہدایت سے بارش برسا، اس سے پہلے کہ ہم زمان کے گرد سے اٹھیں۔

ف: اس سے وہ ہدایت خاصہ مراد ہے جو فیض الٰہی سے فنا تام کے وقت حاصل ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ وہ جو عزت کا خواہشمند ہے۔ امام راغب نے فرمایا العزۃ وہ حالت جو انسان کو مغلوب ہونے سے روکے یہ ارض عزاز یعنی صلبۃ (سخت زمین) سے ماخوذ ہے۔ العزیز وہ ہمیشہ غالب رہے کسی سے مغلوب نہ

اس سے مدح بھی مطلوب ہوتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین۔

(اللہ ورسول (جل جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وسلم) اور اہل ایمان کے لیے عزت ہے)

کبھی مذمت بھی کی جاتی ہے جیسے کہا جاتا ہے:

عزۃ الکٰفرین۔

لیکن فرق یہ ہے کہ اللہ ورسول (جل جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے عزت دائمی اور باقی رہنے والی ہے اور کافروں کی عزت مصنوعی جو درحقیقت ذلت ہے۔ آیت میں مشرکین مراد ہیں جو بت پرستی پر اپنے آپ کو معزز سمجھتے تھے اور منافقین بھی جو مشرکین کی طرف سے معزز سمجھے جاتے۔

فَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ عزت تو صرف اللہ تعالیٰ کی ہے جَمِیْعًا سب کی سب، دنیوی عزت ہو یا اُخروی۔ کیونکہ اس کے سوا اس کا کوئی مالک نہیں اسی سے ہی طاعت وعبادت اور تقویٰ سے عزت طلب کی جائے۔

سوال: طلب عزت کا معنیٰ تم نے کہاں سے لے لیا؟

جواب: دلیل دے کر ضمناً اس کا ذکر ہو گیا کیونکہ جب عزت اسی کی ملک ہے تو طلب اسی سے ہونی چاہیے کیونکہ شے کی طلب اس کے مالک سے ہی ہوتی ہے گویا دلیل مدلول کے قائم ہے۔

ف: دوسری آیت میں عزت کا اثبات یوں فرمایا:

وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین۔

(عزت اللہ ورسول (جل جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اور اہل ایمان کے لیے ہے)

ان آیتوں میں تطبیق یوں ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کی عزت بحیثیت الٰہیت وربوبیت کے ہے اور بحیثیت عطا اور منت اور فضل کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کو ہے۔[1]

ف: کاشفی مرحوم نے لکھا کہ اس کی عزت سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان معزز ہیں بوجہ اس کی عزت کے موافق ہونے کے اور جو ذلیل ہیں تو اس کی مخالفت کی وجہ سے۔

عزیزے کہ ہر کہ از درش سر بتافت ۔۔۔ بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

---

[1] یہی تطبیق علم غیب اور اختیار وتصرف وغیرہ میں ہوگی کہ یہ امور اللہ تعالیٰ کے لیے بحیثیت الٰہیت کے ہیں اور بعطاء ومنۃ وفضل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہیں۔

ترجمہ : وہ عزیز کہ جس نے اس کے دروازے سے منہ موڑا وہ جس دروازہ پر جائے گا کوئی عزت نہ پائے گا۔

حدیث شریف میں ہے :

ان ربکم یقول کل یوم انا العزیز فمن اراد عز الدارین فلیطع العزیز۔

(بیشک تمہارا پروردگار روزانہ اعلان فرماتا ہے کہ میں عزیز ہوں جو دارین کی عزت چاہتا ہے وہ عزیز کی اطاعت کرے)

اِلَیۡهِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ ربط : اس آیت سے بتایا کہ عزت کی طلب کا ذریعہ ایمان اور اعمال صالحہ ہیں یعنی اس کی طرف پاکیزہ کلمے چڑھتے ہیں الیہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور الصعود بمعنے بلند مکان میں جانا۔ اب وہ عمل جو بندے سے اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچنے کے لیے مستعمل ہوتا ہے جیسے نزول اترنے کو کہا جاتا ہے۔ لیکن اب اس فضل وکرم پر استعمال ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے بندے کو پہنچے۔ الکلم بکسر اللام تمر کی طرح اسم جنس ہے۔ یہی جمہور کا مذہب ہے۔ اسی لیے واحد مذکر صفت لائی گئی ہے۔ یہ کلمۃ کی جمع نہیں جیسے بعض مذہب ہے اور الطیب وہ شے جس سے عزت طلب کی جائے۔ یعنی کلمات طیبہ اللہ تعالیٰ کی طرف جاتے ہیں ان ملائکہ کی طرف نہیں جاتے جو بندوں کے اعمال پر مقرر ہیں اور یہ کلمہ اپنے صاحب کو عزت بخشتا ہے اور اس کو وہ مطلوب حاصل کراتا ہے جس کا وہ طالب ہے۔

مسئلہ : الکلم دعا و استغفار و قراۃ القرآن اور ذکر جیسے سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر وغیرہ دیگر اوراد و وظائف کو شامل ہے جو کلام طیب ہو۔

بعض نے کہا کہ الیہ کی ضمیر آسمان کی طرف راجع ہے اس لیے کہ قبولیت کا مقام یہی ہے مقبول کلمات بھی یہاں لکھے جاتے ہیں جیسا کہ فرمایا :

ان کتب الابرار لفی علیین۔

(بے شک ابرار کی کتاب علیین میں ہے)

اور حضرت خلیل علیہ السلام نے فرمایا :

انی ذاھب الی ربی سیھدین۔

الی ربی سے ملک شام مراد ہے یعنی میں اپنے رب یعنی ملک شام کو جا رہا ہوں وہی مجھے ہدایت دے گا کیونکہ اس نے مجھے شام کو چلے جانے کا حکم دیا ہے۔

ف : کرامًا کاتبین بندوں کے اعمال وہاں لے جاتے ہیں جہاں انہیں حکم ہوتا ہے۔

ف : بعض مشایخ نے فرمایا کہ بعض اعمال سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچتے ہیں بعض جنت تک اور بعض عرش تک بعض عرش سے آگے عالم مثال سے لوح تک اس کے بعد مقام قلم تک اس کے بعد مقام عماء تک جیسے کسی کے عمل میں صدق و اخلاص ہوتا ہے اسی طرح بلندی نصیب ہوتی ہے جس قدر شہود و عیان زیادہ اتنی ہی بلندی زیادہ ۔ اس سے ثابت ہوا کہ بعض اعمال آسمان اور عالم اجسام سے گزر جاتے ہیں اور ان کی قبولیت کے یہی مقامات ہیں جو اوپر مذکور ہوئے ۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سدرۃ المنتہیٰ ایک نہیں کئی ہیں مرتبۂ عماء تک درمیان میں کئی سدرہ ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے قبول اعمال وصحۃ توجہ البال و قرۃ الحال کا سوال کرتے ہیں ۔

وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ الرفع کبھی اجسام میں استعمال ہوتا ہے جو نیچے ہوں پھر انہیں اونچا کیا جائے اور کبھی اس کا اطلاق بناء پر ہوتا ہے جب اسے اونچا کیا جائے اور کبھی ذکر میں استعمال ہوتا ہے جب اسے اہمیت دی جائے اور کبھی مرتبہ میں جب اس سے کسی کو شرف نصیب ہو ۔ المفردات

ضمیر کا مرجع

یرفعہ کی ضمیر میں چند وجوہ ہیں :

(۱) کلم کی طرف راجع ہے کیونکہ اعمال صالحہ توحید کے بغیر غیر مقبول ہیں اس کی تائید اس قراۃ سے ہوتی ہے جس میں عمل کو منصوب پڑھا گیا ہے ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ توحید تو خود بخود بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوتی اور عمل صالح کو بھی لے جاتی ہے اس لیے کہ اعمال صالحہ کی قبولیت کا سبب ہے یہی وجہ ہے کہ کفار کے نیک عمل مردود ہیں کیونکہ وہ شرک کی وجہ سے قبول نہیں ۔

(۲) ضمیر کا مرجع عمل ہے کیونکہ ایمان اسی سے محقق ہوتا اور قوت پکڑتا ہے ۔ عمل صالح کے بغیر درجاتِ عالیہ نصیب نہیں ہوتے ۔ (الارشاد)

ف : شیخ نے فرمایا کہ توحید طاعت سے قبول ہوتی ہے کیونکہ گناہ کے ہوتے ہوئے توحید غیر مفید ہے یعنی وہ عذاب سے نہیں روکتی ۔ لیکن تفسیر ارشاد کا قول اولیٰ ہے کیونکہ اعمال توحید کے لیے بمنزلہ شے کے لذائذ کے لیے قول بلا عمل ایسے ہے جیسے ثرید دسومت کے بغیر یا بادل بارش کے بغیر اور کمان وتر کے بغیر ۔

ف : کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ آیت میں اشارہ ہے کہ عمل نیک توحید کے لیے بمنزلہ حمل کے ہے توحید کو قبولیت عمل صالح سے نصیب ہوتی ہے ۔ قول بلا عمل ایسے ہے جیسے اخلاص بغیر نافع ۔

کلم طیب و عمل صالح

(۱) کلم طیب دعا اور عمل صالح صدقۂ مساکین ہے کیونکہ دعا صدقات کے بعد بہت زیادہ مستجاب ہوتی ہے ۔

(۲) کلم طیب امام کی دعا اور عمل صالح مقتدیوں کا آمین کہنا ہے ۔

(۳) کلمہ طیب غازیوں کا نعرۂ تکبیر اور عمل صالح ان کا تلوار مارنا۔

(۴) کلمہ طیب استغفار اور عمل صالح اس میں اظہارِ ندامت ہے ان تمام صورتوں میں عمل صالح اپنے بالمقابل کو درجۂ قبولیت بخشتا ہے۔

ضمیر کے مرجع کی تیسری تقریر یرفعہ کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے اس لیے کہ وہی عمل قبول کرتا ہے۔ ابن عطیہ نے فرمایا: یہی قول سب سے زیادہ راجح ہے لیکن اس میں عمل صالح کی تخصیص تکلف سے خالی نہیں۔

ف: حل الرموز میں ہے کہ مشایخ فرماتے ہیں کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ خود بخود بارگاہ حق میں پہنچتا ہے باقی اعمال جیسے اذکار وغیرہ کو ملائکہ لے جاتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

والعمل الصالح یرفعہ۔

یعنی عمل صالح کو اللہ تعالیٰ ملائکہ (کراماً کاتبین وغیرہ) کے ذریعہ قبول فرماتا ہے۔ مروی ہے کہ یتیم اور مظلوم کی دعا اللہ تعالیٰ کے ہاں براہِ راست پہنچتی ہے یعنی اس میں ملائکہ کے واسطے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

ف: بعض مشایخ نے فرمایا کہ یرفعہ کا معنیٰ یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ ذی قدر بناتا ہے جیسے کہا جاتا ہے:

ثوب رفیع و مرتفع۔ یعنی یہ کپڑا بہت قیمتی ہے۔

اس سے مخلص موحد کا عمل ہے کہ وہ قیمتی ہے اور ریاکار کا عمل ذلیل و خوار ہے

۱ گرت بیخ اخلاص در بوم نیست
از یں در کسے چوں تو محروم نیست

۲ زرقلب آلودہ بے قیمت است
زر یرا کہ خالص بود حرم است

ترجمہ: ۱۔ اگر کسی جگہ اخلاص کی جڑ نہ ہو اس دروازے سے تجھ سا محروم اور کوئی نہیں۔

۲۔ زر میں ملاوٹ ہو تو وہ بے قیمت ہے۔ زرِ خالص قیمتی ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ من کان یرید العزۃ میں اشارہ ہے انسان پیدائشی طور ذلیل و خوار اور ہر شے کا محتاج ہے انسان جیسا غیر کا محتاج اور کوئی نہیں۔ اور قلوب سے غیر کی محتاجی ذکرِ الٰہی کے سوا زائل نہیں ہوتی اسی لیے صوفیہ کرام لا الٰہ الا اللہ کی ضرب دل پر لگاتے ہیں جب لا الٰہ کہا جاتا ہے تو دل سے دونوں جہانوں کے

تعلقات منقطع ہو جاتے ہیں جب الا اللہ سے صرف اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ نصیب ہوتی ہے جب دل پر ہر قسم کا تعلق ختم ہو جائے تو کلمہ طیبہ خود بخود بارگاہِ حق میں بندے کو پہنچا دیتا ہے جیسے آگ فلک اثیر سے لوہے اور پتھر کے ٹکراؤ سے نیچے اترتی ہے تو درخت لکڑی وغیرہ کو کھا کر اسے اپنی حقیقت سے نکال کر اپنی حقیقت میں لے جاتی ہے۔ جب لکڑی وغیرہ کی حقیقت بالکل ختم ہو جاتی ہے تو آگ پھر فلکِ اثیر کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ یہی راز ہے الیہ یصعد الکلم الطیب الخ میں۔

ف: عمل صالح سے ارکان شریعت مراد ہیں۔ اس کا پہلا رکن یہ ہے کہ نورِ الٰہی کی آگ کا اثیر حضرت الٰہی سے اترنا جبکہ لا الٰہ الا اللہ کے لوہے کو دل کے پتھر سے رگڑا جائے تو پھر جب وہی آگ وجودِ انسانی کے درخت میں آتی ہے تو انسان ارکانِ خمس میں سے کسی ایک رکن کو عمل میں لاتا ہے اور رکن خمس میں سے کسی ایک رکن کو عمل میں لاتا ہے اور رکن خمس میں سے پہلا کلمۂ طیب ہے اور چار باقی مشہور ہیں انہیں ارکانِ اسلام کہا جاتا ہے۔ پہلے کو توحید، دوسرے چاروں کو عمل صالح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہی اصل شجرہ کو ارضِ دنیا سے اکھاڑتے اور ایسا کاٹتے ہیں کہ جن سے انہیں نار کے قبول کرنے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے اور نار کے ساتھ شعلے مارتا اور جلاتا ہے یہاں تک کہ بالکل اپنی ہستی کو مٹا کر راکھ بنا دیتا ہے پھر وہ نار انسان کے درخت کو عبور کر کے اثیر الحضرۃ کو لوٹ جاتی ہے۔ چونکہ وہ درخت (انسانی) اسی نار نورِ الٰہی سے جل رہا تھا جسے موسیٰ علیہ السلام نے جانبِ طور سے آگ سمجھا تو جب وہ قریب پہنچے تو بقعہ مبارکہ میں شعلہ کی زبان سے وادیٔ ایمن کے کنارے سے آواز آئی:

انی انا اللہ رب العالمین۔

اس میں تامل کرو گے تو ان شاء اللہ (مسئلہ وحدت الوجود) کو سمجھ جاؤ گے

تفسیر عالمانہ

وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ۔

حلِ لغات: المکر کسی کو حیلہ کر کے مقصود سے ہٹانا۔ القاموس میں ہے المکر الخدیعۃ یعنی دھوکا۔

ربط: یہاں سے کلمہ خبیث کی تشریح مطلوب ہے۔ اور برے عمل کی بھی۔ السیئات کا منصوب ہونا مصدر محذوف کی صفت کی وجہ سے ہے کیونکہ المکر فعل لازم ہے اسے مفعول بہ نہیں چاہیے۔ اب عبارت یوں ہو گی:

یمکرون المکرات السیئات۔

ان مکرات سے قریش مکہ کی وہ دھوکا سازیاں مراد ہیں جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ

کرتے تھے جیسے دارالندوہ میں بیٹھ کر صلاح و مشورے کرتے رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا جائے یا شہر بدر کیا جائے یا قید کر دیا جائے، جسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا:

واذ یمکر بک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک۔

(اور جبکہ تمہارے بارے میں باہم مشورہ کرتے تھے کہ تمہیں یا قیدی بنائیں یا شہید کر ڈالیں یا شہر بدر کر دیں)

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ وہ جو بُرے مکر کرتے لَهُمْ ان کے مکر کی وجہ سے انھیں عَذَابٌ شَدِيدٌ سخت عذاب ہوگا دنیا میں بھی آخرت میں بھی کہ جس کی کوئی انتہا نہیں اور نہ ہی اس کے مکر کی اسے کوئی پرواہ ہے وَمَكْرُ أُولَٰئِكَ یہ اشارہ ان مفسدوں کی طرف ہے جنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دارالندوہ وغیرہ میں بُری تدبیریں سوچیں اور ان کا مکر هُوَ يَبُورُ صرف وہی تباہ و برباد ہوگا نہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر۔ تفسیر الارشاد میں ہے کہ اس کا بال بیکا نہ ہوگا جس کے متعلق یہ بُری تدبیریں سوچ رہے ہیں۔

حلِ لغات یبور بمعنے یہلک و یفسد، کیونکہ البوار بمعنے زیادہ گھاٹا اور نقصان۔ اور ایسا گھاٹا انسان کو تباہی اور فساد کے گھاٹ اتارتا ہے۔

ف: ضمیر ھُم کے بجائے اولئک اسم اشارہ لانے میں تنبیہ ہے کہ یہ فسادی دوسرے فسادیوں سے نمایاں ہیں یعنی یہ سب سے بڑھ کر اور شہرت یافتہ ہیں۔ اور کسد کا انجام فساد ہے اسی لیے آیت میں فساد و ہلاک کو البوار سے تعبیر کیا گیا ہے اور ہوا بھی ایسے ہی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پے در پے تباہ و برباد فرمایا جب انہوں نے اس کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے ہجرت پر مجبور کر دیا تو پھر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مکہ سے نکل جانے پر مجبور کر دیا اور بدر میں قتل کیا اور قیدی بھی بنایا۔ جیسے انہوں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سوچا وہی انہیں خود بھگتنا پڑا، چنانچہ فرمایا:

قل کل یعمل علی شاکلتہ۔

(ہر ایک کو اپنے کیے کی سزا ملی)

ف: بُرے مکر والوں کا انجام بھی بُرا اور کلمہ طیب اور عمل صالح والوں کی جزاء اعلیٰ یعنی نجات کا اور مجاہد اور شہر بن حوشب رحمہما اللہ نے فرمایا کہ آیت سے اہلِ ریاء مراد ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ والذین یمکرون السیأت میں اشارہ ہے کہ وہ جو مکر سے اپنی نیکیاں ظاہر کرتے اور برائیاں چھپاتے ہیں یعنی برے عقیدے چھپاتے ہیں تاکہ لوگ انہیں نیک اور سچے سمجھیں۔ لھم عذاب شدید انہیں سخت عذاب ہوگا کہ وہ جن برے عقاید کو چھپاتے ہیں تو ان کو ان کی سخت سزا ملے گی اور دوسرا عذاب بایں معنیٰ ہوگا کہ وہ اپنی حقیقت کو چھپا کر حسنات کا اظہار کرتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا ومکر اولٰئک ھو یبور یعنی ان کا اپنا مکر ہی انہیں تباہ و برباد کر دے گا۔ ورنہ قاعدہ الٰہیہ ہے کہ معاملات کے مطابق ہی کرامات ظاہر ہوتی ہیں۔

حکایت بایزید حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ایک رات مجھے گھر نور نظر آیا تو میں نے کہا کہ یہ اگر شیطانی ہے تو میں آج اس سے بہتر اور بلند ہمت ہوں کہ اسے مجھ سے کام پڑا ہے۔ اگر تجھ سے ہے تو اسے چھوڑیئے تاکہ خدمت (عبادت) سے کرامت تک پہنچوں۔

سبق خدمت (عبادت) بالخصوص ظہور انوار و کشف و اسرار کا وسیلہ اور سبب ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ ایمان صرف تمنا کا نام نہیں یعنی تصدیق بالقلب مع عمل صالح ایمان کے لیے ضروری ہیں بہرحال تصدیق بالقلب کو پختہ کرنے کے لیے صدق معاملہ یعنی عمل صالح لازم ہے جو صرف زبانی کلامی اور خیالی خالی باتوں میں مست ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو جنگل میں کشتی چلانے کا ارادہ رکھتا ہے ؎

گر ہمہ علم عالمت باشد

بے عمل مدعی و کذابی

ترجمہ : اگر تمام دنیا کا علم تمہیں حاصل ہو اور تم عمل نہیں کرتے تو تم جھوٹے مدعی اور کذاب ہو۔

ہمیں اللہ تعالیٰ شرائع و احکام کے ترک سے محفوظ رکھے اور حدود و آداب عمل و کلام کی رعایت سے مشرف فرمائے۔ وہی ہر مدعا و مراد کو آسان کرنے والا ہے۔

ف جیسے وہابی تبلیغی دیوبندی فرقہ کا طریقہ ہے کہ اگر وہ اپنے برے عقاید عوام کے سامنے ظاہر کر دیں تو عوام انہیں منہ نہ لگائیں۔ آزما کر دیکھ لیں۔ اویسی غفرلہٗ

تفسیر عالمانہ وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ مِّنْ تُرَابٍ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا بعث ونشور کی صحت پر دیگر دلیل ہے یعنی ابتداءً مٹی سے آدم علیہ السلام کے ضمن میں تمہاری اجمالی تخلیق فرمائی تاکہ تم مٹی کی طرح متواضع و متخاشع ہوں۔

حدیث شریف میں ہے:
بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین کو نرم بنایا تاکہ تم اس کے کاندھوں پر چلو اور بنو آدم کو مٹی سے بنایا تاکہ انہیں تواضع سکھائے لیکن انہوں نے تواضع سے انکار کر کے تکبر کیا اور وہ بہشت میں ہرگز داخل نہ ہو گا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہو گا۔"

ف: بعض نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ قبر میں مدفون ہوں گے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ تم مخلوق میں بارگاہِ حق سے بعید تر ہو کیونکہ مٹی سے ہو اور مٹی تمام مخلوق سے اسفل اور کثیف تر ہے اس لیے کہ اس کے اوپر پانی ہے اور وہ لطیف ہے اور پانی کے اوپر ہوا ہے اور وہ اس سے لطیف تر ہے اور ہوا کے اوپر اثیر ہے اور وہ اس سے لطیف ہے اور اس کے اوپر آسمان ہے اور آسمان اثیر سے لطیف ہے لیکن ان تمام کی لطافت آسمان کی لطافت سے کوئی مشابہت نہیں رکھتی اس لیے کہ عناصر کی لطافت اجسام جیسے اور آسمان کی لطافت اجرام سے اور اجسام کی لطافت خرق والتیام کے قابل ہے لیکن اجرام کی لطافت خرق والتیام کو قبول نہیں کرتی پھر ہر آسمان کے اوپر دوسرا آسمان ہے ہر پہلے سے دوسرا زیادہ لطیف ہے تمام آسمانوں کے اوپر کرسی ہے اور وہ ان تمام آسمانوں سے لطیف تر ہے کرسی کے اوپر عرش ہے اور وہ کرسی سے لطیف تر ہے اور عرش کے اوپر عالمِ ارواح ہے اور وہ عرش سے لطیف تر ہے لیکن عرش وغیرہ کی لطافت کو عالمِ ارواح کی لطافت سے کوئی مشابہت نہیں کیونکہ عرش وغیرہ کی لطافت اجرام سے ہے عرش وغیرہ اور عالمِ ارواح کی لطافت میں یہ فرق ہے کہ عرش وغیرہ کی لطافت جہات ستہ رکھتی ہے اور عالمِ ارواح کی لطافت میں جہات ستہ نہیں پھر عالمِ ارواح کے اوپر امر اللہ ہے جو اپنی تمام مخلوق (بندوں وغیرہ) پر غالب ہے اور وہ ارواح سے بھی لطیف تر ہے لیکن اس کی لطافت کو ارواح کی لطافت سے کسی قسم کی مشابہت نہیں کیونکہ ارواح کی لطافت نورانیہ علویہ اور اپنے ماتحت کو ایسے محیط ہے جیسے علم معلوم کو اور اللہ تعالیٰ تو ہر شے کے اوپر ہے اور وہ ان اوصاف سے منزہ و متقدس کوئی شے اس کی مثل نہیں وہ سمیع و بصیر و علیم ہے۔

تفسیر عالمانہ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ نطفہ وہ صاف پانی جو باپ کی پشت اور ماں کے سینے سے خارج ہوتا ہے قلیل ہو یا کثیر۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں تفصیلی طور پر پیدا فرمایا تاکہ تم پانی کی طرح ہر کمال کو قبول کرنے والے ہو جاؤ۔ یہی حیاۃ کا سر اور عناصر اربعہ کا مبدأ ہے۔

ف : بعض نے کہا کہ ہم نے تمہیں مٹی یعنی آدم سے پیدا کیا کیونکہ وہی تمام مخلوق کی اصل ہے۔ اس کے بعد نطفہ سے یعنی تناسل و توالد کے ذریعہ ذریتِ آدم پھیلائی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ تمہیں ہم نے اسفل المخلوقات سے پیدا کیا اور یہ نطفہ ہے اس لیے کہ تراب درکہ مرکبیہ میں نزول کرکے درکۂ نباتیہ میں پہنچ کر درکۂ حیوانیہ میں آتی ہے پھر وہاں سے درکۂ انسانیہ میں پہنچتی ہے اور درکہ تمام سفلی مخلوق سے اسفل ہے اور تمام مخلوق سے آخر میں پیدا ہوا جیسے درخت کی آخری ٹہنی سب سے آخر میں پیدا ہوتی ہے لیکن سب سے اونچی ہے۔ لیکن وہی تمام درخت کا بیج ہے اس میں صلاحیت ہے کہ اس سے درخت پیدا ہو۔ بیج درخت کے تمام اجزاء کا خلاصہ ہے۔

تفسیر عالمانہ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا پھر تمہیں مختلف رنگوں میں بنایا سرخ، سفید، کالے یا مرد اور عورتیں۔ قتادہ نے فرمایا، تمہیں ایک دوسرے کے زن و شوہر بنایا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں ارواح و اجسام کے ازدواج کی طرف اشارہ ہے روح قرب کے اعلیٰ مراتب سے اور جسم درکات بعدیہ میں اسفل ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اقرب الاقربین کو ابعد الابعدین سے ملایا اور جسم کے ظاہر میں حواسِ خمسہ کو اور اس کے باطن میں قوائے بشریہ کو مرتب فرمایا اور روح کے لیے مدرکات روحانیہ مرتبہ فرمائے تاکہ روح اور قالب عوالم غیب و شہادت کے تمام کو ادراک کریں اور انہیں معلوم ہو کہ عالم غیب و شہادت پر منجانب اللہ کس طرح خلافت ہو رہی ہے ؎

آدمی شاہ و کائنات سپاہ
مظہر کل خلیفۃ اللہ

ترجمہ : آدمی بادشاہ اور جملہ کائنات اس کی سپاہ ہے۔ یہ مظہر کل اور اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَا نافیہ ہے تَحْمِلُ اور نہیں حاملہ ہوتی مِنْ اُنْثٰى عورتوں سے۔ مِن زائدہ ہے استغراق کی نفی اور اس کی تاکید ہے۔ انثیٰ، مذکر کی

نقیش ہے ۔ انسانی تخلیق کے لیے بوجہ قریبین کے اصل ہیں کما فی المفردات ۔

وَلَا تَضَعُ اور نہیں وضع حمل کرتی اِلَّا بِعِلْمِهٖ مگر اس کے علم پر، یعنی اس کی مشیت کے تابع ہے ۔

ف : بحر العلوم میں ہے کہ یہ محلاً حال ہے ۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہر حاملہ کے حمل اور واضع حمل کا علم اسی کو ہے وُہ جانتا ہے کہ اس کا حمل کہاں ہے، کیا ہے، کتنے دن اور کتنی ساعات پیٹ میں رہے گا، اس کے احوال کیا ہیں، کچا نکلے گا، پورے ماہ کا ہو کر پیدا ہو گا، نر ہے یا مادہ ہے وغیرہ ۔

وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ ما نافیہ ہے، تعمیر بمعنے عمر دینا معمر بمعنے طویل العمر ۔ کبھی معمر کو ابن الليالی بھی کہتے ہیں من معمر بمعنے من احد ہے من زاید ہے من انثیٰ کی طرح یہ بھی نفی کی تاکید کرتا ہے اور یہ باعتبار تصییرہ کے ہے یعنی از باب تفعیل ہے یعنی ہر وہ شخص جو بعد کو عمر رسیدہ ہو گا ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کوئی بھی لمبی عمر نہیں دیا جاتا وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اور کوئی بھی عمر میں کم نہیں ہوتا ۔

عمر بمعنے زندگی سے تعمیر بدنی کی مدت ۔

حل لغات حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ آپ عمر کو بجزم المیم پڑھتے تھے ۔ ویسے دونوں لغتیں مستعمل ہیں جیسے نُكْرٌ و نُكُرٌ اور ضمیر معمر کی طرف راجع ہے ۔

سوال ، معمر کی جب عمر مقرر ہو گئی پھر اس کا گھٹنا تو محال ہے اور کلام الٰہی میں ایسی عبارت کا ہونا بھی محال ہے ۔

جواب ، عبارت میں تسامح اور فہم سامع پر بھروسا کے طور ایسی عبارات عرب میں عام اور بلیغ سمجھی جاتی ہیں اور پہلے بھی ہم نے عرض کیا ہے ۔ معمر سے ہر وہ شخص مراد ہے جو طویل عمر پانے کے قابل ہو ۔ اس کا معنیٰ یہ نہیں کہ اس کی عمر پہلے لمبی تھی پھر گھٹائی جائے بلکہ معنیٰ یہ ہے کہ اس کی وہی عمر جو ابتداء میں کم رکھی گئی ۔

اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مگر وہ کتاب یعنی لوحِ محفوظ یا علم الٰہی میں یا ہر انسان کے صحیفے میں اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ بیشک یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آسان ہے ۔ یعنی تخلیق اور اس کا ما بعد باوجودیکہ یہ جملہ امور حیران کن ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے آسان ہیں کیونکہ اسے اسباب کی ضرورت نہیں ۔ جیسے یہ امور اس کے لیے آسان ہیں تو مرنے کے بعد تمہارا اٹھنا بھی اس کے لیے آسان ہے ۔

مسئلہ : بحر العلوم میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ زیادۃ و نقصان اللہ تعالیٰ کے لیے آسان ہے نہ اُسے کوئی روک سکتا ہے اور نہ کسی کی اسے محتاجی ہے ۔

ف : آیت میں زیادۃ و نقصان فی العمر میں وہی مفہوم ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے ورنہ ایک ہی

انسان میں عمر کا نقصان و زیادۃ نہیں ہوتا۔

بدل جاتی ہیں تقدیریں بعض علماء نے فرمایا کہ ایک ہی انسان کی عمر مختلف اسباب سے بڑھتی گھٹتی ہے جیسا کہ لوحِ محفوظ میں لکھ دیا جاتا ہے کہ فلاں نے اگر حج پڑھا تو اس کی عمر ساٹھ سال ہوگی ورنہ چالیس سال کے بعد مرجائے گا۔ اگر حج پڑھے گا تو اس کی عمر ساٹھ سال ہوگی ورنہ چالیس سال کی عمر میں مرجائے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس کی انتہائی ساٹھ سال کی عمر حج نہ پڑھنے سے چالیس سال ہوئی۔ ایسے ہی عمر کو معلق کیا جاتا ہے کہ اگر اس نے صدقہ دیا یا صلہ رحمی کی تو اس کی عمر اسّی سال ہوگی ورنہ پچاس سال۔

حدیث شریف ۱ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
الصدقة والصلة تعمران الديار وتزيدان في الاعمار۔
(صدقہ و صلہ رحمی علاقے آباد کرتے ہیں اور زندگیاں بڑھاتے ہیں)

حدیث شریف ۲ میں ہے:
ان المرء ليصل رحمه وما بقي من عمره الا ثلاثة ايام فينشئه الله الى ثلاثين سنة وانه ليقطع الرحم وقد بقي من عمره ثلاثون سنة فيرده الله الى ثلاثة ايام۔
(جب کوئی صلہ رحمی کرتا ہے تو اس سے قبل اس کی عمر کے صرف تین دن رہتے ہوں گے لیکن صلہ رحمی کی برکت سے اس کی عمر بڑھا کر تیس سال کر دی جاتی ہے ایسے ہی جب کوئی صلہ رحمی نہیں کرتا تو اس کی عمر تیس سال سے کم کر کے صرف تین دن کر دی جاتی ہے)

حدیث شریف ۳ میں ہے:
برالوالدين يزيد في العمر والكذب ينقص الرزق والدعاء يرد القضاء۔
(والدین کی خدمت گزاری عمر کو بڑھاتی ہے اور جھوٹ رزق کو گھٹاتا ہے اور دعا تقدیر بدل دیتی ہے)

ف: بعض اکابر نے فرمایا کہ علماء میں کسی کا اختلاف نہیں کہ قضاء و قدر کا حکم تمام مخلوق کو شامل بلکہ جمیع موجودات کو حاوی ہے اور ان کے جمیع صفات و افعال و احوال پر اس کے لوازمات طاری ہوتے ہیں۔

سوال: اگر ایسا حال ہے تو مذکورہ بالا احادیث مبارکہ کا کیا جواب ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے رزق مقسوم اور اجل معین کے اضافہ کی دعا سے منع فرمایا ہے اور ساتھ ہی حکم فرمایا ہے کہ دوزخ کے عذاب اور قبر کے عذاب وغیرہ سے پناہ مانگو۔ ایسے مختلف بن میں تطبیق کیسے ہوگی؟

جواب: مقدورات (تقدیر الٰہی) دو قسم ہے:

(۱) کلیات

(۲) جزئیات تفصیلیہ

کلیات تو صرف انسان کے ساتھ مخصوص ہیں۔ چنانچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا کہ یہ چار امور میں محصور ہیں:

(i) عمر

(ii) رزق

(iii) اجل

(iv) سعادۃ وشقاوۃ

یہ امور کبھی متغیر نہیں ہوتے یعنی گھٹتے بڑھتے نہیں، نہ ہی دعا کسی قسم کا فائدہ دیتی ہے نہ ہی صلہ رحمی سے اسے کوئی نفع ہے اور احادیث مذکورہ میں بالفرض والتقدیر محذوف ہے۔ یعنی اگر رزق کا بڑھنا یا اجل کا مؤخر ہونا ممکن ہوتا تو صلہ رحمی وصدقہ سے ہوتا اور ان کا ان میں بہت بڑا دخل ہوتا بہ نسبت اور امور کے ان کو ان پر ترجیح ہوتی لیکن نہ ان کو دخل ہے نہ کسی اور امر کو اور فرض محال کو کسی امر سے متعلق کرنا بہ بنائے حکمت جائز ہوتا ہے جیسے فرمایا:

قل ان کان للرحمٰن ولد فانا اول العابدین۔

(کہہ دیجئے اگر خدا تعالیٰ کی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے میں ہی اس کی عبادت کرتا)

ہاں جزئیات اور اس کے لوازم تفصیلیہ کے بعض کا کبھی انسان کے لیے ظہور ہو جاتا ہے اور وہ بھی اسباب وشروط سے متعلق ہو کر جن میں دعا وکسب وسعی وعمل بھی ہیں یعنی انہیں ان شرائط وغیرہ کے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکے گا۔

ف: ابن الکمال نے فرمایا کہ نظر وتحقیق سے یہی ثابت ہوتا ہے طول العمر انسان کے لیے لکھا جاتا ہے کہ اس کا عمر تک پہنچنا نہ پہنچنا دونوں طرح جائز ہے۔ مثلاً فلاں کام کرے گا تو عمر طویل پائے گا ورنہ کم عمر فوت ہوگا اس تقریر پر تقدیر میں تغیر واقع نہ ہوئی وہ اس لیے کہ انسان کی زندگی انفاس پر مشتمل ہے

ذکر ایام یا سالوں پر اور سب کو معلوم ہے کہ ایام میں انفاس بڑھتے گھٹتے ہیں کیونکہ انسان کے انفاس مختلف اطوار سے بسر ہوتے ہیں تندرستی اور عافیت اور مرض اور تکالیف سے دوچار ہونا ہی پڑتا ہے۔

حبس نفس کا راز

اس کو سمجھنے کے بعد وہ راز واضح ہو گیا کہ بعض صاحبان حبس نفس کرتے ہیں تو اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ زندگی میں اضافہ ہو اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ صدقہ و صلہ زیادتی عمر کا سبب ہیں۔

ف: بعض نے کہا ینقص سے مراد عمر کا وہ حصہ جو گزر گیا کیونکہ ہر بندے کے صحیفے میں روزانہ لکھا جاتا ہے کہ اس کا ایک یا دو دن گزر گئے اور باقی اس کی عمر اتنی رہ گئی۔ چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہر ذی روح کی زندگی مقرر شدہ ہے تو جتنا وقت گزرتا ہے اتنی ہی اس کی عمر گھٹتی ہے۔ بعض نے کہا عمر کے گھٹنے سے وہ زندگی مراد ہے جو بغیر رضائے خدا کے بسر ہو۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

فدائے دوست نکردیم عمر و مال دریغ
کہ کار عشق زما ایں قدر نمی آید

ترجمہ: دوست پر عمر و مال فدا نہ کیا جس کا ہمیں سخت افسوس ہے عشق میں ہم سے یہ بھی نہ ہو سکا۔

اور فرمایا: ؎

اوقات خوش آں بود کہ با دوست بسر رفت
باقی ہمہ بے حاصلے و بے خبرے بود

ترجمہ: وہ اوقات بہتر ہیں جو دوست کے ساتھ بسر ہوئے اس کے سوا باقی اوقات بے حاصلی اور بے خبری کے سوا کچھ نہیں۔

مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

ہر دم از عمر گرامی ہست گنج بے بدل
می رود گنج چنیں ہر لحظہ برباد آہ آہ

ترجمہ: عمر گرامی کا ہر لمحہ بے بدل خزانہ ہے ہر لحظہ ایسا خزانہ برباد ہو رہا ہے افسوس صد افسوس۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

ہر دم از عمر می رود نفسی
چوں نگہ می کنم نماندہ بسی

۲ عمر برفت و آفتاب تموز

اندکے ماند و خواجہ غرہ ہنوز

ترجمہ: (۱) عمر سے ایک ایک سانس گھٹ رہا ہے جب میں نے غور کیا تو بہت سا وقت اسی طرح گزر گیا۔

(۲) عمر تو گئی اور سورج گرم وقت تھوڑا رہ گیا لیکن صاحب ابھی دھوکا میں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بیداری و ہوشیاری بخشے۔ (آمین)

وَمَا يَسْتَوِى الْبَحْرٰنِ دو دریا برابر نہیں۔ بحر ہر وہ فراخ جگہ جو بہت سے پانی کی جامع ہو اسی لیے متوسع فی العلم کو بحر (العلوم) کہا جاتا ہے۔

القاموس میں ہے کہ البحر بمعنے الماء الکثیر، میٹھا ہو یا کڑوا۔

بعض نے کہا دراصل کڑوے پانی کو بحر کہا جاتا ہے۔ میٹھے پر اس کا اطلاق مناسبت سے آتا ہے جیسے شمس و قمر ملا کر قمران کہا جاتا ہے۔

اخوان الصفا میں ہے بحار وہ جگہیں جہاں بہت سا پانی جمع ہو۔

هٰذَا ایک ان کا عَذْبٌ میٹھا ہے فُرَاتٌ بہت زیادہ میٹھا کہ پینے سے پیاس بجھ جائے۔ تاج المصادر میں ہے الفروتۃ بمعنے پانی کا اچھا ہونا۔ صیغہ صفت فعال کے وزن پر آتا ہے اور یہ واحد جمع دونوں کے لیے برابر ہے سَآئِغٌ شَرَابُهٗ اس کا پینا خوشگوار ہے کہ حلق میں آسانی سے اُتر جاتا ہے بوجہ میٹھا ہونے کے کیونکہ میٹھا طبع کے موافق ہے اسی لیے اسے قوت جاذبہ آسانی سے جذب کر لیتی ہے۔

سائغ بمعنے خوشگوار۔ اہلِ عرب کہتے ہیں ساغ الشراب۔ اس کا مدخل سہل ہے شراب ہر وہ شے جسے پیا جائے۔ یہاں پر شراب سے پانی مراد ہے۔ وَهٰذَا دوسرا ان کا مِلْحٌ کڑوا ہے۔ المفردات میں ہے الملح وہ پانی جس کا ذائقہ معروف طریق سے متغیر ہو اور وہ منجمد ہو جائے۔ اہلِ عرب کہتے ہیں ملح بمعنے تغیر طعمہ (اس کا ذائقہ متغیر ہوا) اگر وہ منجمد نہ ہو تو کہتے ہیں ماء ملح۔ اور عرب والے مالح بہت کم استعمال کرتے ہیں۔ پھر یہ لفظ ملاحت کے لیے استعارہ کیا جاتا ہے۔ اسی معنیٰ پر کہتے ہیں رجل ملیح (پسند آدمی) اُجَاجٌ سخت کڑوا۔ جب شے کی نمکینی شدت اختیار کر لے تو وہ شے میں شدت پیدا کر کے کڑوا پن پیدا کر دیتی ہے۔ یہ فرات کی نقیض ہے۔

نکتہ: خریدۃ العجائب میں ہے کہ سمندر کے نمکین اور کڑوا ہونے میں ایک حکمت یہ ہے کہ نہ اسے چکھا جائے اور نہ ہی پینے وغیرہ کے کام میں لگایا جائے تاکہ بہت عرصہ ٹھہرنے سے بدبودار نہ ہو جائے۔

اگر ایسا ہو تو اس کی بدبو سے زمین کے باسی فنا ہو جائیں۔ اگر وہ میٹھا ہوتا تو لوگ اس سے پانی
لیتے، منہ ہاتھ دھوتے اور نہاتے تو بدبو ہوتی۔ اس سے دنیا کا نظام خراب ہو جاتا۔ آنکھ کی روشنی سے
اس نکتہ کو سمجھو کہ جس حصہ میں نور ہے کہ جس سے انسان زمین و آسمان اور عالم دنیا اور اس کے مختلف رنگ دیکھتا ہے
وہ ایک چربی ہے جو آنسو میں ڈوبی ہوئی ہے اور آنسو نمکین پانی ہے تو قادر مطلق نے اس چربی کو نمکین پانی سے
محفوظ رکھا ہوا ہے۔ اس کی بھی یہی حکمت ہے دیگر بڑے بڑے میٹھے میٹھے پانی کے انہار بہا دیئے۔ لیکن
چونکہ وہ ہمیشہ چلتے رہتے ہیں اسی لیے نہ ان کا ذائقہ بدلتا ہے نہ اس میں بدبو ہوتی ہے کیونکہ پانی کا تغیر
ایک جگہ پر ٹھہرنے سے پیدا ہوتا ہے وَمِنْ كُلٍّ اور ان دونوں دریاؤں میں سے کہ جن کا ذائقہ مختلف ہے
تَأْكُلُونَ اے لوگو تم کھاتے ہو لَحْمًا طَرِيًّا تر و تازہ گوشت۔ اس سے مچھلی مراد ہے اور اسے
تازگی سے موصوف کرنے کی وجہ یہ ہے کہ زیادہ وقت گزرنے پر بدبودار ہو جاتی ہے اسی لیے اسے تازہ تازہ
کھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کی تفصیل سورۂ نحل میں گزر چکی ہے وَتَسْتَخْرِجُونَ اور سمندر سے تم
نکالتے ہو۔

سوال : سمندر کا مفہوم تم نے کہاں سے لے لیا؟

جواب : آنے والا مضمون صرف اسی سے متعلق ہے اور وہ سب کو معلوم ہے اسی لیے ہم نے ترجمہ میں اس کا
ذکر کر دیا ہے۔

حِلْيَةً سنگار کی اشیا جیسے موتی اور مرجان۔

سوال : الاسئلۃ المتحمہ میں ہے کہ حلیہ سے موتی نمکین اور کڑوے پانی میں ہوتے ہیں میٹھے خوشگوار پانی
میں نہیں ہوتے تو پھر تخرج کی نسبت دونوں کی طرف کیسی۔

جواب : چونکہ سمندر میں بعض میٹھے چشمے ہوتے ہیں جن میں موتی مرجان پکتے ہیں۔

ف : الخریدہ میں ہے کہ لؤلؤ بحر ہند و فارس میں بنتے ہیں اور مرجان سمندر میں درخت کی طرح اگتا ہے
جب مرجان کس ہو جاتا ہے تو زیبق اس میں کچھ سفید ہوتا ہے اور کچھ کالا سیاہ اور کچھ سرخ یہ سرمہ کی
طرح آنکھ میں ڈالا جائے تو آنکھ کی رطوبت چوس لیتا ہے۔

تَلْبَسُونَهَا تم وہی زیورات کے طور پر اپنی عورتوں کو پہناتے ہو۔

سوال : خطاب تو مردوں کو ہے تم نے عورتوں کی تخصیص کیسے کر دی!

جواب : زیورات عورتیں پہنتی ہیں اسی لیے ہم نے ان کی تخصیص کی ہے اور ان کی زیب و زینت بھی مردوں
کے لیے ہوتی ہے اسی لیے گویا وہی پہنتے ہیں اسی لیے مردوں کو خطاب ہوا۔

شامی دریا کی گستاخی اور یمنی دریا کا ادب اور اس کا انعام

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شامی دریا کو فرمایا کہ میں نے تجھے پیدا کیا اور تیرے اندر پانی کی فراوانی رکھی تجھ میں اپنے بندوں کو بھیجوں گا جو میری تسبیح و تہلیل اور تحمید و تکبیر کریں گے اے دریا! بتا تو میرے ایسے بندوں سے کیا کرے گا؟ عرض کی، ڈبو دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تجھ پر انہیں سوار کروں گا تو اپنا خطرہ سر میں ڈال۔ پھر یمنی دریا کو فرمایا: میں نے تجھے پیدا کیا تجھ میں میرے بندے آئیں گے اور تسبیح و تہلیل اور تحمید و تکبیر کریں گے بتا اے دریا! تو ان سے کیا کرے گا؟ عرض کی تو میں انہیں سر پہ اٹھا لوں گا۔ اس کے اس ادب پر فرمایا: میں نے تجھے دوسرے دریا پر فضیلت بخشی اور موتی اور مچھلی تجھے دی۔ کذا فی کشف الاسرار۔

وَتَرَى الْفُلْكَ اور تم کشتیوں کو دیکھتے ہو فِيهِ اس دونوں میں۔

سوال: ہر جگہ ضمیر واحد کی ہے اور مراد جمع ہیں اس کی وجہ؟

جواب: اس سے خطاب اگرچہ واحد کو ہے لیکن مراد اس سے ہر وہ جو دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے خواہ وہ دریا سے نفع اٹھائے یا نہ۔

مَوَاخِرَ اہل عرب کہتے ہیں سفینۃ ماخرۃ، کشتی دریا کو چیرتی اور رینگتی ہوئی چلتی ہے تو اسے ماخرۃ کہتے ہیں اس کی جمع مواخر ہے (المفردات)۔ لِتَبْتَغُوا تاکہ تم طلب کرو۔ لام مواخر کے متعلق ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ وہ کشتیاں آگے پیچھے ایک ہی ہوا سے پانی کو چیر کر چلنے والی مِنْ فَضْلِهِ اس کے فضل سے کہ انہیں پانی میں چلنے کی طاقت بخشتا ہے۔

ف: بحر العلوم میں ہے ابتغاء الفضل سے تجارت مراد ہے کیونکہ وسعت رزق کے لیے ہے۔ یہی بہت بڑا سبب ہے۔

حدیث شریف میں ہے: میری امت کا نو حصے رزق بیع و شراء میں ہے۔

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ○ اور تاکہ تم اسی فضل الٰہی پر شکر کرو۔ لعل کا حرف ترجی اس لیے لایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ہے۔

ف: بحر العلوم میں ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچان کر ان کے حقوق ادا کرو کہ وہ کتنی بڑی قدرت والا ہے کہ اس نے ہلاکت کا ہوں کو اعلیٰ منافع اور بہترین معاش کا سبب بنایا ہے۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آیت میں اپنی قدرتوں اور نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے۔

نکتہ : بعض مشایخ نے فرمایا کہ میٹھے کڑوے دریا کی مثال مومن و کافر کی ہے کیونکہ جیسے یہ دو دریا ذائقہ میں برابر نہیں تو اہلِ ایمان اور کافر حلاوتِ ایمان و ملوحتِ کفر میں برابر نہیں کیونکہ حلاوتِ ایمانی عرفان بخشتی ہے اور ملوحتِ کفر طغیان اور سرکشی کی طرف کھینچتی ہے کفر نقش سراب جو عین خطا ہے اور ایمان سراسر صواب ہے۔

ف : و من کل الخ البحرین کی صفت ہے اور ان کے اندر منافع اور نعمتوں کا استطراد ہے یا کڑوے دریا کی مثال دے کر بتایا ہے کہ کافر سے تو یہ بہتر ہے اس لیے کہ اسے میٹھے دریا کے ساتھ بہت سے منافع میں شرکت ہے۔ مثلاً مچھلی کا پایا جانا اور کشتیوں کا چلنا وغیرہ اور کافر تو ہر طرح کے منافع سے محروم ہے۔ چنانچہ فرمایا :

ثم قست قلوبکم من بعد ذلك فهی کالحجارة او اشد قسوة و ان من الحجارة لما یتفجر منه الانهار و ان منها لما یشقق فیخرج منه الماء و ان منها لما یهبط من خشیة الله۔

(پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے تو یہ پتھر جیسے یا اس سے بھی سخت تر بعض پتھر تو وہ ہیں کہ ان سے نہریں جاری ہوتی ہیں بعض ان میں وہ ہیں کہ پھٹتے ہیں تو ان سے پانی نکلتا ہے اور بعض وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے گرتے ہیں)

ف : امام ابو اللیث (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ بعض موقعہ اس سے بہتر شے ظاہر ہوتی ہے یعنی کافر سے مسلمان پیدا ہو جاتا ہے جیسے ولید بن مغیرہ سے حضرت خالد بن الولید اور ابو جہل سے عکرمہ بن ابی جہل۔ (رضی اللہ عنہما)

تفسیر صوفیانہ آیت میں العذب سے روح اور اس کی صفاتِ حمیدہ اور اس کے مشروب واردات ربانیہ کی طرف اور الملح سے نفس اور اس کی صفات مذمومہ اور اس کے مشرب شہوات حیوانیہ کی طرف اشارہ ہے اور ہمارے لیے دو کشتیاں ہیں :

۱۔ شریعت

۲۔ طریقت

شریعت کی کشتی بحر روح سے بحر نفس کی طرف اوامر و نواہی کے بوجھ اٹھا کر چلتی ہے اور طریقت کی کشتی بحر روح سے بحر الحضرۃ الالٰہیہ کی طرف اسرار و حقائق و معانی کے بوجھ اٹھا کر چلتی ہے ان دونوں کا مقصد یہی ہے کہ شریعت و طریقت کے قدموں پر چل کر بارگاہِ حق میں پہنچا جائے۔ کما فی کشف الاسرار۔

ف : دو دریا مختلف یعنی ایک فرات دوسرا اجاج ان دو دریاؤں کی مثال ہے جو اللہ اور اس کے

بندے کے درمیان ہیں :

۱ - ہلاکت

۲ - نجات

دریائے ہلاکت میں پانچ کشتیاں رواں دواں ہیں ،

(i) حرص

(ii) ریاست

(iii) اصرار بر معاصی

(iv) غفلت

(v) ناامیدی

جو حرص کی کشتی پر بیٹھتا ہے وہ حسرت کے ملک میں پہنچتا ہے ، جو ناامیدی کی کشتی پر سوار ہوتا ہے وہ کفر میں پہنچتا ہے یاں نجات کے دریا میں کنارے لگنے پر عطا ہی عطا نصیب ہوتی ہے ۔ جو زہد کی کشتی میں بیٹھتا ہے اسے قربِ الٰہی نصیب ہوتا ہے ۔ جو معرفت کی کشتی پر بیٹھتا ہے وہ اُنس کے ساحل پر اترتا ہے ۔ جو توحید کی کشتی پر بیٹھتا ہے وہ مشاہدہ کے ساحل پر پہنچتا ہے ۔

پندِ پیرِ طریقت

پیرِ طریقت نے مریدوں سے فرمایا ، یارو ! اب وقت ہے کہ ہم دریائے ہلاکت سے نکل کر نجات کی راہ لیں اور ورطۂ حیرت سے نجات پا کر دائمی نعمتوں میں پہنچیں تاکہ کہیں ہم ان دائمی نعمتوں کو فانی دنیا میں کسی معمولی شے کے عوض بیچ نہ ڈالیں ۔ نفس تو بیگانہ ہے اس بیگانہ کی خدمت میں نہ لگے رہیں دل کو بیداری نہ ہو تو وہ بمنزلۂ اُلّو کے ہے ۔ خبردار ! اُلّو سے دُور رہو نفس کو کوئی آگاہی نہ ہو تو اسے برباد سمجھو اور بربادی میں عمر ضائع نہ کرو ۔ اسمی و رسمی حقیقت پر قانع رہو ۔ نفس کے پوشیدہ مکر سے خطرے میں رہو ۔ خاتمہ اور نفس کی شرارتوں سے ہمیشہ ڈرتے رہو ۔ وہ بہترین سخن اور نظم ہے جو ایک نوجوان نے کہی ہے

۱ اے دل ار عافیت باید چنگ ازیں دنیا بدار
پاک بازی پیشہ گیر و راہ دین کن اختیار

۲ پائے در دنیا نہ و بر دوز چشم نام و ننگ
دست در عقبیٰ زن و بر بند راہ فخر و عار

۳ چوں زناں تا کے نشینی بر امید رنگ و بوئے
ہمت اندر راہ بند و گام زن مردانہ وار

۴ چشم آں ناداں کہ عشق آورد بر رنگِ صدف
واللہ آرد پیشش رسد هرگز بدرِ شاہوار

ترجمہ: (۱) اے دل! اگر تجھے عافیت چاہیے تو دنیا سے ہاتھ اٹھا لے پاکبازی اختیار کرکے ولی کا راستہ لے۔

(۲) دُنیا میں رہ کر نام و ننگ پر نگاہ رکھ۔ توجہ آخرت پر ہو، لیکن فخر و عار سے بچتے رہنا۔

(۳) عورتوں کی طرح کب تک رنگ و بُو میں مست رہو گے۔ ہمت کا دامن پکڑ کر مردانہ وار چلتے رہو۔

(۴) اس بیوقوف کی غلطی ہے کہ جسے صدف کے رنگ سے عشق ہے، اسے دُرِ شاہوار کی بجائے ہلاکت ہی نصیب ہوگی۔

ایک اور تقریر بعض عارفین نے فرمایا کہ وما یستوی البحران سے دو وصف مراد ہیں،
(۱) بسط جس کا صاحب راحت و فرحت میں ہے۔

(۲) قبض جس کا صاحب دُکھ اور درد میں ہے۔

یا یہ دونوں جمع ہیں پہلا عبودیت سے موصوف ہے دوسرا شہودِ ربوبیت سے۔ بندہ جب تک قبض میں اس کا سونا غرق شدگان کی طرح اور اس کا کھانا بیماروں جیسا ہے اور اس کا عیش قیدیوں کی طرح کہ خواری اور عاجزی سے زندگی بسر کرتا ہے اور چلتا ہے۔ زاری و زیاں سے بولتا ہے تو انکساری و تذلل سے آنکھیں پُرنم جگر آگ میں دونوں ہاتھوں میں ہلاکت اور سر میں خاک ذلت و خواری انجام ہر وقت اس سے عجز ظاہر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے بسط و انبساط کا سامان پیدا کرکے اس کے دل کو کھولتا ہے تو اس کا دل ہمیشہ مالک سے خوش اور سرِ اطلاع حق سے آراستہ زبان سے شکر بجا لاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز کی باتیں کہتا ہے الٰہی! تو ہی میرا دُکھ سکھ ہے تُو ہی میری دولت ہے تُو ہی میرا غم و اندوہ اور تُو ہی میرا داغ اور تُو ہی میرا چراغ، تو ہی میرا زخم اور تو ہی میری مرہم ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے ہر رنج و قیود سے خلاص اور وجدان و شہود کی انتہائی منزل تک پہنچنے کا سوال کرتے ہیں وہی رحیم و ودود ہے۔

تفسیر عالمانہ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اس سے رات کے بعض اجزاء کا دن میں اور دن کے بعض اجزاء کا رات میں داخل

مراد ہے۔ ہر ایک اپنا دورہ پورا کرتا ہے جیسے رات و دن میں ہوتا ہے۔ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ
وَالْقَمَرَ اور تابع کیا سورج اور چاند کو اپنا پابند حکم کر کے بنایا۔

ف: کہ اعلام یہ ہے کہ سورج و چاند کی تسخیر کا معنی یہ ہے کہ انہیں لوگوں کے لیے نافع بنایا کہ انہیں
ان کی چال سے سالوں کی گنتی اور دیگر حسابات معلوم ہوتا ہے۔

ف: تفسیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ اس سے ان کا ایک دوسرے میں داخل
ہونے کی حکمت معلوم ہوئی کہ ان کی حرکت سے اوقات مختلف اور فصول اربعہ ظاہر ہوتے ہیں کہ ان
پر ان کی مصلحتوں اور بڑے بڑے امور کا دارومدار ہے۔

ف: سخر کا یولج پر عطف ہے۔ ان کا ماضی و مضارع میں مختلف ہونا بتاتا ہے کہ دن
رات کا ایک دوسرے میں داخل ہونا ہر آن میں نیا ہے لیکن ان کی تسخیر کی کوئی گنتی نہیں ہاں تعداد و
تجدد ان کے آثار سے محسوس ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی کی طرف اشارہ فرمایا کہ كُلٌّ ہر ایک یعنی سورج
اور چاند يَجْرِي اپنی حرکت خاصہ اور حرکت قسریہ علی المدارات الیومیہ کے سبب تعداد ایام سال
ہمیشہ جاری ہوتا ہے لِأَجَلٍ مُّسَمًّى وقت مقررہ تک، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے
قیامت تک مقرر فرمایا قیامت کے قیام پر ان کی حرکت ختم ہو جائے گی۔ بعض نے کہا اس سے مراد ان
کی حرکت تا غروب مراد ہے کیونکہ ہر روز یہ دونوں غروب کر کے پھر قریب والی سے طلوع کرتے ہیں
جریان سے وہ حرکت خاصہ مراد ہے جو ان کے افلاک میں ہوتی ہے اور أَجَلٍ مُّسَمًّى سے ان کے
دورے کی انتہا مراد ہے جو منازل سال میں سورج طے کرتا ہے چاند انہیں ماہ میں طے کر لیتا ہے
جب سال کا آخری دن ہوتا ہے وہاں پر سورج کی حرکت کی انتہا ہوتی ہے ایسے ہی جو دن مہینہ کا
آخری ہوتا ہے وہ چاند کی حرکت کی انتہا ہے۔ اب معنی یہ ہے کہ ان کی حرکت اجل کے ادراک کے لیے ہے
کیونکہ ان کی حرکت اور ادراک اجل سے مخصوص ہے ذَٰلِكُمُ یہ مبتدا ہے اور اس کا اشارہ افعال مذکورہ
کے فاعلوں کی طرف ہے۔ اور یہ اشارہ ہوگا بھی مجازی کیونکہ اشارہ کا اصل یہ ہے کہ وہ محسوسات
کی طرف ہو اللہ تعالیٰ کا محسوسات میں ہونا محال ہے اور بعید کا اشارہ اظہار عظمت کے لیے ہے
یعنی وہ عظیم الشان ذات جس نے عجیب صنائع کو انوکھے طریق سے پیدا فرمایا اللَّهُ خبر ہے
رَبُّكُمْ دوسری خبر ہے لَهُ الْمُلْكُ تیسری خبر ہے یعنی وہ ان صفات کا جامع ہے یعنی وہ معبود،
وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمینوں کے ملکوں کا مالک ہے۔ فلہٰذا اسی کو پہچانو اسی کی عبادت کرو
اور اسی کے احکام کی اطاعت کرو وَالَّذِينَ تَدْعُونَ اور جنہیں تم پکارتے اور عبادت کرتے ہو

مِنْ دُوْنِهٖ تمہارا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی عبادت سے متجاوز ہوتے ہو مَا یَمْلِکُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ ○ جو چھلکے کے مالک بھی نہیں۔

القطمیر وُہ سفید اور نرم چھلکا جو گٹھلی پر لفافہ کی طرح چمٹا ہوتا ہے۔ یہ قلت وحقارت کے وقت مثال کے طور بولا جاتا ہے۔ ایسے ہی نقیر گٹھلی کا وہ باریک سا پردہ جو گٹھلی کی پشت پر ہوتا ہے جس سے کھجور اُگتی ہے اور گٹھلی کے کنارے پر بٹے ہوئے تاگے کی طرح کے ذرۂ بے مقدار کو فتیل کہتے ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ بُت تمہیں گٹھلی کے پرِدے جتنا بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتے اِنْ تَدْعُوْهُمْ اگر تم بُتوں کو اعانت اور دفع ضرر کے لیے پکارو، لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ تو وہ تمہاری پکار سُنتے ہی نہیں کیونکہ وُہ پتھر ہیں اور پتھر میں سماع کہاں وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ تمہیں کوئی جواب نہ دے سکیں گے کیونکہ ان کی زبان ہی نہیں تو بولیں گے کیا، یا وہ تمہاری التماس کو پُورا نہ کر سکیں گے کیونکہ نفع دینے سے بالکل عاجز ہیں اس لیے کہ جو اپنے لیے نفع دینے کا مالک نہیں وہ دوسرے کو کیا نفع دے گا۔ جناب کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ وہ نہ ہی ایصالِ منافع پر قادر ہیں نہ ہی دفعیہ مکارہ کے اہل ہیں وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ اور قیامت میں تمہارے شرک کا انکار کریں گے اور کہیں گے:

ما کنتم ایانا تعبدون۔

(تم تو ہماری پرستش نہیں کرتے تھے)

سوال: بُت جب پتھر ہیں تو پھر ان کے لیے ضمیر ذوی العقول کیوں![1]

جواب: چونکہ بُت پرست اپنی جہالت وغباوت سے بُتوں کو ذی فہم وتمیز مانتے تھے نیز اس سے ہر معبود

---

[1] وہابیہ چونکہ اولیاء وانبیاء کو اس آیت میں شامل کرتے ہیں تو کہتے ہیں بقول اہلسنت اگر یہاں بُت مراد ہیں تو پھر یہاں اور اس جیسی آیات میں ضمائر ذوی العقول کیوں! تو اس کا جواب وہی دیا جائے گا جو حضرت اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں پر لکھا ہے۔

جواب دوم یہ ہے کہ آیت ہذا اور اس جیسی آیات میں جتنے صفات بیان کئے گئے ہیں وہ بُتوں کے لائق ہیں کیونکہ ان کے لیے کہا گیا کہ وہ کسی شے کے مالک نہیں اور انبیاء واولیاء باذنہٖ تعالیٰ بہت سے امور پر منجانب اللہ مختار ہیں۔ ان کے لیے کہا گیا وُہ کچھ سُنتے نہیں، انبیاء واولیاء سنتے ہیں قبور سے باہر کا تو وہابیہ کو بھی انکار نہیں بعد وفات کی تخصیص قرآن میں نہیں اور ان کو جواب دینے کی قدرت نہیں اور انبیاء واولیاء نے بہتوں کی پکار کا جواب دیا فی الحیاۃ بھی بعد الممات بھی۔ اویسی غفرلہٗ

من دون اللہ مراد ہے انسان ہو یا جن یا بُت وغیرہ ۔ پھر ذوی العقول کے غلبہ سے صیغے اور ضمائر ذوالعقول کے لائے گئے ہیں (بحر العلوم)

وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ○ اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! اس امر کی تمہیں کوئی مخبر خبر نہ دے گا جیسے تمہیں اس مخبر نے خبر دی ہے۔ اس سے حق تعالیٰ مراد ہے کیونکہ وہی امور کی کُنہ کو جانتا ہے بخلاف دُوسرے مخبرین کے کہ وہ شے کی کنہ کو نہیں جانتے۔ اس سے ان کے معبود کے احوال اور ماسوی اللہ کی عبادت کی خبریں مراد ہیں۔

الخبیر کے معانی

۱۔ صاحب لباب نے کہا کہ لفظ مثل اللہ تعالیٰ پر مضاف کر کے استعمال کرنا ناجائز ہے۔ لیکن یہ اضافت محض مثال کے طور پر ہے اور وہ اس کے لیے بولتے ہیں جس کی خبر پر کسی قسم کا اعتبار و اعتماد نہ ہو۔

۲۔ النہروقی نے فرمایا الخبیر وُہ ہے جو شے کی کُنہ اور دقائق امور کو جان کر خبر دے اور ان دقائق کے حقائق کو نہ تو حیلے سے جانا جا سکے نہ اس میں کسی کو کسی قسم کا اختیار ہو۔

۳۔ امام غزالی نے فرمایا الخبیر وُہ ہے جس سے اخبار باطنہ پوشیدہ نہ ہوں اور ملک و ملکوت میں کوئی شے جاری نہیں ہوتی اور کوئی ذرہ حرکت نہیں کرتا اور کوئی سانس نہیں نکلتا اور نہ ہی سکون پکڑتا ہے مگر ان جملہ امور کا اس کو علم ہوتا ہے ؎

بر احوال نابودہ علمش بصیر
بر اسرار ناگفتہ لطفش خبیر

ترجمہ: احوال نابودہ کو اس کا علم دیکھنے والا ہے اور اسرار ناگفتہ سے اس کا لطف باخبر ہے۔

ف: بندے کو اس اسم سے یہ فائدہ ہے کہ جو اس کے بدن اور قلب پر غش و خیانت اور نقد حال و اضمار شر و اظہار خیر و تحمل باظہار الاخلاص والافلاس کا اجرا ہو ان تمام امور سے باخبر ہو اور ایسے پوشیدہ امور کی خبر حاصل نہیں ہوتی جب تک توحید کا اظہار و اخفاء و تحقیق اور شرک اور اس کے متعلقات سے روگردانی کر کے وصول الی اللہ نہ ہو ؎

غلام ہمت آنم کہ زیر چرخ کبود
ز ہر چہ رنگ تعلق پذیرد آزاد است

ترجمہ: میں اس کی ہمت کا نیازمند ہوں جو اس نیلے گنبد کے نیچے ہر رنگ کے تعلق کو قبول کرنے سے آزاد ہے۔

(باقی صفحہ ۴۸۳ پر)

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ○ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ
وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ○ۚ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ○ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ
اُخْرٰى ۚ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ
اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۚ وَمَنْ تَزَكّٰى
فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ○ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ○
وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ○ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ○ۚ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ
وَلَا الْاَمْوَاتُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ○
اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ○ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ
اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ○ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ
رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ○ ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ○

ترجمہ: اے لوگو تم سب اللہ کے محتاج اور اللہ ہی بے نیاز ہے سب خوبیوں سراہا وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور نئی مخلوق لے آئے اور یہ اللہ پر کچھ دشوار نہیں اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی اور اگر کوئی بوجھ والی اپنا بوجھ بٹانے کو کسی کو بلائے تو اس کے بوجھ میں سے کوئی کچھ نہ اٹھائے گا اگرچہ قریب رشتہ دار ہو۔ اے محبوب تمہارا ڈر سنانا انہی کو کام دیتا ہے جو بے دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور جو ستھرا ہوا تو اپنے ہی بھلے کو ستھرا ہوا اور اللہ ہی کی طرف پھرنا ہے اور برابر نہیں اندھا اور انکھیارا اور نہ اندھیریاں اور نہ اجالا اور نہ سایا اور نہ تیز دھوپ اور برابر نہیں زندے اور مردے۔ بے شک اللہ سناتا ہے جسے چاہے اور تم نہیں سنانے والے انہیں جو قبروں میں پڑے ہیں تم تو یہی ڈر سنانے والے ہو اے محبوب بے شک ہم نے تمہیں حق کے ساتھ بھیجا خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور جو کوئی گروہ تھا سب میں ایک ڈر سنانے والا گزر چکا اور اگر یہ تمہیں جھٹلائیں تو ان سے اگلے بھی جھٹلا چکے ہیں ان کے پاس ان

رسول آئے روشن دلیلیں اور صحیفے اور چمکتی کتاب لے کر پھر میں نے کافروں کو پکڑا تو کیسا ہوا میرا انکار۔

(بقیہ صفحہ ۴۸۱)

ت : تعلق ماسوی اللہ نہ تو کسی فائدہ کے حاصل کرنے کے لیے نافع ہے اور نہ نقصان پہنچانے کا دافع کیونکہ یہ سب کے سب مخلوق ہیں اور مخلوق عاجز ہے اور قدرت کاملہ صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اسی لیے اسی کی توحید و عبادت واطاعت اور اسی کے ساتھ تعلق جوڑنا ضروری ہے۔

خاصیت خبیر (۱) اس اسم کی خاصیت یہ ہے کہ ہفتہ بھر اس کا مسلسل ذکر روحانیت کو ایسی جلا بخشے گا کہ جس خبر کا ارادہ کرے گا اسے حاصل ہو جائے گی وہ خبر سنت سے متعلق ہو یا بادشاہوں سے متعلق یا قلوب سے وغیرہ وغیرہ (شمس المعارف)۔

(۲) جو شخص کسی کے ظلم میں گرفتار ہو تو اس اسم کے ذکر میں کثرت کرے ایذا دینے سے نجات پائے گا۔ (ان شاء اللہ) شرح الاسماء الحسنیٰ للشیخ الزروقی۔

تفسیر عالمانہ یَا اَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰهِ ۔ الفقراء، فقیر کی جمع ہے جیسے فقارۃ، فقیرۃ کی جمع ہے۔ فقیر بمعنے مکسور یعنی کمزور حال۔ اور فقار، فقر بمعنی کسی کی پیٹھ توڑنا (تاج المصادر از باب ضرب۔ اور قاموس میں باب کرم (شرف) سے لکھا ہے) امام راغب نے مفردات میں لکھا کہ افتقر فهو مفتقر و فقیر عرب میں عام مستعمل ہے لیکن فقر (ماضی) استعمال نہیں ہوا اگرچہ قیاس کے تقاضا پر جائز ہے کہ اس طرح بھی مستعمل ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ فقیر مفتقر کی طرح صیغہ مبالغہ ہے بمعنے بہت بڑا ذو احتیاج، اور فقر بمعنے حاجت ضروریہ کا ہونا یعنی جس شے کی ضرورت ہے اس کا فقدان۔ الفقراء کا معرف باللام ہونا ان کے فقر میں مبالغہ کے لیے ہے کہ اپنی ضروریات میں بہت بڑے محتاج۔ گویا صرف یہی ہے اگرچہ باقی اخلاق کی محتاجی بہ نسبت ان کی فقیری کے کالعدم ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے لوگو تم کو اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی محتاجی ہے تمہاری اپنی ذات کے متعلق اور ان امور میں جو تمہیں عارض ہوتے ہیں یا وہ مصائب جن میں تم مبتلا ہوتے ہو کیونکہ ہر حادثہ میں اپنے خالق کی محتاجی ہے وہی اسے پیدا کرتا ہے اور وہی اسے باقی رکھتا ہے اور انسان رزق اور دیگر جملہ منافع دنیوی کے حصول اور تمام تکالیف میں اور عوارض کے دفع کرنے میں اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے ایسے ہی آخرت میں عذاب سے بچاؤ اور مغفرت

میں اسی کا محتاج ہے۔ خلاصہ یہ کہ انسان اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات وافعال میں اس کے فضل وکرم کا محتاج ہے۔

نکتہ: بعض مشایخ نے فرمایا کہ انتم الفقراء کا ایسا برگزیدہ خطاب ہے کہ سوائے انسان کے اور کسی کو مشرف نہیں فرمایا گیا یہاں تک کہ ملائکہ مقربین کو بھی ایسا خطاب نصیب نہیں اس لیے کہ باقی مخلوق صرف اللہ تعالیٰ کے افعال کی محتاج ہے کہ اسے صرف تخلیق سے تعلق ہے بخلاف انسان کے کہ وہ اس کی ذات وصفات کا محتاج ہے خلاصہ یہ کہ جملہ مخلوق اگرچہ اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے لیکن حقیقی محتاجی یعنی ذات وصفات کا محتاج ہونا صرف انسان سے ہے۔

ایک مثال: جیسے ایک بادشاہ جو صاحبِ جمال ہو اس کے خزائن میں جملہ رعایا کو ضرورت ہے لیکن اس کے عشاق اس کے حُسن وجمال پہ فریفتہ اس کی عین ذات کے محتاج ہیں۔ اس معنی پر رعایا بادشاہ کے افعال کی محتاج ہے لیکن عشاق بادشاہ کے افعال کے بھی محتاج ہیں اور اس کی ذات کے بھی کیونکہ عاشق کو تو صرف معشوق چاہیئے ؎

۱ کام عاشق دولت دیدار یار
قصد زاہد جنت و نقش ونگار

۲ ہرچہ جز عشق حقیقی شد وبال
ہرچہ جز معشوق باقی شد خیال

۳ ہست در وصلت غنا اندر غنا
ہست در فرقت غم و فقر و عنا

ترجمہ: (۱) عاشق کی مراد یار کی دولتِ دیدار ہے اور زاہد کو جنت اور نقش ونگار چاہیئے۔
(۲) جس کا عشق حقیقی کے سوا مقصد ہے تو وہ اس کے لیے وبال ہے اور معشوق کے سوا باقی تمام مرادیں صرف وہم وخیال ہیں۔
(۳) تیرا وصال غنا ہی غنا ہے تیرے فراق میں غم وفقر اور دکھ ہے۔

ف: یہ بھی انسان کے کمالات سے ہے کہ اسے جمیع وجوہ اسمائے الٰہیہ سے صرف اسم اعظم کی محتاجی ہے کیونکہ وہ اسی کا مظہرِ کامل ہے بخلاف دوسرے موجودات کے کہ وہ اپنی استعداد کے مطابق اس کے محتاج ہیں دوسروں کی محتاجی من وجہ ہے اور انسان کی محتاجی من کل الوجوہ ہے۔ اسی لیے **حدیث شریف** میں وارد ہے:

الفقر فخری وبہ افتخر۔

(فقر میرا فخر ہے اور اسی پر میں نازاں ہوں)

اور حدیث معنیٰ صحیح ہے اگرچہ اس کے الفاظ میں اختلاف ہے۔ اس کی تائید اس **حدیث شریف** سے ہوتی ہے، حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

اللھم اغننی بالافتقار الیک ولا تفقرنی بالاستغنا عنک۔

(اے اللہ! مجھے اپنی محتاجی کا غنی بنا دے اور اپنے سے غنا کی طلب کا مجھے فقیر نہ بنا)

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر فقرا سے یاد فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

(۱) للفقراء المھاجرین۔

(وہ فقراء مہاجرین)

(۲) للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ۔

(وہ فقراء جو راہِ خدا میں روکے گئے)

(۳) حقیقی امیری ہے جسے فقیری کے لباس میں ظاہر کیا گیا ہے تاکہ کسی کو ان کی امیری کا علم نہ ہو چنانچہ ان کے حق میں کہا گیا ہے ؎

از سلانم خوان تا کس بہ نداند کہ کہ ام

(مجھے ارسلان سے پکار تاکہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ میں کون ہوں)

اعجوبہ عصمتِ انبیاء علیہم السلام پیرانِ طریقت فرماتے ہیں کہ دوستیٔ حق کا وارد مدار اسی تلبیس میں مخفی ہے جیسے سلیمان علیہ السلام کو بادشاہی کے رنگ میں دکھایا ورنہ در حقیقت وہ فقیر تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو عصیان کا نام دے کر برگزیدگی میں چھپائے رکھا اور ابراہیم علیہ السلام کو خلت کے نام سے پکار کر خلت کے پردے میں مخفی رکھا کیونکہ محبت کے شرائط میں غیرت اہم شرط ہے[۱] اسی لیے اپنے محبوبوں کا حال غیروں کو دیکھنے نہیں دیتا۔

---

[۱] اسی کو بتایا شاعر نے ؎

غیرت از چشم برم کہ روئے تو دیدن نہ ہم — گوش را نیز حدیث تو شنیدن نہ ہم

(مجھے تو اتنی غیرت ہے کہ تیرا چہرہ اپنی آنکھ کو بھی نہ دیکھنے دوں اور نہ کان کو تیری بات سننے دوں) اویسی غفرلہٗ

فقیر کسے کہتے ہیں

جس کی نگاہ وجود پر نہ ہو اور نہ ہی کونین (دونوں جہان) اس کے خیال میں ہو بلکہ اس کی نگاہ ہر وقت اللہ تعالیٰ پر ہوا سے فقیر[ل] کہتے ہیں اگرچہ وہ لوگوں کی نظروں میں درویش ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ بہت بڑا غنی (دولت مند) ہے جیسے ہمارے شیخنا سیدنا اویس رضی اللہ عنہ۔ اسی لیے کہا جاتا ہے حقیقی غنا قلب کا غنا ہے تونگری سینے میں چاہیے نہ کہ خزانوں میں۔ صوفیائے کرام فقیر اس کو کہتے ہیں جو دونوں جہانوں میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی سے کوئی تعلق نہ رکھے اور نہ ہی کسی پر نگاہ ہو اور اپنی ذات وصفات کو چار تکبیر سے ذبح کرے جیسا کہ کسی جواں مرد نے کہا ہے۔ ؎

۱ نیست عشق لایزالی را دراں دل ہیچ کار
کو ہنوز اندر صفات خویش ماند است استوار

۲ ہر کہ در میدان عشق نیکواں نامی نہاد
چار تکبیرے می کند بر ذات او لیل ونہار

ترجمہ:۔ (۱) عشق لایزالی کو اس دل سے کوئی تعلق نہیں جو ابھی اپنی صفات کے تصرف میں ہے۔

(۲) جو بھی محبوبوں کی طرح عشق میں قدم رکھتا ہے تو وہ چار تکبیروں شب وروز اپنے آپ کو ذبح کرتا رہتا ہے۔

وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ○ وہی اللہ علی الاطلاق غنی ہے ہر شے اسی کی محتاج ہے کسی دنیا میں ہر ایک مددگاروں کا محتاج ہے جیسے امیر کی امارت نہیں چل سکتی جب تک اس کے خدام اور نوکر وچاکر نہ ہوں اور تاجر کی تجارت نہیں چل سکتی جب تک اس کے ساتھ کاروباری نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کسی معین وناصر کی ضرورت نہیں رکھتا۔

معتزلہ کا رد

الاسئلۃ المتحیرہ میں ہے کہ (اہلسنت کا مذہب ہے کہ) اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی کوئی ضرورت اور حاجت نہیں اگر انہیں نہ پیدا کرتا تو بھی اس کی الوہیت میں کوئی فرق نہ آتا اگر انہیں موت دے یا زندہ رکھے انہیں مامورات کا مکلف بنائے یا نہ۔ تمام حالتوں میں آ

ل اسی لیے کہتے ہیں فقیر کا مرتبہ غوثیت وقطبیت سے بالاتر ہے لیکن آج کل عرف میں کمترین کو لکھا جاتا ہے اس لیے دور حاضرہ میں کسی کا اپنے آپ کو فقیر کہنا لکھنا پہلے معنیٰ پر نہیں بلکہ دوسرے معنیٰ پر ہے۔ اویسی غفرلہٗ

کوئی حاجت نہیں کیونکہ وہ ان کی ضرورت نہیں رکھتا بخلاف معتزلہ کے کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ انہیں معرفت و شکر کا مکلف نہ بنائے تو اسے حکیم کون کہے گا اس لیے اس نے مکلف بنایا تاکہ اس کی حکمت کا اظہار ہو (گویا اسے اپنے حکیم ہونے کے اظہار کی ضرورت ہے۔ معاذ اللہ) یہ نہایت درجہ کی بے حیائی اور رسوائی ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کی تخلیق میں اسے نفع حاصل کرنے اور نقصان دور کرنے والے بتاتے ہیں۔ یہی عقیدہ مجوسیوں کا ہے وہ بھی تو یہی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اسی لیے پیدا کیا تاکہ ان کے ذریعے سے اپنے آپ سے شیاطین کی اذیتیں دُور کر سکے۔

الحمید وہ تمیع موجودات کو انعامات سے نوازنے والا ہے اسی لیے وہ عام نعمت اور فضل شامل کی وجہ سے حمد کا مستحق ہے اسی معنیٰ پر غنی بھی ہے اور مغنی بھی۔

ف: حضرت کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ جملہ ممکنات فاعل کی محتاج ہیں اور انتم الفقراء میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ذاتی کمال کی وجہ سے جملہ عالم و عالمیان سے مستغنی ہے واللہ الغنی کا مطلب یہ ہے کہ اس کے کمال اسمائی کا ظہور وجود اعیان ممکنات پر موقوف ہے اس معنیٰ پر اس کی ایجاد ممکنات بہت بڑی نعمت ہے اسی اعتبار سے وہ حمد و ثنا کا مستحق ہے اسی لیے اسے حمید کہا جاتا ہے۔ اسی طرف اس رباعی کا اشارہ ہے ؎

۱ تا خود کرد بجملہ اوصاف عیان
واجب باشد کہ ممکن آید بمیان

۲ ورنہ بکمال ذاتی از آدمیان
فرد ست و غنی چنانکہ خود کرد بیان

ترجمہ: (۱) تاکہ وہ جملہ اوصاف سے ظاہر ہو واجب ہے کہ ممکن کا ظہور ہو۔

(۲) ورنہ کمال ذاتی آدمیوں سے فرد و غنی ہے جیسا کہ اس نے خود بیان فرمایا ہے۔

اِنْ يَّشَاْ اگر اللہ تعالیٰ چاہے **يُذْهِبْكُمْ** تمہیں رُوئے زمین سے ختم کر دے اور تم صفحۂ ہستی سے مٹ جاؤ وہ قادر ہے جیسے اس نے تمہیں پیدا کر کے باقی رکھا **وَيَاْتِ** اور لائے **بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝** تمہارے قائم مقام نئی مخلوق۔ تم اسی حالت پر ہمیشہ نہیں رہو گے بلکہ تمہیں طاعت و عبادت پر مداومت کرنی چاہیے۔ اگر اور مخلوق لائے تو وہ بھی تم جیسے آدمی انسان ہوں گے یا کوئی اور مخلوق ہو گی جس کا تمہیں علم بھی نہ ہو یا ایسی مخلوق لائے جسے کسی نے دیکھا نہ سنا۔ اس معنیٰ پر وہ آدمی کی جنس سے نہ ہو۔ جو بھی ہو اس سے اظہارِ غضب ہے تاکہ یہ بھولے ہوئے اپنی غلطیوں اور گناہوں کی غفلت کو دُور کریں۔

نیز اس میں مدعی محبت و طلب کو تنبیہ بھی ہے کہ اگر تم اس کی طلب کا حق ادا نہیں کرو گے تو وہ تم جیسے اور محب و عشاق لا دے گا وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ اور تمہارا مٹانا اور دوسروں کو لانا اللہ تعالیٰ کو بِعَزِيْزٍ مشکل نہیں بلکہ اس کے لیے نہایت آسان ہے کیونکہ اسے ہر مقدور پر قدرت ہے وہ شے اور اس کی نقیض پر ہر طرح کی قدرت رکھتا ہے جب کسی شے کو کہتا ہے ہو جا' تو وہ توقف اور بغیر کسی رکاوٹ کے ہو جاتی ہے کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تم سے پہلے لوگوں کو کیسے مٹا کر اوروں کو ان کے قائم مقام بنایا اب قریشِ مکہ کا وقت آ گیا ہے ان کو فرمایا یاایھا الناس اے لوگو! اور فرمایا کہ تم ہر طرح اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو اور وہ جملہ مخلوق سے بے پرواہ ہے۔ نہ ہی اسے ان کی عبادت کی ضرورت ہے باوجود اینہمہ ان کو سعادت اور ابدی کامیابی کی دعوت دی ہے یعنی ایمان و طاعت کی، اور وہ باوجود محتاجی کے اللہ تعالیٰ کے احکام کے منکر ہیں۔ پھر یہ تباہ نہ ہوں تو اور کیا ہو! لیکن یہ اس کی مشیت پر موقوف ہے اور اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ان کے بعض کو دیگر غزوات میں ان کے بجائے اوروں کو پیدا کیا جنہوں نے اس کے اوامر و نواہی کی پابندی کی اسی لیے وہ اس کے فضل و کرم اور رحمت کے مستحق ہوئے اور یہ افناء و ابقاء یعنی بعض کو فنا کرنا اور دوسروں کو باقی رکھنا تا حال جاری ہے لیکن وہ اس میں عجلت نہیں فرماتا بلکہ ایک عرصہ تک مہلت دیتا ہے وہ صبور ہے مجرموں کی فوراً گرفت نہیں فرماتا تاکہ گناہوں پر اصرار کرنے والے کو توبہ کا موقعہ مل جائے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں ہر قسم کے بادشاہوں اور حکام اور افسروں کو وعظ و نصیحت ہے جسے مہلت دی جائے وہ اس پر مغرور نہ ہو کیونکہ جب اس کی گرفت شروع ہوتی ہے تو پھر اس سے کوئی بھاگ نہیں سکتا جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا تارک ہے اسے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی پکڑ کے لیے تیار رکھنا چاہیے۔

سبق: عقلمند پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس سے ہر وقت ڈرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف امر کے ارتکاب کی جرأت نہ کرے جمادات سے کم نہ ہو کہ وہ تسبیح الٰہی میں ہوں اور یہ محروم، حالانکہ انسان تو اشرف المخلوقات ہے۔

حکایت جبل حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھا سامنے ایک پہاڑ نظر آیا آپ نے فرمایا اسے میرا سلام پہنچا کر پانی لے آؤ اگر اس کے پاس ہو تو۔ میں نے اس کے پاس جا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سلام پہنچایا اور کہا اے پہاڑ! اس نے کہا، لبیک یا رسول اللہ۔ میں نے اس سے پانی کے لیے کہا تو اس نے عرض کی، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا سلام عرض کرنا اور کہنا کہ میں نے جب سے آیت فاتقوا النار التی وقودھا الناس

والحجارۃ (ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں) سُنی ہے اس روز سے میرے یہاں (روتے روتے) پانی ختم ہو گیا ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى اور نہ اٹھائے گا کوئی کسی دوسرے کا بوجھ۔ وَزَرَ یَزِرُ اس کی گردان ہے از باب ضرب اور وزر بالفتح و بالکسر بمعنے حمل اور بمعنے گناہ وثقل۔ وازرۃ نفس محذوفہ کی صفت ہے۔ ایسے ہی اُخرٰی بھی نفس کی صفت ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ نہ اٹھائے گا نفس آثم قیامت میں دوسرے نفس کا گناہ کہ جس سے دوسرے کا بوجھ کچھ ہلکا ہو جائے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ قیامت میں ہر ایک اپنا بوجھ (گناہ) خود اٹھائے گا بخلاف دنیا کے کہ اس میں بڑے چھوٹوں سے بوجھ اُٹھواتے ہیں۔

سوال: ولیحملن اثقالھم و اثقالا مع اثقالھم (اور اٹھائیں گے اپنا بوجھ دوسروں کا بوجھ ملا کر) یعنی گمراہ کرنے والے کا اپنا بوجھ اور دوسرے کو گمراہ کرنے کا بوجھ۔ یہ دونوں بوجھ گمراہ کرنے والا اٹھائیگا۔

جواب: یہ غیر کا بوجھ اٹھانا نہیں بلکہ یہ بھی اس کا اپنا ہے جو اس نے دُوسرے کو گمراہ کرنے کا کیا ہے جیسے دوسری آیت میں فرمایا:

اتبعوا سبیلنا ولنحمل خطایاکم۔

(تم ہمارے راستہ کی اتباع کرو ہم تمہارے گناہ سر پر رکھ لیں گے)

اس کے بارے میں خود فرمایا:

وما ھم بحاملین من خطایاھم من شئ۔

(اور وہ ان کے گناہوں سے کوئی گناہ بھی نہیں اٹھائیں گے)

اسی سے وہ جواب مل گیا کہ ظالم پر مظلوم کا گناہ رکھا جائے گا اس لیے کہ یہ گناہ بھی درحقیقت اس کا اپنا گناہ ہے اگرچہ بظاہر اس سے مظلوم کے بوجھ کی تخفیف ہے اور یہ بھی ذنب متعدی میں ہوگا۔ (اس کی تفصیل ہم نے سورۂ انعام کے آخر میں درج کی ہے)

تفسیر صوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق ہے اور ہر شے کی تخلیق میں خصوصی راز ہے کہ جو ایک مخلوق میں راز ہے وہ دوسری میں نہیں ہر ایک کا اپنا مقصد ہے۔ مثلاً جیسا بیج ہوگا ویسا ہی پودا اُگے گا ہر بیج میں علیٰحدہ علیٰحدہ مقصد ہے۔ ایسا نہیں کہ با بجرہ بو کر جَو حاصل کیے جائیں۔ کیونکہ جس کا بوجھ ہے وہی اٹھائے گا وہ دوسرے کا بوجھ اٹھانے کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ کذا فی التاویلات النجمیہ۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

رطب ناورد چوب خر زهره بار
چہ تخم افگنی بر ہمان چشم دار

ترجمہ : جھاؤ تر کھجور نہیں لائے گی، جیسا بیج ڈالوگے اسی پھل کی امید رکھو۔

تفسیر عالمانہ وَاِنْ تَدْعُ صیغہ واحدہ مونث غائبہ بمعنے لو دعت۔ اور اگر بلائے مُثْقَلَۃٌ بوجھ لادا ہوا نفس جس پر گناہوں کا بوجھ ہے کسی کو یہاں مفعول "احد" محذوف ہے۔

ف : امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا : ثقل وخفۃ ایک دوسرے کے متقابل ہیں جو ان میں وزن میں بوجھل ہو جائے تو اسے کہتے ہیں "ھو ثقیل" (وہ ثقیل ہے) اس کا اصل استعمال اجسام میں ہوتا ہے۔ پھر (مجازاً) معانی میں بھی مستعمل ہے۔ مثلاً کہتے ہیں ، اثقلہ الغرم والوزر (اس پر قرض اور گناہ کا بوجھ ہے) اور گناہ کو ثقل اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ قیامت میں مجرم پر بوجھ ہوگا اور اس نے دنیا میں ثواب کے حصول سے باز رکھا اِلٰی حِمْلِھَا اس کے اٹھانے کے لیے۔ یعنی وہ گناہ جو دنیا میں کیے ان کے اٹھانے کے لیے کہا جائے گا۔

ف : وہ بوجھ جو پیٹھ پر اٹھایا جائے اسے حِمل (بالکسر) اور جو پیٹ میں اٹھایا جائے (جیسے بچہ بچی) اسے حَمل (بالفتح) بولتے ہیں (المفردات)

لَا یُحْمَلْ مِنْهُ شَیْءٌ اس سے کوئی دوسرا کوئی شے بھی اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوگا وَلَوْ وصلیہ ہے کَانَ اگرچہ جسے وہ اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے بلائے گا ذَا قُرْبٰی قریبی رشتہ دار بھی ہو۔

سوال : تم نے یہ معنیٰ کہاں سے لیا (کہ جسے بلایا جائے) ؟

جواب : دعوۃ کے لفظ سے معلوم ہوا۔

ف : ذا قربیٰ سے باپ، بیٹا، ماں ، بھائی وغیرہ مراد ہیں اس لیے کہ اس وقت ہر ایک کو اپنی فکر ہوگی، جب اپنا بوجھ ہی نہ اٹھایا جائے گا تو دوسرے کا کیسے اٹھائے گا۔

مسئلہ : آیت سے معلوم ہوا کہ گناہ کا مؤاخذہ صرف مجرم سے ہوگا۔

اولیاء اللہ سے نسبت کا فائدہ آیت میں نفی من حیث القرابۃ (رشتہ داری) کے متعلق ہے ورنہ متقین (اولیاء و انبیاء) تو اہل ایمان کے کام آئیں گے۔

(یہی ہم کہتے ہیں اور صاحب روح البیان نے ج ۷ ص ۳۳۶ میں تصریح فرمائی ہے ،

دان الاستغاثۃ بالاقربین غیر ... یعنی غیر متقین کو اقربین سے استغاثہ

نافعة لغیر المتقین ۔ کام نہ دے گا، ہاں متقین کو فائدہ ہوگا۔

نفسی نفسی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ماں باپ بیٹے سے کہیں گے کچھ تو ہمارا بوجھ اٹھالے۔ وہ کہے گا مجھے اپنا بوجھ ہی کافی ہے تمہارا بوجھ کیسے اٹھاؤں! ایسے ہی شوہر اپنی عورت سے کہے گا کہ دنیا میں تو میری بیوی تھی اور بڑی خدمت کرتی تھی۔ اس کی بڑی تعریف کر کے کہے گا مجھے تھوڑی سی نیکی چاہیے تاکہ اس بُرے حال سے نجات پاؤں۔ عورت کہے گی میں خود بُرے حال میں ہوں جیسے تجھے نجات کی ضرورت ہے مجھے بھی تو ہے ؎

ہیچ رحمی نہ برادر بہ برادر دارد

ہیچ خیری نہ پدر را بہ پسر می آید

دختر از پہلوی مادر بکند قصد فرار

دوستی از ہمہ خویش بسر می آید

ترجمہ:۔ بھائی بھائی پر رحم نہ کرے گا، نہ باپ کو بیٹے سے خیر و بھلائی ہوگی۔ بیٹی ماں سے بھاگنے کا ارادہ کرے گی۔ اس وقت تمام دوستی ختم ہوگی۔

نکتہ: الارشاد میں ہے کہ اس میں دوسرے کا بوجھ اٹھانا اختیار سے ہو یا اجبار سے، ہر طرح کی نفی ہے۔ یہی بہتر تفسیر ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ ایمان و طاعت نور ہے اور کفر و عصیان ظلمت۔ جب کوئی انسان صفتِ ایمان و طاعت یا کفر و عصیان سے موصوف ہو جائے تو یہ دونوں ایک قسم کے جوہر ہیں، ایک کا جوہر دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہو سکتا جیسے پل صراط پر گزرنا اسی جوہر ایمان و کفر سے ہوگا تو جس کے پاس ایمان کا جوہر ہوگا وہ نور بن کر اس کو پل صراط سے صحیح سالم لے جائے گا۔ اور کفر کا جوہر ظلمت ہے تو نور کا جوہر ظلمت والے کو نہ ملے گا اور نہ ہی ظلمت کا جوہر نور والے کو۔

تفسیر عالمانہ اِنَّمَا تُنْذِرُ بے شک اے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تم ڈراتے ہو ان ڈراؤنی باتوں سے۔ الانذار کوئی بات کسی کو خوف دلا کر پہنچانا۔ اَلَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ ان لوگوں کو جو ڈرتے ہیں رَبَّهُمْ اپنے پروردگار سے بِالْغَیْبِ غائبانہ۔ یہ حال ہے یعنی غائبین الخ جو عذاب اور امورِ آخرت سے یا تنہائیوں میں لوگوں سے غائب ہیں یعنی وہ خلوتوں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں نہ کہ مجلسوں میں۔ یہ فاعل سے حال ہے۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ ان سے عذاب

غائب ہے۔ اب یہ مفعول سے حال ہوگا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ اور نماز کو اس کے حقوق کے مطابق ادا کرتے ہیں بلکہ نماز کو اپنے لیے معیارِ ہدایت اور بلند علم سمجھتے ہیں۔

نکتہ: کشف الاسرار میں ہے کہ دو جملے مغایر اس لیے ہیں کہ خشیتِ الٰہی ہر وقت ہوتی ہے اور نماز کا وقت خاص ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے نبی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! تمہارا ڈرانا ان کو مفید ہے جو ان اوصاف سے موصوف ہیں ان کے ما سوا سرکش اور متمرد لوگ اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھائیں گے اگرچہ آپ تمام مخلوق کو ڈرانے پر مامور ہیں۔

سوال: خشیت و نماز کی تخصیص کیوں؟

جواب: یہ اعمالِ حسنہ ظاہرہ و باطنہ کے اصل ہیں کیونکہ نماز دین کا ستون اور خشیت یقین کا شعار ہے اور انسان اللہ تعالیٰ سے اس قدر ڈرتا ہے وہ اس کی معرفت رکھتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

انما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلماء۔

(بے شک اللہ تعالیٰ سے علما ڈرتے ہیں)

اس سے معلوم ہوا کہ جس دل میں علم و خشوع نہ ہو وہ دل مردہ ہے اس میں انذار اثر انداز نہ ہوگا۔ چنانچہ فرمایا:

لینذر من کان حیا۔

(تاکہ اسے ڈرائے جو زندہ ہے)

لیکن اس کے باوجود خشیت کو ایک دوسری شرط سے مشروط فرمایا ہے یعنی اقامۃ الصلٰوۃ۔ اس سے معلوم ہوا کہ غائبانہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی نشانی یہ ہے کہ نماز کی پابندی ہو۔

حدیث شریف میں ہے:

ان بین الرجل و بین الشرك و الکفر ترك الصلٰوة۔

(انسان اور کفر و شرک کے درمیان فرق ترکِ صلوٰۃ ہے)

وَمَنْ تَزَكّٰى اور جو گناہوں کی آلائش سے پاک و صاف ہے اور ان انذارات سے اثر لے کر اپنے حال کو طاعات سے سنوارتا ہے فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ تو اپنے آپ کو سنوارتا ہے کیونکہ اس کا نفع صرف اسے ملے گا اس لیے جو گرد و غبار میں گھستا ہے تو صرف وہی گرد آلود ہوتا ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے کہا جائے کہ جو زکوٰۃ دیتا ہے اس کا اپنا فائدہ ہے وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ○ اور صرف

اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہے اور کوئی بھی اس کا اس امر میں شریک نہیں بالا ستقلال وہی مالک ہے اسی نے تزکیہ پر صرف وہی جزا دے گا۔

تفسیر صوفیانہ گناہوں سے بچاکر نفس کو سنوارنے کی جزا بہشت اور اس کے درجات ہیں اور اسے تعلق ماسوی اللہ سے دُور رکھنے کا ثواب جمال حق ہے جیسا کہ فرمایا **والی اللہ المصیر** جو اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے اختیار سے رجوع کرتا ہے تو وہ اس کے لیے ہر وقت بیقرار رہتا ہے۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

۱ ندادند صاحب دلان دل بپوست
وگر ابلہی داد بے مغز اوست

۲ می صرف وحدت کسے نوش کرد
کہ دنیی و عقبی فراموش کرد

ترجمہ: (۱) کسی صاحب دل نے ظاہری حسن کو دل نہیں دیا۔ اگر کسی نے دیا ہے تو وہ بیوقوف ہے۔

(۲) شراب وحدت خالص جس نے نوش کیا ہے اسے دنیا و عقبیٰ مجول جائے گی۔

ف: لیکن سب کچھ اس کی عنایت سے نصیب ہوتا ہے۔

حکایت حضرت ابراہیم المہلب السائح رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں کعبہ معظمہ کا طواف کر رہا تھا تو ایک نوجوان لڑکی کو دیکھا جو کعبہ معظمہ کے پردوں کو پکڑ کر کہہ رہی تھی تُو نے محبت کر کے میرا دل چھین لیا مجھے میرا دل واپس کر دو۔ میں نے اس سے پوچھا تجھے کیسے معلوم ہوا کہ وہ تجھ سے محبت کرتا ہے۔ بولی: عنایت قدیمہ سے میری تلاش میں اس نے بڑے لشکر بھیجے اور بہت بڑا خرچ کر کے مجھے شرک کے شہروں سے نکال کر اپنی توحید میں داخل کیا اور اپنا عرفان بخشا حالانکہ میں تو اس سے بالکل بے خبر تھی یہ اس کی محبت نہیں تو اور کیا ہے۔ میں نے کہا اس سے تیری محبت کا کیا حال ہے؟ کہا: محبت بہت بڑی شے ہے وہ پانی سے زیادہ رقیق اور شہد سے زیادہ لذیذ ہے۔

ف: تزکیۂ نفس سے نفس کے عرفان سے معرفت الٰہی نصیب ہوتی ہے جیسا کہ مشہور ہے:

من عرف نفسه فقد عرف ربه۔

(جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے خدا کو پہچان لیا)

ف: بچے کی قدر و منزلت باپ سے زیادہ ہوتی ہے یعنی چھوٹا بچہ پیارا لگتا ہے بہ نسبت باپ کے

تفسیر عالمانہ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۝ اور نابینا اور آنکھوں والا برابر نہیں۔
یہ کافر و مومن کی تمثیل ہے کیونکہ مومن نور و نجات کے راستہ کو دیکھ کر چلتا ہے اور کافر اس سے محروم ہے۔ تو جیسے نابینا ظاہری آنکھوں سے محرومی کی وجہ سے راستہ نہیں طے کر سکتا اور آنکھیار آسانی سے کر لیتا ہے ایسے ہی کافر حقیقت کی راہ سے بھٹکتا پھرتا ہے اور مومن کو صحیح راستہ نصیب ہے۔ بلکہ کافر تو ظاہری آنکھ سے محروم سے بھی بدتر ہے کیونکہ ظاہری آنکھ کا کیا اعتبار، جبکہ یہ جمیع حیوانات میں ہیں۔

تفسیر صوفیانہ یہی حال اس کا ہے جو مشاہدہ سے محروم ہے تو وہ بمنزلہ اعمٰی کے ہے اور جسے مشاہدہ حاصل ہے وہ بمنزلہ البصیر کے ہے۔ کاشفی مرحوم نے لکھا کہ کافر یا جاہل یا گمراہ اس کے برابر نہیں جو مومن یا عالم یا صحیح راستہ پر ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلَا الظُّلُمٰتُ اور برابر نہیں تاریکیاں۔ یہ لا نفی استواء کی تاکید ہے اور ظلمات ظلمت کی جمع ہے یعنی عدمِ نور۔ وَلَا یہ تاکید نفی استواء کے لیے ہے النُّوْرُ ۝ وہ روشنی جو شے کے دیکھنے کی معین و مددگار ہے۔ یہ حق و باطل کی تمثیل ہے یعنی کافر کفر و شرک اور جہل و عصیان و بطلان کی تاریکی میں ہے جسے دائیں بائیں کی خبر نہیں وہ کسی وقت بھی ہلاکتوں سے چھٹکارا نہ پائیگا اور مومن توحید و اخلاص اور علم و طاعت و حقانیت کی روشنی میں ہے اس کے ہاتھ میں شمعیں اور انوار ہیں جہاں چاہے جائے۔

سوال: ظلمات جمع اور نور واحد کیوں؟

جواب: باطل کے انواع متعدد ہیں اور حق واحد ہے۔ یعنی توحید کے کوئی انواع نہیں۔ کیونکہ موحد صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے۔ باطل کی فطرت ان گنت ہے اس سے اشتراک کے مختلف طریقے مراد ہیں۔ مثلاً کوئی ستاروں کا پجاری ہے تو کوئی آگ کا۔ ان میں کوئی بتوں کی پرستش کرتا ہے تو کوئی پتھروں کی وغیرہ وغیرہ۔ اس بطلان کے جمیع طرق کو نور یعنی توحید سے کسی قسم کی مساوات نہیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں ظلمتِ نفس اور نورِ روح کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ محجوب عن الحق ظلماتِ متضاعفہ کی ظلمت میں ہے اور اہل کشف نور روح و یقظہ میں ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ۝ اور نہ سایہ نہ دھوپ۔
نکتہ: اعمٰی کو بصیر پر ظلمات کو نور پر اور ظل کو حرور پر مقدم کرنا فواصل آیات کی وجہ سے ہے اور اس جملہ میں جنت و نار اور ثواب و عقاب اور راحت و شدت

کی تمثیل ہے ۔ ظل بمعنی سایہ۔ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ظل ہر وہ جگہ جہاں سورج کی دھوپ نہ پہنچے اور فئ وہ جگہ جہاں سے دھوپ ہٹ جائے۔ کبھی ظل سے عزومنعۃ ورفاہیۃ مراد لی جاتی ہے۔ الحرور وہ گرم ہوا جو رات کے وقت ہوتی ہے اور کبھی دن کی گرم ہوا کو بھی کہتے ہیں اور سورج کی گرمی اور دائمی گرمی اور آگ کو بھی کہتے ہیں۔

قاموس میں ہے الحرور بروزن فعول از حر، اس کا اکثر استعمال سموم (لو) پر آتا ہے یعنی وہ گرم ہوا تاثیر سموم سے اثر ڈالتی ہے اور یہ اکثر دن کو ہوتی ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ سایہ اور لو برابر نہیں اس لیے کہ سایہ سے نفس کو راحت پہنچتی ہے اور لو سے مشقت اور درد۔ ایسے مومن کو بہشت سے راحت نصیب ہوگی اور کافر کو دوزخ سے مشقت اور عذاب اس لیے یہ دونوں برابر نہیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بُعد باطن کو جلا دینے میں حرور ہے اور قرب الٰہی ظل ہے کہ اس سے قلب کو فرحت نصیب ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ یہ مومن و کافر کی تمثیل پچھلی تمثیلوں سے زیادہ بلیغ ہے اسی لیے فعل کو دوبارہ لایا گیا ہے۔ جمع کے صیغے لانے میں ظاہر کرتا ہے کہ فریقین کے افراد ایک دوسرے کے متباین ہیں۔

حلِ لغات الحی وہ جس میں قوتِ حساسہ ہو اور المیت جس میں یہ نہ ہو۔ وجہ تمثیل یہ ہے کہ مومن وہ ہے جو اپنی حیات سے نفع پاتا ہے کیونکہ مومن کا ظاہر ذکر اور باطن فکر ہے۔ اور کافر کا ظاہر بیکار اور باطن باطل۔

ف : یہ علماء وجہال کی تمثیل ہے اور جاہلوں کو مُردوں کی تمثیل تو مشہور ہے سے

لا تصحبن الجهول خلته

فانه الميت ثوبه كفن

ترجمہ، جاہلوں کی دوستی کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ وہ مردہ ہے اس کے کپڑے اس کا کفن ہیں۔

اس لیے کہ حقیقی حیات وہی ہے جس سے ارواح وقلوب کو تازگی نصیب ہو۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اسے حکمتیں اور عرفان نصیب ہو صرف اجسام کی حیات کا کوئی اعتبار نہیں اس لیے کہ یہ حیات تو بہائم کو بھی حاصل ہے۔

تفسیر صوفیانہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ حقیقی زندہ وہ ہیں جنہیں فناء تام کے بعد وصالِ الٰہی کی حیات نصیب ہو۔ یہی لوگ اپنے اختیار سے مرتے ہیں یہ مرنے سے پہلے مرجاتے ہیں یعنی اضطراری موت سے محفوظ ہو جاتے ہیں ان کی موت کا نام یہ ہے کہ وہ اپنی ذات و افعال و صفات کو ذاتِ حق اور اس کے صفات و افعال میں فنا کر دیتے ہیں بلکہ اپنے وجود کو بالکل ختم کر ڈالتے ہیں ان کے نفوس بالکل فانی ہو جاتے ہیں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من اراد ان ینظر الی میت متحرک فلینظر الی ابی بکر۔

(جو چلتے پھرتے مُردے کو دیکھنا چاہے وہ ابوبکر کو دیکھ لے) (رضی اللہ عنہ)

مسئلہ: حیاتِ معنوی پر فنا آتی ہی نہیں بخلاف حیاتِ صوری کے کہ وہ خروجِ روح کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔

حکایت ابراہیم ہروی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ کے ہاں بیٹھا تھا کہ بات چل نکلی کسی نے کہا میں نے فلاں سے علم حاصل کیا۔ حضرت بایزید رحمہ اللہ نے فرمایا ان مسکینوں نے مُردوں سے علم پایا اور ہم نے زندہ رب تعالیٰ سے حاصل کیا یعنی علم لدنی جو بلا تکلف اور بلا طلب بطریق الہام حاصل ہوتا ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

۱ نہ مردم ہمیں استخوانند و پوست
نہ ہر صورتے جان و معنی دروست

۲ نہ سلطان خریدار ہر بندہ ایست
نہ در زیر ہر ژندہ زندہ ایست

ترجمہ: (۱) آدمی ہڈیوں اور پوست کا نام نہیں، نہ ہر صورت میں جان و معنیٰ ہے۔
(۲) بادشاہ ہر بندے کا خریدار نہیں، نہ ہر لباس میں زندہ انسان ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ اللّٰہَ یُسْمِعُ بے شک اللہ تعالیٰ سناتا ہے۔ اس سے وہ کلام مراد ہے جس سے فہم اور وعظ کا قبول کرنا ہو اور یہ دل کی زندگی سے ہوتا ہے مَنْ یَّشَآءُ جسے سنانا چاہے تو وہ تمہارے انداز سے نفع یاب ہو گا وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ ○ اور تم قبر کے اندر والوں کو نہیں سنانے والے۔

تحقیق القبر القبر میت کی قرارگاہ۔ اہل عرب کہتے ہیں، قبرتہ جعلتہ فی القبر (میں نے اسے قبر میں داخل کیا)

یہ کلام ترشیح ہے کفر پر اصرار کرنے والوں کی اموات سے تمثیل ہے اور حضور علیہ السلام کو ان سے پورے طور نا امیدی کا بیان ہے۔ ترشیح اصطلاح علم معانی میں وہ استعارہ ہے جو مستعار منہ کے مناسب چیز سے مقترن ہو۔ اللہ تعالیٰ نے قلب پر کفر کی مُہر والے کو مردے سے عدم القدرۃ علی الاجابۃ تشبیہ دی ہے جیسے مُردے سنتے ہیں نہ جواب دیتے ہیں ایسے ہی کفار سنتے ہیں نہ حق کو قبول کرتے ہیں۔

اِنْ نافیہ ہے اَنْتَ اِلَّا نَذِیْرٌ۝ تم تو صرف کافروں کو دوزخ کے عذاب سے ڈرانے والے ہیں اور ان کو سنانا تمہاری ذمہ داری میں داخل نہیں اور نہ ہی آپ مہر شدہ قلب والوں پر قرآن پہنچانے کے ذمہ دار ہیں کیونکہ یہ تو بمنزلہ مُردوں کے ہیں۔

ردِّ وہابیہ ان اللہ یسمع الخ اور انک لا تہدی من احببت ولکن اللہ یہدی من یشاء اور لیس لک من الامر شئ جیسی آیات الوہیت و نبوت کے مقام کے درمیان امتیاز کے لیے ہے تاکہ امت کو اشتباہ نہ ہو جائے جو ان کی گمراہی کا سبب بن جائے جیسے سابقہ امتیں گمراہ ہوئیں۔ مثلاً بعض نے کہا عزیر ابن اللہ، بعض نے کہا مسیح ابن اللہ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اس اُمت پر رحمت و شفقت کی دلیل ہے اور حسن توفیق کی نشانی ہے (ورنہ یہ بھی ان کی طرح گمراہ نہ ہو جائے)[1]

تحقیق سماع موتیٰ سوال: اس آیت میں سماع موتیٰ کی نفی ہوتی ہے حالانکہ غزوۂ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے مشرکوں کے متعلق فرمایا کہ ان کے مُردے گڑھوں میں پھینکے جائیں۔ اس کے بعد آپ نے ان کے نام لے لے کر فرمایا:

هل وجدتم ما وعد الله ورسوله حقا فانی وجدت ما وعدنی الله حقا۔

(کیا تم نے اسے حق پایا یا نہ جو اللہ اور اس کے رسول (جل جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے وعدہ فرمایا لیکن میں نے حق پایا جو میرے ساتھ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا)

حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ کیف تکلم اجساد الا ارواح فیہ۔

---

[1] لیکن وہابیہ نے ان آیات سے غلط معنی پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اختیار کی نفی کر دی۔ تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں ہے۔ اویسی غفرلہٗ

• (یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان اجسام سے باتیں کر رہے ہیں جن میں روح بھی نہیں، آپ نے فرمایا،

ما انتم باسمع لما اقول منہم غیر انہم لا یستطیعون ان یردوا شیئاً[1] (روح البیان ج ۷، ص ۳۳۹)

(جو میں کہہ رہا ہوں تم کچھ ان سے زیادہ نہیں سُن رہے فرق صرف اتنا ہے کہ وہ میری باتوں کا جواب نہیں دے سکتے)

ف: اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گڑھے والوں کو سُنا دیا، حالانکہ وہ بھی تو مُردے تھے۔ نیز مرنے کے بعد میت کو تلقین کا حکم ہے اس سے بھی اسماع ثابت ہے ورنہ تلقین کا کیا معنیٰ!

جواب: اس سوال کے کئی جوابات ہیں،

(۱) ممکن ہے اس وقت اللہ تعالیٰ نے گڑھے والوں کو زندہ فرما دیا ہو جس سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سُنا تاکہ انہیں زجر و توبیخ اور ذلت اور عذاب میں اضافہ اور حسرت ہو، ورنہ میت من حیث المیت کی یہ شان نہیں کہ وہ کچھ سُن سکے۔[2]

ف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادِ گرامی "ما انتم باسمع" الخ سے معلوم ہوا کہ ارواح بلا اجسام زیادہ سُنتے ہیں بہ نسبت اس کے کہ جب وہ مع الاجسام ہوں اس لیے کہ اجسام میں ان کے حجابات ہوں لیکن اجسام سے نکلنے کے بعد ان کو حجابات حائل نہیں ہوتے اسی لیے بعد از موت زیادہ سُنتے دیکھتے ہیں۔

(۲) موت کے بعد بھی سنانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے (کیونکہ اسماع تخلیق سے متعلق ہے اور خالق رب اللہ تعالیٰ ہے) اب معنی یہ ہُوا کہ موت کے بعد رُوح کو جسم سے بہت زیادہ تعلق پیدا کر دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ دنیا کے تعلق سے برزخ کا تعلق بہت زیادہ ہوتا ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں کفار (مُردوں) سے بات چیت کی یا مرنے کے بعد میت کو تلقین والی حدیث سے ثابت ہوتا ہے

---

[1] رواہ البخاری

[2] یہ جواب کمزور ہے اس لیے کہ مُردے کو زندہ کرنے کا احتمال ایجاد بندہ ہے اس کے لیے کوئی حدیث نہیں ...مراس زندگی کے بعد موت کی تصریح نہیں وغیرہ وغیرہ۔ اویسی غفرلہٗ

ورنہ میت من حیث المیت سننے کا نہیں اور نہ ہی ہم اسماع کا حق رکھتے ہیں۔[1] (واللہ اعلم)

ف : بعض عارفین نے فرمایا کہ آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ابوجہل کے دل کو اپنی طرف کیلئے متوجہ کر رہے ہیں جبکہ اس کا دل خبیث ہے وہ آپ کے جوہر قیمتی کو قبول کرنے کی صلاحیت و اہلیت نہیں رکھتا مگر آپ سلمان فارسی (رضی اللہ عنہ) کے دل پر توجہ فرمائیے اس لیے کہ آپ نے ابھی اعلانِ نبوت فرمایا بھی نہیں تھا وہ آپ کے عشق و محبت میں سرگرداں تھا اور آپ کی تلاش میں ملک و ملک چھوڑ کر فقیر و اسیر ہو کر اس نے دنیا چھان ماری اور زبانِ حال سے کہتا پھرتا رہا ؎

۱ گرفت خواہم من زلف عنبرینت را
زمشک نقش کنم برگ یاسمینت را

۲ بتیغ ہندی دست مرا جدا نکند
اگر بگیرم یک رہ سر آستینت را

ترجمہ: (۱) میں تیری زلف عنبرین کا جلوہ چاہتا ہوں تیری چنبیلی کے پتے سے مُشک حاصل کروں گا۔

(۲) اگر ہندی تلوار بھی میرا سر جدا کر دے تب بھی میرا سر تیرے در پہ پہنچ جائے گا پھر کبھی نہ اُٹھے گا۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بیشک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا۔ یہ المرسل (بالکسر) سے حال ہے یعنی درانحالیکہ ہم حق ظاہر کرنے والے ہیں۔ یا المرسل (بالفتح) سے حال ہے یعنی درانحالیکہ آپ حق ظاہر کیے ہوئے ہیں۔ یا مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی آپ کا بھیجنا حق کے ساتھ ہے۔ یا یہ معنیٰ کہ ہم نے آپ کو اس دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے یعنی اسلام یا قرآن۔ بَشِيْرًا درانحالیکہ آپ اہلِ ایمان کو بہشت کی خوشخبری سناتے ہیں وَّنَذِيْرًا اور کافروں کو دوزخ کا ڈر سنانے والے ہیں وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اور سابق اُمتوں میں سے کوئی ایسی اُمت نہیں یا گزشتہ زمانے میں سے کوئی نبی ایسا نہیں اِلَّا خَلَا مگر گزرا ہے۔

حلِ لغات امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الخلاء وُہ جگہ جس کی کوئی بنا نہ ہو اور ساکن کرنے والی کوئی شے نہ ہو۔ الخلو زمان و مکان دونوں میں استعمال ہوتا ہے۔

---

[1] یہی تقریر ہم اہلسنت کرتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

جس وقت زمانہ میں ماضی مطلوب ہو تو اس وقت اہلِ لغت علماء الزماں سے معنی وہ جب مراد لیتے ہیں ، یعنی اس زمانہ میں یا امت میں مَنْذِر ڈرانے والا ہے یا نبی (علیہ السلام) یا عالمِ دین جو انہیں ڈر سنایا کرتے۔

سوال : یہاں پر صرف انذار پر کیوں اکتفا کیا گیا جبکہ وہ خوشخبری بھی تو سناتے تھے۔

جواب : بعثت کا اہم مقصود انذار ہوتا ہے اسی لیے اس پر اکتفا کیا گیا ہے۔

ف : اشکاشی میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد فترت کے دور میں بھی ان کے دین کے داعی اور ایمان والے ہر زمانہ میں رہے۔

مسئلہ : کشف الاسرار میں ہے کہ آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر زمانہ حجت خبریہ سے خالی نہیں رہا ، سب سے پہلے آدم علیہ السلام اپنی اولاد کے لیے مبعوث ہوئے ان کے بعد کوئی زمانہ کسی سچے مبلغ سے خالی نہیں رہا یہاں تک کہ دورِ فترت میں بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لیے موجود رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ایحسب الانسان ان یترک سدی۔

(کیا انسان کا خیال ہے کہ اسے بیکار چھوڑا گیا ہے)

کہ اس کے لیے کوئی بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والا نہیں !

سوال : دوسری آیت تو اس کے خلاف ہے۔ وہ یہ کہ فرمایا :

لتنذر قوما ما انذر اباؤھم فھم غافلون۔

(تاکہ آپ ڈرائیں اس قوم کو جن کے آباء کو کوئی ڈر نہ سنایا گیا اور وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں)

جواب : آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ہر امت میں ڈر سنانے والا بھیجا سوائے آپ کی امت کے کہ ان کے لیے آپ کو بھیجا گیا۔ چنانچہ دوسری آیت اس کی تائید کرتی ہے۔ چنانچہ فرمایا :

وما ارسلنا الیھم قبلک من نذیر۔

(ان کے ہاں آپ سے پہلے کسی ڈرانے والے کو نہیں بھیجا)

اور لتنذر قوما ما انذر اباؤھم کا معنی یہ ہے کہ ہر امت عذاب سے تباہ و برباد ہوئی مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس رسل کرام بھیجے گئے کہ انہوں نے انہیں ڈرایا دھمکایا تو پھر وہ نہ مانے تو تباہ و برباد ہوئے۔ یہی دوسرا معنی انسب ہے کہ اس سے دونوں آیتوں میں تطبیق ہوتی ہے جیسا کہ اس کا مابعد دلالت کرتا ہے۔ وان یکذبوک اور اگر وہ آپ کی تکذیب کرتی ہے ، ورنہ اہلِ فترت کے لیے تو کوئی ڈرانے والا

نہیں آیا جیسا کہ ماننی ر آباؤ ھم سے ثابت ہوتا ہے اور پھر یہ معنی بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ جس امت کو ڈرایا گیا اور وہ نہ مانی تو پھر وہ تباہ و برباد ہوئی۔ ان آیات کی تطبیق سورۂ یٰسٓ کی آیت میں آئے گی (ان شاء اللہ تعالیٰ)۔

وَاِنْ یُّکَذِّبُوْكَ اگر یہ منکرین قریش آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو پروا نہ کیجئے فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے پہلے والوں نے بھی تکذیب کی جَآءَتْهُمْ یہ جملہ مستانفہ ہے یا حال ہے یعنی پہلے لوگوں نے تکذیب کی حالانکہ ان کے پاس رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ان کے پاس ان کے رسول کرام ایسے معجزات لائے جو ان کے دعوٰی کے صدق اور نبوت کی صداقت پر دلالت کرتے وَبِالزُّبُرِ اور صحیفے لائے جیسے شیث و ادریس و ابراہیم علیہم السلام۔

حل لغات زبر، زبور کی جمع ہے بمعنے مکتوب۔ زبرت الکتاب سے ہے بمعنے کتبتہ (میں نے اسے لکھا) مضبوطی سے لکھنا مراد ہے۔ اس لیے جو کتاب الفرقان سے جدا ہے اسے زبور سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ المفردات۔

وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ۝ اور وہ روشن کتاب لائے جو ان احکام و دلائل و مواعظ و امثال و وعد و وعید وغیرہ کو ظاہر کرتی جن کے وہ محتاج تھے جیسے تورات و زبور، لیکن اس سے تفصیل مراد ہے نہ کہ جمع۔ یعنی ان مذکورات میں بعض مکذبین کے پاس آئیں اور بعض ان کے دوسرے بعض کے پاس اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ یہ تمام ان سب کے پاس آئیں ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا پھر میں نے مختلف قسم کے عذابوں سے گرفت کی کافروں کی جو کفر پہ ڈٹ گئے اور اس پر مداومت کی۔ اسم موصول کو ضمیر کے قائم مقام لایا گیا ہے تاکہ ان کی مزید مذمت ہو اور معلوم ہو کہ ان کی گرفت کیوں ہوئی فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ۝ تو میرے انکار کا کیا معنیٰ، یعنی وہ میرے عذاب کا کیسے انکار کر سکتے ہیں۔ کشف الاسرار میں ہے کہ ان کا ناخوشی کا اظہار کیوں ہے جبکہ انہوں نے دیکھ لیا کہ سابقہ امم کا کیا حال ہوا۔

ف: ابن الشیخ نے فرمایا یہ استفہام تقریری ہے کیونکہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ پچھلے لوگ سخت عذاب میں مبتلا رہے تو استفہام فرمایا تاکہ کفار کو نصیحت حاصل ہو اس میں اپنی تسلی کے ساتھ کفار کو دھمکی بھی دی ہے اور اپنی امت کو نصیحت بھی۔ کیونکہ سمجھدار وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے ؎

نیک بخت آنکسے بود کہ دلش
آنچہ نیکی در وست بپذیرد

۲۔ دیگراں را چو پند دادہ شود
او ازاں پند بہرہ برگیرد

ترجمہ: (۱) نیک بخت وہ ہے کہ جس کا دل دوسروں سے نصیحت قبول کرے۔

(۲) دوسروں کو جب نصیحت کی جائے تو اس سے وہ بہت زیادہ حصہ حاصل کرے۔

ف: آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ یہ تکذیب کوئی نئی نہیں ہے ان سے پہلے لوگوں نے بھی تکذیب کی۔ اور تسلی کی وجہ یہ ہوئی کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم قریشِ مکہ کی باتوں سے محزون ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس حزن سے روکا۔ چنانچہ فرمایا:

ولا تحزن علیھم الخ

اس کی وجہ یہ تھی کہ قریش مکہ ایمان وطاعت کے لیے مستعد نہیں تھے تو پھر ان سے اس کی توقع ایسے ہے جیسے پتھروں سے جواہرات کی توقع کی جائے ؎

تواں پاک کردن ز زنگ آئینہ
ولیکن نیاید ز سنگ آئینہ

ترجمہ: آئینہ سے زنگ دور کرنا آسان ہے لیکن پتھر کو آئینہ بنانا مشکل ہے۔

مسئلہ: اگرچہ نا امیدی ہو لیکن حق اور شرع کے لیے مغموم ہونے کا ثواب ضائع نہیں ہوتا۔

حکایت ایک بی بی حج کے لیے موقف میں تھی تو اسے حیض آ گیا، اس نے افسوس سے آہ بھری اسے خواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم نہ گھبراؤ میں کسی کا اجر ضائع نہیں کرتا میں نے تیری آہ کی وجہ سے تجھے ستر حج کا ثواب بخش دیا۔

ف: جس نبی علیہ السلام کو امت سے جتنی تکلیف پہنچے اتنا ہی اسے ثواب زیادہ نصیب ہوتا ہے۔ اگر کسی نبی علیہ السلام کو امت نے ستایا اور اس کی دعوت کو نہ مانا تب بھی اسے ثواب ملے گا۔ ایسے ہی ہر ولی کامل کا حال ہے کہ اسے بھی تبلیغ احکام پر جتنی تکلیف پہنچتی ہے اتنا ہی اسے ثواب نصیب ہوتا ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا
وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ○ وَ
مِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَٰلِكَ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ
مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ○ إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ
اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ
تِجَارَةً لَّن تَبُورَ ○ لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ إِنَّهُ
غَفُورٌ شَكُورٌ ○ وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا
لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ إِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ ○ ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ
الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ
وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ○
جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِن ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا
وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ○ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ
إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ ○ الَّذِي أَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِن فَضْلِهِ لَا
يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ ○ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ
جَهَنَّمَ لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُم مِّنْ عَذَابِهَا كَذَٰلِكَ
نَجْزِي كُلَّ كَفُورٍ ○ وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا
غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ
وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصِيرٍ ○

ترجمہ: کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا تو ہم نے اس سے پھل نکالے
رنگ برنگ اور پہاڑوں میں راستے ہیں سفید اور سرخ رنگ کے اور کچھ کالے بھجنگ

اور آدمیوں اور جانوروں اور چوپایوں کے رنگ یونہی طرح طرح کے ہیں اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں بے شک اللہ بخشنے والا عزت والا ہے۔ بے شک وہ جو اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور نماز قائم رکھتے اور ہمارے دیئے سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں پوشیدہ اور ظاہر وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جس میں ہرگز ٹوٹا نہیں تاکہ ان کے ثواب انہیں بھرپور دے اور اپنے فضل سے اور زیادہ عطا کرے بیشک وہ بخشنے والا قدر فرمانے والا ہے اور وہ کتاب جو ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی وہی حق ہے اپنے سے اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتی ہوئی بیشک اللہ اپنے بندوں سے خبردار دیکھنے والا ہے پھر ہم نے کتاب کا وارث کیا اپنے چنے ہوئے بندوں کو تو ان میں کوئی اپنی جان پر ظلم کرتا ہے اور ان میں کوئی میانہ چال پر ہے اور ان میں کوئی وہ ہے جو اللہ کے حکم سے بھلائیوں میں سبقت لے گیا یہی بڑا فضل ہے۔ بسنے کے باغوں میں داخل ہوں گے وہ ان میں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور وہاں ان کی پوشاک ریشمی ہے اور کہیں گے سب خوبیاں اللہ کو جس نے ہمارا غم دور کیا بیشک ہمارا رب بخشنے والا قدر فرمانے والا ہے۔ وہ جس نے ہمیں آرام کی جگہ اتارا اپنے فضل سے۔ ہمیں اس میں نہ کوئی تکلیف پہنچے نہ ہمیں اس میں کوئی تکان لاحق ہو اور جنھوں نے کفر کیا ان کے لیے جہنم کی آگ ہے نہ ان کی قضا آئے کہ مر جائیں اور نہ ان پر اس کا عذاب کچھ ہلکا کیا جائے ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں ہر بڑے ناشکرے کو اور وہ اس میں چلاتے ہوں گے اے ہمارے رب ہمیں نکال کہ ہم اچھا کام کریں اس کے خلاف جو پہلے کرتے تھے اور کیا ہم نے تمہیں وہ عمر نہ دی تھی جس میں سمجھ لیتا ہے جسے سمجھنا ہوتا اور ڈر سنانے والا تمہارے پاس تشریف لایا تھا تو اب چکھو کہ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

تفسیر عالمانہ اَلَمْ تَرَ استفہام تقریری ہے یہاں رؤیت قلبی ہے۔ یعنی تمہیں معلوم ہے بیشک تو اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ یعنی اے وہ شخص جو اس خطاب کے لائق ہے اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت و حکمت سے نازل کیا مِنَ السَّمَآءِ اوپر کی جانب سے۔ آسمان ہو یا بادل مَآءً پانی یعنی بارش فَاَخْرَجْنَا بِهٖ تو ہم نے پانی کے سبب سے نکالا یہ التفات از غیبت الی التکلم فعل اخراج کی اہمیت کے اظہار کی وجہ سے ہے اس لیے کہ یہ عجیب صفت ہے کہ اس نے کمال قدرت و حکمت سے پیدا فرمایا، اس لیے صیغہ جمع متکلم لایا گیا ہے تاکہ فعل کی ہیبت دلوں پر اثر کرے۔

ف: کاشفی مرحوم نے فرمایا التفات فعل کی تخصیص کی وجہ سے ہے یعنی ہم بہت بڑی قدرت کے مالک ہیں

کہ زمین سے انگوری اگاتے ہیں **ثَمَرٰتٍ** ثمرہ کی جمع ہے درختوں سے پیدا شدہ کھانے کے میوے **مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا** یہ اثمار کا وصف سببی ہے یعنی ثمرات کے اجناس جیسے انار، سیب، انجیر، انگور وغیرہ یا ان کی قسمیں کیونکہ ہر ثمر کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں۔ چنانچہ انگور کی پچاس اور کھجور کی سو سے زاید قسمیں ہیں یا اس کی مختلف ہیئات مراد ہیں جیسے زرد، سرخ، سبز، سفید، سیاہ وغیرہ **وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ** یہ خبر مبتدا ہیں۔

حلِ لغات الجدد جمع ہے جدۃ (بالضم) کی۔ وہ راستہ جو اپنے قریب والے سے مختلف رنگ رکھتا ہو پہاڑ میں ہو یا اس کے غیر میں۔ الخطۃ گدھے کی پیٹھ کے مختلف رنگ کو کہتے ہیں۔ اور کبھی ہرنی میں دو خوشبو والے راستے ہوتے ہیں جو اس کی پیٹھ اور پیٹ کے رنگ کا فاصلہ بتاتے ہیں۔

ف : جبکہ یہ مبتدا ہے پہلے مضاف محذوف ہے۔ یہ دراصل ذو جُدد تھا یعنی پہاڑوں کی وہ لکیریں اور راستے مختلف رنگ والے ہیں جو دوسرے پہاڑ میں نہیں گویا یہ معنیٰ پہاڑ کی طرف راجع ہے کہ اس کے مختلف راستے ہیں اس لیے کہ بیض جدد کی صفت ہے اور حمر کا بیض پر عطف ہے۔ اس پر تینوں قرائن کو ملا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا، کیونکہ اس کا ماقبل ہے فاخرجنا بہ ثمرات مختلفا الوانہا، اور اس کا مابعد ہے ومن الناس والدواب والانعام مختلف الوانہ۔ یعنی ان سب کے مختلف رنگ ہیں تو پھر ایسے قرینے کی ضرورت ہے جو ان کے درمیان واسطہ بنے۔ اسی لیے مضاف محذوف کرنا پڑا تاکہ وہ معنیٰ حاصل ہو جو ہم نے بیان کیا۔ اس تقریر کے قرائن ایک دوسرے کے مناسب ہو گئے۔ المفردات میں ہے جدد بمعنے طرائق ظاہرہ اہلِ عرب کہتے ہیں طریق مجدود بمعنے مسلوک مقطوع یعنی وہ راستہ جس پر چل کر اسے طے کیا جاتا ہے اسی سے جادۃ الطریق ہے۔

ف : الجلالین میں ہے طرائق پہاڑوں میں ایسے ہوتے ہیں جیسے درختوں میں جڑیں ہوتی ہیں۔

بِيْضٌ ابیض کی جمع ہے یہ جدد کی صفت ہے **وَّحُمْرٌ** احمر کی جمع ہے۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ پہاڑوں میں چلنے والوں کے لیے راستے ظاہر ہیں ان میں بعض سپید ہیں اور بعض سرخ۔ سپید اور سرخ پہاڑوں میں صاحبِ کشف الاسرار نے جدد کو ان راستوں پر محمول کیا ہے جن پر چلتے ہیں۔ لیکن پہلا معنیٰ زیادہ موزوں ہے کیونکہ یہاں اس حالت کا بیان ہو رہا ہے جو شے کی خلقی ہے۔ علاوہ ازیں یہ ضروری نہیں کہ وہ پہاڑ سپید ہوں تو اس کے طرائق بھی سپید ہوں کیونکہ طرائق تو جڑوں کی طرح ہیں اس لیے کبھی وہ پہاڑ کے رنگ سے مختلف ہوتی ہیں مثلاً بہت سے پہاڑ سپید ہوتے ہیں لیکن ان کے طرائق ان سے مختلف ہوتے ہیں کبھی اس کے موافق سپید بھی ہوں تو یہ اتفاقی

بات ہے۔

مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا ان کے مختلف رنگ ہیں یعنی وہ طرائق سپید و سُرخ آپس میں شدۃ وضعف میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور بیض وحمر اگرچہ جدد کی صفت ہیں لیکن مختلف الوانہا میں سپید و سرخ ہر ایک صفت واقع ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ وہ ہر سرخ وسپید شدت وضعف میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور بیض وحمر اگرچہ جُدد کی صفت ہیں اس لیے کہ بہت سے سپید اپنے دوسرے سے بہت زیادہ سپید ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہُوا کہ سپید آپس میں ایک دوسرے سے کم وبیش ہوتے ہیں ایسے ہی سرخ کو سمجھئے۔ اسی لیے لفظ الوان جمع کا صیغہ سپید و سرخ کی ضمیر کی طرف مضاف ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ یہ ہر ایک آپس میں ایک دوسرے کے لیے مشاکل ہوں گے۔

ف : ممکن ہے کہ یہ جدد کی تیسری صفت ہے اس معنیٰ پر الوانہا کی ضمیر جدد کی طرف راجع ہوگی۔ اس تقریر پر یہ بیض وحمر کی تاکید ہے جدد کے مختلف ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کے بعض سپید ہیں اور بعض سُرخ۔ اس اعتبار سے پہاڑوں کے راستوں کے کل دو رنگ ہوں گے سپید و سُرخ۔ انہیں جمع سے لانا محل وقوع متعدد ہونے کی وجہ سے ہے (حواشی ابن الشیخ)۔

ف : فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ جسے حج کے موقعہ پر دیارِ عرب کا سفر کرنا نصیب ہوا ہے اس نے طرائق کے مختلف الوان کا مشاہدہ کیا ہوگا۔

وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ۝ اس کا عطف جدد پر ہے اس معنیٰ پر جدد اور اس کی صفات قائمہ بیض وحمر کی تفاصیل میں داخل بلکہ اس کا قسیم ہوگا۔ گویا یُوں کہا گیا کہ بعض پہاڑ مخطط ہیں اور بعض وہ جدد اور بعض ایک رنگ پر یعنی سیاہ ہیں آیت میں یا تو طرائق الجبال کے الوان ثمرات کے الوان کی طرح مختلف ہیں چنانچہ پہاڑوں کے راستوں کو دُور سے دیکھا جاتا ہے کہ ان کے بعض سفید ہیں بعض سیاہ بعض سرخ ، اور خود پہاڑوں کا بھی رنگ مختلف ہے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر دلالت کرتا ہے (حواشی ابن الشیخ)

حلِ لغات غرابیب غربیب کی جمع ہے جیسے عفریت۔ اہلِ عرب کہتے ہیں : اسود غربیب یعنے وہ سخت سیاہ جس میں کالے کوّے کی رنگت کی ملاوٹ ہو۔ ایسے ہی کہتے ہیں :

اسود حالک۔

ایسے ہی کہا جاتا ہے :

اصفر فاقع وابیض یقق (بفتحتین) واحمر قان خالص زرد اور بہت زیادہ سفید اور سرخ

کو کہا جاتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

ان اللہ یبغض الشیخ الغربیب۔

(بے شک اللہ تعالیٰ بوڑھے کالے سیاہ پر غصہ کرتا ہے)

اس سواد سے سیاہ خضاب مراد ہے[1] (تفسیر القرطبی)

اور مقاصد حسنہ میں ہے کہ اس سے وہ شخص مراد ہے جو بڑھاپے سے متنفر ہے۔ اور سواد اسود کی جمع ہے۔

سوال: اگر غربیب اسود کی فاقع اصفر کی طرح تاکید ہے تو سود غرابیب کہنا چاہیے کیونکہ تاکید مؤکد کے بعد آتی ہے مؤکد سے کبھی مقدم نہیں ہوتی۔

جواب: غرابیب اسم مقدر کی تاکید ہے جس کی ما بعد تفسیر کرتا ہے اصل عبارت سود غرابیب سود اس تقریر پر تاکید مؤکد سے مؤخر ہے۔ اضمار کے بعد اظہار میں مزید تاکید ہے کیونکہ تکرار میں مزید تاکید ہوتی ہے یہ تقریر اس سے بہتر ہے جو کہا جاتا ہے کہ الغرابیب سے سود بدل ہے جیسے اکثر علماء نے کہا ہے یہاں تک کہ صاحب قاموس نے بھی یہی لکھا ہے کہ و اما غرابیب سود بدل اس لیے کہ الوان کی تاکید مقدم نہیں ہوا کرتی۔

وَمِنَ النَّاسِ اور بعض لوگ وَالدَّوَآبِّ اور جانوروں سے وَالْاَنْعَامِ اور چرندوں سے۔ یہ نعم (حرکات کے ساتھ) کبھی اس کی عین ساکن بھی پڑھی جاتی ہے۔ ان سے اونٹ، گائے، بھیڑ بکری مراد ہیں ان کے ماسوا یہ لفظ نہیں بولا جاتا اس معنیٰ پر خچر، گدھا، گھوڑا انعام میں داخل نہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان کے بعض وہ ہیں کہ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ ان کے رنگ مختلف ہیں کہ بعض سپید ہیں بعض سرخ اور بعض سیاہ۔ یہاں الوانہا نہیں کہا کیونکہ یہ ضمیر بعض کی طرف لوٹتی ہے جیسا کہ لفظ مِن سے معلوم ہوتا ہے كَذٰلِكَ یہاں کلام مکمل ہوا۔ یہ مصدر تشبیہی ہے مختلف کے لیے ہے۔ یہ مصدر کی صفت مؤکد ہے دراصل عبارت ہے مختلف اختلافا کائنا کذٰلک یعنی اختلاف ثمار و جبال کی طرح۔ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا بے شک اللہ تعالیٰ سے

---

[1] میرے دور ۱۴۱۲ھ میں بعض علماء و صاحبان سیاہ خضاب کے جواز کے نہ صرف قائل ہیں بلکہ خود بھی اس کا استعمال کرتے ہیں دوسروں کو بھی دعوت دیتے ہیں۔ فقیر نے اس مسئلہ میں کتاب لکھی ہے "کالا خضاب"۔
اویسی غفرلہٗ

وہ بندے ڈرتے ہیں جو علماء ہیں کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کو نہیں جانتا کہ وہ اشیاء کو پیدا کرتا ہے اور نہ ہی اسے معلوم ہو کہ وہ ایک شے کو دوسری شے کی طرف پھیر سکتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو کس طرح جانتا ہے۔ الارشاد میں ہے کہ یہ آیت انما یخشی اللہ الخ انما تنذر الذین یخشون ربھم بالغیب کا تکملہ ہے کیونکہ انما تنذر الذین الخ مجمل تھی تو انما یخشی اللہ الخ اس کی تعیین ہے کہ اس سے مراد کون لوگ ہیں جبکہ اس سے پہلے طبقات کا اختلاف اور ان کے مراتب کا تباین بیان کیا گیا اوصافِ معنویہ کے لحاظ سے ہو تو طریقِ تمثیل ہے اوصافِ صوریہ کے لحاظ سے ہو تو بطریقِ تصریح ہے یعنی ہر ایک کو مکمل طور پر بیان کرنا مطلوب ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے غائبانہ وہ ڈرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں اور اس کے لائق صفات جلیلہ و افعالِ جمیلہ کے عالم ہیں کیونکہ خشیت کا مدار مخشی (جس سے ڈرا جائے) کی معرفت اور اس کی شانوں کے علم پر ہے یہی وجہ ہے کہ جو اس کو زیادہ جانتا ہے وہ اس سے زیادہ ڈرتا ہے۔

حدیث شریف نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انا اخشاکم للہ واتقاکم لہ۔

(میں (بہ نسبت تمہارے) اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرتا ہوں اور تم سے زیادہ متقی ہوں)

اسی لیے اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کے بعد ذکر فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ کفار اس معرفتِ الٰہی سے کوسوں دور ہیں اسی لیے انہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرانا بے سود ہے۔

ف: مخشی (جس سے ڈرا جائے یعنی اللہ تعالیٰ) کو مقدم کرنا (حالانکہ وہ مفعول ہے) اختصاص اور فاعلیت کے حصر کے لیے ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے صرف علماء ہی ڈرتے ہیں اگر اس کے برعکس ہوتا تو معنیٰ تبدیل ہو جاتا ہے جو مطلب کے خلاف ہے۔ پہلے کا معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے صرف علماء ہی ڈرتے ہیں اور دوسرے کا معنیٰ ہے کہ مخشی منہ (جس سے ڈرا جائے) صرف اللہ ہی ہے نہ کہ کوئی اور۔

قراءۃ ابی حنیفہ ابو حنیفہ و عمر بن عبد العزیز و ابن سیرین نے اللہ کو مرفوع اور علماء کو منصوب پڑھا ہے خشیت اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا تعظیم کا استعارہ ہے اس لیے کہ معظّم (جس کی تعظیم کی جائے) وہ ہے جس کی ہیبت دل پر چھائی ہوئی ہو۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ علماء کو اپنے بندوں میں سے معظم بناتا ہے جیسے تم میں دل پر ہیبت چھائے ہوئے بندے کی عظمت ہوتی ہے ایسے ہی علماء اللہ تعالیٰ کے نزدیک باعظمت و شرافت ہیں اگرچہ یہ قراءۃ شاذہ ہے لیکن بہت ہی زیادہ مفید ہے اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: الخشیۃ بمعنے اختیار۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں علماء کرام کو پسند فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ

بیشک اس سے بدلہ لینے پر غالب ہے جو اس کے عذاب سے نہیں ڈرتا غَفُوْرٌ ○ وہ ڈرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔ یہ وجوب خشیۃ کی تعلیل ہے جیسا کہ یہ معنیٰ دلالت کرتا ہے کہ طغیان پر اصرار کرنے والے کو سزا دینا اور تائب کو بخشنے والا ہے جس نے ثابت کیا ہے کہ اس کی صفت خشیت ہے (جیسا کہ ابھی قراءۃ ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ میں گزرا)

خشیۃ کی مزید تحقیق خشیۃ بمعنے دل کا دکھ مستقبل میں ناگوار امر کے توقع سے جو کہ بندے کے کثرت جنایۃ سے ہوتا ہے اور کبھی محض اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور جلال سے ہوتا ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی خشیت اسی دوسرے معنیٰ سے ہوتی ہے۔

سبق مومن پر لازم ہے کہ علم باللہ کے حصول میں جدوجہد کرے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ خشیۃ والا ہو اور اسی علم کے مراتب پر خوف وخشیتِ الٰہی نصیب ہوتی ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا گیا کہ ہم میں سے کون زیادہ عالم ہے؟ آپ نے فرمایا:

اخشاکم للہ سبحانہ وتعالیٰ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔

(جو تم سے خدا تعالیٰ سے زیادہ خشیت والا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ سے علماء ہی ڈرتے ہیں)

پھر عرض کی گئی ہم میں سے کون افضل ہے؟ فرمایا:

من اذا ذکرت اللہ اعانک واذا نسیت ذکرک۔

(جب تمہارے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے اور وہ ذکر تمہاری اعانت کرے اور جب تم بھول جاؤ تو وہ تمہیں یاد دلائے)

پھر عرض کی گئی ہم میں شریر کون ہے؟ فرمایا:

الذی اذا ذکرت لم یعنک واذا نسیت لم یذکرک۔

(جو تمہارے سامنے اس کا ذکر ہو تو وہ تمہاری اعانت نہ کرے اور جب تم بھول جاؤ تو وہ یاد نہ دلائے)

پھر عرض کی گئی لوگوں میں شریر ترین کون ہے؟ فرمایا:

اللّٰھم اغفر للعلماء العالم اذا فسد فسد الناس۔

(اے اللہ علماء کو معاف کر دو کیونکہ عالم دین ٹیڑھا ہو تو تمام لوگ فساد کی لپیٹ میں آجاتے ہیں)
(تفسیر ابی اللیث)

علم چنداں کہ بیشتر خوانی
چوں عمل در تو نیست نادانی

ترجمہ: علم چاہے کتنا زیادہ ہی پڑھ لو اگر عمل نہ ہو تو نادان ہو۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں عالم و محقق اور خوف و خشیت میں صادق و مصدق بنائے (آمین)۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ بیشک وہ جو کتاب اللہ کی تلاوت پر مداومت کرتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ کیونکہ تلاوت عمل کے بغیر غیر مفید ہے۔

مسئلہ: تلاوۃ قراۃ درس و تدریس اور اورادِ مقررہ سب کو شامل ہے۔

مسئلہ: بچوں کو پڑھانا اور ہجے کرنا قراۃ میں شامل نہیں۔

مسئلہ: حائض اور نفاس والی اور جنب ہجا کر کے قرآن کے الفاظ پڑھ سکتے ہیں کیونکہ عرف میں ان کو قرآن پڑھنے والا نہیں کہا جاتا۔ یعنی ایک ایک دو دو حرف اور ایک ایک دو دو کلمات علیحدہ کر کے پڑھانا ہجا ہے۔

وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ اور آداب و شرائط کے ساتھ نماز ادا کی۔

سوال: پہلے مضارع اب ماضی، یہ کیوں؟

جواب: اشارہ ہے کہ تلاوت کا کوئی وقت مقرر نہیں اور نماز مقرر وقت پر ادا کی جاتی ہے۔ ایسے ہی زکوٰۃ کا معاملہ ہے۔ چنانچہ اس میں بھی ماضی ہے۔ فرمایا وَاَنْفَقُوْا اور نیکیوں کے کام میں خرچ کیا یعنی غرباء و مساکین کی اعانت کی مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ اس میں سے جو ہم نے انہیں مال وغیرہ عطا کیا سِرًّا وَّعَلَانِيَةً پوشیدہ اور ظاہر۔ علانیہ سر کی ضد ہے اس کا اکثر استعمال معانی میں ہوتا ہے اعیان میں نہیں۔ اہل عرب کہتے ہیں،

(علنته فعلن (میں نے اسے ظاہر کیا تو ظاہر ہو گیا)

یعنی چھپ کر اور کھل کر خرچ کیا یا یہ مفعول مطلق ہے بمعنے انفاق سر و علانیہ یا بمعنے ذی سر و علانیہ ہے بمعنے مسرین و معلنین۔ یعنی ان سے جیسے بن پڑتا ہے خرچ کرتے ہیں ارادہ سے اور بلا ارادہ۔

ف: کاشفی مرحوم نے لکھا کہ وہ پوشیدہ طور اس لیے خرچ کرتے ہیں کہ کہیں ریا نہ ہو اور علانیہ طور اس لیے خرچ کرتے ہیں کہ دوسروں کو صدقہ دینے کی رغبت ہو لیکن پہلا نوافل میں بہتر ہے اور دوسرا فرائض میں۔

ف : اس میں علم باطن وظاہر کی طرف اشارہ ہے۔ اس میں خرچ کرنے والے کو ترغیب ہے کہ ہر وقت اور ہر آن خرچ کرنے میں لگا رہے۔

يَرْجُوْنَ ان کی خبر ہے تِجَارَةً طاعت کے عوض ثواب حاصل کرنے کی اُمید رکھتے ہیں۔ تاجر وہ ہے جو بیع وشراء کرتا ہو اس کا کام ہی تجارت ہے۔ تجارت: راس المال میں تصرف کرنا جس میں نفع کی طلب ہو۔

اعجوبہ: کلامِ عرب میں تاء کے بعد جیم نہیں آتی سوائے لفظ تجارۃ کے۔

سوال : تجاہ عرب میں مستعمل ہے اس میں بھی تاء کے بعد جیم آتی ہے۔

جواب : یہ دراصل وجاہ تھا واؤ کو تا سے تبدیل کیا گیا ہے۔

سوال : تجوب میں تاء کے بعد جیم ہے۔

جواب : یہ تاء مضارع کی ہے۔

(خلاصہ یہ کہ تاء وجیم اصلی "تجارۃ" کے سوا کسی لفظ میں یکجا واقع نہیں ہوئے)

لَنْ تَبُوْرَ ○ البوار بہت زیادہ گھاٹا۔ اس کا صیغہ فاعل بائر آتا ہے۔ چونکہ زیادہ گھاٹا ہلاکت وتباہی تک پہنچاتا ہے اسی لیے اسے ہلاک کے بجائے البوار کہا گیا ہے۔ جیسے خذوا الطریق ولو دارت (سیدھا راستہ چلو اگرچہ دور کا ہو) وتزوجوا البکر ولو بارت (اور باکرہ سے نکاح کرو اگرچہ دکھ ہو) واسکنوا المدن ولو جارت (شہروں میں سکونت اختیار کرو اگرچہ ظلم سہنا پڑے) میں معنوی کی طرف اشارہ ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ تجارت ہرگز گھاٹے میں نہ ہوگی اور نہ ہی مطلقاً ان کو کوئی نقصان ہوگا بلکہ قیامت میں ان کے جملہ اعمال کو بہت زیادہ رواج اور ترقی ہوگی۔

ف : الارشاد میں ہے لن تبور تجارۃ کی صفت ہے اسے اس لیے لایا گیا ہے تاکہ یقین ہو کہ ان کا معاملہ عام تاجروں جیسا نہیں کہ انہیں کبھی گھاٹا اور کبھی نفع لیکن یہ ایسی تجارت ہے کہ اس میں ہمیشہ نفع ہی نفع ہے اس لیے کہ دُنیوی مال فانی کر دے کر آخرت کا دائمی اجر حاصل کیا گیا ہے اور پھر انہیں ایسے کریم سے اس کے اجر کی امید ہے کہ اس جیسا کوئی کریم نہیں ہے اور پھر اس سے امید ایسی نہیں کہ پوری نہ ہو بلکہ اس سے امید کا پھل یقینی ہے۔

لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ توفیۃ بمعنی پورا دینا۔ اجر بمعنی ثواب العمل۔ یہ لن تبور کے متعلق ہے اب معنی یہ ہوا کہ ایسے لوگوں کو گھاٹے اور نقصان کی بُو تک نہ پہنچے گی اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ایسا ہو کہ اس میں نیت خالص ہو۔ اور ایسے ہی ہر عمل میں جیسے تلاوت اور نماز کی ادائیگی وغیرہ۔ اسی لیے اس کا

اس کی کثرت کی طرف اشارہ ہو۔ چنانچہ فرمایا بجنّٰتِ عدنٍ (الآیۃ) اس میں تنبیہ ہے کہ بہشت کا داخلہ کسی استحقاق پر نہیں بلکہ اس کا فضل وکرم ہے۔ پھر جنت کی نعمت بھی مختلف مراتب پر ہوگی اور وہ بھی اس کا فضل ہوگا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے،

ان من اهل الجنة من يرى الله سبحانه فى كل جمعة بمقدار ايام الدنيا مرة ومنهم من يراه فى كل يوم مرة ومنهم من هو غير محجوب عنه لحظة۔

(قیامت میں بعض لوگ ہر جمعہ سارا دن اللہ تعالیٰ کی زیارت کرتے رہیں گے وہاں ایک دن ساری دنیا کے ایام کے برابر ہوگا اور بعض کو روزانہ زیارت ہوگی اور بعض کو لمحہ بھر بھی اللہ تعالیٰ محجوب نہ ہوگا)

تفسیر عالمانہ

يُحَلَّوْنَ تحلیۃ سے ہے بمعنے زیور پہنانا یعنی قیامت میں ان کو سنگار کرنے آراستہ کرنے پر انہیں زیور پہنائے جائیں گے ہاں وہاں عورتوں اور مردوں میں کوئی فرق نہ ہوگا یعنی قیامت میں ان سب کو زیور پہنائے جائیں گے فِيهَا بہشتوں میں۔ ھا کی ضمیر جنات کی طرف راجع ہے مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ سونے کے کنگن۔ پہلا مِن تبعیضیہ ہے اور دوسرا بیانیہ۔ اساور، اسورۃ کی اور وہ سوار کی جمع ہے بروزن کتاب وغراب۔ یہ دستوارہ کا معرب ہے۔ اب معنیٰ یہ ہے کہ بعض ان میں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے کیونکہ یہی تمام زیورات سے بہتر ہوں گے۔

سوال: سورہ ھل اتی (دھر) میں وحلوا اساور من فضة (اور چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے) اور آیت ہذا میں سونے کے کنگن مذکور ہیں۔ یہ دو آیات آپس میں مخالف کیوں؟

جواب: دونوں (سونے چاندی) پہنانے سے حسن وزینت میں اضافہ ہوگا یا یہ معنیٰ ہے کہ ان کے بعض کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ یہ مراتب میں بلند ہوں گے انہیں مقرب کہا جاتا ہے۔ دوسرے وہ ہیں جن کو چاندی کے کنگن پہنائیں گے یہ ابرار ہوں گے۔

وَّلُؤْلُؤًا منصوب ہے اس کا عطف اساور کے محل پر ہے لؤلؤ بمعنے موتی بوجہ ان کے چمکدار ہونے کے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ موتی بھی پہنائے جائیں گے۔

ف: کاشفی مرحوم نے فرمایا یعنی عجم کے بادشاہ پہنتے ہیں۔ ایسے ہی بہشتی لوگوں کو موتی پہنائے جائیں گے۔

ف: بعض قراءتوں میں مجرور ہیں۔ اس کا عطف ذھب پر ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ انہیں ایسے سونے کے زیورات پہنائے جائیں گے جن پر موتیوں کا جڑاؤ ہوگا یا وہ سونا ایسا ہوگا کہ اس کی صفائی موتیوں کی

لن تبور پر وقف نہیں۔ وَيَزِيْدَهُمْ اور ان کو زیادہ ثواب دے گا مِنْ فَضْلِهٖ اپنے فضل و کرم سے اور خزانۂ رحمت سے جتنا چاہے دے گا کہ جس کا کسی کو وہم و گمان نہ ہوگا بلکہ سمجھیں گے کہ اس کے تو ہم حقدار بھی نہ تھے یہ اس کا لطف و کرم ہے کہ بے اندازہ اجر عطا فرمایا اور قیامت میں شفاعت کا اذنِ عام فرمانا بھی اسی کا لطف و کرم ہوگا تاکہ جو لوگ جہنم کے مستحق ہیں ان کی ان کے رشتہ دار شفاعت کر کے انہیں دوزخ سے بچا لیں اِنَّهٗ غَفُوْرٌ یہ ما قبل کی تعلیل ہے یعنی وہ پورا اجر بلکہ اس سے بڑھ کر کیوں عطا فرماتا ہے اس لیے کہ اس کی شان یہ ہے کہ وہ غفور ہے کہ ان کی کوتاہیوں کو بخشتا ہے۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ اس کی شان یہ ہے کہ ان سے جتنی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں وہ انھیں چھپا دیتا ہے یہاں تک کہ ان کے دلوں سے ان کا تصور مٹا دیتا ہے اور ملائکہ کے دفتروں سے ختم کرا دیتا ہے۔

شَكُوْرٌ ۝ ان کی طاعات پر ان کو جزا و ثواب بخشتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ غفور ہے کہ ان سے جو عبودیت میں کوتاہی ہوتی ہے وہ اسے بخش دیتا ہے اور شکور ہے کہ فضلِ ربوبیت کے ساتھ ان کی کوتاہی کے باوجود ان کے عمل کا ثواب دیتا ہے۔

اقسامِ شکر

ابو اللیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ شکر تین قسم ہے:

(۱) کم درجے والا اونچے مرتبے والے کا شکر کرے طاعت کر کے اور اس کی مخالفت سے بچ کر۔

(۲) ہم مرتبہ کا شکر کہ اس کے احسان کا برابر طور احسان کرے۔

(۳) اعلیٰ ادنیٰ کا شکر کرے کہ اس کے تھوڑے سے کام سے بہت بڑی خوشی اور رضا کا اظہار کرے۔

ف: اسی لیے بعض مشایخ نے فرمایا کہ شکور وہ ہے جو تھوڑے سے کام پر بہت بڑی خیر و بھلائی عطا فرمائے اور تھوڑے سے وقت میں عمل کرنے پر آخرت میں بے انتہا ثواب پہنچے جسے یقین ہو کہ وہ کریم شکور ہے کہ تو اس کی نعمت کے شکریہ کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے اور ہر وقت اس کی طاعت میں لگا رہے اور رحمت کا طلب گار رہے اور اس کی منت و احسان کا معترف ہو۔

ف: امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ادائیگی میں احسن طریقہ یہ ہے کہ اس کے حکم کے خلاف کوئی کام نہ کرے بلکہ طاعات میں زندگی گزار دے۔

درد اور تھکان کا روحانی علاج

اس اسم کی خاصیت یہ ہے کہ اسے ۴۱ بار لکھ کر پانی سے دھو کر پیے اور چھینٹے مارے۔ جو ضیق نفس اور جسم کی تھکان

اور بر جز محسوس کرتا ہو اللہ تعالیٰ کے حکم سے مذکورہ بالا عمل سے شفا نصیب ہو گی۔

ضعفِ بصر کا علاج

اگر ضعفِ بصر والا مذکورہ بالا طریقہ سے پانی کے چھینٹے آنکھ پر مارے تو (ان شاء اللہ) شفا پائے گا۔

تفسیر عالمانہ

وَالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ اور وہ جو ہم نے تمہاری طرف وحی کی۔ اس سے مراد قرآن مجید ہے۔ مِن بیانیہ یا جنسیہ یا تبعیضیہ ہے ھُوَ الْحَقُّ حق یعنی صدق ہے کہ اس میں کذب کا امکان ہے نہ شک کا مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ درانحالیکہ وہ اپنے سے پہلی کتب کی تصدیق کرنے والی ہے یعنی ان پہلی کتبِ سماویہ کے موافق ہے جو سابق انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئی ہیں یعنی اس کے عقاید و اصول انہیں کے مطابق ہیں یہ حال مؤکدہ ہے یعنی میں اسے مصدق ثابت کرنے والا ہوں کیونکہ شے کی حقیقت تصدیق سے جدا نہیں ہوتی اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ یہ لَخَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ ۝ کے متعلق ہے۔ مقدم ہے بوجہ رعایت فاصلہ کے کہ پہلے جملے را پر ختم ہو رہے ہیں یہ بھی اسی طرح۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ظاہری باطنی امور سے باخبر اور دیکھنے والا ہے یعنی محیط ہے۔ اگر بفرضِ محال آپ میں نبوت کے منافی احوال ہوتے تو آپ کے پاس ایسی وحی نہ بھیجی جاتی جو سراسر حق اور معجزہ ہے بلکہ دوسری کتبِ سماویہ سے فائق ہے اور اس کا صدق سب کو معلوم ہے۔ خبر کی تقدیم میں تنبیہ ہے کہ اس میں عمدہ علم و احاطہ یعنی امورِ روحانیہ ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بندوں کو جو اہلِ سعادت و شقاوت ہیں لَخَبِیْرٌ جانتا ہے کیونکہ وہ اس کے پیدا کردہ ہیں بَصِیْرٌ جو امور ان سے سرزد ہوتے ہیں اخلاق ہوں یا اعمال ان کو دیکھتا ہے۔

ف: اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حقانیت جتلا کر اس کی تلاوت پر ثواب اور اس عمل پر اجرِ کثیر عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اس لیے جو ان پڑھ ہے اسے تلاوتِ قرآن کا اجر نہیں ملے گا کیونکہ ان پڑھ نہیں بلکہ پڑھا ہوا ہی تلاوت کر سکتا ہے اسی لیے علم حاصل کرنا اور ہر وقت اس میں مشغول رہنا ضروری ہے۔ حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

۱ چوں ز نفس و حدیثش آبے تنگ
بکلامِ قدیم کن آہنگ

۲ مصحفی جو چو شاہد مہوش
بوسہ زن در کنار خویشش کش

۳ حرف او کن حواس جسمانی
وقف او کن قولے روحانی

۴ دل بمعنی زبان بلفظ سپار
چشم بر خط نہ و نقط بگزار

ترجمہ :(۱) جب تم نفس اور اس کی باتوں سے تنگ آجاؤ تو کلام قدیم کی تلاوت کا ارادہ کرلو۔

(۲) محبوب چاند سے چہرہ والے کی طرح مصحف تلاش کر کے اسے بوسہ دے کر بغلوں میں دبا۔

(۳) اس کے حروف کو حواسِ جسمانی جیسا سمجھ اور اس کے وقف کو تو اسے روحانی خیال کر۔

(۴) دل کو معانی میں اور زبان کو الفاظ میں مصروف رکھو۔ آنکھ خط و نقط پر چھوڑ۔

خدام القرآن کی شان قیامت میں مروی ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو نور کے گول منبر بچھائے جائیں گے جن کے نزدیک بہشت کی اونٹنی کھڑی کردی جائے گی اور اعلان ہوگا کہ کہاں ہیں خدام القرآن! آؤ ان منبروں پر بیٹھ جاؤ، آج تمہیں کوئی خوف وخطرہ نہیں۔ وہ منبروں پر بیٹھے رہیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے حساب سے فارغ ہو جائے گا۔ پھر محشر کے میدان میں لانے کے لیے قرآن کے خدام کو انہی اونٹنیوں پر بٹھا کر بہشت میں لایا جائے گا۔

درسِ قرآن کی فضیلت حدیث شریف میں ہے: "جب قیامت کا دن ہوگا تو طوق دار نورانی منبر بچھائے جائیں گے ہر ایک منبر کے قریب نورانی بہشتی اونٹنی ہوگی۔ ہر منبر کے قریب اعلان ہوگا کہ قرآن کے حاملین (خدام) کہاں ہیں وہ تشریف لاکر منبروں پر بیٹھیں آج انہیں نہ کوئی گھبراہٹ ہوگی نہ غم، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حساب سے فارغ ہو۔ حساب سے فراغت کے بعد حکمِ الٰہی ہوگا کہ ان حاملینِ قرآن (خدام القرآن) کو ان نورانی اونٹنیوں پر سوار کر کے بہشت میں لے جاؤ۔"

حدیث شریف میں ہے: "اگر تم سعادت مندوں کا عیش اور شہداء کی موت اور یومِ حشر سے نجات اور قیامت کی گرمی اور گمراہی سے ہدایت چاہتے ہو تو قرآن کا درس دیا کرو۔ کیونکہ وہ رحمان کا کلام ہے اور میزان میں رجحان ہے۔"

مسئلہ: قنیہ میں ہے کہ جن اوقات میں نماز پڑھنا ممنوع ہے ان اوقات میں درود شریف اور دعا

و تسبیح افضل ہے۔

مسئلہ : فجر کی نماز کے بعد طلوعِ شمس تک ذکرِ الٰہی وغیرہ مستحب ہے جیسا کہ صوفیہ کرام کی عادت ہے اگرچہ اس وقت فوت شدہ نمازیں پڑھنا اور سجدۂ تلاوت اور صلوٰۃ جنازہ جائز ہیں لیکن نوافل اور سنت کے نفل اور دو رکعت طواف اور وہ نوافل جو توڑ دے تو ان کی ادائیگی اس کی اپنی طرف سے کیونکہ یہ نفل سے ملحق ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو تلاوتِ قرآن کو غنیمت سمجھتے ہیں اور اس کے لطف خطاب سے مشرف ہونے اور انوار و اسرار سے واصل ہوئے۔

تفسیر عالمانہ ثُمَّ ترتیب و تاخیر کے لیے ہے یعنی بعد اس کے کہ ہم نے تمہاری طرف وحی کی اور بعد کتب اولین کے جیسے کہ اس کا ماقبل ان دونوں کو شامل ہے۔

ف : حضرت ثوری رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ ثُمَّ کا کس جملہ پر عطف ہے آپ نے فرمایا کہ اس کا عطف ارادۂ ازلی اور امر مقتضی پر ہے یعنی بعد اس کے کہ ہم نے ازل میں ارادہ کیا اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ یعنی ہم اپنی عظمت کے ساتھ کتاب کے مکمل مالک ہیں یعنی ہم نے یہ ایسی کتاب عطا فرمائی کہ اس میں کسی قسم کا رجوع نہیں۔

حلِ لغات امام راغب نے فرمایا : الوراثۃ کسی کا کسی دوسرے کی طرف عقد کے بغیر مشتمل ہونا اور نہ اس امر سے جو عقد کے قائم مقام ہوتا ہے ایسے ہی جو شے میت سے کسی کو ملے ایسے ہی وہ جو کسی کو بغیر تکلیف کے حاصل ہو۔ (اس کا مزید بیان آئے گا)

اَلَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا موصول اپنے صلہ سے مل کر اورثنا کا دوسرا مفعول ہے۔ الاصطفاء بمعنے اچھی شے کو چن لینا۔ اور عبادنا کی اضافت تشریفیہ ہے اگرچہ آدم (علیہ السلام) کی اضافت حقیقی ہے کما فی کشف الاسرار۔ اب معنی یہ ہوا کہ جنہیں ہم نے اپنے بندوں سے چن لیا۔ اس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری اُمت مراد ہے کیونکہ جب یہ آیت اُتری تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے اور تین بار فرمایا، ربِ کعبہ کی قسم ! اللہ تعالیٰ نے میری امت کو تمام امتوں سے ایسے برگزیدہ بنایا جیسے ان کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تمام رسل کرام علیہم السلام پر اور اس کی کتاب کو تمام کتابوں پر۔

مسئلہ : یہ وارث بنانا قرآن مجید تمام کو حفظ کرنے کی خصوصیت نہیں بلکہ اس کا کوئی حصہ خواہ سورۂ فاتحہ ہو کیونکہ صحابہ کرام سب کے سب حافظ قرآن نہ تھے۔ لیکن ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام کے تمام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ تھے۔ کذا فی المناسبات۔

ف : کاشفی نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے عطیۂ قرآن کو وراثت سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ جس طرح وراثت کا مال انسان کو بغیر تکلیف اٹھائے حاصل ہوتا ہے ایسے ہی نعمتِ قرآن امت کو بغیر تکلیف کے حاصل ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے جو اسلام سے بیگانے ہیں اور دشمنانِ خدا ہیں وہ اس میراث سے محروم ہیں اور قرآن کے وارثین کے درجات مختلف ہیں کسی کو اس کے اسرار و رموز سے بہت وافر حصہ نصیب ہوا کسی کو اس سے کم اور کسی کو بہت ہی کم۔ ع

زیں بزم یکے جرعہ طلب کرد یکے جام

(ترجمہ : اسی بزم سے بعض کو صرف ایک گھونٹ نصیب ہوا، بعض کو ایک جام)

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں لفظ میراث اس لیے لایا گیا ہے کہ میراث میں صحت نسب یا صحت سبب بطریقہ مخصوص ضروری ہے اور یہاں سبب کو طاعت اور نسب فضل رب۔ اہلِ طاعت بہشتی ہیں۔ چنانچہ فرمایا :

اولٰئك هم الوارثون الذين يرثون الفردوس۔

(یہی وہ ہیں جو فردوس کے وارث ہیں)

تو یہی بہشت کے وارث ہیں تو طاعت کے سبب سے، اور اصل سبب وراثت بیعت ہے جو بندوں اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوئی۔ جیسا کہ فرمایا :

ان الله اشترٰى من المؤمنين انفسهم و اموالهم بان لهم الجنة۔

(بے شک اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان سے ان کے نفوس اور مال بہشت کے عوض میں خرید لیا ہے)

یہی وہ ہیں جنھوں نے نفوس و اموال کے ذریعے اطاعت کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اعمال کی جزا کے طور بہشت میں داخل فرمایا اور اہلِ الفضل صرف اہل اللہ ہیں اور ان سے فضل یہ ہوا کہ انہیں محبت و معرفت سے نوازا۔ چنانچہ فرمایا :

يحبهم و يحبونه۔

(وہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں)

پھر چونکہ سبب کی وراثت صرف ایک ہے وہ ہے زوجیۃ اور وہ صرف ایک جنس ہے اور وراثت نسبی دو جنس ہیں :

(۱) اصول جیسے آباء و اُمّہات

(۲) فروع: جیسے وہ جو اصول سے پیدا ہوں جیسے اولاد، اخوۃ۔ اخوات اور ان کی اولاد، چچا اور ان کی اولاد ۔ ان میں بعض عصبات بھی ہیں اور اصحاب الفرائض بھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مجموعۂ وارثین تین قسم ہیں:

۱۔ اصحاب الفرائض بالسبب
۲۔ اصحاب الفرائض بالنسب
۳۔ اصحاب الباقی یعنی عصبات

ایسے ہی اس وراثت کی بھی تین اقسام ہیں۔ چنانچہ فرمایا فَمِنْهُمْ پس ان کے بعض ہیں جنہیں ہم نے برگزیدہ بنایا ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ کتاب اللہ پر عمل نہ کر کے اپنے نفوس پر ظلم کرتے ہیں۔ یہ وہ ہیں جن کا امر موقوف ہے، چاہے تو انہیں عذاب کرے چاہے توبہ قبول کرے اس لیے کہ ضروری نہیں کہ تمام وارث کتاب اللہ کی پوری پاسداری کریں کیونکہ بعض اولاد نااہل بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

فخلف من بعدهم خلف ورثوا الكتب يأخذون عرض هذا الادنى و يقولون سيغفر لنا۔

(اپنے پیچھے ایسے نااہل چھوڑے جو کتاب کے وارث ہو کر اس کے عوض یہی دنیا کا سامان لیتے اور کہتے ہمیں بخش دیا جائے گا)

سوال: کتاب کے وارث اور پھر ظالم، یہ وصف عجیب سا ہے۔

جواب: آدم علیہ السلام برگزیدۂ حق تھے۔ چنانچہ فرمایا:

ان الله اصطفیٰ آدم۔

(بیشک ہم نے آدم علیہ السلام کو برگزیدہ بنایا)

برگزیدہ ہو کر اعتراف کر رہے تھے،

ربنا ظلمنا انفسنا (الآیۃ)

حلِ اشکال

حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ سے پوچھا گیا کہ کیا عارف باللہ سے بھی صدورِ عصیان ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا، ہاں ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وکان امر الله قدرا مقدورا۔

(اور ہے اللہ کا امر مقدر کیا ہوا)

یعنی اس پر حق پہلے سے ہی مقدر ہو چکا جس کا وقوع ضروری ہے۔

ظلم کی تین قسمیں ہیں ؛

ظلم کی اقسام (۱) بین الانسان وبین اللہ ۔ ان سب سے بڑا ظلم شرک وکفر و نفاق ہے ۔

(۲) ظلم آپس میں

(۳) اپنے آپ پر

یہاں یہی تیسری قسم مراد ہے ۔ کما فی المفردات ۔

آیت میں ظالم کی تقدیم دلالت نہیں کرتی کہ یہ آنے والے اقسام سے افضل واعلیٰ ہے ۔

ازالۂ وہم چنانچہ دوسری آیت میں ؛

فمنکم کافر ومنکم مومن ۔

(تم میں بعض کافر ہیں اور بعض مومن)

اس میں کافر کی تقدیم و افضلیت کی دلیل نہیں ۔ کما فی الاسئلۃ المقحمہ ۔

ف : بعض نے کہا کہ ظلم کی تقدیم اس لیے ہے کہ ظلم بمعنے فسق ہے اور فاسق بہ نسبت دوسروں کے زیادہ ہیں یا اس لیے کہ ظلم بمعنے جہل اور خواہشات نفسانیہ اور یہ دونوں انسان کی جبلی ہیں اور دوسری دو صفات (اقتصاد و سبق) عارضی ہیں ۔

نکتہ : فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ظلم کی تقدیم اور سبق کی تاخیر اس لیے ہے کہ سابق بالخیرات کو عجب نہ ہو اور ظالم لنفسہ کو ناامیدی نہ ہو بلکہ ایسے کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پُرامید ہونا چاہیے ۔

نیاید از من آلودہ طاعت خالص

ولے برحمت وفضلت امیدواری ہست

ترجمہ : مجھ جیسے آلودۂ گناہ سے طاعت نہیں ہو سکی لیکن تیری رحمت اور فضل وکرم کا بہت زیادہ امیدوار ہوں ۔

نکتہ : قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ علم میراث کا قانون ہے کہ تقسیم ترکہ میں سب سے پہلے اصحاب الفرائض کا حصہ نکالا جائے اگرچہ اس کا حصہ تھوڑا بھی ہو اسی لیے یہاں ظالم کا آغاز ہوا کہ وہ دوسری دو قسموں سے کمزور ہے ۔

ف : بعض بزرگوں نے فرمایا کہ تقدیم ظالم از روئے فضل الٰہی اور اس کی تاخیر از روئے عدل و حق ہے اللہ تعالیٰ کو فضل عدل سے زیادہ محبوب ہے نیز تاخیر سابق بالخیرات اس لیے ہے کہ ثواب کے لحاظ سے دخول جنان کو قریب تر ہے یا بایں جہت کہ وہ اپنے عمل پر اعتماد نہ کرے اور نہ ہی اسے طاعت پر

عجب ہوا [illegible] عجب [illegible] آگ ہے کہ طاعت کے ہزاروں خرمن [illegible]

اے پسر عجب آتشے عجبست

گرم [illegible] تنور بو لہبست

ہر کجا شعلۂ از و افروخت

ہر چہ از علم و زہد دید بسوخت

ترجمہ : اے بیٹے ! عجب بہت بڑی آگ ہے یہ بولہبی تنور ہے ۔ جہاں اس سے ایک شعلہ اٹھتا ہے وہاں علم و زہد کو جلا کر رکھ دیتا ہے ۔

وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ اور بعض ان میں وہ ہیں اکثر اوقات کتاب اللہ پر عمل کرتے ہیں [illegible] راہ چلتے ہیں ، نہ ظالمین سے ہیں نہ سابقین بالخیرات سے ۔ الاقتصاد سے ہے بمعنے ہر کام میں میانہ روی ۔

سوال : اقتصاد (از افتعال) تو فعل بہ تکلف پر استعمال ہوتا ہے نیکی میں تکلف کیسا ؟

جواب : ظلم کا ترک انسان کے لیے مشکل کام ہے ۔

وَمِنْهُمْ سَابِقٌ یہ سبق سے ہے بمعنے التقدم فی السیر لیکن بطور استعارہ فضیلت کو جمع کرنے کے لیے آتا ہے ۔ اب معنی یہ ہوا کہ ثواب و جنت و رحمت میں آگے بڑھنے والے ہیں بِالْخَيْرَاتِ اعمال صالحہ کے ساتھ تعلیم و ارشاد الی العلم والعمل کو ملا کر ۔ الخیر وہ شے جس میں ہر ایک کو رغبت ہو جیسے عقل و عدل و فضل اور شے نافع ، اس کی نقیض شر ہے ۔

بعض اکابر نے فرمایا کہ خیر دو قسم کی ہے :

اقسام خیر (۱) کار خیر کو عمل میں لا کر شے کو حاصل کرنا ۔

(۲) محض فضل رب سے تواتر جذبات سے سیر باللہ سیر الی اللہ میں ظالم و مقتصد سے آگے بڑھ جانا ۔ اگرچہ یہ ذکر میں ان دونوں کے بعد ہے جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اعلیٰ کا حال ہے کہ آپ جملہ رسل کرام علیہم السلام کے بعد تشریف لائے لیکن سب سے افضل ہیں ۔ یہی وجہ ہے آپ شب معراج بارگاہ رب العزت میں تمام انبیاء علیہم السلام سے سبقت لے گئے ۔ جیسے آپ نے خود فرمایا اور آپ کی امت تمام امتوں سے آگے بڑھ گئی ۔ جیسا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

نحن الآخرون السابقون ۔

یعنی عالم صورت میں ہم سب سے آخر میں ہیں لیکن عالم حقیقت میں ہم سب سے پہلے پہنچیں گے ۔

نکتہ : حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آیت میں ظالم لنفسہ [illegible]

ہے۔ اشارہ ہے کہ اس کا تقرب محض اس کے فضل سے نصیب ہوتا ہے۔ [illegible] نعمت ہونے ہو [illegible]
اس کے بعد مقتصد فرمایا۔ اس میں اشارہ ہے کہ برگزیدہ وہ ہیں جو خوف و رجا کے درمیان رہتے ہیں۔ ظالمون
کو سب [illegible]۔ بخیرات پر ختم کرنے میں اشارہ ہے کہ کسی کو اس کی گرفت سے بے خوف نہیں رہنا چاہیے۔ اور
یہ سب کے سب بہشت میں جائیں گے ترکہ کلمۂ اخلاص کی برکت سے اور بس۔

حدیث شریف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر بیٹھ کر فرما رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سابقنا سابق و مقتصدنا ناج و ظالمنا مغفور لہ۔

(ہمارے سابق سابق اور ہمارے مقتصد ناجی اور ہمارے ظالم بخشے ہوئے ہیں)

نکتہ: حضرت ابوبکر بن الوراق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے مراتب کی وجہ سے اسی ترتیب سے مذکور ہوئے اس لیے کہ انسان کے احوال تین ہیں:

۱۔ **معصیت**

۲۔ **غفلت**

۳۔ **توبہ**

آخر میں قرابت نصیب ہوتی ہے جب گناہ کرتا ہے تو ظالمین کی دہلیز پر قدم رکھتا ہے جب توبہ کرتا ہے تو مقتصدین میں شمار ہوتا ہے جب توبہ قبول ہوتی ہے اور وہ کثرت عبادت و مجاہدہ میں مصروف ہوتا ہے تو سابقین کی جماعت میں داخل ہوتا ہے۔

ف: سابق دو قسم ہے:

(۱) پیدائش عیش موت میں سابق

(۲) پیدائش میں سابق لیکن عیش میں ظالم اور موت میں سابق۔

ان دونوں پر ظالم کا اطلاق عارضی ہے کیونکہ پیدائش میں بھی سابق تو مرے بھی سابق تو پھر درمیانی حالت ظالم عارضی ہے بلکہ عبرت تو اس حالت کی ہے جو ازلی و ابدی ہو برزخی حالت کا کوئی اعتبار نہیں اور وہ جو ظالم پیدا ہوا اور ظالم ہو کر زندگی گزاری اور ظالم ہو کر مرا تو وہ کبیرہ کا مرتکب ہوا۔ ایسے لوگوں کے لیے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

شفاعتی لاھل الکبائر من امتی۔

(میری شفاعت میری امت کے اہل کبائر کو نصیب ہوگی)

اس تقریر پر مقتصد وہ ہے جو توبہ کر کے مرے اور سابق وہ ہے جو طاعت میں زندگی بسر کرے اور طاعت میں مرے۔ یا سابق وہ ہے جس کی نیکیاں زیادہ ہوں کہ وہ نیکیاں اس کی برائیوں کا کفارہ بن جائیں۔

حدیث شریف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان گرامی :

اما الذین سبقوا فاولئک یدخلون الجنۃ یرزقون فیھا بغیر حساب۔

(وہ لوگ جن کی نیکیاں زیادہ ہوں گی وہ بہشت میں داخل ہوں گے اور اس میں انھیں بے حساب رزق دیا جائے گا)

کا یہی مطلب ہے۔ اور مقتصد وہ ہیں جن کا حساب آسان ہو۔ اور ظالم وہ ہیں جن کا حساب قیامت میں طویل تو ہو لیکن بالآخر انہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے بخش دے۔

تینوں مراتب کے مراتب ان تینوں (ظالم، مقتصد، سابق) کے متعلق بہت تقریریں ہیں، ہم چند ایک یہاں بیان کرتے ہیں :

(۱) ظالم لنفسہ سے وہ شخص مراد ہے جو قرآن مجید پڑھتا ہے لیکن سمجھتا کچھ نہیں۔

مقتصد وہ ہے جو پڑھتا بھی ہے اور اسے سمجھتا بھی ہے۔ سابق وہ ہے جو پڑھتا ہے سمجھتا ہے اور اس کی تعلیم عام کرتا ہے۔

(۲) ظالم وہ ہے جو مال کا غنی ہے۔

مقتصد وہ ہے جو دین کا غنی ہے اور سابق وہ ہے جو اپنے رب کے قرب کا غنی ہے۔

(۳) ظالم وہ ہے جو نماز کے لیے مسجد میں اس وقت حاضر ہو جب نماز کھڑی ہو جائے۔

مقتصد وہ ہے جو مسجد میں اذان کے وقت حاضر ہو، سابق وہ ہے جو اذان سے پہلے نماز کیلیے پہنچ جائے۔ پہلا اس لیے ظالم ہے کہ اس نے اجر میں کمی کی (یہ اس کے لیے ہے جو سنتیں پڑھ کر نہ آئے بلکہ غفلت سے وقت گزار دے)

(۴) ظالم وہ ہے جو غفلت و عادۃ پر عبادت کرے۔

مقتصد وہ ہے جو رغبت و رہبت سے عبادت میں معروف ہو۔ سابق وہ ہے جو ہیبت الٰہی سے عبادت کرے۔

(۵) ظالم وہ ہے جسے معاش آخرت کے امور سے غافل کر دے۔

مقتصد وہ ہے جس کی معاش و معاد دونوں برابر ہوں۔ سابق وہ ہے جس کی معاد معاش پر

غالب ہو۔

(۶) ظالم وُہ ہے جو گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے لیکن انہیں حلال نہیں سمجھتا اور نہ ہی ان کی تحریم کا انکار کرتا ہے۔

مقتصد وُہ ہے جو فرائض و واجبات پر اکتفا کرتا ہے نوافل و مستحبات عمل میں نہیں لاتا۔ سابق وہ ہے جو معاصی سے بچ کر طاعت بکثرت کرتا ہے۔

(۷) ظالم وہ ہے جو عذاب و عقاب کے بعد نجات پاتا ہے۔

مقتصد وُہ ہے جو عتاب کے بعد نجات پائے۔ سابق وُہ ہے جو قُربِ الٰہی کے ساتھ نجات حاصل کرتا ہے۔

(۸) ظالم حرام کا تارک، مقتصد شبہات کا تارک، سابق زاید امور کا تارک۔

(۹) ظالم وہ ہے جس کی بُرائیاں زیادہ ہوں۔

مقتصد وُہ ہے جس کی نیکی اور بُرائیاں برابر ہوں۔ سابق وُہ ہے جس کی نیکیاں غالب ہوں۔

(۱۰) ظالم وُہ ہے جس کا ظاہر باطن سے بہتر ہو۔

مقتصد وُہ ہے جس کا ظاہر و باطن برابر ہوں۔ سابق وُہ ہے جس کا باطن ظاہر سے بہتر ہو۔

(۱۱) ظالم لنفسہٖ وُہ ہے جو فتح مکّہ کے بعد ایمان لایا۔

مقتصد وہ ہے جو فتح مکّہ سے پہلے ایمان لایا۔ سابق وہ ہے جس نے فتح مکّہ سے پہلے ایمان لا کر ہجرت کی۔

(۱۲) ظالم سے بدوی مراد ہیں کیونکہ یہ لوگ عموماً جہاد سے محروم رہتے ہیں اور جماعت سے بھی۔

مقتصد سے شہری مراد ہیں جبکہ یہ جمعہ و جماعات میں شامل ہوتے رہتے ہیں۔ سابق سے مجاہد فی سبیل اللہ مراد ہیں۔

(۱۳) ظالم وُہ ہے جو حلال و حرام کی تمیز نہ کرے۔

مقتصد وہ ہے جو حلال کمائی سے کھائے۔ سابق سے تارکِ دُنیا مراد ہے کیونکہ وُہ سمجھتا ہے کہ اس کی حلال کی کمائی کا حساب ہے اور حرام پر سزا (پھر دنیا کا کیا فائدہ!)

(۱۴) ظالم وہ ہے جو ضرورت سے زیادہ کا طالب ہے۔

مقتصد وُہ ہے جو کفایت شعار ہو۔ سابق وہ ہے جو صرف اللہ پر بھروسا رکھتا ہے اور ہر وقت عبادت میں معروف رہتا ہے۔

(۱۵) ظالم وہ ہے جو شفاعت سے نجات پائے۔
مقتصد وُہ ہے جو اپنے اعمال صالحہ کی وجہ سے بخشا جائے۔ سابق وہ ہے جو خود بھی اپنی نیکی سے نجات پائے اور دوسروں کی شفاعت کر کے بہشت میں لے جائے۔

(۱۶) ظالم وُہ ہے جو شہوت و معصیت میں زندگی ضائع کرے۔
مقتصد وُہ ہے جو ان دونوں سے زندگی بھر لڑتا رہے۔ سابق وہ ہے جو غلط کاری سے لڑائی رکھے اس لیے کہ صدیقین کی غلط کاریوں سے اور زاہدین کی شہوات سے اور تائبین کی تباہ کاریوں سے جنگ ہے۔

(۱۷) ظالم وُہ ہے جو دُنیا کو ذخیرہ اندوزی کے لیے حاصل کرتا ہے۔
مقتصد وُہ ہے جو دنیا سے لذت حاصل کرنے کے لیے کماتا ہے اور سابق وُہ ہے جو اسے زاہد بن کر ہاتھ بھی نہیں لگاتا۔

(۱۸) ظالم سے مراد وہ انسان ہے جو ایسے امر کا طالب ہو جس کا اسے حکم نہیں۔ مثلاً رزق (کہ اس کی طلب کا حکم نہیں لیکن ۹۹ فیصد انسان اس کی طلب میں حیران و سرگردان ہیں)
مقتصد وُہ ہے جو مامور بہ و غیر مامور بہ ہر دو کا طالب ہے۔ سابق وُہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا و محبت کا طالب ہے۔

(۱۹) کبائر کا مرتکب ظالم ہے، صغائر کا مرتکب مقتصد ہے۔ دونوں سے بچنے والا سابق ہے۔ اس کا قائل امر کو شدید ترین معنیٰ میں لے گیا ہے۔

(۲۰) ظالم وُہ ہے جو غیر کے عیوب کے درپے ہے لیکن اپنی اصلاح نہیں کرتا۔
مقتصد وہ ہے جو دوسرے کے عیوب کے درپے ہوتا ہے لیکن اپنی اصلاح بھی کرتا ہے۔ سابق وہ ہے جو اپنے عیوب کے درپے ہو کر دوسروں کی اصلاح میں لگا رہتا ہے یا وُہ اپنے عیوب کے درپے ہوتا ہے لیکن اسے دوسروں کے متعلق کچھ خبر نہیں ہوتی۔

(۲۱) ظالم جاہل ہے، مقتصد متعلم ہے، سابق عالم ہے۔

(۲۲) ظالم وُہ ہے جو انصاف لیتا ہے دیتا نہیں۔ مقتصد وہ ہے جو لیتا بھی ہے دیتا بھی ہے۔ سابق وہ ہے جو دیتا ہے لیکن لیتا نہیں۔

(۲۳) ظالم سے طالبِ نجات، مقتصد سے طالبِ درجات اور سابق سے طالبِ مناجات مراد ہے۔

(۲۴) ظالم وُہ ہے جو از خود اپنے آپ کو دیکھتا ہے۔ مقتصد وُہ ہے جو از خود آخرت کو دیکھتا ہے۔ سابق وہ ہے جو از حق حق کو دیکھتا ہے۔

(۲۵) ظالم وُہ ہے جو ہمیشہ خوابِ غفلت میں رہتا ہے۔ مقتصد وہ ہے جو کبھی بیدار ہوتا ہے۔ سابق وہ ہے جو ہمیشہ بیدار ہے۔

(۲۶) زاہد ظالم ہے اس لیے کہ اس نے دنیوی لذات ترک کر کے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔ عارف مقتصد ہے اور سابق محب (عاشق باللہ) ہے۔

(۲۷) ظالم ہے وُہ جو بلا کے وقت جزع فزع کرتا ہے اور مقتصد وہ ہے جو بلا کے وقت صبر کرتا ہے اور سابق وُہ ہے جو بلا سے لذت پاتا ہے۔

(۲۸) ظالم ہے وہ جو دنیا کی طرف مائل ہے۔ مقتصد وُہ ہے جو عقبیٰ کی جانب مائل ہے۔ سابق وہ ہے جو اپنے مولا کی طرف مائل ہے ؎

نعیم ہر دو جہاں میکنند بر ما عرض
دل از میانہ تمنا ندارد الّا دوست

ترجمہ : دونوں جہان کی نعمتیں ہمارے سامنے رکھ دیں لیکن ہمارا دل سوائے دوست کے اور کوئی آرزو نہیں رکھتا۔

(۲۹) ظالم ہے وہ جس نے صرف نفس قربان کیا۔ مقتصد وہ ہے جس نے قلب قربان کیا۔ سابق وہ ہے جس نے روح فدا کیا۔

(۳۰) ظالم ہے وہ جسے علم الیقین ہے۔ مقتصد وہ ہے جسے عین الیقین ہے۔ سابق وہ ہے جسے حق الیقین ہے۔

(۳۱) ظالم ہے وُہ جو اللہ تعالیٰ کو اپنے نفس کے لیے دوست رکھتا ہے۔ مقتصد وہ ہے جو اسے اس کے لیے دوست رکھتا ہے۔ سابق وہ ہے جو مرادِ حق پر اپنی مراد ختم کر ڈالے یہاں تک کہ اپنے نفس میں طلب کا وجود مٹا دے بلکہ غلبۂ سلطانِ حق کی وجہ سے مراد کا وجود بھی باقی نہ رکھے۔

(۳۲) ظالم وُہ ہے جو آخرت کو ہفتہ میں یوم جمعہ تک انتظار کرتا ہے۔ مقتصد وُہ ہے جو صرف ایک یوم کی مقدار۔ اور سابق وہ ہے جو ہر وقت آنکھوں کے سامنے دیکھتا ہے۔

(۳۳) ظالم وہ ہے جو میدانِ علم میں ہے۔ مقتصد وُہ ہے جو معرفت کے میدان میں ہے۔ سابق ہے وہ جو میدانِ وجد میں ہے۔

(۳۴) ظالم سے سالک، مقتصد سے مجذوب، سابق سے مجذوب سالک مراد ہے کیونکہ سالک خود بخود قریب ہونے والا ہے اور مجذوب حقیقی مقرب ہے اور سالک مجذوب کمالاتِ قرب میں غوطہ زن

ہو کر اپنے نفس سے فانی اور اپنے رب کے ساتھ باقی ہے۔

(۵۳) ظالم ہے وہ جو امیدوں کے ڈنڈوں سے مار کھائے ہوئے اور حرص کی تلوار سے قتل کیا ہوا اور باب رجاء پر لٹایا ہوا ہے۔ مقتصد وہ ہے جو حسرت کے ڈنڈے کھائے ہوئے اور ندامت کی تلوار سے مقتول اور کرم کے دروازے پر لٹایا ہوا ہے۔ سابق وہ ہے جو محبت کے ڈنڈے کھائے ہوئے اور شوق کی تلوار سے قتل کیا ہوا اور ہیبت کے دروازے پر لٹایا ہوا ہے ۔ ؎

۱ اگر عاشقی خواہی آموختن
بکشتن فرج یابی از سوختن

۲ مکن گریہ بر گور مقتول دوست
قل الحمد للہ کہ مقبول اوست

ترجمہ : (۱) اگر عاشقی سیکھنا چاہتا ہے تو فرج کو ذبح کر لے۔ عشق کا جلنا نصیب ہوگا۔

(۲) لیکن مقتول دوست پر آنسو نہ بہاؤ بلکہ الحمد للہ کہو کیونکہ وہ مقبول دوست ہے۔

ف : جملہ اقوال میں عام مومنین ہی مراد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس نے ظالم لنفسہ سے آدم علیہ السلام اور مقتصد سے ابراہیم علیہ السلام اور سابق سے حضور سید الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مراد لی ہے اس نے درست نہیں کیا۔ پہلے عام مومنین مراد لے کر بعد میں یہ حضرات مراد لیے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس آیت سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مراد ہے اور وہ حضرات پیغمبر ہیں۔ ہاں ضمائر مومن کی طرف راجع ہوں تو پھر ضمناً یہ حضرات مراد لیے جا سکتے ہیں۔

سوال : کیا یہ کہنا جائز ہے کہ آدم علیہ السلام ظالم لنفسہ تھے؟

جواب : چونکہ انہوں نے اپنے لیے ربنا ظلمنا الخ کہہ کر خود اعتراف فرمایا تو پھر انہیں ظالم لنفسہ فرمایا ہے۔

باادب باش اگرچہ بتاویل اس کا اطلاق جائز ہے لیکن ادب کے خلاف ہے۔ امام راغب نے فرمایا کہ الظلم یعنے حق سے متجاوز ہونا جو کہ دائرہ کے لیے بمنزلہ نقطہ کے ہے وہ تجاوز قلیل ہو یا کثیر، اسی لیے اس کا اطلاق گناہ صغیرہ و کبیرہ دونوں پر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آدم علیہ السلام نے بھی اپنے تجاوز کے متعلق اپنے آپ کو ظالم کہا تو شیطان کو بھی اللہ تعالیٰ نے ظالم کہا لیکن ان دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔

بِاِذْنِ اللّٰہِ صاحب کشف الاسرار نے اسے تینوں کے متعلق کیا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ ظالم کا ظلم اور مقتصد کا قصد اور سابق کی سبقت علم الٰہی اور اس کے ارادہ پر ہے۔ لیکن بہت بڑے اور بزرگ مفسرین نے فرمایا کہ اس کا تعلق سابق سے ہے۔ اب معنی یہ ہے کہ یہ سب کچھ اس کی تیسیر و توفیق و تمکین پر ہے کہ خیر و بھلائی اسی سے ہے۔ اس میں تنبیہ ہے کہ یہ وہ مرتبہ ہے کہ قسمت والے کو نصیب ہوتا ہے جو بہت مشکل سے حاصل ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ امام قشیری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ظالم! اپنا سر اٹھا اس لیے کہ اگرچہ تو نے ظلم کیا لیکن وہ ظلم تیرے اپنے نفس کی شامت سے اور اے سابق اپنا سر جھکا دے اس لیے کہ اگرچہ تو نے میدان جیت لیا لیکن اس میں تیری قوت و طاقت کو کوئی دخل نہیں تجھے جو کچھ ملا محض میرا فضل اور توفیق ہے اور بس۔

تفسیر عالمانہ ذٰلِکَ وہ سبقت بالخیرات هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے جسے سوائے اس کے فضل و کرم اور توفیق کے حاصل نہیں ہوتا یا اس سے ایراث و اصطفاء مراد ہے لیکن اس میں امت کے تمام مومن داخل ہوں گے۔

نکتہ: اسے فضل کبیر اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ قرآن افضل الکتب اور امت بھی افضل الامم السابقہ ہے اسی لیے حق بحقدار رسید کے لحاظ سے افضل افضل کو نصیب ہوا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ظالم کو سابق کے صدقے سے ایراث و اصطفاء و دخول الجنۃ میں اس کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس میں حکمت و قیقہ یہ ہے کہ اس کا فضل عظیم بھی ظالم کو نصیب ہوگا تو وہ بھی سابق کے صدقے۔

تفسیر عالمانہ جَنّٰتُ عَدْنٍ اہل عرب کہتے ہیں: عدن بمکان کذا بمعنے استقر یعنی وہ فلاں مکان میں ٹھہرا۔ اسی سے المعدن ہے بمعنے جواہر کی قرارگاہ (المفردات) یعنی وہ باغات استقرار و ثبات و اقامت کے لیے ہیں وہاں کوچ کر جانے کا کوئی سبب اور علت نہ ہوگی۔ یہ الفضل الکبیر سے بدل ہے اور سبب کو مسبّب کے قائم مقام لایا گیا ہے۔ جنات عدن مبتدا اور اس کی خبر یَدْخُلُوْنَهَا جمع کی ضمیر اس لیے ہے کہ سابق سے جنس مراد ہے۔

سوال: تم نے صرف سابقین کیوں مراد لیے حالانکہ اگرچہ ان کا ذکر نہیں لیکن ترک کا بھی قرینہ نہیں تو سابقین کی تخصیص کیوں؟

جواب: تاکہ ان کو اپنی کوتاہی کا احساس ہو اور وہ اپنی کمی پوری کرنے کی سعی کریں۔

(۳۶) بعض نے کہا کہ اصحابِ ثلاثہ سے کافر، منافق، مومن مراد ہیں یا اصحاب المشأمہ و اصحاب المیمنہ اور السابقون الاولون سے جو بھی مراد ہوں۔

(۳۷) منافقین، احسان کی متابعت کرنے والے اور اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔

(۳۸) وہ جو عمل نامہ پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا اور وہ جو دائیں یا تھ میں دیا جائے گا۔

ف : ان اقوال پر ظالم جنت میں داخل نہ ہوگا کیونکہ وہ مؤمن نہیں۔

سوال : آیت میں اصطفا کا لفظ اس کا رد کرتا ہے کہ غیر مومن برگزیدہ کیوں ؟

جواب : یہاں تخلیقی اصطفا مراد ہوگا۔ اور ان کے ہاں رسل علیہم السلام تشریف لائے اور کتابیں بھی نازل ہوئیں۔ یہ بھی ان کے لیے اصطفا ہے۔ لیکن پہلے اقوال صحیح تر ہیں اس لیے کہ یہ اکثر اہل علم کا مذہب ہے (کشف الاسرار)

چنانچہ ابو اللیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آیت میں اصنافِ ثلاثہ سے اہل ایمان مراد ہیں۔ ثم اورثنا الکتب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی تینوں کتاب (قرآن مجید) دی گئی ہے ایسے ہی ید خلونہا بھی اسی معنیٰ کی تائید کرتا ہے اس لیے کہ اگر صرف دو (مقتصد، سابق) مراد ہوتے تو ید خلانہا فرماتا۔

یہودیانہ سازش حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ آپ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں موجود تھے تو پھر آپ کے پاس حاضر ہو کر اسلام قبول کیوں نہ کیا، کعب احبار رضی اللہ عنہ نے عجیب انکشاف فرمایا۔ وہ یہ کہ میرے والد صاحب مجھے تورات پڑھنے کا حکم فرماتے لیکن اس میں سے چند اوراق پڑھنے کی مجھے اجازت نہ تھی۔ ایک دن میرے والد صاحب کہیں چلے گئے تو میں نے وہی ممنوعہ اوراق کھولے تو ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کے بارے میں بہت تعریف لکھی تھی کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ امتِ محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تین حصے بنائے گا، ایک حساب کے بغیر بخشے گا، دوسرے کو آسان حساب کے بعد داخلِ بہشت فرمائے گا، تیسرے کو ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کی شفاعت سے بخشے گا۔ یہ مضمون دیکھ کر میں نے اسلام قبول کیا اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ مجھے پہلے حصے میں بنا دے اگر اس کا اہل نہ ہوں گا تو دوسرے سے ورنہ تیسرے سے تو محروم نہ ہو جاؤں۔ اس کے بعد میں نے اس کی تائید قرآن مجید میں پائی۔ چنانچہ فرمایا :

ثم اورثنا الکتب - الی ان قال ید خلونہا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے جب اللہ تعالیٰ نے ان تینوں قسموں کا ذکر فرمایا اور پھر جنت اور اس کی نعمت اور زینت کے بعد صیغۂ جمع سے بیان فرمایا تاکہ

بِاِذْنِ اللّٰهِ صاحب کشف الاسرار نے اسے تینوں کے متعلق کیا ہے۔ ا … ے/ا بہشت کا
اور مقتصد کا قصد اور سابق کی سبقت علم الٰہی اور اس کے ارادہ پر ہے۔ لیکن … دگی اور وہ بھی س
نے فرمایا کہ اس کا تعلق سابق سے ہے۔ اب معنیٰ یہ ہے کہ یہ سب کچھ ا
خیر و بھلائی اسی سے ہے۔ اس میں تنبیہ ہے کہ یہ وہ مرتبہ ہے ا … نیا
مشکل سے حاصل ہوتا ہے۔ … لحظۃ۔

تفسیر صوفیانہ امام قشیری قدس سرہ نے: … ـدن ساری
اٹھا اس لیے کہ اگر تو … الی مجوب
سابق اپنا سر جھکا دے اس لیے کہ اگر
نہیں تجھے جو کچھ ملا محض میرا فضل ا … ت میں ان کو سنگار نے

تفسیر عالمانہ ذا … ے جائیں گے ہاں وہاں عورتوں اور مردوں
… سو زیور پہنائے جائیں گے فِيْهَا بہشتوں میں۔ ھا کی ضمیر
ایراث واختیارہ … ب مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ سونے کے کنگن۔ پہلا مِن تبعیضہ ہے اور دوسرا
نکتہ … اسورۃ کی اور وہ سوار کی جمع ہے بروزن کتاب وغراب۔ یہ دستوارہ کا معرب ہے۔
… اساور
اب معنیٰ یہ ہے کہ بعض ان میں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے کیونکہ یہی تمام زیورات سے بہتر ہوں گے۔

سوال: سورہ هل اتی (دھر) میں وحلوا اساور من فضة (اور چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے) اور آیت ہذا میں سونے کے کنگن مذکور ہیں۔ یہ دو آیات آپس میں مخالف کیوں؟

جواب: دونوں (سونے چاندی) پہنانے سے حسن و زینت میں اضافہ ہوگا یا یہ معنیٰ ہے کہ ان کے بعض کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ یہ مراتب میں بلند ہوں گے انھیں مقرب کہا جاتا ہے۔ دوسرے وہ ہیں جن کو چاندی کے کنگن پہنائیں گے یہ ابرار ہوں گے۔

وَلُؤْلُؤًا منصوب ہے اس کا عطف اساور کے محل پر ہے لؤلؤ بمعنے موتی بوجہ ان کے چمکدار ہونے کے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ موتی بھی پہنائے جائیں گے۔

ف: کاشفی مرحوم نے فرمایا یعنی عجم کے بادشاہ پہنتے ہیں۔ ایسے ہی بہشتی لوگوں کو موتی پہنائے جائیں گے۔

ف: بعض قراءتوں میں مجرور ہیں۔ اس کا عطف ذھب پر ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ انھیں ایسے سونے کے زیورات پہنائے جائیں گے جن پر موتیوں کا جڑاؤ ہوگا یا وہ سونا ایسا ہوگا کہ اس کی صفائی موتیوں کی

طرح ہوگی کیونکہ موتیوں کا تیار کردہ کنگن نہیں ہوگا۔ ہاں اس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ موتی پرو کر کنگن کی طرح بنا کر پہنائے جائیں۔

ف : بحر العلوم میں ہے ذھب پر عطف ہے اس لیے کہ دو طرح کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ بعض سونے کی جنس سے ہوں گے بعض موتیوں کی جنس سے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مشکل نہیں اور بہت سے دنیوی امور آخرت کے امور کے منافی ہیں اور یہ بھی انہی میں سے ہے۔

وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ○ اور ان کا لباس ریشم سے ہوگا۔ لیکن وہ ریشم دنیا کے ریشم سے نہ ہوگا بلکہ وہ عجیب طرح کا ہوگا جس کا محض نام ریشم ہوگا۔ اور لباس بمعنے وہ جو پہنا جائے۔ جیسے قمیص و چادر و شلوار وغیرہ۔ الحریر وہ کپڑا جو باریک ہو (المفردات) اور وہ جس کا تانا بانا ریشم کا ہو اگرچہ اسکی اصل یہ ہے کہ وہ ابریشم پختہ سے ہو تب اسے ریشم کہا جائے (کما فی القہستانی)

مسئلہ : ریشم کا استعمال مردوں کو حرام ہے عورتوں کو جائز۔ مرد اسے جنگ میں استعمال کر سکتے ہیں لیکن اس کے ساتھ نماز ادا نہ کریں ہاں اگر دشمن کا خوف سخت ہو یا کوئی ضرورت ہو مثلاً جسم میں خارش و جرب ہو یا جوئیں دفع کرنا مطلوب ہو تو جائز ہے۔

مسئلہ : اگر ریشم جسم کو نہ چھوئے تب بھی نہ پہنے قمیص کا کاج اور بٹن ریشم کا ہو تو جائز ہے۔ جیسے کپڑوں کو منقش کرنے کے لیے ریشم کے تاگے لگانے جاتے ہیں اور کالے ریشم کی پٹی آشوب چشم کے لیے باندھنا جائز ہے ایسے ثلج (برف وغیرہ) کو دیکھنے کے لیے کالا ریشم آنکھ پر باندھنا۔

مسئلہ : ازار بند ریشمی جائز، اور یہ بھی صرف چار انگل کی مقدار تک اجازت ہے۔ بعض نے کہا یہ مقدار ایک جگہ ہو تو اگر مختلف جگہوں پر تھوڑا تھوڑا ہو تو ان کو جمع کر کے چار انگل کی مقدار کر دینا مراد نہیں۔

مسئلہ : امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سر اور پہلو کے نیچے ریشم رکھنا جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک ناجائز ہے۔ اسی کو اکثر مشایخ نے لیا ہے۔ دیواروں اور دروازوں پر ریشم لٹکانے میں مذکورہ بالا اختلاف کی طرح ہے۔

مسئلہ : ریشم کے بستر پر بیٹھنا اور ریشم کے مصلے پر نماز پڑھنا جائز ہے اور بچے کے گہوارے پر ریشم کا تہبند رکھنا جائز ہے۔

مسئلہ : جنگ میں مرد کو ریشم پہننے کی عدم کراہت پر اجماع ہے خواہ وہ زیادہ ہو یا کم یا برابر یہی صحیح ہے۔ اس کے برعکس ریشم کا استعمال ناجائز ہے۔ یعنی جس کا تانا بانا ریشمی ہو صرف جنگ میں جائز ہے ورنہ ناجائز۔

مسئلہ : بچے کو ریشم اور سونے وغیرہ کا استعمال مکروہ ہے تاکہ اس کی عادت ہو جائے کیونکہ فعل کا دارومدار عمل کرنے والے پر ہے۔

مسئلہ : جو لباس خلافِ سنّت ہو وُہ بھی مکروہ ہے۔

مسئلہ : رُوئی، کتان اور اُون کا لباس مستحب ہے اور رنگوں میں محبوب تر سفید لباس ہے اور سبز لباس سنّت ہے اور سیاہ لباس بھی درست ہے اور سُرخ لباس کا کوئی حرج نہیں (زاہدی از قہستانی) اس کا مکمل بیان سورۂ حج میں گزرا ہے۔

وَقَالُوْا اور بہشت میں حمد کرتے ہوئے کہیں گے۔ ماضی کا صیغہ تحقیق کے لیے ہے۔ یعنی یہ سب کہیں گے کہ اس کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں دوزخ سے نجات بخشی اور بہشت میں داخل فرمایا **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ** تمام محامد اللہ تعالیٰ کے ہیں وُہ جملہ اوصاف کمالیہ کو محیط اور تمام قدرتوں کا مالک ہے **الَّذِیْٓ اَذْهَبَ** وہ جس نے بہشت میں داخل کر کے ہم سے ہٹائے **عَنَّا الْحَزَنَ** (بفتحتین و بالضم و سکون) سب کا ایک معنیٰ ہے یعنے زمین اور نفس کی خشونت جو غم و حزن سے حاصل ہو اور اس کی نقیض الفرح ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ حزن کو اس لیے حزن کہتے ہیں کہ غم والے اوقات حزن سے بسر ہوتے ہیں اور یہ بہشت میں نہ ہوگا اس لیے کہ جوارِ حضرتِ الٰہی میں حزونۃ نہ ہو گی کیونکہ وہاں خوشی اور سرور ہوگا۔

ف : یہاں پر حزن کی جنس مراد ہے دنیوی ہو یا اخروی، جیسے معاش اور زوالِ نعم اور پیاس اور قوتِ حلال اور خوفِ سلطان اور حاسدوں کے خطرہ اور دشمنوں کے بغض اور اعراض و آفات اور وسوسۂ ابلیس اور سیئات اور ردِّ طاعات اور بُرے خاتمہ اور موت اور قیامت کی ہولناکیوں اور دوزخ اور پلصراط کے گزر اور جُدائی وغیرہ اور تدبیرِ احوال وغیرہ کا حزن۔

حدیث شریف میں ہے: قبور میں لا الٰہ الا اللہ پڑھنے والے کو کوئی شے واجب نہیں یعنی کوئی نیکی کرے تو اس کا بدلہ اس کے لیے واجب ہو بلکہ یہ سب اس کا احسان اور فضل و کرم ہے کہ وُہ اپنے بندوں کو بہشت اور اس کے درجات عطا فرماتا ہے کیونکہ یہ تمام اس کی پیدا کردہ ہیں اور بندہ اس کا پیدا کردہ ہے تو پھر وہ اپنے مالک سے کون سی شے کا مطالبہ کرتا ہے کہ فلاں امر اس کا اپنا ہے فلہذا اس کا بدلہ عطا ہو۔ (معتزلہ کا عقیدہ غلط ہے کہ بندے کو عمل کی جزا دینا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔ معاذ اللہ)

ف : حضرت ابوسعید الخراز قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اہلِ معرفت دُنیا میں اہلِ جنت کی طرح ہوتے ہیں جیسا کہ وہ آخرت میں ہوں اسی لیے دنیا میں رہ کر بھی دنیا کے تارک سمجھتے ہیں وہ بہشتیوں کی طرح دنیا میں حمد و شکر کے ساتھ بلا خوف اور بلا حُزن زندگی بسر کرتے ہیں سہ

جنت نقد است اینجا ذوق ارباب حضور
در دل ایشاں نباشد حزن و غم نفخ صور

ترجمہ : ارباب حضور کو یہاں پر ہی جنت نقد کے طور ہے کیونکہ نفخ صور تک انھیں نہ کوئی حزن ہے نہ غم۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ رَبَّنَا بیشک ہمارا رب باوجود ہماری غلطیوں کے ہم پر احسان فرماتا ہے لَغَفُوْرٌ گنہگاروں کو بخشتا ہے شَكُوْرٌ بہت ثواب دیتا ہے۔

قاعدہ : شکر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو بمعنی ثواب دینے کے ہوگا اور پوری جزا بخشنا۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات میں ہے کہ وُہ غفور ہے اپنے نفس پر ظلم کرنے والے کے لیے شکور ہے۔ مقتصد (میانہ رُو) اور سابق (سبقت کرنے والا) کے لیے ظالم لنفسہ کے متعلق اسم کی تقدیم محض ان کے ضعف احوال پر اظہار رحمی کے لیے ہے۔

تفسیر عالمانہ ربط : اہلِ جنت نے اللہ تعالیٰ کے لیے ایک اور وصف کا ذکر کیا یعنی اس کے شکر کا۔ چنانچہ کہا الَّذِیْٓ اَحَلَّنَا وہ جس نے ہمیں نازل کیا۔

حل لغات : احلنا بمعنی انزلنا کیونکہ حلت بمعنی نزلت آتا ہے حل الاحمال عند النزول سے پھر اس کی تجرید کر کے صرف نزول کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے : حل حلولا (نازل ہوا نازل ہونا) واحلہ غیرہ (اور اس نے غیر کو نازل کیا) المحلۃ بمعنی مکان النزول (المفردات)

دَارَ الْمُقَامَةِ ٹھہرنے کی جگہ میں۔ یہ احل کا دوسرا مفعول ہے ظرف نہیں کیونکہ ظروف محدُود مبرآتی ہیں۔

حل لغات : المقامہ (بالضم) مصدر۔ مثلاً کہا جاتا ہے اقام یُقیم اقامۃ ومقامۃ بمعنی دار المقامۃ۔ وہ رہنے سہنے کی جگہ جہاں سے ہمیشہ منتقل نہ ہو سکیں اور نہ ہی وہاں کا مقیم کوچ کا ارادہ رکھتا ہو اور نہ کوئی دوسرا اس کے لیے ایسا ارادہ کر سکے۔

مِنْ فَضْلِهٖ اپنے فضل سے اور انعام و تفضل سے بغیر اس کے کہ ہماری طرف سے اس پر اعمال کی وجہ سے کوئی شے واجب ہو کیونکہ نیکیوں کی توفیق بھی اسی کی دی ہوتی ہے پھر اس پر کوئی شے واجب کیسی۔

اہلِ سنت کا عقیدہ ہے کہ دخول جنۃ تو محض اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے ہے ہاں درجات کی تقسیم اعمال و حسنات (نیکیوں) سے ہوگی۔ اسے یوں سمجھو کہ ایک شخص کسی کا غلام ہو تاب وہ اپنے مالک کی خدمت کرتا ہے

خدمت کا بدلہ وعوض اپنے مالک سے نہیں مانگ سکتا ہے اور نہ ہی اسے حق الخدمت مانگنے کا حق ہے جب ایک مجازی مالک سے حق الخدمت مانگنے کا غلام کو حق نہیں تو پھر مالک حقیقی سے حقیقی بندہ حق العبادۃ کیسے طلب کر سکتا ہے یا وہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ یہ عوض تو اسے دینا واجب ہے (معاذ اللہ) لیکن معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بندے کی عبادت کا اجر وثواب دینا واجب ہے (معاذ اللہ)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ **الذی احلنا دار المقامۃ** وہ جس نے ہمیں دار الاقامۃ میں اپنے فضل وکرم سے داخل کیا یعنی جملہ احوال کے پردے کھول دئیے تو اس میں ہر ظالم ومقتصد اور سابق داخل ہو گیا اور اس مقام میں پہنچے جہاں اللہ تعالیٰ نے ان سب کو نازل فرمایا تو محض اپنے فضل وکرم سے داخل کیا یعنی جملہ احوال کے پردے کھول دئیے تو اس میں ہر ظالم مقتصد اور سابق داخل ہو گیا اور اس مقام میں پہنچے جہاں اللہ تعالیٰ نے ان ہر ایک کو نازل فرمایا تو محض اپنے فضل وکرم سے بندے کی جدوجہد کو کسی قسم کا دخل نہ تھا نہ ہی اس کے اعمال نے اسے یہاں پہنچایا اگرچہ بہشت میں اعمال صالحہ کے ذریعے داخل ہوا لیکن اعمال صالحہ کی توفیق تو بھی اسی نے دی تو یہ بھی اس کا فضل وکرم ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے،

قبل من قبل لا لعلۃ ورد من رد لا لعلۃ۔

(جسے قبول کیا تو اپنے فضل سے، رد کیا تو اپنی مرضی سے، نہ اس میں کوئی سبب ہے نہ علت)

تفسیر عالمانہ **لا یمسنا** المس لمس کی طرح ہاتھ لگانا۔ کبھی المس کا اطلاق اس پر ہوتا ہے جو انسان کو تکلیف پہنچائے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہمیں نہیں پہنچے گا **فیھا** دار الاقامۃ کسی بھی وقت **نصب** نہ جسم میں کوئی تھکان نہ کوئی درد جیسے دنیا میں ہوتا ہے **ولا یمسنا فیھا لغوب** ۝ اور نہ ہمیں اس میں کوئی سستی ہوگی نہ ڈھیل۔ کیونکہ اس میں کوئی تھکان ہے نہ رکاوٹ بلکہ اس میں دائمی خوشی اور راحت وفرحت ہوگی اور وہ بہشت میں جس شے کو دیکھ کر خواہش کریں گے تو انہیں کہیں جانا نہ پڑے گا بلکہ اپنے کمرے میں ہر شے وافر پائیں گے اور جب کسی شے کو دیکھیں گے تو انہیں آنکھ کو پھیرنے کی ضرورت نہ ہوگی بلکہ وہ شے خود بخود ان کے آگے آجائے گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

وفیھا ما تشتھیہ الانفس وتلذ الاعین۔

(اور اس میں وہ ہوگا جو ان کا جی چاہے گا اور ان کی آنکھوں کا لذت وسرور)

نصب ولغوب میں فرق نصب بمعنے نفس مشقت اور لغوب بمعنے جو نفس سے جوارح کو فتور اور سستی پیدا ہو۔ ابوحیان نے فرمایا کہ لغوب تعب البدن

سو لازم ہے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ہے ؂

علیاء لا تنزل الاحزان ساحتہا
لو مسہا حجر مستہ سراء

ترجمہ: ایسی بلند منزل ہے کہ اس کے آنگن میں غم نازل نہیں ہوتے اگر اسے پتھر پہنچیں تو بھی خوشی برستی ہے۔

ف: ثانی کی نفی اول کی نفی کو مستلزم ہے اور منفی فعل کا تکرار ہر ایک کی نفی کے مبالغہ کے لیے ہے۔

بہشت کا منظر ضحاک رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ جب بہشتی بہشت میں داخل ہوں گے تو انہیں بچے اور خدام ملیں گے ایسے خوب صورت کہ گویا کہ وہ موتی خالص ہیں اس کے بعد انہیں ملائکہ کی ملاقات نصیب ہوگی جو رب العالمین کے ہدایا و تحائف ان کے ہاں پیش کریں گے اور ساتھ ہی بہشتی حلے پہنائیں گے۔ جب بہشتی بہشت میں داخل ہونے کا ارادہ کریں گے تو فرشتہ فرمائے گا ٹھہریئے تاکہ آپ کو انگشتریاں پہنائی جائیں۔ اس کے پاس دس انگشتریاں ہوں گی۔ یہ رب العالمین کی طرح ہدیہ و تحفہ ہوگا ان کی ہر انگلی میں علیحدہ علیحدہ انگشتری ڈالی جائے گی۔

انگشتریوں کی تعداد دس انگشتریوں پر بطریق ذیل لکھائی ہوگی:

نمبر ۱ پر لکھا ہوگا:

سلام علیکم طبتم فادخلوھا خالدین۔

(تم پر سلام اور بہشت میں خوش ہو کر داخل ہو جاؤ اور ہمیشہ رہو)

نمبر ۲ پر لکھا ہوگا: ادخلوھا بسلام ذلك یوم الخلود۔

(اس میں سلامتی سے داخل ہو اور یہ ہمیشگی کا دن ہے)

نمبر ۳ پر لکھا ہوگا: رفعت عنکم الاحزان والھموم۔

(تم سے حزن و ملال اٹھا لئے گئے)

نمبر ۴ پر لکھا ہوگا: زوجناکم الحور العین۔

(تمہیں حور عین سے بیاہا جائے گا)

نمبر ۵ پر لکھا ہوگا:

ادخلوھا بسلام آمنین۔

(بہشت میں سلامتی کے ساتھ امن والے ہو کر داخل ہو جاؤ)

نمبر ۶ پر لکھا ہوگا :

انی جزیتھم الیوم بما صبروا۔

(بے شک میں نے تمہیں آج جزا دی)

نمبر ۷ پر لکھا ہوگا :

انھم ھم الفائزون۔ (بیشک وہی لوگ کامیاب ہیں)

نمبر ۸ پر لکھا ہوگا :

صرتم آمنین لا تخافوا ابدا۔

(تم امن والے ہو اور ہمیشہ بے خوف رہو)

نمبر ۹ پر لکھا ہوگا :

رافقتم النبیین والصدیقین والشھداء۔

(تم انبیاء وصدیقین اور شہداء کے رفیق ہوئے)

نمبر ۱۰ پر لکھا ہوگا :

فی جوار من لا یؤذی الجیران۔

(تم ان کی ہمسائگی میں ہو جو اپنے ہمسایوں کو ایذا نہیں پہنچاتے)

پھر فرشتہ کہے گا :

ادخلوا بسلام آمنین۔

(بہشت میں امن والے ہو کر داخل ہو جاؤ)

وہ بہشت میں داخل ہو کر کہیں گے :

الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن الخ

قدر والے ہی قدر جانتے ہیں

اے جواں مرد! تریاق کی قدر مار گزیدہ جانتا ہے۔ آتش سوزاں کی قدر پروانہ کو ہے۔ یوسف کے پیراہن کی قدر یعقوب علیہ السلام جانتے ہیں۔ جو بے قدر ہے اسے لاکھ تریاق و دوا سے بیکار سمجھے گا۔ اس مار گزیدہ کو تریاق دو جس کی جان لبوں پر ہے۔ غم خوردہ دل شکستہ کو معلوم ہوگا جب بہشت میں داخل ہوگا اسے بہشت کی قدر معلوم ہوگی۔ اس وقت کہیں گے، الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن الخ۔ تھوڑا صبر کیجئے عنقریب ایسے درویش دلریش کو بہشت میں داخل کریں گے اور ولدان و غلمان اس کے استقبال کے لیے آئیں گے اور لے

بہشت کے بلند تخت پر بٹھائیں گے اور بہترین فرش اس کے آگے بچھائیں گے اس کی محنت کی شب ختم ہوگی اور راحت وسعادت کا سورج افقِ کرامت سے طلوع کرے گا اور الطاف وکرم مالک کریم کے بندے پر ہوں گے تو وہ نازونعم سے کہے گا الحمد للہ الذی الخ۔

نماند ایں شبِ تاریک می رسد سحرش
نماند ابر ز خورشید میرود کدرش

ترجمہ: یہ شبِ تاریک ہمیشہ نہیں رہے گی آخر سحر ہوگی۔ اور سورج پر ہمیشہ بادل نہیں چھائے گا بلکہ چھٹ جائے گا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے انکشاف کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور وہ جو کافر ہیں۔ یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے وجود یا اس کی وحدت کا انکار کیا لَهُمْ انہیں اس کفر جو اکبر الکبائر واقبح القبائح کی وجہ سے نَارُ جَهَنَّمَ جہنم کی آگ ہے جس کی مشابہت کوئی آگ نہیں رکھتی لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ ان کا دوسری موت سے کوئی فیصلہ نہ ہوگا یعنی ان کے دوزخ میں داخل ہونے کے بعد پھر کوئی موت نہیں آئے گی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے فَيَمُوْتُوْا جس سے وہ مر کر عذاب سے راحت پائیں اس کا منصوب ہونا اَنْ مقدر کی وجہ سے ہے اس لیے کہ فیموتوا نفی کا جواب ہے وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا اور عذاب سے انہیں تخفیف نصیب نہ ہوگی پل بھر تو کیا آنکھ جھپکنے کی مقدار بھی انہیں عذاب سے فرصت نہ دی جائیگی بلکہ جب آگ بجھنے کو آئے گی تو اسے اور جوش دیا جائے گا یعنی ان کے عذاب کی آگ کا جوش کبھی ٹھنڈا نہ ہوگا۔ آگ میں ذرا سا بجھنا محسوس ہوگا تو اس میں اور جوش پیدا کر دیا جائے گا۔

ازالۂ وہم اس سے یہ وہم نہ ہو کہ آگ کے بجھنے کی دیر ان کو تخفیف مل جائے گی بلکہ اس میں اشارہ ہے کہ ان پر عذاب بدستور رہے گا صرف آگ میں کمی ہو گی تو فوراً پوری کر دی جائے گی۔

(کما فی الکشف الاسرار)

ف عنهم، لا تخفف کا نائب فاعل اور من عذابها محلاً منصوب یا اس کا بالعکس یا زائد ہو تو مرفوع اور فاعل ہے۔

كَذٰلِكَ اسی شدید جزاء (سزا) خوفناک کے نَجْزِيْ ہم جزا (سزا) دیتے ہیں كُلَّ كَفُوْرٍ ○ ہر بڑے کافر کو یعنی جو کفر میں یا ناشکری میں بڑا تھا اتنی سخت اور بڑی سزا ہوگی کہ اس جیسی سزا اور کسی کو نہ ہوگی وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا اور وہ کافر دوزخ میں فریاد رسی چاہیں گے

حلِ لغات اصطراخ افتعال از صراخ بمعنے شدت وجد وجہد سے آواز کرنا۔ اس پر طاء مبالغہ کی ہے جیسے اصطبار و اصطفا و اصطناح و اصطیاد ان سب میں طاء مبالغہ کی ہے اور اصطراخ بمعنے کسی مددگار کو فریادرسی اور شفاعت کے لیے زور سے پکارنا۔

رَبَّنَا یقولون محذوف ہے، کہیں گے اے ہمارے پروردگار اَخْرِجْنَا ہمیں آگ سے نکال اور اس کے عذاب سے بچا اور دنیا کی طرف ہمیں واپس کر دے نَعْمَلْ صَالِحًا تاکہ ہم نیک عمل کریں یعنی کفر کی بجائے ایمان لائیں اور معصیت کے بجائے اطاعت کریں۔

سوال : تم نے ایمان کا معنیٰ کہاں سے نکال لیا؟

جواب ، چونکہ اعمال کی قبولیت کا دارومدار ایمان پر ہے اسی لیے ہم نے مشہور عقیدہ کے اعتبار سے ایمان کی قید لگائی ہے۔

غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ان کردار کے بجائے دوسرے وہ اعمال کریں گے جو ان کے غیر تھے۔

سوال : یہ لوگ اپنے اعمال کو اب غیر کی قید لگا رہے ہیں حالانکہ اس سے قبل صالح عمل کا اظہار تو کر چکے ہیں۔

جواب ، دنیا میں ہر مذہب بلکہ کفار و مشرکین اپنے اعمال کو صالح نیک سمجھتے تھے لیکن آخرت میں جب ظاہر ہو گا کہ ان کے کردار تو الٹا انہیں جہنم میں لے گئے تو پھر اب انہیں کہنا پڑا کہ ہم جو پہلے عمل کرتے تھے ان کو چھوڑ کر ان کے غیر وہ عمل کریں گے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے نیازمندوں سے کرتے تھے۔

اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں جواب ملے گا اور ان کو توبیخ کی جائے گی ہمزہ انکار کا اور نفی و عطف مقدر جملہ پر ہے جیسا کہ مقام کا تقاضا ہے۔ التعمیر بمعنے زندگی دینا۔ حیات سے عمارت بدن کی مدت کو عمر کہا جاتا ہے ما نکرہ موصوف یا مصدریہ ہے۔ اس سے زمانہ مراد ہے جیسے کہا جاتا ہے،

آتیك غروب الشمس۔

(میں تیرے پاس غروبِ شمس کے وقت آؤں گا)

تذکر بمعنے نصیحت لینا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کیا ہم نے تمہیں مہلت نہیں دی تھی اور تمہیں زندگی نہیں بخشی تھی جس میں تمہیں نصیحت حاصل کرنے کا بہت زیادہ وقت مل گیا تھا کہ اس میں نصیحت پانے والا بخوبی نصیحت پا سکتا تھا اور اپنے حال کی اصلاح کر سکتا تھا اگرچہ اس میں تھوڑے سے وقت میں اصلاح کر لیتے تو آج بہت بڑی زجر و توبیخ سے بچ جاتے۔ یعنی انسان کو سن بلوغ کے بعد جب اللہ تعالےٰ

کی طرف سے عقل کی نعمت نصیب ہوتی ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ صانع کی مصنوعات میں غور و فکر کرے یعنی کہ صرف وہی معبود ہے اور عبادت و طاعت صرف اسی کو لائق ہے پھر جب اٹھارہ بیس سال کی عمر کو پہنچتا ہے تو عقل و فکر کی قوت مضبوط ہو جاتی ہے اس وقت اس پر حجت قائم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد نظر و فکر جدھر استعمال کرے اس کے اختیار میں ہے۔

حدیث شریف میں ہے،

اعذر اللہ الی امرئ واخر اجلہ حتی بلغ ستین سنۃ۔

(اللہ تعالیٰ بندے کو توبہ وعذر کا وقت دیتا ہے اور اس کی عمر کو بڑھاتا ہے یہاں تک کہ ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے)

(پھر بھی اپنی اصلاح نہیں کرتا) یعنی اتنی بڑی عمر کے باوجود توبہ نہیں کرتا اور نہ ہی اپنی اصلاح کرتا ہے، پھر قیامت میں معذرت کیسی!

نکتہ اور حدیث شریف ساٹھ سال کی تعیین میں اشارہ ہے دوسری حدیث شریف کی طرف، جیسا کہ فرمایا:

اعمار امتی ما بین الستین الی السبعین۔

(میری اُمت کی عمریں ساٹھ سے ستر سال تک ہیں)

ف: بہت کم ایسے ہیں جو اس عمر سے تجاوز کرتے ہیں۔ ساٹھ سے ستر سال تک نصیحت قبول کرنے کی آخری عمر ہے کیونکہ اس کے بعد ہرم (بڑھاپے) کا دور ہے۔

فرشتے کی پکار حدیث شریف میں ہے،

ان اللہ ملکا ینادی کل یوم ولیلۃ ابناء الاربعین زرع قد دنا حصادہ وابناء الستین ما قدمتم وما عملتم وابناء السبعین ھلموا الی الحساب۔

(جب انسان چالیس سال کو پہنچتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے کھیتی کے کاٹنے کا وقت قریب ہو گیا جب ساٹھ سال کا ہوتا ہے تو کہتا ہے وہی پاؤ گے جو تم نے عمل کیے۔ جب ستر سال کا ہو جاتا ہے تو کہتا ہے حساب کے لیے آؤ)

حکایت غوثِ اعظم قدس سرہٗ حضور سیدنا غوثِ اعظم قدس سرہٗ کے ہاں اگر نوجوان توبہ کے لیے حاضر ہوتا تو فرماتے، تُو نہیں آیا جب تک کہ تجھے بلایا نہیں گیا۔ مشکل سفر سے تُو خود نہیں لوٹا یہاں تک کہ تجھے لوٹایا گیا، اے فلاں! ہم نے تجھے نہیں چھوڑا،

اس کے لیے جو تُو نے ہمیں چھوڑا اور ہم نے تجھے نہیں بھلایا اس کے لیے جو تم نے ہمیں نہیں بھلایا تو اپنی عزت میں ہے ہم تیری حفاظت میں پھر ہم نے تجھے اپنے قرب کے لیے متحرک کیا اور تیرے انس سے تیرے پاس آئے ۔ اور جب آپ کے پاس کوئی بوڑھا توبہ کے لیے کھڑا ہوتا تو فرماتے ، اے فلاں ! تُو نے خطا کی یہاں تک کہ تُو بوڑھا ہو گیا اور تیرا ہمزاد (جن) سرکش ہو گیا تُو نے ہمیں بچپن سے چھوڑ دیا ہم نے تجھے معذور رکھا تُو ہم سے شباب میں دُور رہا ہم نے تجھے مُہلت دی تُو نے بڑھاپے میں ہم سے بغض رکھا ہم تجھ سے بیزار رہے اگر تُو اب واپس آ گیا ہے تو ہم تجھے قبول کرتے ہیں ؎

دل ز دنیا زود تر گردد جوانان را خنک
کنگی از سردیٔ آبست مانع کوزہ را

ترجمہ : دنیا سے جوانوں کے دل بہت جلد خوش ہوتے ہیں بڑھاپا سردی کی وجہ سے پانی کو کوزے سے روکتا ہے ۔

بڑھاپے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا طریقِ کار

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب چالیس سال کو پہنچتے یا بڑھاپے کے آثار پاتے تو عبادت کے لیے جد و جہد تیز کر دیتے اور بستر لپیٹ کر شب بیداری میں وقت گزارتے ۔ لیکن چالیس سال کی قید اتفاقی ہے اس سے کم سال سے بھی اگر کوئی عبادت میں جد و جہد شروع کر دے تو رکاوٹ نہیں کیونکہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں کیا معلوم کب آ جائے ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو خوابِ غفلت سے بیدار فرمائے ۔

وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ اور تمہارے پاس ڈرانے والے آئے ۔ اس کا عطف جملہ استفہامیہ پر ہے کہ یہ قد عمرنا کم کے معنیٰ میں ہے بایں معنیٰ کہ ہمزہ انکاری جب نفی پر داخل ہو تو تقریر کا فائدہ ہے جیسے :

الم نشرح لك صدرك ووضعنا الخ
(کیا ہم نے تمہارا سینہ نہیں کھولا ...)

اب یہ قد شرحنا الخ کے معنیٰ میں ہے یعنی بیشک ہم نے تمہارا سینہ کھولا ۔

ف : آیت میں النذیر (ڈرانے والا) سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں ۔ یہی جمہور کا مذہب ہے یا اس کے ساتھ قرآن اور عقل بھی مراد ہو سکتا ہے کیونکہ یہ دونوں خیر و شر کا فرق بتاتے ہیں یا اس سے رشتہ داروں اور ہمسائیگان اور برادران کی موت یا بڑھاپا مراد ہے ۔ لیکن اس سے بڑھاپا مراد لینا عام نہیں کیونکہ اس میں سارے لوگ شامل نہیں ہو سکتے ۔

ف : امام شافعی مرحوم نے فرمایا اکثر علماء کہتے ہیں کہ نذیر سے مراد بڑھاپا ہے اس لیے کہ بڑھاپا انسان کی زندگی کے شعلے بجھا دیتا ہے اور یہ زمانہ آئینۂ ذات پر زنگ لاتا ہے۔

۱ نوبت پیری چو زند کوس درد
دل شود از خوشدلی وعیش فرد
۲ در تن و اندام در آید شکست
لرزہ کند پائے و دستی چو دست
۳ موئے سفید از اجل آرد پیام
پشت خم از مرگ رساند سلام

ترجمہ : (۱) جب بڑھاپا نقارہ بجاتا ہے دل خوشدلی اور عیش سے کمزور پڑ جاتا ہے۔
(۲) جسم اور اعضاء میں شکست آجاتی ہے پھر ہاتھ اور پاؤں لرزتے ہیں۔
(۳) سفید بال اجل کا پیام لاتے ہیں کمر کا ٹیڑھا پن موت کا سلام دیتا ہے۔

اعجوبہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کے بال سفید پیدا ہوئے عرض کی، یا الٰہ العالمین! یہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یہ دنیا کا وقار اور آخرت کا نور ہے۔ عرض کی: اے میرے پروردگار! اس نور اور وقار میں اضافہ فرما۔

حدیث شریف میں ہے:
ان اللہ یبغض الشیخ الغربیب۔
(بے شک اللہ تعالیٰ بوڑھے سیاہ بالوں والے سے بغض رکھتا ہے)
یعنی وہ سیاہ بالوں والا جو سفید بالوں کو سیاہ کرتا ہے۔ کما فی المقاصد الحسنۃ۔
اور الکواشی نے لکھا کہ نذیر سے یہ مراد لینا بھی جائز ہے جو انسان کے مختلف دور بدلتے ہیں اس لیے انسان کو ہر دور کے آنے پر متنبہ ہونا چاہیے۔ اسی لیے اہل اصول نے کہا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے دو اقوال میں سے صحیح تر یہ ہے کہ حج فرض ہونے کے بعد تاخیر جائز ہے۔ ہاں اگر گمان غالب ہو کہ اگر اس سال نہ جاؤں گا تو موت آجائے گی تو جلدی کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ : اگر حج سے پہلے فوت ہوا پھر دیکھا جائے گا اگر موت اچانک واقع ہوئی ہے تو گناہ نہ ہوگا اگر موت کے آثار محسوس ہو تے تھے پھر بھی تاخیر کی تو گنہگار ہوگا کیونکہ دلیل قائم تھی (باقی ص ۵۴۱ پر)

إِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ هُوَ
الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰۗىِٕفَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۭ وَلَا يَزِيْدُ
الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ
اِلَّا خَسَارًا ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَاۗءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ
اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ
كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰي بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا
اِلَّا غُرُوْرًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ڬ وَلَىِٕنْ
زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝ وَ
اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَىِٕنْ جَاۗءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى
مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَۨا ۝ اسْتِكْبَارًا
فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۭ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ۭ فَهَلْ
يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ڬ وَلَنْ
تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۝ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَمَا
كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ
عَلِيْمًا قَدِيْرًا ۝ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰي ظَهْرِهَا
مِنْ دَاۗبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ
اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ۝ ع

ترجمہ: بیشک اللہ جاننے والا ہے آسمان اور زمین کی ہر چھپی بات کا، بیشک وہ دلوں کی
بات جانتا ہے وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں اگلوں کا جانشین کیا تو جو کفر کرے اس کا کفر

اسی پر پڑے اور کافروں کو ان کا کفر ان کے رب کے یہاں نہیں بڑھائے گا مگر بیزاری اور کافروں کا
کفر نہ بڑھائے گا مگر نقصان - تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو اپنے وہ شریک جنہیں اللہ کے سوا پوجتے ہو
مجھے دکھاؤ انہوں نے زمین میں سے کون سا حصہ بنایا یا آسمانوں میں کچھ ان کا ساجھا ہے یا ہم
نے انہیں کوئی کتاب دی ہے کہ وہ اس کی روشن دلیلوں پر ہیں بلکہ ظالم آپس میں ایک دوسرے
کو وعدہ نہیں دیتے مگر فریب کا - بیشک اللہ روکے ہوئے ہے آسمانوں اور زمین کو کہ جنبش نہ
کریں اور اگر وہ ہٹ جائیں تو انہیں کون روکے اللہ کے سوا بے شک وہ علم والا بخشنے والا ہے
اور انہوں نے اللہ کی قسم کھائی اپنی قسموں میں حد کی کوشش سے کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈر سنانے والا
آیا تو وہ ضرور کسی نہ کسی گروہ سے زیادہ راہ پر ہوں گے پھر جب ان کے پاس ڈر سنانے والا تشریف
لایا تو اس نے انہیں نہ بڑھایا مگر نفرت کرنا - اپنی جان کو زمین میں اونچا کھینچنا اور برا داؤں اپنے
چلنے والے ہی پر پڑتا ہے تو کاہے کے انتظار میں ہیں مگر اسی کے جو اگلوں کا دستور ہوا تو تم
ہرگز اللہ کے دستور کو بدلتا نہ پاؤ گے اور ہرگز اللہ کے قانون کو ٹلتا نہ پاؤ گے اور کیا انہوں نے
زمین میں سفر نہ کیا کہ دیکھتے ان سے اگلوں کا کیسا انجام ہوا اور وہ ان سے زور میں سخت تھے - اور
اللہ وہ نہیں جس کے قابو سے نکل سکے کوئی شے آسمانوں اور نہ زمین میں بے شک وہ علم و قدرت
والا ہے - اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے کیے پر پکڑتا تو زمین کی پیٹھ پر کوئی چلنے والا نہ چھوڑتا
لیکن ایک مقررہ میعاد تک انھیں ڈھیل دیتا ہے پھر جب ان کا وعدہ آئے گا تو بیشک اللہ
کے سب بندے اس کی نگاہ میں ہیں -

(بقیہ صفحہ ۵۳۹) کیونکہ اس کا دل خود گمراہ ہے اسی لیے اس نے تنگی خود اختیار کی ہے -
ف : ایک روایت میں ہے کہ جب دوزخی دوزخ میں شور مچائیں گے اور کہیں گے یا الٰہ العٰلمین
ہمیں دنیا میں بھیج دے تاکہ ہم نیک عمل کریں اور یہ فریاد ان کی دنیا کی عمر کے مطابق ہو گی پھر اس پر
اللہ تعالیٰ جواب میں فرمائے گا : تمہیں میں نے بڑی زندگی عطا فرمائی تھی اور ڈرانے والے بھیجے -
عرض کریں گے کہ ہم نے زندگی بھی پائی اور ڈرانے والے بھی دیکھے - اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا :
فَذُوْقُوْا تو دوزخ کا عذاب چکھو - فا، امر کی ترتیب کے لیے ہے جو ذوق کو ما قبل سے ملانے
کے لیے ہے فَمَا فا، تعلیل ہے لِلظّٰلِمِیْنَ کفر و معاصی سے اپنے نفسوں پر ظلم کرتے
ہیں ان کے لیے نہیں مِنْ نَّصِیْرٍ ○ مددگاروں سے جو انہیں عذاب سے بچائیں - اس لیے

اشارہ ہے کہ وہ دنیا میں نیند میں تھے اسی لیے انہیں عذاب کا ذائقہ محسوس نہیں ہوتا تھا جب مر گئے اور مرنے کے بعد اٹھے اور بیدار ہوئے تو اسے چکھ کر محسوس کیا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ اللّٰہَ عٰلِمُ غَیۡبِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ بیشک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کے غیب جاننے والا ہے اس کے ساتھ آسمانوں اور زمینوں کے اندر کی ہر شے کا علم جو شے بندوں سے غیب اور مخفی ہے اس کا علم اس کو محیط ہے تو پھر اس سے ان کا حال کیسے مخفی ہو سکتا ہے اگر وہ دنیا میں دوبارہ لوٹائے جائیں تب بھی وہی کریں گے جس سے انہیں روکا گیا اِنَّہٗ بے شک وہ اللہ تعالیٰ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ دلوں والوں کی باتوں کو جانتا ہے۔

سوال : ذوات الصدور کی بجائے ذات الصدور کیوں کہا ؟

جواب : جنس مراد ہے اس لیے کہ ذات ذو کا تثنیہ ہے بمعنے صاحب۔ اب معنی یہ ہوگا کہ ہر صاحب قلب کی ہر پوشیدہ بات کو جانتا ہے۔ یہاں موصوف کو حذف کر کے صفت کو اس کے قائم مقام رکھا گیا ہے جو واردات قلوب پر وارد ہوتے ہیں ان کو صاحب کہا ہے اس لیے کہ یہ واردات قلوب کو لازم اور ان میں حلول کرنے والے ہیں جیسے لبن کو ذوالاناء اور عورت کے بچے یعنی جنین کو ذوالبطن کہا جاتا ہے اسی معنی پر اضافت ادنیٰ ملابست کی وجہ سے ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ مخلصین کے اخلاص اور صادقین کے صدق کو جانتا ہے اس لیے کہ وہ قلوب کے آسمانوں کے غیب ہیں اور وہ منافقین کے نفاق اور منکرین کے انکار کو جانتا ہے اس لیے کہ وہ نفوس کی زمین کے غیب ہیں اس میں وعدہ وعید ہے پہلا جنت وقربت کا دوسرا نار وفرقت کا حکم ہے۔

بندوں نے عرض کی یا رب! جس میں خیر نہ ہو اس کا کیا حکم ہے ؟ فرمایا : جس میں خیر نہ ہوگی اسے جہنم میں داخل کروں گا ۔

۱ در خلائق روحہائے پاک ہست
روحہائے تیرۂ گلناک ہست

۲ واجبست اظہار ایں نیک وتباہ
ہمچناں اظہار گندمہا ز کاہ

ترجمہ (۱) مخلوق میں روح پاک ہیں روح تو گل کا نچوڑ ہیں۔

(۲) ان میں نیک اور بُرے کا اظہار ضروری ہے جیسے گندم کو گھاس سے نمایاں کرنا ضروری ہے۔

تفسیر عالمانہ هُوَ مبتدا اور اس کی خبر الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ جس نے تمہیں زمین میں دوسروں کا جانشین بنایا ہے خلائف خلیفہ کی جمع ہے اور خلفاء خلیف کی، بمعنے مستخلف یعنی جانشین یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی زمین کا خلیفہ بنا کر اس کے تصرف کی چابیاں تمہارے سپرد فرمائیں اور تمہیں اس پر مسلط فرمایا ہے اور اس کے منافع تمہارے لیے مباح فرمائے یا یہ معنیٰ ہے کہ تمہیں گزشتہ اُمتوں کے لیے اس زمین پر جانشین بنایا ہے، اور متاع دنیا جو ان کے ہاتھ میں تھی اب تمہارے سپرد کر دی ہے تاکہ تم اس کی توحید کا اقرار اور اس کی اطاعت کر کے شکر گزار بندے بنو۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ زمین میں افاضل و اراذل کے تم نائب ہو۔ افاضل تو اپنے اخلاق ربانیہ اور علوم لدنیہ کے آئینہ میں اس کے جمال صنائع کو ظاہر کرتے ہیں اور اراذل اپنی حرفت اور ہاتھوں کے کسب سے کمال بدائع کو ظاہر کرتے ہیں۔

ف : یہ بھی ان کی خلافت میں سے ہے کہ بہت سے کام اللہ تعالیٰ نے اپنی اپنی مخلوق میں اپنی خلافت کا نائب بنایا ہے۔ مثلاً روٹی کیلئے گندم کو پیدا کر کے انسان کو اپنی خلافت بخشی کہ وہ اسے پیسے اور روٹی پکا کر کھائے۔ ایسے ہی روئی پیدا فرمائی تو انسان کو اپنی نیابت میں یہ طاقت بخشی کہ اسے کات کر کپڑا تیار کر کے پہنے اور پہنائے، وغیرہ۔

تفسیر عالمانہ فَمَنْ كَفَرَ پس تم میں جو بھی اس کی نعمت خلافت کا کفر کرے گا کہ اپنے خلیفہ بنانے والے کے امر کا خلاف اور اس کے احکام کی خلاف ورزی اور اپنی خواہش کا اتباع کرے گا فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ تو اس کے کفر کا وبال اور سزا اس پر ہوگی یعنی راندۂ درگاہ اور لعین و ناری ہوگا اور یہ سزا صرف اسے ملے گی اس سے متجاوز ہو کر کسی دوسرے کو سزا نہ ملے گی وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا اور ان کے رب کے ہاں ان کا کفر نہ بڑھائے گا مگر غضب کو۔

حلِ لغات المفردات میں ہے المقت بمعنے البغض الشدید۔ اس کے لیے جو قبیح فعل کا مرتکب ہے یعنی ان کا کفر اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اس میں ہمیشہ سزا یاب رہیں گے۔

وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ○ اور کافرین کا کفر نہیں بڑھایا مگر خسارے کو

یعنی آخرت کا گھاٹا جو جنّت سے محرومی کا دوسرا نام ہے۔

ف : یہ تکرار تقریر اور تنبیہ کے لیے ہے کہ ان دونوں کے لیے دونوں امر قبیح بالاستقلال و بالاصالۃ ہیں اور ان کی تنکیر تعظیم کے لیے ہے یعنی غضب عظیم کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی غضب نہ ہوگا اور خسارۂ عظیم کہ اس سے زیادہ خسارہ اور کوئی نہ ہوگا۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ کیا تم نے دیکھا ہے شُرَكَآءَكُمُ اپنے معبودوں اور بتوں کو۔

سوال : شرکائی کے بجائے شرکاءکم کیوں فرمایا؟

جواب : چونکہ انھوں نے بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک اپنے گمان فاسد پر بنا رکھا تھا جس کا کوئی قانون اور ضابطہ نہیں۔

الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ جنہیں تم پکارتے ہو اور پرستش کرتے ہو مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ تمہارا حال یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی پکار و پرستش سے تجاوز کرتے ہو اَرُوْنِيْ مجھے خبر دو مجھے دکھاؤ اور اس کی مجھے خبر کرو۔ یہ معنی اس لیے ہے کہ رویت علم اخبار کا سبب ہیں اسی لیے ارادۂ اخبار کے معنیٰ میں ہے اور اَرونی اَرءیتم سے بدل الاشتمال ہے گویا یوں کہا گیا ہے کہ مجھے اپنے بتوں کی خبر دے کر مجھے دکھاؤ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ انہوں نے زمین کے اجزاء میں سے کوئی حصّہ مستقل طور پر پیدا کیا ہو، یہاں استفہام بمعنے نفی ہے یعنی زمین میں سے کون سی شے کو تمہارے بتوں نے پیدا کیا ہے اَمْ لَهُمْ کیا ان کے لیے شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ شرکت ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ آسمانوں کے پیدا کرنے میں جس کی وجہ سے وہ الوہیت میں اس کے شریک ہیں اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ یا ہم نے انہیں دیا ہے۔ هُمْ کی ضمیر مشرکین کی طرف لوٹانا بھی جائز ہے كِتٰبًا کوئی کتاب جس میں لکھا ہو کہ میں نے انہیں اپنا شریک بنایا ہے فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حجت رکھتے ہیں کہ کتاب بتاتی ہے کہ یہ اس کے شریک بنائے گئے ہیں۔

ربط : دلائل قائم کرنے کے بعد اب بتایا کہ بتوں کی پرستش پر انہیں کس نے ابھارا۔

بَلْ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اِنْ نافیہ ہے يَعِدُ الظّٰلِمُوْنَ نہیں وعدہ کرتے ظالمین یعنی مشرکین، ای سے ان کے بڑے اور سردار مراد ہیں بَعْضُهُمْ بَعْضًا کسی سے، ان سے ان کے چھوٹے اور فرمانبردار مراد ہیں اِلَّا غُرُوْرًا ۝ مگر دھوکے کا جس کی کوئی اصل نہیں ہوتی۔ مثلاً کہتے ہیں،

ھٰؤلاء شفعاؤنا عند اللہ۔

(یہی اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں)

یہ خالص دھوکا ہے۔ اس سے ان کے آراء کی خفت کا اظہار ہے اور یہ بتانا مطلوب ہے کہ ان کے افعال، احوال مذموم اور ان کے ارادے خسیس اور ان کے عقول نقصان میں ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے منہ موڑ کر ماسوی اللہ کی طرف متوجہ ہیں۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ توحید کی تحقیق و تصحیح کرے اور ہر فعل کا فاعل و خالق اللہ تعالیٰ کو سمجھے۔

حکایت حضرت ذوالنون مصری قدس سرہٗ فرماتے ہیں میں بنی اسرائیل کے جنگل میں چل رہا تھا کہ ایک نوجوان کالے رنگ والی لڑکی کو دیکھا جس کا دامن عشقِ الٰہی سے پُر تھا اور آسمان کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہی تھی، میں نے کہا:

یا اختاہ السلام علیک۔

جواباً کہا:

وعلیک السلام یا ذوالنون۔

میں نے پوچھا:

من این عرفتنی یا جاریہ۔ (مجھے کیسے پہچانا اے لڑکی؟)

اس نے کہا:

یا بطال ان اللہ تعالیٰ خلق الارواح قبل الاجساد بالفی عام ثم ادارھا حول العرش فما تعارف منھا ائتلف وما تناکر منھا اختلف فعرفت روحی روحک فی ذالک الجولان۔

(اے بندۂ خدا بیشک اللہ تعالیٰ نے ارواح اجسام سے دو ہزار سال پہلے پیدا فرمائے پھر انہیں عرش کے گرد گھمایا جس نے کسی کو پہچانا تو آپس میں محبت کی جو نہ پہچان سکا مختلف ہوا۔ اسی دوران میری روح نے تیری روح کو پہچان لیا تھا)

میں نے کہا:

انی لاراک حکیمۃ علمینی شیئاً مما علمک اللہ۔

(تو دانا معلوم ہوتی ہے مجھے کوئی نصیحت کر دو)

اس نے کہا:

یا ابا الفیض ضع علی جوارحک میزان القسط حتی یذوب کل ما کان لغیر اللہ و

ویبقی القلب مصفی لیس فیه غیر الرب فحینئذ یقیمك علی الباب ویولیك ولایة جدیدة ویأمر الخزان لك بالطاعة۔

(اے ابوالفیض اپنے جسم پر انصاف کا ترازو رکھو یہاں تک کہ ماسوی اللہ گل جائے اور تیرا قلب ایسا صاف ہو جائے کہ اس میں سوائے رب کے اور کچھ نہ ہو اس وقت تجھے اس کے دروازے پر قیام نصیب ہوگا اور جدید دوستی میں داخل فرمائے گا اور طاعت کے لیے بالمشافہ حکم فرمائے گا)

میں نے کہا:

یا اختاہ تزیدینی۔

(اے بہن! کچھ اور۔)

فرمایا:

یا ابا الفیض خذ من نفسك لنفسك واطع اللہ اذا خلوت یجبك اذا دعوت ولن یستجیب الا من قلب غیر غافل وھو قلب الموحد الحقیقی الذی زال عنہ الشرك مطلقا۔

(اے ابوالفیض! اپنے لیے اپنے نفس سے کچھ لیجئے خلوت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کیجئے پھر جب بھی اس سے دعا مانگو گے قبول ہو گی اور جب تمہارا دل غافل ہو تو اس وقت دعا قبول نہ ہو گی اور موحد حقیقی وہ ہے کہ جس کے دل سے مطلقاً شرک مٹ جائے)

ع

اگرچہ آئینہ داری از برائے رخش
ولے چہ سود کہ داری ہمیشہ آئینہ تار
بیا بصیقل توحید ز آئینہ بزدائے
غبار شرک کہ ناپاک کردہ از زنگار

ترجمہ: اگر تمہارے پاس آئینہ ہے اس کا چہرہ سیاہ ہے تو کیا فائدہ، آئیے صیقل سے آئینہ صاف کر لیجئے یعنی شرک کی میل کچیل دور کیجئے تاکہ تمہارا دل دنیوی گرد و غبار سے صاف و شفاف ہو۔

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بیشک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو اپنی قدرت سے محفوظ رکھتا ہے۔ الامساك ارسال کی ضد ہے بمعنے تعلق الشئی وحفظہ۔ اَنْ تَزُوْلَا یہ کہ زائل ہوں۔ الزوال بمعنے الذہاب ہر شے کے لیے استعمال ہوتا ہے جو ثابت ہونے کے بعد زائل ہو یعنی اسے گوارا نہیں کہ یہ دونوں اپنی جگہ سے ہٹ جائیں کیونکہ ممکن کا قاعدہ ہے کہ اس کی بقا کے لیے محافظ ضروری ہے اس معنیٰ پر یہ یمسك کا مفعول لہ ہے یا یہ معنیٰ ہے کہ ان کو زوال سے روکتا ہے کیونکہ امساك بمعنے منع بھی آیا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں،

(امسکت عنہ (میں نے اسے روکا)

اس معنیٰ پر یہ مفعول بہ ہے۔

وَلَئِنْ زَالَتَا بخدا اگر یہ آسمان وزمین اپنے مراکز ومقامات سے ہٹ جائیں یعنی انہیں چھوڑ جائیں جیسے قیامت میں ہوگا اِنْ نافیہ ہے اَمْسَكَهُمَا نہ روکے گا یعنی نہیں کوئی طاقت جو پھر انہیں اپنے مراکز میں لوٹائے مِنْ اَحَدٍ کوئی ایک من زائدہ ہے ان ہر ایک کے امساک کی تاکید کھلتی ہے مِّنْۢ بَعْدِهٖ ابتدائیہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی حفاظت یا زوال کے بعد جملہ قسم اور شرط دونوں کے جواب کے قائم مقام ہے اِنَّهٗ بیشک اللہ تعالیٰ كَانَ ہے حَلِيْمًا حلیم کہ سزا دینے میں عجلت نہیں فرماتا کفار کے کفر کی غلطیوں کی وجہ سے جن کا وہ ارتکاب کرتے ہیں وہ اس لائق ہیں کہ ان پر زمین وآسمان گر جائیں جبکہ ان کا کفر وشرک بڑا سنگین جرم ہے غَفُوْرًا ۝ غفور ہے اس کے لیے جو کلمۂ کفر سے رجوع کر کے کلمۂ توحید کا قائل ہو جائے۔ حلم بمعنے ہیجان الغضب سے ضبط النفس والطبع کرنا۔ کما فی المفردات۔

حلیم وصبور میں فرق مجرم عقوبت پر صبور کی گرفت سے مامون نہیں ہوتا اور حلیم کی گرفت سے مامون ہوتا ہے یعنی آخرت میں صبور کی گرفت کا خطرہ رہتا ہے بخلاف حلیم کے کہ اس سے کوئی خطرہ نہیں ہوتا کما فی المفاتیح۔ لیکن یہ اہل ایمان کے متعلق ہے بخلاف کفار کے کہ وہ اس لائق نہیں کہ ان کو کوئی خطرہ نہ ہو۔

ف : بحر العلوم میں ہے کہ الحلیم کا مجازی معنیٰ ہے کہ وہ اپنے بندوں سے اس طرح کرے جو ایک باحوصلہ انسان مجرم کے ساتھ کرتا ہے کہ ان کے جرائم کی کثرت کے باوجود ان کی سزا میں جلدی نہ کرے۔

ف : شرح الاسماء للامام الغزالی رحمہ اللہ میں ہے کہ الحلیم وہ ہے جو عاصیوں کے معاصی

اور امر کی مخالفت کو دیکھتے ہوئے اس کا غضب جوش نہ کرے اور نہ ہی غصہ کو عمل میں لائے باوجود بدلہ لینے کی قدرت کے انتقام میں جلد بازی نہ کرے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ اس اسم کے مطابق اپنے عقاید سنوارے کہ لوگوں کی غلطیوں سے درگزر کرے ان کے جرائم سے چشم پوشی کرے بلکہ ہر ممکن بُرے کے ساتھ احسان کرے۔ یہی انسان کا کمال ہے۔

سے

بدی را بدی سہل باشد جزا
اگر مردے احسن الیٰ من اساء

ترجمہ: برائی کا بدلہ برائی آسان ہے اگر تُو جواں مرد ہے تو اس کے ساتھ احسان کر جس نے تیرے ساتھ برائی کی ہے۔

قید سے رہائی ایک آدمی قتل کے کیس میں محبوس تھا اس کے لیے جلد پھانسی کا حکم تھا۔ اُسے روزانہ ہر وقت یہی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ ایک رات نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپ نے فرمایا کہ آیت مذکورہ (ان اللہ یمسک الخ) پڑھ تجھے نجات مل جائے گی۔ عرض کی، کتنی بار پڑھوں؟ فرمایا: چار سو بار۔ اس نے پڑھنا شروع کیا، بیس دنوں میں ختم کی تو اُسے رہائی کا پروانہ مل گیا۔[1]

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ آسمان وزمین سے ارواح واجسام مراد ہیں جیسے اللہ تعالیٰ عالم صورت کے بالا وزیر (آسمان وزمین) کی حفاظت فرماتا ہے۔ ایسے ہی ان کے خلاصہ یعنی عالم انسان کی بھی وہی حفاظت فرماتا ہے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ مجرم اگرچہ سزا کا مستحق ہے لیکن اسم حلیم کا تقاضا ہے کہ اسے سزا نہ دی جائے بلکہ بالکل اس سے درگزر فرماتے۔ آیت پر مداومت سے فضل الٰہی اور جسم وروح پر نزول رحمت اور اس کا بقا نصیب ہوتا ہے۔

ف: یاد رہے کہ توحید جملہ عالم کے نظام کا سبب ہے کیا نہیں دیکھتے ہو کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک

---

[1] حفاظت حمل وغیرہ: فقیر اویسی کا تجربہ ہے کہ یہی آیت حمل کی حفاظت کے لیے لکھ کر پیٹ کے اوپر باندھی جائے تو حمل گرنے سے محفوظ رہتا ہے۔ ایسے ہی ہر بیماری مثلاً دست، قے وغیرہ کو روکنے کے لیے لکھ کر پانی وغیرہ میں دھو کر پلائی جائے، ان شاء اللہ فائدہ ہوگا۔ اویسی غفرلہٗ

ایک بندہ بھی اللہ اللہ کہنے والا موجود ہوگا۔ لیکن اس سے وہ بندہ مراد ہے جو حقیقی توحید کا حامل ہو پھر عالم ظہور عالم بطون کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ جب اہلِ توحید دنیا سے اٹھ جائیں گے تو عالم ظہور، عالم بطون کی طرف منتقل ہوگا تو عالم دنیا کو فانی کر کے اس کے اجزاء ریزہ ریزہ کر دئے جائیں گے کیونکہ وہ تو اس وقت جسد بلا روح کی مانند ہوگا اور روح جب جسم سے جدا ہو جاتی ہے تو جسم بہت جلد گل سڑ جاتا ہے۔

ف : آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان ہے کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت کیے ہوئے ہے انہیں گرنے نہیں دیتا اور ضائع نہیں ہونے دیتا۔ انسان چونکہ زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے اور یہی زمین و آسمان کا بمنزلہ ستون کے ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ عالم ارواح و اجسام کی حفاظت فرماتا ہے۔

اولیاءٌ کے طفیل دُنیا قایم ہے

فتوحاتِ مکیہ میں ہے کہ ہر ولایت و شہر یا بستی میں کسی ولی اللہ کا ہونا ضروری ہے کہ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس ولایت اور شہر یا بستی کی حفاظت فرماتا ہے وہاں کے مقیم مومن ہوں یا کافر۔

قیامت کی آخری نشانی

مروی ہے کہ انسان کا وہ آخری بچہ (کہ جس کے بعد ولادت کا سلسلہ منقطع ہوگا) چین میں پیدا ہوگا۔ جب سلسلۂ تولید منقطع ہو جائے گا یعنی مرد اور عورتیں بانجھ ہو جائیں گے اور وہ ان کو دعوتِ اسلام پیش کرے گا لیکن کوئی بھی اس کی بات نہ مانے گا اور یہ عدمِ تولید کا سلسلہ تمام عالمِ دنیا میں پھیل جائے گا، اور اللہ تعالیٰ اس وقت کے مومن مرد عورت کو موت دے گا تو اس کے بعد لوگ جانوروں کی طرح ہوں گے جنہیں حلال و حرام کی تمیز نہ ہوگی۔ پھر قیامت قایم ہوگی اور دنیا ویران اور خراب ہو جائے گی۔ پھر جملہ امورِ آخرت کی طرف منتقل ہو جائیں گے ؎

۱ مدارِ نظم امورِ جہاں انسانست
جمیع اہلِ جہاں جسم و جاں انسانست

۲ فنائے عالمِ صورت برحلتش مربوط
مقام بود سماوات کرد بارض ہبوط

ترجمہ: (۱) نظم امور کا مدار انسان ہے تمام اہلِ جہان انسان کا جسم و جان نہیں۔

(۲) عالمِ صورت کا فنا اس کے کوچ سے مربوط ہے آسمان کا ٹھہرنا زمین سے ہے جب وہ نہ ہوگی یہ بھی نہ ہوگا۔

تفسیر عالمانہ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ اقسم بمعنے حلف ۔ یہ قسامۃ سے ہے۔ وہ ایمان (قسمیں) جو مقتول کے اولیاء پر تقسیم ہوتی ہیں پھر ہر حلف قسم کے لیے استعمال ہونے لگا (المفردات) یہ ضمیر مشرکین کی طرف راجع ہے۔ معنیٰ یہ ہے کہ مکہ کے کفار و مشرکین نے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھائیں جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ مصدر حال کے محل میں ہے یعنی درانحالیکہ وہ قسمیں کھانے والے ہیں۔

حلِ لغات : الجهد بمعنے طاقت و مشقت ۔ بعض نے کہا الجهد (بالفتح) بمعنے المشقة ۔ الجهد (بالضم) بمعنے الوسع۔ الایمان (بالفتح) یمین کی جمع ہے بمعنے الحلف الیمین سے مستعار ہے بمعنے دایاں ہاتھ۔ اس لیے کہ قسم کھانے والا اور معاہدہ کرنے والا اسی کو عمل میں لاتا ہے۔ امام راغب نے فرمایا کہ انہوں نے قسمیں کھائیں اور ان میں اتنی جد و جہد کی کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق اسے عمل میں لائیں۔

ف : اہلِ جاہلیت کا طریقہ تھا کہ وہ اپنے آبا و اصنام وغیرہ کی قسمیں کھاتے تھے لیکن جب اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتے تو اسے جهد الیمین (پکی قسم) سے تعبیر کرتے اور یہ ان کے نزدیک بہت سخت قسم تھی ۔ جیسا کہ نابغہ نے کہا ؎

حلفت فلم اترك لنفسك ريبة

وليس وراء الله للمرء مطلب

ترجمہ : میں نے قسم کھائی تیرے لیے میں نے شک کی گنجائش نہیں چھوڑی اور اللہ تعالیٰ کے سوا انسان کا اور کوئی مطلوب بھی نہیں۔

یعنی جیسے اللہ تعالیٰ اعلیٰ المطالب ہے ایسے اس کی قسم تمام قسموں سے اعلیٰ ہے۔

مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے پہلے جب قریش نے سُنا کہ

اعجوبہ اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ نے اپنے رسل علیہم السلام کی تکذیب کی تو قسم کھا کر کہا لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ بخدا کہ اگر ان کے ہاں کوئی نبی ڈر سنانے والا تشریف لایا لَيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى تو ہوں گے زیادہ ہدایت یافتہ اور بڑے فرمانبردار اور سب سے بہتر دین والے مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ گزشتہ امتوں میں سے یعنی یہود و نصاریٰ وغیرہم میں سے۔ الامم جمع ہے اس سے صرف یہود و نصاریٰ مراد نہیں۔

سوال : اِحدیٰ کا اضافہ کیوں؟ جبکہ من الامم کہنا کافی تھا ؟

جواب : اِحدٰی نہ ہوتا تو مِن تبعیضیہ ہو کر بعض مراد ہوتا، اور یہ مقصد کے خلاف ہے۔ کیونکہ یہاں صرف یہود و نصارٰی کی ایک امت ہی مراد نہیں بلکہ جملہ امتیں مراد ہیں۔

سوال : سورۂ انعام کے اواخر میں ہے ان تقولوا انما انزل الکتٰب علی طائفتین من قبلنا (تم کہتے کہ ہم سے پہلے دو گروہوں (یہود و نصارٰی) پر کتابیں اتاری گئیں) پھر فرمایا او تقولوا لو انا انزل علینا الکتاب لکنا اھدی منھم (یا تم کہتے کہ اگر ہمارے اوپر کتاب ہوتی تو ہم ان سب سے زیادہ ہدایت والے ہوتے) یہ دو آیتیں متخالف کیوں؟

جواب : علوم دو گروہوں (مخصوص) کے منافی نہیں کیونکہ سابقہ اُمم میں سے یہ دونوں بہت زیادہ مشہور تھے ایسے ہی ان کی دو کتابیں دیگر کتب سے مشہور تر تھیں، اسی لیے ان کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا۔

ف : بعض نے کہا احدی الامم سے وُہ امت مراد ہے جو تمام امتوں سے برگزیدہ و افضل ہو کر وہ سب سے زیادہ ہدایت و استقامت والی اُمت ہے۔ جیسے اہلِ عرب کہتے ہیں :

للہ اھیۃ ھی احدی الدواھی۔

(وہ عظیم مصیبت جو سب سے بڑی ہو)

یا کہتے ہیں :

العظیمۃ واحد سبع۔

(بڑی مصیبتوں میں سات راتوں میں سے صرف ایک رات)

یا کہتے ہیں :

احدی لیالی عاد فی الشدۃ۔

(عاد پر عذاب کی راتوں میں سب سے سخت عذاب والی رات)

تفسیر صُوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ انسان جبکہ روح و جسد سے مرکب ہے تو اس کی روحانیت کا میلان دین کی طرف اور اس کے جسد کا میلان کفر کی طرف ہے اور اہلِ ایمان و اہلِ کفر اس میلان میں برابر ہیں لیکن کافر کا اگر کسی وقت دین کے کسی امر کی طرف میلان ہو بھی تو نفسانیت کا غلبہ اسے کفر کی وادی سے باہر نہیں نکلنے دیتا کیونکہ اس کا میلان کفر اس میں گھل مل گیا ہے اسی لیے وہ عارضی میلان بے اثر ہو کر رہ جاتا ہے ایسے ہی مومن جب بشریت کے غلبہ سے کسی دنیوی امر میں مائل ہوتا ہے تو اسے نورِ ایمان مانع ہو کر ایسے میلانِ دنیوی کو ختم

کر ڈالتا ہے۔ ایسے ہی مرید صادق جب اس پر قبض کی شدت ہوتی ہے اور اس کا نفس ریاضت و مجاہدہ کی تکالیف سے اکتاتا ہے تو وہ نفس رخصتی امور کی طرف مائل ہو کر معاہدۂ ایزدی سے ہٹ کر شیطانی عہد و پیمان کی زد میں آ جاتا ہے لیکن بعد کو جب معرضِ وفا کی طرف متوجہ ہو کر ایفائے عہد کیلیے ارادہ کر لیتا ہے۔ جب اس کا یہ ارادہ پختہ ہو جاتا ہے تو عزیمت اس کا ہاتھ پکڑ کر سلسلۂ طلب میں پہنچاتی ہے اس وقت وہ عہدِ الٰہی کی تجدید کرتا ہے اور ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو جاتا ہے یہاں ذکر کی چال سے بابِ قلب حضرتِ حق کے لیے کھل جاتا ہے۔ اس کے بعد باطل خیالات مٹ کر حق کا غلبہ حاصل ہو جاتا ہے

تفسیر عالمانہ

فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيرٌ پس جب ان کے ہاں جب افضل المخلوق واشرف الانبیاء والرسل صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے مَّا زَادَهُمْ انہیں نہ بڑھایا ڈرانے والے نے إِلَّا نُفُورًا مگر نفرت کو یعنی تباعد عن الحق والھدی یعنی حق وہدایت سے دوری اسْتِكْبَارًا فِي الْأَرْضِ یہ نفورًا سے بدل یا مفعول لہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے بغاوت اور ایمان سے تکبر یعنی فرمانِ حق سے سرکشی۔

ف: بحر العلوم میں ہے الاستکبار بمعنے تکبر۔ جیسے استعظام بمعنے تعظیم لفظاً ومعناً۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مٹی سے پیدا فرمایا ہے اسے لازم ہے کہ وہ اس پر متجاوز نہ ہو ؎

ز خاک آفریدت خداوند پاک
پس اے بندہ افتادگی کن چو خاک

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تجھے مٹی سے پیدا فرمایا، پس اے بندۂ خدا! مٹی کی طرح عاجزی کر۔

وَمَكْرَ السَّيِّئِ اس کا استکبار (نفورا) پر عطف ہے یہ دراصل مکروا المکر السیئ تھا موصوف کو وصف کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔

حلِ لغات تاج المصادر میں ہے کہ المکو بمعنے رات کا تاریک ہونا۔ اسی سے مکر بمعنے معروف مشتق ہے کیونکہ فساد کی کوشش اور دھوکا و فریب بھی مخفی طور ہوتا ہے۔

امام راغب نے فرمایا کہ المکر بمعنے کسی کو حیلہ کر کے اس کے مقصد سے پھیرنا، یہ دو قسم ہے،

۱۔ محمود

۲۔ مذموم

محمود یہ کہ اس کے ذریعے کسی اچھے کام کے حصول کی کوشش کی جائے اُسی معنی سے واللہ خیر الماکرین ہے۔

مذموم یہ ہے کہ اس کے ذریعے قبیح امر کے حصول کی کوشش کی جائے۔ آیت میں یہی دوسرا معنیٰ مراد ہے اسی لیے اسے السَّیِّیٔ سے موصوف کیا گیا ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ گرامی کے دفع کرنے میں نہ بڑھایا مگر بُرے مکر و حیلے نے یعنی اُنھوں نے برا مکر کیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید کرنے کے لیے غلط تدبیریں بنائیں۔ وَلَا یَحِیْقُ الْمَکْرُ السَّیِّیٔ اِلَّا بِاَھْلِہٖ۔

حلِ لغات

القاموس میں ہے :

حاق یحیق حیقا حیوقا و حیقانا بمعنے احاط بہ کاحاق وحاق بھم العذاب احاط ونزل فلاں کو وہ محیط ہوا جیسے وہ اس کو محیط ہوا اور انھیں عذاب نے گھیر لیا اور ان پر نازل ہوا۔ کما فی المختار :

الحیق ہر وُہ شے جو انسان کو مکروہ امر گھیرے۔

اب معنیٰ یہ ہوا اور بُرا مکر محیط ہوا سوائے اس کے اہل کے۔ اس سے خود مکر کرنے والا مراد ہے انھیں یہ سزا بدر میں ملی۔ یعنی بُرا مکر خود مکر کرنے والوں کو محیط ہوا اور ہر بُرے کو اس کی برائی اردگرد سے گھیر لیتی ہے جو کسی دُوسرے کے لیے بُرا ارادہ کرتا ہے وُہ خود اس میں مبتلا ہوتا ہے[1]۔

ف : بحر العلوم میں ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ مکر برا خود مکر کرنے والے کو چمٹا۔ یہ استثناء مفرغ ہے اسی لیے واجب ہے اس کا مستثنیٰ منہ عام اس کی جنس سے مقدر ہو۔ اب عبارت یوں ہوگی :

ولا یحیق المکر السیئ حیقا الا حیقا باھلہ۔

اسی کی تفسیر حدیث شریف میں ہے :

لا تمکروا ولا تعینوا ماکرا فان اللہ یقول ولا یحیق المکر السیئ الا باھلہ ولا تبغوا ولا تعینوا باغیا فان اللہ یقول انما بغیکم علی انفسکم۔

(اسے کافرو نہ مکر کرو نہ مکر کرنے والے کی مدد کرو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

---

[1] جیسے کہا جاتا ہے : چاہ کن را چاہ درپیش اویسی غفرلہٗ

بغاوت کرو نہ باغی کی مدد کرو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ، تمہاری بغاوت تمہارے سر ہو گی)

حدیث شریف میں ہے :
انصر اخاك ظالما او مظلوما۔
(اپنے بھائی کی مدد کرو وہ ظالم ہو یا مظلوم)

سوال : ظالم کی مدد کا حکم کیسا ؟

جواب : ظالم کی مدد کا مطلب یہ ہے کہ اس کی یوں مدد کرو کہ اسے شیطان کے وسوسہ سے بچا لو کیونکہ وہ اس سے ظلم میں مبتلا ہو گا یعنی وہ ایسا کلام یا کام کرے گا جو نفوس کو اچھا لگے گا۔ اور وہ ابلیس کے بہکاوے میں آجائے گا ۔ اس لیے تم اس کی یوں مدد کرو کہ وہ ابلیس کی شرارت سے بچ جائے ۔

حدیث شریف میں ہے :
المکر والخدیعة فی النار۔
(مکر و خدیعہ جہنم میں ہیں)

یعنی مکر اور دھوکا کرنے والے دوزخ میں ہیں کیونکہ یہ دونوں کام کفار کی عادات سے ہیں اس سے اللہ والے نیک لوگ کوسوں دور بھاگتے ہیں ۔ عربی مثل مشہور ہے :

من حفر لاخیه جبا وقع فیه منکبا ۔
(جو دوسرے کے لیے کنواں کھودتا ہے وہ خود اس میں اوندھا گرتا ہے) ۔

خلاصہ یہ کہ شر شریر کو ہی نصیب ہوتا ہے ۔ ابن یامین کا اس بارے میں ایک قطعہ مشہور ہے جس کے دو بیت ہم نقل کرتے ہیں : ؎

۱ در باب من ز روئے حسد یکدو ناشناس
دھما زدند و کورہ تزویر تافتند

۲ ز اعمال نفسہم ہمہ نیکی بمن رسید
وایشاں جزاے فعل بد خویش یافتند

ترجمہ : (۱) میرے لیے دو حاسدوں نے تدبیر بنائی ایک پھونکتا رہا تو دوسرا بھٹی جلاتا رہا ۔

(۲) ان کی نیکیاں مجھے مل گئیں لیکن ان دونوں کو برائی کی سزا نصیب ہوئی۔
اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جن کے دل غل وغش سے پاک ہیں اور ہمیں خرابیوں اور غلطیوں میں گرنے سے بچائے۔

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ النظر بمعنے الانتظار ہے۔ تو مکذبین اور مکار انتظار نہیں کرتے اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ مگر پہلے لوگوں کی طرح کہ اللہ تعالیٰ کا وہ طریقہ جو امم سابقہ کے لوگوں کے ساتھ برتا کہ ان کے مکذبین اور مکر کرنے والوں کو عذاب میں مبتلا فرمایا۔

حل لغات السنت بمعنے الطریقۃ۔ اور سنت النبی بمعنے ان کا وہ طریقہ جس پر وہ چلے (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اللہ تعالیٰ سنت بمعنے حکمت۔

فَلَنْ فاء تعلیلیہ ہے جس عذاب کے انتظار کے حکم کا فائدہ مرتب ہوگا اس کی علت بتائی جا رہی ہے تَجِدَ ہرگز نہ پاؤ گے لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا اللہ تعالیٰ کے طریقے میں تبدیلی کہ عذاب کے بجائے رحمت اور معافی عطا فرمائے وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ○ اور اللہ تعالیٰ کے طریقے میں تغیر نہ پاؤ گے کہ مکذبین کے بجائے کسی اور کو عذاب میں مبتلا کرے طریق برہانی کے طور تبدیل وتحویل کے وجود کی نفی مراد ہے ان دونوں تبدیل وتحویل کی تخصیص مستقل طور ان کی نفی کی تاکید مطلوب ہے۔

مسئلہ: آیت میں تنبیہ ہے کہ اگرچہ فروع شرائع میں بظاہر اختلاف ہے لیکن مقصود کے غرض وغایت میں کوئی اختلاف نہیں غرض وغایت ہے نفوس کی تطہیر اور وصول ثواب الی اللہ وجوار الٰہی کے لیے انہیں تیار کرنا۔ کما فی المفردات۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ہمزہ انکار کے لیے ہے واؤ کا عطف مقدر پر ہے کہ اقعد ہے یعنی مشرکین عرب گھروں میں بیٹھے رہیں گے کیا زمین پر چل پھر کر نہیں دیکھتے مثلاً شام ویمن و مصر وعراق میں جب تجارت کے لیے جاتے ہیں فَيَنْظُرُوْا تو امم ماضیہ کے سرکشوں کے گھروں اور محلوں کے نشانات کو دیکھیں كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ کیسا ہوا انجام برباد اُن لوگوں کا جو ہو گزرے ہیں مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے پہلے انہوں نے رسل کرام علیہم السلام کی تکذیب کی اور ان کے گھروں اور محلوں کے کھنڈرات اور ان کے نشانات موجود ہیں وَكَانُوْٓا اور حالانکہ وہ (جیسے عاد وثمود وسبا) تھے اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً قوت وطاقت میں ان سے زیادہ یعنی مکہ والے مشرکین سے ان کی طاقت قوت بہت زیادہ تھی اور عمریں بھی ان کی طویل تھیں لیکن انہیں لمبی عمر نے بچایا نہ

قوت وطاقت نے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ الاعجاز بمعنٰی عاجز کرنا۔ لام و من نفی کی تاکید کے لیے ہے۔ اب معنٰی یہ ہے کہ یہ ہر طرح سے محال ہے کہ کوئی شے اللہ تعالیٰ کو عاجز کرے اور اس کے حکم سے سر موہٹ سکے فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا ام ما نافیہ کی دوسری تاکید ہے اس کلام میں تین تاکیدیں ہیں فِي الْاَرْضِ آسمانوں میں نہ زمینوں میں۔ اس کے حکم سے کسی کو روگردانی کی ہمت نہیں وہ جس پر جیسے چاہے حکم چلائے اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا بیشک وُہ بہت علم والا ہے جو کچھ موجود ہے اور جو ہونے والا ہے ہر شے پر اس کی قدرت حاوی ہے اسی لیے ان کے جملہ معاصی کو جانتا ہے انہی کے عمل کے مطابق سزا دے گا وُہ ذات جو سابقہ لوگوں کو سزا دے سکتا ہے وہ موجودہ لوگوں کو بھی سزا دے سکتا ہے اگر ان کے اعمال بُرے ہوں گے تو سزا سے نہیں بچ سکیں گے۔

ف: آیت میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو نصیحت فرمائی ہے تاکہ وہ عبرت حاصل کریں سہ

۱ نرود مرغ سوے دانہ فراز
چوں دگر مرغ بیند اندر بند
۲ پند گیر از مصائب دگراں
تا نگیرند دیگراں ز تو پند

ترجمہ: (۱) وہ پرندہ دانہ کی طرف نہیں جاتا جہاں جانتا ہے کہ وہاں پھانسی لٹکی ہوئی ہے۔

(۲) دوسروں کی مصائب سے نصیحت حاصل کر تاکہ دُوسرے تجھ سے عبرت نہ لیں۔

تفسیر صُوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ ولی اللہ کو کبھی خسارہ نہیں ہوتا اور عدو اللہ کبھی نفع نہیں پاتا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو بہت زیادہ فضل سے نوازتا ہے اور دشمنوں کو تباہ و برباد کرتا ہے اور فضل وکرم میں سب سے بڑا فضل توحیدِ الٰہی ہے ایسے ہی اس کے قہر وغضب اور دشمنی کا سب سے بڑا سبب کفر و شرک ہے۔ بعض اکابر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے گزشتہ اُمتوں میں جسے قہر وغضب کا نشانہ بنایا تو دن کے آخری حصہ میں پکڑا اور دشمن کا خسارہ عنین (نامرد) کی نامردی کی طرح ہے اور اللہ تعالیٰ کسی کی گرفت کرتا ہے تو اسے اپنی کوئی خاص ضرورت نہیں ہوتی بلکہ بندوں کا فائدہ مطلوب ہوتا ہے اور اس کا غضب کسی میں ایسے مؤثر ہوتا ہے جیسے نامرد میں نامردی کا مرض کہ جب اس میں وُہ مرض موثر ہو کر مستحکم ہو جاتا ہے کہ علاج کے قابل بھی نہ رہے تو اس سے فوائد نکاح جیسی لذت اور نسل ختم ہو جاتے ہیں۔ پھر نکاح کے

فوائد میں لوگ مختلف حیثیت رکھتے ہیں اگرچہ نکاح مجموعی طور پر اپنے جملہ فوائد پر مشتمل ہے لیکن بعض تمام فوائد حاصل ہوتے ہیں کہ اس سے لذت بھی پاتا ہے اور بچے بھی حاصل کرتا ہے یا صرف لذت پاتا ہے یا صرف بچے حاصل کرتا ہے اور یہ فوائد ایک گروہ کو حاصل ہوتے ہیں تو دوسرے گروہ کو اس کے علاوہ اور بھی نصیب ہوتے ہیں[1]۔ بعض کو مذکورہ بالا دونوں فوائد ملتے ہیں اللہ تعالیٰ کی گرفت مختلف رہی ایک زمانہ میں ایک طرح کا عذاب ہوتا ہے تو دوسروں کو دوسرے طور۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور شفقت ہے کہ بندوں کی اچانک گرفت نہیں فرماتا تاکہ انہیں معلوم ہو کہ اسے عفو و احسان محبوب ہے وہ اخذ و انتقام عمل میں لاتا ہے تاکہ وہ برائیوں سے باز آئیں اور لطف و کرم اور شفقت و رحمت اس کا شیوۂ کریمی ہے۔ اس کی رحمت غضب پر سبقت کرتی ہے۔ یہ صرف اس لیے ہے تاکہ انہیں عفو و کرم، عدل و انصاف، قہر و غضب اور جمال و جلال کے درمیان فرق معلوم ہو۔ دنیا و آخرت کی گرفت اور مختلف عذابوں میں مبتلا کرنے سے مومن کی تطہیر مطلوب ہوتی ہے اور کافر کو محض سزا۔ کافر تو تطہیر کے اہل نہیں کیونکہ تطہیر معاصی کے متعلق ہوتی ہے اور کفر تطہیر کے قابل نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان افعال سے بچائے جو عذاب و غضب و عقاب کا سبب بنتے ہیں۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ اور اگر اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کی گرفت کرے بِمَا كَسَبُوْا ان کے گناہوں کی وجہ سے۔ یعنی بوجہ شرک و کفر و معاصی کے جیسے امم سابقہ کی گرفت ہوئی مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا تو زمین پر کسی کو نہ چھوڑے۔ اظہر یعنے پیٹھ اور ضمیر ارض کی طرف راجع ہے اگرچہ اس کا ذکر صراحۃً نہیں لیکن قرینہ بتاتا ہے کہ گویا وہ مذکور ہے مِنْ دَآبَّةٍ کسی ذی روح کو جو بنی آدم میں سے زمین پر چلنے والے ہیں کیونکہ مکلف صرف یہی ہیں اور حد سے بھی یہی تجاوز کرتے ہیں جیسا کہ اس کا مابعد اسی پر دلالت کرتا ہے یا اس سے جملہ جاندار مراد ہیں کیونکہ مکلفین کی معاصی کی نحوست تمام اہلِ ارض کو لپیٹ میں لے لیتی ہے وہ جنگل میں ہوں یا آبادی میں یا ہوا میں کہ ان کو قحط وغیرہ میں مبتلا فرمادے۔

جرائم کا برا نتیجہ: وارد ہے کہ جو بھی کوئی گناہ کرتا ہے تو قیامت میں اس پر تمام انسانوں

---

[1] جیسے ہمارے دور میں عام عورتیں گھر کا تمام کاروبار سنبھالنے کے ساتھ ساتھ بچے بھی پالتی ہیں اور اپنے شوہروں کے شانہ بشانہ امور خانہ داری انجام دیتی ہیں یہاں تک کہ کھیتی باڑی وغیرہ جوانمردی سے کام کرتی ہیں۔ اویسی غفرلہ

اور جانور اور پرند و وحوش وغیرہ دعویٰ کریں گے یہی وجہ ہے کہ نوح علیہ السلام کے طوفان سے تمام حیوانات تباہ ہوئے سوائے ان کے جو نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے۔ یہ بھی مشرکین کے شرک کی نحوست سے ہوا۔

نکتہ: بعض ائمہ نے فرمایا کہ حیوانات انسان کے گناہ سے تباہ نہیں ہوتے۔ چونکہ ان کو انسان کی خدمت کے لیے پیدا کیا گیا ہے تو جب مخدوم نہ رہا تو خدمت کس کی۔ اس لیے انہیں بھی ہلاک کر دیا جاتا ہے۔

وَ لٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لیکن انہیں ایک وقت معین تک (جس کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے) مہلت دی جاتی ہے یعنی قیامت تک فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ جب ان کی ہلاکت کا وقت آجاتا ہے فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا۠ تو بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے اسی لیے اس وقت انہیں ان کے اعمال کی جزا و سزا دے گا اگر نیکی ہو گی تو نیک جزا ہو گی اگر برائی ہو گی تو بری سزا سے

۱ آں را بلوا مع رضا بنوازد

این را بلوا مع غضب بگدازد

۲ کس را بقضائے قدرتش کائے نیست

آنست صلاح خلق کو میسازد

ترجمہ: (۱) کسی کو رضا سے نوازتا ہے تو کسی پر غضب برساتا ہے۔

(۲) کسی کو اس کی قضائے مقابلہ کی طاقت نہیں اسی کو ہر کام لائق ہے جیسے چاہے مخلوق کو نوازے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ ہر انسان سے مؤاخذہ کے اسباب کا صدور ہوتا ہے لیکن وہ کریم اپنے فضل و کرم سے مہلت دیتا ہے لیکن جب بندہ اس سے باز نہیں آتا تو پھر گرفت فرماتا ہے لیکن پھر بھی بہت سے بندوں کو معاف بھی فرما دیتا ہے۔ آیت میں اللہ تعالیٰ کے حلم کا بیان ہے۔ بندوں کو اپنے حلم کی طرف رہبری فرمائی کیونکہ حلم آفات کا حجاب ہے اور اخلاق کے لیے بمنزلہ نمک کے ہے۔

لیڈری کا نسخہ احنف بن قیس اگر قوم کا لیڈر بن گیا تو عقل و حوصلہ کی وجہ سے، یہاں تک کہ اس کے لیے ایک لاکھ تلوار بے نیام رہتی تھی اور لوگ اس کے ہاں آکر پناہ

لیتے۔ اسی لیے وہ حلم میں ضرب المثل ہے۔ کسی نے اس سے پوچھا کہ مجھے مروت کا نسخہ بتائیے۔ کہا، کسب الذم بلا منفعۃ مروت ہی مروت ہے۔

زمخشری کی بلاغات میں سے ہے:

زمخشری کی بلاغات "الباس والحلم حاتمی و حنفی والدین والعلم حنیفی و حنفی۔"

اس میں لف ونشر علی الترتیب ہے اس لیے کہ باس بمعنے شجاعت، اور یہ سخاوت میں ہے اور وہ حاتم کی طرف منسوب ہے کیونکہ شجاعت سخاوۃ النفس سے ہوتی ہے اور سخاوت شجاعت کے بغیر نہیں ہو سکتی اس لیے کہ مال محبوب شے ہے اور اسے وہی خرچ کر سکتا ہے جو اپنے نفس پر غالب ہو اور ظاہر ہے کہ جود حاتم بن عبداللہ بن سعد طائی کی طرف منسوب ہے، اور حلم احنف مذکور کی طرف اور دین سیدنا ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف اور علم حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے: ؎

۱ الفقہ زرعہ ابن مسعود وعلقمۃ
حصادہ ثم ابراہیم دواس

۲ نعمان طاحنہ یعقوب عاجنہ
محمد خابز والآکل الناس

ترجمہ: (۱) فقہ کو ابن مسعود نے بویا، علقمہ نے اسے کاٹا، ابراہیم نے اس کے دانے صاف کیے۔

(۲) نعمان نے اسے پیسا، یعقوب (ابو یوسف) نے آٹا گوندھا، امام محمد نے روٹی پکائی جسے تمام لوگ کھا رہے ہیں۔

ف: حلم کے لیے ضروری ہے کہ وہ برمحل ہو جیسے کسی نے کہا ہے:

ارى الحلم فی بعض المواضع ذلۃ
وفی بعضہا عزا یسود فاعلہ

ترجمہ: بعض مواقع پر حوصلہ ذلت ہوتی ہے لیکن بعض موقعوں پر عزت ہوتی ہے جس کے عامل کو سرداری نصیب ہو جاتی ہے۔

مسئلہ: احسان بھی موقعہ ومحل پر ہو احسن ہے ؎

ہر آنکس کہ بر دزد رحمت کند
ببازوئے خود کاروان میزند

ترجمہ : جو بھی چور پر رحمت کرتا ہے وہ اپنے ہاتھوں سے قافلہ کو لٹا تا ہے۔

ف : بصیر رؤیت سے ہر موجود کا ادراک کرنے والا۔

خاصیتِ بصیر اس اسم کی خاصیت یہ ہے کہ اس سے توفیق نصیب ہوتی ہے۔ جو لے نمازِ جمعہ سے پہلے سو بار پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کی بصیرت کھول دے گا اور اسے اچھے قول و عمل کی توفیق بخشے گا۔

اللہ تعالیٰ ہماری بصیرت کو ملکوت کی طرف کھول دے اور ہمارے تعلقات عالمِ ناسوت سے چھڑا دے اور اپنے اسم حلیم کے صدقے ہمارے اوپر حوصلہ فرمائے اور ہمارا خاتمہ بالخیر فرما کر ہمیں اُن لوگوں سے بنا دے جو قلبِ سلیم سے قیامت میں حاضر ہوں۔

اختتام تفسیر سورۃ الملائکۃ (صاحبِ رُوح البیان جناب علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ) تفسیر سورۃ الملائکہ (فاطر) رجب شریف کے آخری دنوں میں ۱۱۱۰ھ میں ختم ہوئی۔

تاریخ اختتامِ ترجمہ فقیر اویسی غفرلہٗ اس سورۃ کے ترجمہ سے شبِ سوموار مبارک بوقت اذان نمازِ عشاء ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ میں فارغ ہوا۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک وصلی اللہ علیٰ حبیبہ الاکرم وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وکرم وسلم۔

انا الفقیر القادری محمد فیض احمد اویسی الرضوی غفرلہٗ ربہ القوی بحرمۃ النبی الامی۔
۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ

سُورَةُ يٰسٓ

آياتها ٨٣ (٣٦) سورة يٰسٓ مكيّة (٤١) ركوعاتها ٥

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يٰسٓ ○ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ○ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○
تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ○ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ○
لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ
اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ○ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ
اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ○ وَسَوَآءٌ
عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ
الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ○ اِنَّا نَحْنُ
نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ
اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ○ ع

ترجمہ : اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا یٰس۔ حکمت والے قرآن کی قسم بیشک تم سیدھی راہ پر بھیجے گئے ہو۔ عزت والے مہربان کا اتارا ہوا تاکہ تم اس قوم کو ڈر سناؤ جس کے باپ دادا نہ ڈرائے گئے تو وہ بے خبر ہیں۔ بے شک ان میں اکثر پر بات ثابت ہو چکی ہے تو وہ ایمان نہ لائیں گے۔ ہم نے ان کی گردنوں میں طوق کر دیے ہیں کہ وہ ٹھوڑیوں تک ہیں تو یہ اوپر کو منہ اٹھائے رہ گئے۔ اور ہم نے ان کے آگے دیوار بنا دی اور ان کے پیچھے ایک دیوار اور انہیں اوپر سے ڈھانک دیا تو انہیں کچھ نہیں سوجھتا اور انہیں ایک سا ہے تم انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان لانے کے نہیں۔ تم تو اسی کو ڈر سناتے ہو جو نصیحت پر چلے اور رحمٰن سے بے دیکھے ڈرے تو اسے بخشش اور عزت کے ثواب کی بشارت دو۔ بیشک ہم مُردوں کو جلائیں گے اور ہم لکھ رہے ہیں جو انہوں نے آگے بھیجا اور جو نشانیاں پیچھے چھوڑ گئے اور ہر چیز ہم نے رکھی ہے ایک بتانے والی کتاب میں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سورہ یٰس مکیہ اور اس کی تراسی آیات ہیں۔

تفسیر عالمانہ یٰسٓ ○ علی طریق تعدیل واقع ہے کہ اسے کسی اعراب سے واسطہ نہیں، یا یہ سورۃ کا اسم ہے اور اکثر یہی کہتے ہیں اس اعتبار سے یہ محلاً مرفوع مبتدا محذوف کی خبر ہے کہ دراصل ھٰذہٖ یٰسٓ ہے۔ یا منصوب ہے کہ فعل مقدر کا مفعول بہ ہے کہ دراصل اقرأ یٰسٓ تھا۔ یہ سورۃ کا نام ہے اس کی تائید حدیث شریف سے ہوتی ہے۔

حدیث شریف ۱ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ان اللہ تعالیٰ قرأ طٰہٰ و یٰسٓ قبل ان خلق آدم بالفی عام فاذا سمعت الملائکۃ قالوا طوبیٰ لامۃ ینزل علیھم ھٰذا و طوبیٰ لالسن تتکلم بھٰذا وطوبیٰ لاجواف تحمل ھٰذا۔

(اللہ تعالیٰ نے سورۃ طٰہٰ و یٰس کو تخلیق آدم علیہ السلام سے دو ہزار سال قبل پڑھا تو ملائکہ نے سن کر عرض کی مبارک ہو اس امت کو جس پر نازل ہوگی اور مبارک ہیں وہ زبانیں جو اسے پڑھیں گی اور مبارک ہیں وہ سینے جو اسے محفوظ رکھیں گے)

حدیث شریف ۲ جب دوستانِ خدا بہشت میں قدم رکھیں گے تو بارگاہِ حق سے آواز آئے گی تم نے قرآن بہت سے لوگوں سے سنا اب مجھ سے بھی سنو، تو اس وقت

وہ سورۃ فاتحہ و طٰہٰ و یٰسٓ سُنیں گے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

کأن الناس لم یسمعوا القرآن حین سمعوا الرحمٰن یتلوہ علیہم ۔

(گویا انہوں نے اس سے قبل قرآن سنا ہی نہیں تھا جب اسے خود اللہ تعالیٰ پڑھے گا)

کما فی کشف الاسرار ۔

تحقیق حروفِ مقطعات

(۱) بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ حروفِ مقطعات اسمائے الٰہیہ ہیں ۔ جیسا کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ کہا کرتے ،

" یا کھیٰعص یا حمعسق ۔ "

اس لحاظ سے مقسم بہ مجرور اور اس کی قسم مضمر یا منصوب اور اس کا فعل محذوف ہوگا ۔ محذوف سے مراد یہ ہے کہ اس کا اثر بالکل باقی نہ رہے ۔ اور مضمر سے مراد یہ ہے کہ اگرچہ وہ مذکور نہیں لیکن اس کا اثر باقی ہے ۔ مثلاً اللہ لا فعلن اللہ کو منصوب پڑھنا جائز ہے کہ اس میں نزع الخافض ہے اور مقدر قسم کے فعل کی وجہ سے منصوب ہے یا حرف جر کے اضمار کی وجہ سے مجرور ہے ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ مجھے یٰسٓ یعنی اللہ تعالیٰ کی قسم ۔

ف : الارشاد میں ہے کہ قسم کے فعل کا محذوف کرتے وقت مقسم بہ کو منصوب پڑھنا ناجائز ہے کیونکہ اس کا ما بعد مقسم بہ ہے اور اہلِ عرب دو قسموں کا ایک جگہ لانے کو برا سمجھتے ہیں جب تک کہ پہلی کا مقصد ختم نہ ہو دوسری کا لانا ناجائز سمجھتے ہیں ۔

(۲) بعض اللہ والے حکماء نے کہا کہ یہ ملائکہ کرام کے اسماء ہیں اور یہ چودہ ہیں جیسا کہ طٰسٓمٓ میں گزرا ۔

(۳) بہت سے مفسرین جن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی ہیں فرماتے ہیں کہ یٰسٓ کا معنیٰ ہے یا انسان ۔ یہ بنو تمیم کی لغت ہے ۔ اس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں غالباً یہ انیسین ہوگا ۔ انسان کی تصغیر کیوں ؟ اس لیے کہ تصغیر کبھی پیار کے اظہار کے لیے بھی آتی ہے ، کبھی اس سے تعظیم بھی مراد ہوتی ہے اس میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت بھی نہیں اس لیے کہ بولنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہ جو کہنا اور کرتا ہے بہتر ہے اعلیٰ اور برتر ہے ۔ اس میں ہزاروں حکمتیں پوشیدہ ہیں ۔ اس اعتبار سے یٰسٓ میں یاء ندائیہ ہے اور سین انیسین کا ایک حصہ ہے ۔ اہلِ عرب کا قاعدہ ہے کہ جسے بار بار پکارا جائے تو حرف نداء حذف کر کے منادیٰ کے بعض الفاظ پر اکتفاء کرتے ہیں جیسے قسم میں بعض الفاظ مراد لیتے ہیں ۔ مثلاً ایمن اللہ

نیں مَنْ اللہِ کہتے ہیں اور یہ خطاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کی حیثیت سے ہے۔ جیسے انما انا بشر مثلکم میں اظہار بشریت مطلوب ہے کہ آپ جُملہ انسانوں میں سے ایک یعنی ان کے ہمشکل[1] ہیں یہ خطاب 'یا انسان' بھی اسی قبیل سے ہے ہاں شرافت نبوت و رسالت کے اعتبار سے دوسرے مقام پہ یوں خطاب ہوا کہ یا ایہا النبی، یا ایہا الرسول۔

نکتہ: یہ خطاب بشریت اس لیے ہے کہ راز مخفی رہے اور نامحرم محبوب کے جمال و کمال سے اطلاع پائیں جیسا کہ کسی نے کہا: ع

ارسلانم خوان تا کس بداند کہ کیم

ترجمہ: مجھے ارسلان کے نام سے پکار تا کہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ میں کون ہوں۔

(۳) ابن الحنفیہ نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ ہے یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسا کہ اس کا مابعد انک لمن المرسلین اس کا مؤید ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

ان اللہ سمانی بسبعۃ اسماء محمد و احمد و طٰہٰ و یٰس والمزمل والمدثر و عبد اللہ۔

(اللہ تعالیٰ نے میرے سات نام رکھے ہیں،

۱۔ محمد	۲۔ احمد
۳۔ طٰہٰ	۴۔ یٰسٓ
۵۔ مزمل	۶۔ مدثر
۷۔ عبد اللہ)	

اس تفسیر کی تائید یوں بھی ہے کہ اہل بیت کو آل یٰسٓ سے یاد کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک شعر میں ہے: ؎

سلام علیٰ آلِ طٰہٰ و یٰس　　　سلام علیٰ آل خیر النبیین

ترجمہ: سلام ہو آلِ طٰہٰ و یٰسٓ پر اور خیر الانبیاء کی آل پر

اور کہا گیا ہے: ع

---

[1] ہمشکل ہونا حقیقت مختلف ہونے کو ثابت نہیں کرتا۔ اویسی غفرلہٗ

ﷲ در کو یا آل یاسینا

(ترجمہ، تم پر اللہ کا انعام ہو اے آلِ یاسین)

فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) عرض کرتا ہے کہ

صاحبِ روح البیان کی تردید

اس سے تائید نہیں ہوتی کہ اس سے فقط اہلِ بیت ہی مراد ہوں کیونکہ اس سے وہ لوگ بھی مراد ہو سکتے ہیں جو سب سے پہلے سورہ یٰسٓ کے برکات سے معزز و مشرف ہوئے۔

(۴) حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کلامِ عرب میں ایک حرف سے ایک خاص مراد ہوتی ہے مثلاً: ؎

قد قلت لہا قفي فقالت ق

ترجمہ: میں نے اسے کہا ٹھہر جا، اس نے کہا قِ (قفت) یعنی میں ٹھہری۔

اس اعتبار سے حرفِ سین "یا سید البشر" یا "یا سید الاولین والآخرین" کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف:

انا سید ولد آدم (میں اولادِ آدم کا سردار ہوں)

اس تفسیر کی مؤید ہے۔ چنانچہ عرائس البیان میں فرمایا کہ اس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعریف خود نہیں فرمائی بلکہ خبر دی ہے کہ حق تعالیٰ نے مجھے اس طرح سے مخاطب فرمایا ہے۔

ف: سین از حروفِ اعتدالیہ ہے زبر و بینات کے درمیان اسے توافق و تساوی ہے اعتدال سوائے اس حرف کے کسی اور حرف میں نہیں اسی لیے یہ حرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائق ہے اس لیے کہ عدالتِ حقیقی آپ کو مسلّم ہے توحید میں بھی اور احکامِ شرع میں بھی ؎

ترا است مرتبۂ اعتدال در ہمہ حال
کہ در خصائص توحید اعدل از ہمۂ
تمکن است ترا در مقام جمع الجمع
بدیں فضیلت مخصوص افضلے از ہمۂ

ترجمہ: آپ کو ہر حال میں مرتبۂ اعتدال مسلّم ہے کیونکہ خصائصِ توحید میں آپ تمام سے اعدل ہیں آپ کو مقام جمع الجمع تمکن حاصل ہے۔ اس فضیلت کی وجہ سے آپ سب سے افضل ہیں۔

ف : کلماتِ سابقہ سے قلب القرآن یعنی لیٰسٓ شریف کی خوشبو سے خوشبو حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس کی تفصیل سورۃ کے آخر میں آئے گی اِن شاءُ اللہ تعالیٰ۔

(۵) جناب نعمۃ اللہ نقشبندی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اے وہ محبوب جسے یقین کے دریا کے چشمے حاصل ہیں اور ان میں انحراف وتلوین سے صحیح وسالم ہو کر پار پہنچے۔

(۶) شیخ نجم الدین قدس سرہٗ نے فرمایا کہ یہ محبوب علیہ السلام کی نبوت کی برکات اور آپ کے راز مقدس کی قسم ہے۔

(۷) شیخ البقلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ قدرت ازلیہ وسنائے ربوبیت کی قسم ہے۔

(۸) امام قشیری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ لیٰسٓ کی یا میں یوم میثاق کی طرف اور سین میں راز مع محبوبان کی طرف اشارہ ہے۔ گویا فرمایا کہ مجھے یوم میثاق اور راز محبوبان اور قرآن کی قسم ہے۔

مقطعات کا عام قاعدہ

ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ اوائل سورۃ کے حروف مقطعہ میں اللہ تعالیٰ نے ادراک معانی کی راہ بند کر رکھی ہے ان کے علوم اسی کو خاص ہیں ہم (عوام[1]) اس پر ایمان لائیں اور عقیدہ رکھیں۔ یہ بھی منجملہ قرآن ہے اور ان کے علوم اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کر دیں اور انہیں عبادت کے طور پڑھیں اور اللہ تعالیٰ کا کلام سمجھ کر اس کی فرمانبرداری کریں اور اس کی تعظیم وتکریم میں کوئی کسر نہ چھوڑیں اگرچہ ہم انہیں نہ بھی سمجھیں۔

خواص کا حکم

ینابیع میں لکھا ہے کہ حروف مقطعہ کا ہر حرف اسرار الٰہیہ کا گنجینہ اور غیوب بانیہ کا خزینہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو آگاہی بخشی اور جبریل علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ یہ حروف آپ تک پہنچائیں۔ سوائے اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب اعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی ان کے اسرار سے واقف نہیں[2]۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بالمشافہ گفتگو

شیخ ابن نور الدین قدس سرہٗ اپنے بعض واردات میں بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے حروف مقطعات کے متشابہات

---

[1] خواص اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں جیسا کہ گزرا اور آتا ہے۔

[2] بعض محبوبانِ خدا یعنی اولیاء اللہ کو آگاہی بخشی گئی جس کی تفصیل گزری اور مزید تفصیل فقیر کی کتاب ازالۃ المشتبہات فی الآیات المتشابہات میں ہے۔ اویسی غفرلہٗ

کے اسرار سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ اور میرے مابین اسرارِ محبت ہیں میں نے عرض کی کہ انہیں اور کوئی جانتا ہے؟ آپ نے فرمایا: انہیں میرے دادا سیدنا ابراہیم علیہ السلام بھی نہیں جانتے۔ یہ وہ اسرار ہیں کہ ان پر کوئی نبی مرسل مطلع ہوا نہ کوئی ملک مقرب۔

جبریل رہ گیا حیران

مذکورہ بالا بیان کی تائید اس قول سے ہوتی ہے کہ بعض اخبار میں آیا ہے کہ جبریل علیہ السلام کھیعص لائے تو پڑھا کاف۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، علمت (مجھے اس کا علم ہے)۔ اس نے پڑھا: ھا۔ آپ نے فرمایا: علمت (مجھے اس کا علم ہے)۔ اس نے پڑھا: یا۔ آپ نے فرمایا، علمت۔ اس نے پڑھا: عین۔ آپ نے فرمایا، علمت۔ اس نے پڑھا، صاد۔ آپ نے فرمایا، علمت۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی، کیف علمت ما لم اعلم (آپ نے کیسے معلوم کر لیا جسے میں بھی نہیں جانتا) [لہ]

تائیدِ مزید از صاحبِ روح البیان

فقیر (صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ اس میں کسی قسم کا شک نہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کمال کے اس مقام پر پہنچے جہاں بہت بڑے کاملین (انبیاء علیہم السلام) نہ پہنچ سکے چہ جائیکہ ان سے کم مراتب افراد (جیسے جبریل علیہ السلام وغیرہ)۔ جیسے شبِ معراج میں ایسے مواطن و مقامات طے فرمائے جہاں کسی کو کیا مجال۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایسے علوم پر حاوی ہیں جس کی خوشبو بھی انبیاء اور ملائکہ کرام (علیہم السلام) کو نصیب نہ ہوئی۔

جملہ عالم کے علوم حضور علیہ السلام کے علم کے آگے ایک قطرہ

فان علوم الکل بالنسبة الی علمه کقطرة من البحر فله علیه السلام علم حقائق الحروف بما لا مزید علیه بالنسبة الی ما فی حد البشر واما غیره فلهم علم لوازمها و بعض حقائقها بحسب استعداداتهم و قابلیاتهم۔

(تمام کائنات کے علوم حضور علیہ السلام کے علم کے آگے ایسے ہیں جیسے قطرہ کو دریا سے نسبت ہے کیونکہ آپ کو حقائق الحروف کے وہ علوم حاصل ہیں جو کسی فرد بشر کو حاصل نہیں اگر اوروں کو حاصل ہیں تو حروف کے لوازمات کے علوم یا بعض حقائق جیسے جس کی استعداد و قابلیت ہے)

[لہ] یہ روایت پہلے پارہ میں گزری ہے۔ اویسی غفرلہ

یہ وہ حقیقت حال ہے جو ہماری سمجھ میں نہیں آتی اللہ تعالیٰ ہی ان مخفی امور اور اسرار کو بہتر جانتا ہے جو اس کی کتاب میں ہیں اور اس کا خطاب سب پر محیط ہے۔

وَالْقُرْاٰنِ مجرور اور مقسم بہ ہے الْحَکِیْمِ ○ بمعنے الحاکم جیسے علیم بمعنے عالم اس لیے وہ جو اس میں احکام ہیں ان کا حکم دیتا ہے یا بمعنے محکم ہے کہ وہ ہر وجہ کے تناقض وعیب و تغیر سے محفوظ ہے۔ چنانچہ فرمایا،

وانا لہ لحافظون۔

(بیشک ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں)

حکیم وہ کتاب جس کا نظم و نسق و اسلوب اور معنی و مطلب مستحکم ہو یا اس لیے کہ وہ صاحب حکمت ہے یعنی حکمت و اسرار پر مشتمل ہے کیونکہ وہ ہر حکمت کا سر چشمہ اور ہر نصیحت کا معدن ہے۔ اس اعتبار سے یہ نسب کا معنی رکھتا ہے جیسے تمار بمعنے ذی تمر۔ یا یہ اس قبیل سے ہے کہ کلام کو متکلم کی صفت بخشی گئی ہے یعنی وہ کلام جس کا قائل حکیم ہے۔

اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ○ اے اکمل الرسل و افضل الکل، یہاں سے آپ کی ذات کی قسم کے بعد بالمشافہ گفتگو فرمائی۔ یہ جواب قسم ہے اور جملہ کفار کے انکار کا رد ہے جب انہوں نے کہا کہ انک لست مرسلا (تم رسول نہیں ہو اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاں کوئی رسول بھیجا)

ف: الارسال کبھی بمعنے تسخیر آتا ہے جیسے ارسال الریح والمطر۔ اور کبھی اس کے بعث کے معنی میں آتا ہے جو با اختیار ہو جیسے ارسال الرسل۔ المفردات

بحر العلوم میں ہے کہ یہ قسم عجائبات سے ہے کہ اس میں بھیجنے والا قسم یاد کرنے والا ہے اعجوبہ اور جسے جس کی طرف بھیجا جارہا ہے وہ مقسم بہ ہیں۔

ف: یہ بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کی رسالت کی شہادت کے طور ہے جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا: قل کفیٰ باللہ شھیدا بینی و بینکم۔

قاعدہ: اللہ تعالیٰ نے سابقہ کتب میں کسی بھی نبی (علیہ السلام) کی قسم نہیں کھائی۔

خصوصیت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہ السلام کی رسالت کی قسم یٰسٓ والقراٰن الحکیم الخ میں کھائی ہے۔ یہ بھی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ انسان العیون

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

ندانم کدامین سخن گویمت
کہ والا تری زانچہ من گویمت
ترا عز لولاک تمکین بس است
ثنائے تو طٰہٰ و یٰسٓ بس است

ترجمہ: میں نہیں جانتا آپ کی تعریف کن الفاظ سے کروں جو کچھ میں کہتا ہوں آپ اس سے بلند و بالا ہیں۔ آپ کو لولاک کی عزت و عظمت کافی ہے۔ آپ کی ثنا کے لیے طٰہٰ و یٰسٓ کے القاب کافی ہیں۔

شرح شعر سعدی طٰہٰ میں تعریف کا معنیٰ یہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو عبادت کے لیے قیام فرماتے یہاں تک کہ آپ کے قدم مبارک متورم ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: طٰہٰ بمعنے اے طٰہٰ یعنی طالب شفاعت اور ہادی بشر (صلی اللہ علیہ وسلم) ما انزلنا علیک القراٰن لتشقٰی (ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑیں۔ لتشقٰی بمعنے لتقع به فی التعب (تاکہ آپ دکھ میں پڑیں)۔

ف: بعض نے کہا کہ طٰہٰ میں طا کے نو اور ہا کے پانچ عدد ہیں۔ گویا کہا "اے چودھویں کے چاند"۔ اور یٰسٓ کی تعریف کا مفہوم ہم نے اوپر عرض کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی رسالت کی قسم کھائی ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یٰسٓ بمعنے یا سید البشر وغیرہ۔ جس کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے اور وہ بھی منجملہ آپ کی تعریف کے ہے۔

عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ یہ خبر دیگر ہے یعنی آپ صراط مستقیم پر ہیں کیونکہ آپ توحید اور ان شرائع پر متمکن ہیں جو جنت میں لے جانے والی ہیں اور قربتِ الٰہی اور رضائے خداوندی اور لذت ابدی اور لقائے الٰہی بخشتی ہیں۔ اسی مضمون کو دوسرے مقام پر یوں بیان فرمایا:

انک لعلٰی ھدًی مستقیم۔

(بیشک تم صحیح ہدایت پر ہو)

یعنی تم وہ رسول ہو جن کا راستہ سیدھا اور دین درست اور شریعت پاک اور سیرۃ پسندیدہ ہے۔ کما فی کشف الاسرار۔

سوال: انک لمن المرسلین کے بعد علٰی صراط مستقیم لانے کی کیا ضرورت تھی جبکہ سب کو معلوم ہے کہ رسول (علیہ السلام) ہوتا ہی وہی ہے جو صراطِ مستقیم پر ہو۔

جواب : تصریح مطلوب ہے تاکہ نظام واحد میں دو صفتیں جمع ہوں یعنی رسالت واستقامت - اب معلوم ہُوا کہ آپ ان رسل کرام میں سے ہیں جو ایسے راستہ پر ہیں جو ثابت اور سیدھا ہے۔

نکتہ : صراطِ مستقیم کو تنکیر کے ساتھ اس لیے لایا گیا ہے کہ اس کی تفخیم پر تنبیہ ہو یعنی جس راہ پر آپ ہیں اس کی کُنہ تک پہنچنا مشکل ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یٰسٓ سے صراطِ مستقیم تک حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیادت کی طرف اشارہ ہے اور تنبیہ ہے کہ آپ کے کمالات تک کسی کو رسائی نہیں اس لیے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے قسم کے بعد آپ کی رسالت کی گواہی دی۔ انك لمن المرسلين اور ایسے قاب قوسين او ادنیٰ کے قرب تک سیدھے راستہ پر ہے بلکہ کمال قُرب تک آپ کا کوئی ہم پلّہ نہیں۔

حدیث شریف چنانچہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لی مع الله وقت لا یسعنی فیه ملك مقرب ولا نبی مرسل۔

(میرا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت ہوتا ہے کہ وہاں نہ کسی ملک مقرب کو گنجائش ہے نہ کسی نبی مرسل کو)

کیونکہ ہر نبی علیہ السلام کا صراطِ مستقیم کے لیے مقام معیّن ہے جیسا کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ شبِ معراج ہر آسمان میں بعض انبیاء علیہم السلام کو دیکھا، یہاں تک کہ فرمایا :

رأیت موسٰی علیه السلام فی السماء السادسة ورأی ابراهیم علیه السلام فی السماء السابعة۔

(میں نے موسٰی علیہ السلام کو چھٹے آسمان پر دیکھا اور ابراہیم علیہ السلام کو ساتویں پر)

اس میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک نبی علیہ السلام کا مرتبہ بیان فرمایا۔

تفسیر عالمانہ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝ اس کا منصوب ہونا علی المدح ہے۔ فعل محذوف اعنی کے اعتبار سے اصل عبارت یوں ہے :

اعنی القرآن الحکیم الخ

یہ مصدر بمعنے مفعول یعنی منزل ہے جیسے اہلِ عرب کہتے ہیں :

هذا الدرهم ضرب الامیر۔

ضرب بمعنے مضروب ہے یعنی یہ وہ درہم ہے جس پر امیر کی مہر لگی ہوئی ہے اور اس سے قرآن مراد ہے کیونکہ یہ اذہان میں اتنا سما چکا ہے کہ تنزیل کا نام سنتے ہی سب کو یقین ہو جاتا ہے کہ وہ

نازل شدہ قرآن ہی ہے اس اعتبار سے گویا وُہ عین تنزیل ہے۔

نکتہ : تنزیل میں اس کے کثرت نزول کی طرف اشارہ ہے کہ وہ قرآن مجید دوسری کتب کی طرح یکبارگی نہیں بلکہ کرّات ومرّات بار بار نازل ہوا ہے جس کی مدت تئیس سال ہے۔ مکہ معظمہ میں تیرہ سال اور مدینہ منورہ میں دس سال۔ کبھی آیت آیت کبھی سورت سورت۔ جتنی ضرورت ہوتی اتنا نازل ہوتا۔

العزیز بمعنے الغالب علی جمیع المقدورات۔ یعنی وہ جمیع مقدورات پر غالب اور بہت بڑا ہے کہ جسے کسی کی اطاعت کی ضرورت نہیں۔ اور جو اس کی مخالفت کرے اور قرآن مجید کی تصدیق نہ کرے تو اس سے بدلہ لے سکتا ہے۔

وظیفہ برائے ہر ضرورت اس اسم کی خاصیت یہ ہے کہ صورۃً وحقیقۃً ومعناً عزت و غنا نصیب ہوتا ہے جو شخص ہر روز چالیس دن چالیس دفعہ پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائے گا، اسے عزت بخشے گا اور مخلوق میں اسے کسی کا محتاج نہ بنائے گا۔

ف : الاربعین الادریسیہ میں ہے یا عزیز بمعنے منیع اور جملہ امور پر غالب کہ اس کے آگے آنے والا کوئی نہ ہو۔

ہلاکتِ اعداء شیخ سہروردی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جس نے سات روز مسلسل ایک ہزار بار روزانہ پڑھا اس کا دشمن تباہ وبرباد ہو جائے گا۔ اگر لشکر کے منہ پر ستر بار پڑھ کر دم کیا جائے تو دشمن شکست کھا جائے گا۔

خاصیت اسمِ رحیم الرحیم بمعنے اپنے ایمان دار بندوں پر فضل کرنے والا ان پر قرآن نازل کرکے۔ تاکہ انہیں خوابِ غفلت اور خوابِ نسیان سے بیدار کیا جائے۔ اس اسم کی خاصیت مخلوق کے قلوب میں رقت ورحمت پیدا کرنا ہے۔ جو اس پر سو بار مداومت کرے گا اسے رقتِ قلبی ورحمت حاصل ہوگی۔

دفعِ پریشانی جسے کسی ناگوار واقعہ میں خطرہ ہو تو وہ اس اسم کو اسم رحمٰن سے ملا کر بکثرت پڑھے یا لکھ کر اپنے پاس رکھے۔

ف : الاربعین الادریسیہ میں ہے یا رحیم بمعنے اے ہر فریادی اور دُکھ والے پر رحم کرنے والے اور اس کے فریادرس اور جائے پناہ۔

باغ کے پھلوں میں برکت اس اسم رحیم کو لکھ کر پانی میں دھو کر جس درخت پر ڈالا جائے اس کے پھلوں میں برکت ہوگی۔

اس اسم رحیم کو لکھ کر جسے پلایا جائے تو پینے والے کو پلانے والے کا اشتیاق ہو جائے گا۔

برائے حُب ایسے ہی اسم رحیم کے ساتھ طالب و مطلوب کے ساتھ اس کی ماں کا نام لکھا جائے تو مطلوب کی محبت میں حیران و سرگردان ہو کر طالب کو خود تلاش کر کے ملے گا۔ (کذا قال السہروردی)

ف: الارشاد میں ہے یہاں دو اسموں کی تخصیص اس لیے ہے کہ وہ غلبۂ تام اور رحمتِ عام کا مالک ہے اور ان پر ایمان لانے کی ترغیب و تخصیص ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعٰلمین۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قرآن مجید نازل کرتا ہے عزیز غنی سے جو اس کے نازل کرنے میں کسی کا محتاج نہ ہو اس لیے کہ وہ رحیم ہے اور اس کی رحمت کا تقاضا ہے کہ وہ قرآن کریم کو نازل کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رسی ہے جس کو طالب صادق تھامتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عزت و عظمت کے پردوں کی طرف رجوع کرتا ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ وہ بیگانوں کے لیے عزیز اور اہلِ ایمان کے لیے رحیم ہے اگر کسی کے لیے عزیز ہے تو ضروری نہیں کہ اس کے لیے رحیم ہو۔ ہاں جس کے لیے رحیم ہے اس کے لیے عزیز بھی ہے یہی وجہ ہے کہ کافروں کو دنیا میں معلوم نہیں ہو رہا ہے کہ وہ آخرت میں رحیم ہے۔ ہاں اہلِ ایمان کے لیے جب دیکھیں گے کہ ان کے لیے کتنا رحیم ہے تب سمجھیں گے ؎

دستِ رحمت نقاب خود بکشید
عاشقاں ذوقِ وصلِ او بچشید
ماند اہلِ حجاب در پردہ
مبتلائے فراق او مردہ

ترجمہ: دستِ رحمت نے خود پردہ کھینچا تو عشاق نے ذوقِ وصال چکھا اہلِ حجاب ہمیشہ پردے میں رہے بلکہ فراق کی بلا میں مرے۔

تفسیر عالمانہ لِتُنْذِرَ تنزیل کے متعلق ہے تاکہ آپ قرآن مجید کے ذریعے ڈرائیں قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ ما نافیہ اور جملہ قوم کی صفت ہے اور ان کی انذار کی محتاجی کی غایت کو بیان کرتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جس کے آباء و اجداد فترت کی طویل مدت گزارنے کی وجہ سے نہیں ڈرائے گئے اور وہ اہلِ کتاب نہ تھے۔ اس کی تائید وما ارسلنا الیہم قبلک من نذیر (اور ہم نے آپ سے پہلے ان کے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا)

یعنی اہل عرب۔ اور ھوالذی بعث فی الامیین اور ان کانوا من قبل لفی ضلال مبین سے بھی ہوتی ہے۔

ف : ما کو موصولہ و موصوفہ بھی بنایا جا سکتا ہے کہ یہ لتنذر کا دوسرا مفعول ہے اور اس کا عائد محذوف ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ آپ ڈرائیں اس قوم کو اس عذاب سے جس نے اسے ڈرایا یا وُہ عذاب جس نے ان کے آباء و اجداد (بعیدی) کو اسماعیل علیہ السلام کے زمانہ میں ڈرایا۔

سوال : پہلی تفسیر میں آباء کو اقرب اور دوسری میں ان کو ابعد سے تعبیر کرنے کا کیا معنیٰ؟

جواب : تاکہ یہ لازم نہ آئے کہ وہ منذرین وغیر منذرین تھے اس طرح سے معنیٰ غلط ہو جاتے گا کیونکہ ان کے آباء اقدمین کے ہاں نذیر آئے بخلاف ان کے آباء اقربین یعنی قریش کے کہ ان کے ہاں نذیر نہیں آئے اس آیت میں اس کی تائید ہے فرمایا :

افلم یدبروا القول ام جاءھم مالم یأت آباءھم الاولین۔

(کیا انہوں نے اس حکم میں تدبر نہیں کیا ان کے ہاں آیا ہے وہ جو ان کے آباء اوّل کے ہاں آیا)

سوال : تم نے کہا ہے زمانۂ فترت میں کوئی نبی نہیں آیا حالانکہ یہ تواریخ اور روایات صحیحہ کے خلاف ہے اس لیے کہ ہر زمانہ میں نبی آتے رہے یہاں تک کہ عرب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام کے بعد خالد بنی عبس کے پاس بالخصوص نبی مبعوث ہُوئے۔ مورخین کہتے ہیں ان کا مزار پہاڑ کی چوٹی پر جرجان کی جانب میں موجود ہے اسے خدا سے تعبیر کرتے ہیں اور خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نبی کی صفت سے موصوف فرمایا۔ چنانچہ جب ان کی صاحبزادی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اسے آپ نے فرمایا :

یا بنت نبی ضیعہ قومہ۔

(اے نبی کی صاحبزادی! اس کو اس کی قوم نے ضائع کیا)[1] الاسئلۃ المقحمۃ

جواب : اس کے مابین تطبیق یُوں ہو کہ اُمّۃ سے وہ امت مراد ہو جس پر عذاب واقع ہوا اور عذاب سے ان کی جڑ کاٹ دی گئی کیونکہ جس نذیر کے آنے کے بعد امت نے انکار و تکذیب کی وُہ عذاب سے

---

[1] اس نبی یعنی خالد عبسی کی تفصیل فقیر کی کتاب "تاریخ محبوب مدینہ" میں پڑھیے۔ اویسی غفرلہٗ

تباہ و برباد ہوئی نیز نذیر کا نہ ہونا کسی خاص علاقہ سے مخصوص نہیں ہوتا بلکہ وہ جملہ عالم کے لیے یکساں ہوتا ہے (واللہ اعلم)

فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ اس کا تعلق نفی انذار سے ہے اور اس کا حکم بھی اسی پر مترتب ہے اور ضمیر فریقین کے لیے ہے یعنی ان کے آباء کو کسی نے نہ ڈرایا وہ تو تمام اسی وجہ سے ایمان و رشد و حج توحید وادلۂ بعث سے غافل تھے۔ اور فاء علی الحکم المسبب عما قبلہ پر داخل ہے یعنی نفی متقدم اس کا سبب ہے یعنی عدم انذار ان کی غفلت کا سبب ہے۔

حلِ لغات الغفلۃ بمعنے کسی کے دل سے معنی کا نکل جانا۔ اور نسیان بمعنے اس کے پائے جانے کے بعد چلا جانا۔ بعض نے کہا غفلت بمعنے نوم القلب (قلب کی نیند) کیونکہ قلب نیند میں ہو اور زبان بولتی رہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں اگر وہ بیدار ہو تو زبان نہ بولے تو پھر کوئی فرق نہیں آتا اور قلب کی بیداری کا یہ ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ شاہد و حافظ و رقیب اور اس کے مصالح کے لیے قائم ہو۔ حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

۱ رب تال یقوہ بالقرأت
وھو یقضی بہ الی الخذلان

۲ لعنت ای کہ بہر لہجہ و صوت
شود از تو حضور خاطر فوت

۳ فکر حسن غنا برد ہوشت
متکلم شود فراموشت

۴ نشود بر دل تو تا بندہ
کین کلام خدا ست یا بندہ

۵ حکم لعنت ز قفل بے اخلاص
نیست با قارئان قرآن خاص

۶ پس مصل کہ درمیان نماز
میکند بر خدائے عرض نیاز

۷ چوں در صدق نیست بازو برد
میکند لعنت آں نماز برد

ترجمہ :- (۱) بہت سے قرآن کی تلاوت کرنے والے الٹا رسوائی حاصل کرتے ہیں۔
(۲) اسے ہر لفظ پر لعنت پڑتی ہے جبکہ اس سے حضورِ قلب مفقود ہو۔
(۳) اچھے لہجہ سے تیرا فکر چھن جاتا ہے خود کلام کا مالک تیرے دل سے بھول جاتا ہے۔
(۴) تیرے دل پر اس کے نور کا پرتو نہیں پڑے گا جس سے تمہیں معلوم ہو کہ یہ اس کا کلام ہے۔
(۵) لعنت کا حکم اس فعل پر ہے جس میں اخلاص نہ ہو اور یہ صرف قاریٔ قرآن سے خاص نہیں۔
(۶) مثلاً نمازی جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ عرض و نیاز میں مصروف ہے۔
(۷) اسے اگر خلوص نہیں تو اس پر بھی وہ نماز لعنت کرتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:
غفلت تین اعمال میں ہوتی ہے:

(۱) ذکر اللہ میں
(۲) طلوعِ فجر تا طلوعِ شمس
(۳) دین میں

ف : کشف الاسرار میں ہے:

دو انسان غافل ہیں:

(۱) امورِ دین اور اصلاحِ دین سے بے خبر۔ یہ دونوں دنیوی کاروبار میں سرمست اور سرگردان حیران رہ کر شہواتِ نفسانی میں منہمک اور فکر و عبرت سے دُور۔ انہیں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
والذین ھم عن اٰیٰتنا غافلون اولٰئک ماْواھم النار بما کانوا یکسبون۔
(اور وہ لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں وہی لوگ جن کا ٹھکانا جہنم ہے بسبب ان کے کرتوت کے)

حدیث شریف میں ہے:
عجبت لغافل ولیس بمغفول عنہ۔
(میں اس غافل سے متعجب ہوں کہ جس کا ہر لحہ کا حساب ہوگا)

(۲) دوسرا غافل وہ ہے جو دنیا میں اچھے کاموں اور ترتیب معاشش سے غافل ہو جس کے باطن پر سلطانِ حقیقت مسلط ہے اور وہ مکاشفہ جلالِ احدیت میں اتنا مستغرق ہے کہ اسے اپنی بھی خبر نہیں

اسے دنیا کی خبر ہے نہ آخرت و عقبیٰ سے آگاہی، گویا زبانِ حال سے کہتا ہے۔ ؎

ایں جہاں در دستِ عقلست آں جہاں در دستِ رُوح

پائے ہمت بر قفائے ہر دو زدہ سالار زن

ترجمہ: یہ جہان عقل میں گرفتار اور وہ جہان رُوح ہیں۔ اے بھائی! ان دونوں کی گردن پر قابو پالے (کسی کا نہ ہو صرف خدا کا ہو جا اور بس)

صوفیانہ مقولہ: صوفیہ کرام فرماتے ہیں، صوفی کائن بائن ہے ؎

۱ ہر کہ حق داد نورِ معرفتش
کائن بائن بود صفتش

۲ جان بحق تن بغیرِ حق کائن
تن ز حق جاں ز غیرِ حق بائن

۳ ظاہرِ او بخلق پیوستہ
باطنِ او ز خلق بگسستہ

۴ از دروں آشنا وہمخانہ
وز بروں در لباس بیگانہ

ترجمہ: (۱) جسے اللہ تعالیٰ نور بخشتا ہے وہ کائن بائن ہوتا ہے۔
(۲) تن جان بحق ہے اور بغیر حق کائن ہے تن حق سے جان ہے غیر حق سے بائن ہے۔
(۳) اس کا ظاہر خلق سے پیوستہ ہے لیکن باطن میں وہ خلق سے ٹوٹا ہوا ہے۔
(۴) اندر سے تو پورا آشنا ہے لیکن باہر سے اپنے لباس سے بھی بیگانہ ہے۔

ف: صوفیہ کرام نے فرمایا کہ یہ صفت درحقیقت بیدار لوگوں کی ہے اگرچہ وہ بظاہر خواب میں ہوں اس لئے کہ عارفین کی آنکھ نہیں سوتی ان کے غیر ہر وقت نیند میں ہیں اگرچہ بیدار ہوں کیونکہ ان کے دل کی آنکھیں بند ہیں۔

وصیتِ نبی برائے علی (صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ عنہ) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیتوں میں ایک یہ بھی ہے،

فرمایا: اے علی! مُردوں کے ساتھ نہ بیٹھنا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: مُردے کون؟ آپ نے فرمایا: جاہل و غافل۔

اے اللہ! ہمیں اہلِ علم وعرفان والیقان وشہود وعیان سے بنا اور دارین میں ہمیں اپنے لقاء سے مشرف فرما اور ہلا حظلاء کونین سے ہمیں بچھڑنے۔ (آمین)

لَقَدْ لام قسم کا جواب ہے یعنی واللہ لقد، بخدا بیشک حَقَّ الْقَوْلُ ثابت ومتحقق ہو گیا قول عَلٰٓی اَكْثَرِهِمْ ان کے اکثر پر قوم کے اکثر لوگوں پر جنہیں تم خدا کے عذاب سے ڈراتے ہو یعنی اہلِ مکہ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ وہ ایمان نہیں لائیں گے یعنی باوجود تمہارے ڈرانے کے ان کو دولتِ ایمان نصیب نہ ہو گی فاء ماقبل کے مسبب کے حکم پر داخل ہے۔

ف : اہلِ تفاسیر کا اختلاف ہے کہ قول سے اللہ تعالیٰ کا حکم مراد ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے دوزخی ہیں۔ المفردات میں اس سے علمِ الٰہی مراد لیا گیا ہے اور بعض نے اس سے عذاب مراد لیا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان پر اللہ تعالیٰ نے عذاب واجب کر دیا۔ اور جمہور کہتے ہیں اس سے مراد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو فرمایا:

لاغوینھم اجمعین۔

اور لاملئن جہنم منک وممن تبعک منھم اجمعین۔

(میں ان سب کو گمراہ کروں گا اور میں تجھے اور تیرے تابعداروں سے جہنم بھروں گا)

اور آیت:

ولکن حقت کلمۃ العذاب علی الکافرین۔

(لیکن کفار پر کلمۂ عذاب ثابت و واجب ہو گیا)

اور یہ شیطان کے تابعداروں کو لازماً ہونا ہے وہ انسان ہوں یا جن۔ چونکہ اہلِ مکہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا علم ہے کہ وہ اس کی اتباع پر اصرار کریں گے اور کفر پر مریں گے اسی لیے یہ امران کو لازم ہو گیا لیکن نہ بایں معنیٰ کہ ان کو مجبور کیا جائے گا بلکہ ان کے اختیاری کفر اور اصرار وعدم تاثر از تذکیر وانذار کی وجہ سے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ قولِ مذکور کا وجوب وتحقق اس لیے ثابت ہوا کہ وہ کفر پر موت تک مُصِر رہیں گے اسی لیے فرمایا فھم لا یؤمنون، تو یہ درحقیقت اسی تقریر سے متعلق ہے نہ کہ ثبوت قول پر۔

ف : کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ یہ کفر یا شرک پر مریں گے، جیسے ابوجہل وغیرہ۔

تفسیرِ صوفیانہ اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ ہر سعید وشقی اپنی اپنی استعداد کے مطابق اس عالم میں قدم رکھتا ہے اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کے مطابق احوال ظاہر فرماتا ہے

وہ کسی کو کسی عمل پر مجبور نہیں کرتا جو کوئی اپنی بھلائی پائے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر کرے' جو اس کے خلاف پائے تو اپنے آپ پر ملامت کرے۔ اعمال انسان کے علامات تو ہیں لیکن موجبات نہیں۔ امور کا انجام وہی ہوتا ہے جو ابتداء کی تقدیر میں مکتوب ہے۔

حدیث شریف صحیح حدیث میں ہے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن باہر نکلے تو آپ کے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں، دائیں ہاتھ والی کتاب کے متعلق فرمایا:

"یہ رب العالمین کی طرف سے ہے اس میں اہلِ جنت کے نام ہیں اور ان کے آباد اور قبائل کے نام ہیں ان میں کمی بیشی نہ ہو گی۔"

پھر بائیں ہاتھ والی کتاب کے بارے میں فرمایا:

"یہ رب العالمین کی طرف سے ہے اور اس میں دوزخ والوں کے نام، ان کے آباد و قبائل کے نام درج ہیں ان میں کمی بیشی نہ ہو گی۔"

پھر آپ نے دونوں کتابوں کو ایک طرف رکھ کر فرمایا:

"تمہارا رب اب فارغ ہو گیا ایک گروہ بہشت میں ہو گا اور ایک دوزخ میں۔"

ف: اس سے معلوم ہوا کہ اہلِ سعادت بہت کم ہیں اور اہلِ شقاوت بہت زیادہ۔ اہلِ سعادت وہ ہیں جنہوں نے ازل میں خطابِ الٰہی اور خطابِ نبی علیہ السلام سن کر جواب دیا۔

نکتہ: اہلِ سعادت اس لیے قلیل ہیں کہ ایجادِ کائنات کا مقصود ہے کہ بندوں میں سے اپنا خلیفہ بنایا جائے اور خلافت کے لائق ایک ہی ہو سکتا ہے اور وہ سوادِ اعظم ہے۔ جسے ہم نے اہلِ سعادت سے تعبیر کیا۔

بعض اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس نے

محمدی شان علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بیداری میں دیکھا اس نے گویا سب اہلِ قرب کو دیکھا اس لیے کہ آپ جملہ اہلِ قرب کے جامع ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس نے آپ کی اقتداء کی اُسے جملہ انبیاء علیہم السلام کی اقتداء نصیب ہوئی۔

ف: اسلام عمل کا نام ہے اور ایمان تصدیق کا اور احسان رؤیت یا بمنزلہ رؤیت ہے۔ اسی لیے اسلام میں فرمانبرداری اور ایمان میں اعتقاد اور احسان میں اشہاد (مشاہدہ کرنا) شرط ہے۔

ف: جو ایمان لایا اس نے دین کے اعلیٰ مراتب کو پا لیا اور جس نے دین کے اعلیٰ مراتب کو پا لیا وہ

اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلندی اور عزت کو پہنچا۔ اور جو کفر کرتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نور کو مکمل کرنے والا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

ہر کہ بر شمع خدا آرد پفو
شمع کے میرد بسوزد پوز او

ترجمہ : جو شمع خدا کو پھونک مار کر بجھاتا ہے شمع تو نہیں بجھ سکتی البتہ پھونک مارنے والے کا چہرہ جل جائے گا۔

ف : جب مشرکین نے یوم اُحد میں اعلان کیا ، اعل ھُبل (اے ہبل اونچا ہو) ۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ہُبل کو ذلیل و خوار کیا۔

ف : ھُبل ان کا بُت تھا جس کی دورِ جاہلیت میں وُہ پُوجا کرتے تھے ۔ اور وہ بُت پتھر سے تیار کیا گیا تھا جسے غلبۂ اسلام کے بعد لوگ باب بنی شیبہ کے عتبۂ سفلی میں پیروں تلے روندتے تھے اور آج وُہ سر کے بل پڑا ہے۔

سبق اگر تم اس راز کو سمجھ سکتے ہو تو الحمد للہ ورنہ خاموش رہو کہ خاموشی میں نجات ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے امور میں جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے جملہ عالم میں جو کچھ ہُوا یا ہو رہا ہے یہ تمام اس کی حکمت کے ماتحت ہے۔ اس نے ہر شے کو مصلحت کے تحت پیدا کیا ہے اور کرتا رہے گا۔ جو اس نے کیا ہے اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرو جس کا اس نے انکار کیا تم بھی اسے بُرا سمجھو گے ، اسے غلط کہنے سے بچو (ورنہ نقصان پاؤ گے)

تفسیر عالمانہ اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ بے شک ہم نے بتقاضا تے قہر و جلال بنایا یعنی پیدا کیا ان کی گردنوں میں ۔

حلِ لغات : اعناق 'عنق' کی جمع ہے بمعنے گردن ۔ اور ھُم ضمیر کا مرجع اکثر اہل مکہ ہیں ۔

اَغْلٰلًا بڑی بیڑیاں ۔

حلِ لغات : غُل (بالضم) کی جمع - وُہ زنجیر جو ہاتھ کو گردن کے اردگرد باندھی جائے عذاب اور تشدد کے طور ۔ وُہ زنجیر لوہے کی ہو یا کسی دوسری شے کی ۔

القہستانی نے لکھا کہ الغُل یعنی لوہے کی وُہ زنجیر جس سے ہاتھ اور گردن کو ملا کر ایسا مضبوط باندھا جائے کہ مجرم سر بھی نہ ہلا سکے ۔

المفردات میں ہے الغُل بمعنے شے کا کسی شے کے درمیان میں ہونا۔ اسی سے ہے الغلل

یعنے جاری پانی۔ اور یہ اس سے مخصوص ہے جو مقید ہو اس میں اعضاء درمیان میں رہیں۔ اور کہا جاتا ہے:

غل فلان بمعنی قید بہ۔ اسے اس سے مقید کیا گیا۔

اور بخیل کو بھی مغلول الید کہتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وقالت الیھود ید اللہ مغلولۃ غلت ایدیھم۔

(اور یہود نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے بندھے ہوئے

یعنی وہ بخیل ہے (معاذ اللہ) خدا کرے اُن کے ہاتھ بندھے ہوں یعنی ذلیل وخوار ہوں۔ (آمین)

فَهِيَ إِلَى الْأَذْقَانِ فا نتیجہ یا تعقیبیہ ہے۔ الاذقان' ذقن کی جمع ہے۔ دو جبڑوں کی اجتماع گاہ یعنے زنخدان (ٹھوڑی) یعنی بیڑیاں ان کی ٹھوڑیوں تک پہنچیں گی اور ایسی مضبوط جکڑی ہوئی ہوں گی کہ مجرمین ان کے ہوتے ہوئے سر ہلا سکیں گے نہ اِدھر اُدھر دیکھ سکیں گے۔ خلاصہ یہ کہ بیڑیاں ٹھوڑیوں میں ایسی پیوست ہو جائیں گی کہ مجرمین سر ہلا سکیں گے نہ اِدھر اُدھر دیکھ سکیں گے۔

ف: زنجیروں کے ٹھوڑی تک پہنچنے کے دو سبب ہو سکتے ہیں:

(۱) ایسے موٹے اور چوڑے ہوں گے کہ سینہ کو بھر دیں گے جس سے ٹھوڑی تک پہنچنا لازمی امر ہے اسی لئے مجرم سر کو نہ اوپر اٹھا سکے گا نہ نیچے، نہ دائیں بائیں پھیر سکے گا۔

(۲) اس لیے کہ وہ زنجیریں دونوں ہاتھوں اور سر کو ملا کر جکڑی جائیں گی اور دونوں زنجیروں کا ٹکراؤ ٹھوڑی کے نیچے ہوگا اور وہ اتنا گاڑھا ہو جائے گا کہ سر ہلانے کی ہمت نہ ہو سکے گی۔

فَهُمْ مُّقْمَحُونَ ○ تو وہ سر کو اٹھائے اور آنکھیں بند کئے ہوں گے۔ الاقماح یعنے سر کو اُوپر اٹھا کر آنکھیں بند رکھنا۔

کہا جاتا ہے، قمح البعیر قموحا فھو قامح۔

یہ اس وقت بولتے ہیں کہ جب اونٹ پانی پی کر تالاب کے نزدیک سر اٹھائے پانی سے سیر ہو کر یا اس کے بہت زیادہ ٹھنڈا ہونے کی وجہ سے یا اس کی طبع کی ناپسندیدگی کی وجہ سے۔ اور کہا جاتا ہے:

واقمحت البعیر۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب اُونٹ کے سر کو کھینچ کر کے باندھا جائے۔ واقمحہ الغل یہ اس وقت کہتے ہیں جب کسی کو گردن باندھا گیا کہ اس کا سر اوپر کو رہا۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ آیت میں اگرچہ صیغہ ماضی ہے لیکن مراد اس سے زمانہ مستقبل ہے کہ آخرت میں ان کے ساتھ یونہی ہوگا جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا:

وجعلنا الاغلال فی اعناق الذین کفروا۔
(اور ہم کافروں کی گردنوں میں بیڑیاں ڈالیں گے)

مسئلہ: فقہاء کرام نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے کہ سزا کے طور پر غلام وغیرہ کی گردن میں لوہا وغیرہ نہ ڈالا جائے کیونکہ یہ سزا اہلِ نار کے ساتھ مخصوص ہے۔

مسئلہ: فقہاء کرام نے فرمایا کہ اگر کسی غلام وغیرہ (جیسے شاگرد اور چھوٹے بچے) کے بھاگنے کا خطرہ ہو یا اس کی عادت بن گئی ہو تو سزا کے طور نہیں بلکہ اسے بھاگنے سے باز رکھنے یا حفاظت کی وجہ سے گلے میں پھندنا یا زنجیر وغیرہ ڈال جائے تو بلا کراہت جائز ہے کیونکہ سرکش لوگوں کی حفاظت کے لیے اہلِ اسلام کا یہ طریقہ رہا۔

ف: جمہور مفسرین نے کہا کہ یہ آیت ان اکثر کفار کے لیے تمثیل ہے جو کفر میں ایسے راسخ الاعتقاد تھے کہ جن کا اس سے ہٹنا ناممکن متصور ہو کر حق کی طرف معمولی طور گردن پھیر کر دیکھنا بھی انہیں بُرا محسوس ہو، جیسے مذکورہ بالا قیدی کا حال ہے ایسے ہی ان کا کفر میں ابتلاء ہے۔

ف: امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ فھم مقمحون سے مذکورہ بالا طرز کے اونٹ سے کفار کی تشبیہ دی گئی ہے یا ایسے اونٹ سے تمثیل دے کر بتایا گیا ہے کہ وہ کفر میں ایسے منہمک ہیں کہ ان کا حق کا ماننا اور راہِ ہدایت پر آنا ناممکن ہے اور ایسے ہی ان کے انفاق فی سبیل اللہ کا حال ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ گفت اغلالا فھُم بہ مقمحون
نیست آں اغلال بر ما از برون

۲ بند پنہاں لیک از آہن را بتر
بند آہن را کند پارہ بتر

۳ بند آہن را تواں کردن جدا
بند غیبی را نداند کس دوا

۴ مرد را زنبور اگر نیشی زند
طبع او آں لحظہ بر دفعی تند

۵ زخم نیشش اما چو از ہستی تست
غم قوی باشد نگردد درد سست

ترجمہ :(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا اغلالا فہم مقمحون ۔ وُہ اغلال ہم سے باہر نہیں۔

(۲) وہ زنجیریں پوشیدہ ہیں لیکن لوہے سے بھی بدتر ہیں بلکہ وہ لوہے کو ریزہ ریزہ کرنے والی ہیں۔

(۳) اس لیے کہ لوہے کی زنجیریں تو ٹکڑا ٹکڑا ہو سکتی ہیں لیکن غیبی بند کے جدا ہونے کا علاج کوئی نہیں جانتا۔

(۴) اگر کسی کو بھڑ ڈس لے، ایک وقت تو وہ اس کے درد کے دفع کرنے میں ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔

(۵) لیکن نیش کا زخم جب خود تمہارے اندر ہو تو اس کا غم بہت قوی ہوتا ہے اس کے درست ہونے کی اُمید بہت کم ہوتی ہے۔

ف : حضرت نقشبندی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اغلال سے نفسانی آرزوئیں و تمنائیں اور سلاسل سے حرص و طمع بر نقوش و آرائش دنیائے دُنی (کمینی) اور جس سے لذات وہمیہ و شہوات بہیمیہ متعلق ہیں، مراد ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا سدًّا بمعنے دیوار و حجاب۔ اسے حفص نے بالفتح اور باقون نے بالضم پڑھا لیکن دونوں کا معنیٰ ایک ہی ہے۔ بعض نے فرق کیا ہے وہ یہ کہ جو انسان بنائیں اسے بالفتح پڑھا جائے، اگر خدا تعالیٰ کی تخلیق سے ہو اسے بالضم پڑھا جائے وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا اور ہم نے بنائی ان کے آگے دیوار اور ان کے پیچھے دیوار فَأَغْشَيْنَاهُمْ تو ہم نے اندھا کر دیا۔ یہاں مضاف محذوف ہے کہ دراصل عبارت یوں تھی، غطینا ابصارھم۔ ہم نے ان کی آنکھیں اندھی کر دیں اور ان پر پردے ڈال دئے۔ الغشاوۃ وُہ شے جس سے پردہ ڈالا جائے فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ۝ فا ماقبل کے حکم مسبب پر داخل ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ جو شے کسی شے سے ہر جانب سے گھیر جائے وہ کسی کو نظر نہیں آتی۔

سوال : آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف دائیں بائیں نہیں دیکھ سکتے تھے حالانکہ جانبین مراد نہیں بلکہ جمیع جہات مراد ہیں تو پھر آیت میں صرف جانبین کی قید کیوں؟

جواب : چونکہ اشرف الجہات اگلی طرف ہوتی ہے اور ظاہر ترین بھی۔ اور پیچھے والی جہت اس کی نقیض ہے اسی لیے ان دونوں کے ذکر کی تخصیص ہوئی، ورنہ جمیع جہات مراد ہیں۔

ف : آیت تمثیل کی تکمیل اور تتمہ ہے۔
اب معنیٰ یہ ہُوا کہ مذکورہ امور کی وجہ سے یہ لوگ کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مستقل تمثیل ہو۔ ہے کیونکہ وہ جو ان کے لیے کہا گیا ہے کہ وہ دو دیوار وں سے مسدود ہیں ہم نے ان پر ایسے پردے ڈال دئے ہیں کہ اب وہ کسی شے کو دیکھنے کے لائق نہیں ہیں۔ جب ان کا یہ حال ہے تو پھر وُہ حق کے آیات و دلالات کو خاک دیکھ سکیں گے۔

ف : امام (فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ) نے فرمایا کہ آیات و دلائل پر غور و فکر کرنا دو قسم ہے :
(۱) سرے سے آیات و دلائل پر نظر نہ پڑے، اسے اس قیدی سے مثال دی گئی جو ایسا جکڑا ہوا ہو جو خود نہ دیکھ سکتا ہو۔
(۲) وُہ جو دیکھنے پر تو قادر ہے لیکن اسے روک دیا گیا ہو، اسے دوسری تمثیل سے سمجھایا گیا ہے کہ جیسے دیوار کہ اس کے باہر سے اندر چیز نظر نہیں آتی۔ ایسے ہی ان کی حالت ہے کہ یہ دلائل و آیات کو دیکھ نہیں سکتے باوجودیکہ وہ بکثرت ہیں لیکن ہیں محروم۔

ف : دلائل و آیات آفاقی ہیں یا انفسی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

سنریہم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسہم۔

ف : اناجعلنا فی اعناقہم کے بعد وجعلنا من بین ایدیہم الخ میں اشارہ ہے کہ یہ کفار ان دونوں قسم کی آیات و دلائل کی ہدایت سے محروم ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ محققین فرماتے ہیں کہ آگے کی دیوار سے طول امل و طمع بقا اور پیچھے کی دیوار غفلت از جنایات گزشتہ اور ان پر ندامت و استغفار کی قلت جسے یہ دونوں دیواریں گھیر لیتی ہیں اس کی آنکھیں دلائلِ قدرت کو دیکھنے سے عاجز، اور فلاح و ہدایت کی راہ تک پہنچنے سے اندھی ہوتی ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے، ؎

۱ خلفہم سدا فاغشینا ہمو
می نہ بیند بند را پیش و پس او

۲ رنگ صحرا دارد آں سدی کہ خاست
او نمی داند کہ آں سر قضاست

۳ شاہد تو سد روئے شاہد است
مرشد تو سد گفت مرشد است

ترجمہ :(۱) سد (دیوار) ان کے پیچھے ہے اس سے ہم نے انہیں چھپایا اسی لیے وہ آگے اور پیچھے کی کوئی نصیحت نہیں دیکھ سکتے۔

(۲) جیسی دیوار ہے صحرا کا بھی وہی رنگ ہے۔ اُسے معلوم نہیں کہ قضا و قدر کا راز کیا ہے۔

(۳) تیرا شاہد محبوب کا چہرا دیوار ہے تیرا مرشد بھی دیوار ہے۔

شانِ نزول و معجزۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) مروی ہے کہ ابو جہل نے لات و عزیٰ کی قسم کھائی کہ اگر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے مسجد حرام میں نماز پڑھتے پایا تو میں پتھر سے آپ کا سر پھوڑ دُوں گا تاکہ عرب والوں کی جان چھُوٹے۔ ایک دن دیکھا کہ آپ حرم کعبہ معظمہ میں نماز ادا فرما رہے ہیں اس ملعون نے پتھر اٹھایا حضور علیہ السلام کے قریب پہنچا پتھر کو اوپر اٹھایا تاکہ آپ کو دے مارے۔ لیکن جُونہی اس لعین نے پتھر اُوپر اٹھایا تو پتھر اس کی گردن میں پھنس کر اس کے ہاتھوں سے چمٹ گیا ناامید ہو کر لوٹا تو اس کی قوم بنو مخزوم نے ماجرا پُوچھا تو صورت حال بتائی۔ اس کی قوم نے بڑی کوشش کے بعد پتھر اس کی گردن سے نکالا۔ یہ آیت اس کے حق میں نازل ہوئی کہ انا جعلنا فی اعناقھم الخ ہم نے ہی اس کی گردن میں ڈالا اور ہم نے ہی ابوجہل کو اس ارادۂ بد سے واپس کیا۔

(۲) ولید بن مغیرہ مخزومی نے قسم کھائی کہ میں اس پتھر سے (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) کو (نعوذ باللہ) قتل کر ڈالوں گا۔ لیکن جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچا تو وہ اندھا ہو گیا۔ واپس آیا تو اپنے ساتھیوں کو بھی نہ دیکھ سکتا تھا ساتھیوں نے اسے بلا کر حال پوچھا تو اس نے کہا میں اندھا ہو گیا ہوں اللہ تعالیٰ نے اس کے حق میں وجعلنا من بین ایدیھم الخ نازل فرمائی،

ف : دونوں آیتوں میں ھُم ضمیر جملہ کافروں کی طرف لوٹانا صحیح ہے اگرچہ کام ایک کا ہے کیونکہ ان کا طریقہ ہے کہ فعل کی نسبت جملہ قوم کی طرف ہوتی ہے۔ مثلاً کہتے ہیں،

بنو فلان فعلوا کذا۔

حالانکہ وُہ کام کرنے والا ایک ہوتا ہے۔

وظیفۂ غلبہ بر اعداء

علماء کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیت دشمن کے شر سے بچنے کا بہترین وظیفہ ہے کہ پڑھ کر دشمن پر دم کی جائے ان شاء اللہ دشمن کے شر سے حفاظت رہے گی۔

ہجرت و معجزہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شب ہجرت کفار رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی غرض سے آپ کے دولتکدہ پر پہنچے آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر آرام فرمانے کا حکم فرمایا اور خود وجعلنا من بین ایدیھم ومن خلفھم الخ پڑھتے ہوئے دولت کدہ سے باہر تشریف لائے۔ کافر ایسے اندھے رہے کہ آپ کو دیکھ بھی نہ سکے اور آپ اس آیت کی برکت سے ان کے شر سے محفوظ ہو کر مدینہ پاک کی راہ لی۔ (کشف الاسرار)

انسان العیون میں ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دولت کدہ سے باہر نکلے تو مٹی مستھی مبارک میں لے کر اپنے گھر مبارک کے دروازے پر کھڑے ہو کر کافروں کے سروں کی طرف پھینکی اور گھر سے چل پڑے۔ کافر آپ کو دیکھ بھی نہ سکے مٹی پھینکتے وقت آپ پڑھتے تھے یٰسٓ والقرآن الحکیم تا لا یبصرون اللہ تعالیٰ نے کافروں کی آنکھیں گویا اندھی کر دیں کہ وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ دیکھ سکے۔

تفسیر عالمانہ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ اہل مکہ کو آپ کا ڈرسنانا نہ سنانا برابر ہیں۔ ءانذرتھم الخ اگرچہ جملہ فعلیہ استفہامیہ ہے لیکن یہ مصدر مضاف کے معنیٰ میں ہے اور وہ اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے اس اعتبار سے اس سے خبر دینا جائز ہو گیا کیونکہ اب اس کی خبر کی جانب معنیٰ کی طرف کھنچ گئی اسی قانون پر ہے تسمع بالمعیدی خیر من ان تراہ (معیدی کی بات سننا اس کے دیکھنے سے بہتر ہے)

ف : ہمزہ استفہام اور ام معنی استواء و تاکید کی تقریر کے لیے ہیں اس لیے کہ استفہام کا معنیٰ استواء و تاکید سے خالی کر لیا گیا ہے جیسے استواء کی خاطر انہیں استفہام سے علیحدہ رکھا گیا ہے جیسے تخصیص کے لیے حرف ندا کو اللھم اغفر لنا ایتھا العصابہ میں طلب کے معنی سے خالی کیا گیا ہے تو جیسے اس حرف میں ندا کا معنیٰ نہیں ایسے ہی ءانذرتھم میں حرف استفہام کے باوجود استفہام نہیں۔

لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ ایمان نہیں لائیں گے اس لیے اللہ تعالیٰ کے علم قدیم میں مثبت ہے کہ یہ کافر ہو کر مریں گے اور ان کا کفران کے اپنے اختیار سے ہوگا۔ یہ جملہ مستانفہ ما قبل کا مؤکد اور استواء کے معنیٰ کے اجمال کو بیان کرنے والا ہے۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے تو اسے انذار کوئی فائدہ نہ دے گا۔

قدری بدمذہب سے حضرت عمر بن عبد العزیز کا مناظرہ اور آپ کی کرامت

مروی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے غیلان قدری (بدمذہب) کو بلا کر فرمایا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم قدری مذہب کو ترجیح دیتے ہو۔ کہا لوگ غلط کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے غیلان! سورہ یٰسٓ کی ابتدائی آیات تا لایؤمنون پڑھیے۔ غیلان نے پڑھنے کے بعد کہا: اے امیر المؤمنین! مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ گویا میں نے اس سے قبل یہ آیات کبھی پڑھی نہیں آپ گواہ ہو جائیے کہ قدری (بدمذہبی) سے توبہ کرتا ہوں۔
حضرت عمر بن عبد العزیز نے کہا:

اللھم ان کان صادقا فتب علیہ وثبتہ وان کان کاذبا فسلط علیہ من لا یرحمہ واجعلہ اٰیۃ للمؤمنین۔

(اے اللہ! اگر وہ سچا ہے تو تو اس کی توبہ قبول فرما اور اسے ثابت قدم رکھ اور اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر ایسا آدمی مسلط فرما جو اس پر رحم نہ کرے اور اسے اہل ایمان کے لیے عبرت بنا)

اس کے بعد اسی غیلان (بدمذہب) کو ہشام بن عبد الملک نے گرفتار کر کے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دئے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں میں نے اسے دمشق کے دروازے پر سولی پر لٹکے دیکھا۔

سبق حکایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قدری (بدمذہب) کہتے ہیں کہ ہر بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے اس کے جرائم و معاصی اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں نہیں۔

ف: حضرت امام مطرزی المغرب (نام کتاب) میں لکھتے ہیں کہ قدری (بدمذہب) کہتے ہیں کہ القدریہ ایک فرقہ مجبرہ ہے جو ہر امر اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ثابت کر کے جملہ قبائح اس کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ وہ ان سے بلند و بالا اور منزہ و مقدس ہے۔

ربط: انذار قبول نہ کرنے والوں کے بعد ان کا ذکر ہے جو انذار سے فائدہ پاتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا **اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ** نفع نہ دے گا آپ کا انذار مگر اسے جو قرآن کی اتباع کرے گا تامل کر کے یا اس کے وعظ و تذکیر سے اور وہ شیطان کے قدموں پر چلنے میں اصرار کرے گا **وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ** اور رحمان سے غائبانہ ڈرتا ہے یعنی باوجودیکہ وہ عذاب سے غائب ہے اس نے اسے کبھی دیکھا نہیں لیکن پھر بھی ڈرتا ہے یا یہ کہ اس سے عذاب غائب ہے کہ ابھی اس کے نزول کا وقت نہیں آیا تب بھی ڈرتا ہے بالغیب مفعول سے حال ہے یا یہ معنی ہے

کہ وہ لوگوں کی آنکھوں سے غائب ہے یعنی خلوت میں ڈرتا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دھوکا نہیں کھاتا بلکہ سمجھتا ہے کہ وہ منتقم اور قہار ہے اگرچہ وہ رحیم وغفار ہے پھر اس کے عذاب وغضب سے کس طرح بے خوفی ہو باوجودیکہ اس نے فرمایا بھی ہے کہ ان عذاب ربک غیر مامون (بیشک تیرے رب کے عذاب سے وہ غیر مامون ہیں)۔

ف : جس پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی کثرت ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی اسے نصیب ہوتی ہیں تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ کا خوف بھی بہت ہوتا ہے اور پھر اس کو نعمتیں مسلسل نصیب ہوتی رہتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ غائبانہ خشیۃ رحمان سے نصیب ہوتی ہے ورنہ اس کا تقاضا یہ تھا کہ قہر کے ذکر کے بعد ہو خشیت ہو لیکن باوجودیکہ قہر کا ذکر بھی نہیں ہوتا تب بھی وہ خشیت میں ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے وخشی الرحمٰن اور وہ رحمان سے ڈرتا ہے غیبی نور کی وجہ سے جس کا اسے مشاہدہ ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کفر وعصیان کا انجام بربادی ہوتا ہے اور اسے شواہد حق سے حلاوتِ ایمان نصیب ہوتی ہے اور اسے معلوم ہوتا ہے کہ رتبۂ عرفان کی رفعت کتنی ارفع واعلیٰ ہے۔

تفسیر عالمانہ فَبَشِّرْهُ اسے خوشخبری سناؤ جو قرآن کی اتباع کرتا اور رحمان سے غائبانہ ڈرتا ہے۔ ضمیر واحد کی بوجہ لفظ مَن کے ہے کہ وہ لفظاً مفرد ہے بِمَغْفِرَةٍ اس کے گناہوں کی بہت بڑی مغفرت وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ۝ اور بہت بڑا اجر یعنی اس کے اعمال صالحہ سے اللہ تعالیٰ کی وہ بہت بڑی خوشنودی کہ جس کا اندازہ کسی کو معلوم نہیں یعنی بہشت اور اس کے اندر کی وہ نعمتیں جو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کے لیے تیار کی ہیں جو اتباع القرآن وخشیۃ الرحمان کے جامع ہیں فاء البشارت کی یا اس کے امر کی ماقبل یعنی اتباع الذکر وخشیۃ کی ترتیب کے لیے ہے۔

صاحبِ روح البیان کی تحقیق فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ تبشیر دو امور کی دو امور پر مرتب ہے مثلاً تامل فی القرآن یا تاثر عن الوعظ ایمان کی طرف پہنچاتا ہے جو مغفرت کا موجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ شرک کے ماسوا جسے چاہے بخش دے اور خشیت حسنات تک پہنچاتی ہے جو اجر کریم کی موجب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

جزاءً بما کانوا یعملون۔
(یہ ان کے اعمال کی جزا ہے)

ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ انذار صرف اصحابِ ذکر پر اثر ڈالتا ہے اس لیے کہ انھیں مذکور (ذات حق) کی عظمت کا مشاہدہ نصیب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وعظ تعظیم و تکریم الٰہی کا ان کے دلوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ جب تعظیم الٰہی میں اضافہ ہوتا ہے تو ان میں عبودیت کا بھی اضافہ ہوتا ہے دنیوی پریشانیوں سے ہٹ کر انس مع الرب حاصل کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ معلوم ہو کہ جنت دارِ جمال و انس و تنزل الٰہی ہے اور نار دارِ جلال و جبروت ہے اسم رب اہل جنت کے ساتھ ہے اور اسم جبار ہمیشہ اہل نار کے ساتھ ہے۔

حدیثِ قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
ھؤلاء للجنة ولا ابالی وھؤلاء للنار ولا ابالی۔
(یہ بہشتی ہیں مجھے کوئی پروا نہیں اور یہ دوزخی ہیں مجھے کوئی پروا نہیں)

ف : اللہ تعالیٰ کو اس لیے پروا نہیں کہ اس کی رحمت غضب پر سبقت کر گئی کہ اہلِ توحید کو رحمت اور اہلِ شرک کو غضب نصیب ہوگا۔ یا رحمت سے عدم سے ایجاد کی رحمت مراد ہے اس لیے کہ وہ غضب کے سبب یعنی معاصی و کفر سے پہلے ہے اسی لیے اس کی پروا نہیں جو ان دونوں فریقوں کے ساتھ کرے گا۔

ازالۂ وہم اگر عدم المبالاۃ سے مراد وہ ہو جو کسی کو وہم ہوا ہے تو پھر وہ جرائم پر مواخذہ فرماتا اور نہ ہی اپنے آپ کو غضب سے موصوف فرماتا اور نہ ہی کسی کو بطش شدید ہوتی حالانکہ یہ سب مبالاۃ سے ہوگا اور جس سے مواخذہ ہوگا تو بھی اسی مبالاۃ سے (تو پھر کسی وہم کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی پروا نہیں کہ اس طرح ہو یا اُس طرح)، فتوحاتِ مکیہ۔

تفسیر عالمانہ اِنَّا بیشک ہم اپنی کمال قدرت سے ضمیر جمع کی تعظیم یا کثرت صفات کی وجہ سے ہے بعض نے کہا چونکہ احیاء الموتیٰ میں ملائکہ کو کام سپرد ہوتا ہے اسی لیے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے لیکن نَحْنُ کی تخصیص اس قول کو رد کرتی ہے۔ بحر العلوم میں ہے کہ ضمیر کا تکرار تاکید کے لیے ہے نُحْیِ الْمَوْتٰی ہم ہی مُردوں کو جلائیں گے مرنے کے بعد اور ان کے اعمال کے مطابق انھیں جزا و سزا دیں گے اس وقت اکرام و انتقام کا مظاہرہ ہوگا کہ اہلِ ایمان کو تعظیم و تکریم سے بہشت میں پہنچایا جائے گا اور اہل کفر و معاصی کو ذلیل و خوار کر کے دوزخ میں لایا جائے گا۔

احیاء و موت کیا ہے احیاء بمعنے شے کو حس و حرکت کے ساتھ زندہ کرنا۔ اور موت بمعنے شے سے روح نکال لینا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر غنی دولت مند اور بادشاہ ظالم پر میّت کا اطلاق فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا :

اربع یمتن القلب الذنب علی الذنب وکثرۃ مصاحبۃ النساء وحدیثھن و ملاحاۃ الاحمق تقول لہ ویقول لک. ومجالسۃ الموتیٰ قیل یا رسول اللہ وما مجالسۃ الموتیٰ وقال کل غنی مترف و سلطان جائر۔

(چار باتیں قلب کو مُردہ بنا دیتی ہیں :

(۱) گناہ پر گناہ

(۲) عورتوں کے ساتھ بکثرت مصاحبت اور ان سے باتوں میں لگے رہنا۔

(۳) احمق سے ہنسی مذاق

(۴) مُردوں کی صحبت۔

عرض کیا گیا :

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مُردوں کی صحبت کا کیا مطلب ؟

آپ نے فرمایا :

ہر غنی مترف اور ہر ظالم بادشاہ مُردہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ اقبال وسعادت مندی کے پانی سے ہم ان قلوب کو زندہ کرتے ہیں جو قساوۃ سے مر چکے ہیں۔ یہاں پر احیاء مجازاً بمعنے الھدایۃ ہے۔

تفسیر عالمانہ وَنَكْتُبُ اور ہم لکھتے ہیں یعنی لوحِ محفوظ میں محفوظ اور ثابت کرتے ہیں جیسے کہ دوسری آیت دلالت کرتی ہے یا یہ معنیٰ ہے کہ ہمارے رسل (ملائکہ) یعنی کراماً کاتبین لکھتے ہیں لیکن اس فعل کا اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف ہونا تر ہے کیونکہ حقیقی آمر وہی ہے مَا قَدَّمُوْا وہ جو نیکی و برائی کا ارتکاب کر چکے ہیں۔

سوال : اعمال کی کتابت پہلے اور احیاء الموتیٰ بعد کو ہو گا لیکن آیت میں کتابت اعمال کی تاخیر ہے کیوں؟

جواب : قیامت میں مقصود احیاء ہے اگر احیاء نہ ہو گا تو کتابت اعمال کا کیا فائدہ !

وَاٰثَارَهُمْ اثر الشئ بمعنے حصول المدلول علی الوجود یعنی ان کے وہ آثار جنہیں انہوں نے حسنات

سے باقی رکھی جیسے علم جسے انہوں نے پڑھایا کتاب جو انہوں نے لکھی اور تصنیف و تالیف کی یا مال و اسباب جسے وقف کیا یا تعمیرات چھوڑیں جیسے مساجد، رباطات، پُل۔ ایسے ہی دیگر بر و احسان اور نیکی کے امور۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ نمرد آنکہ ماند پس از وے بجائے
پل و مسجد و خان و مہمان سرائے

۲ ہر آن کو نماند از پسش یادگار
درخت وجودش نیاورد بار

۳ ور گرفت آثار خیرش نماند
نشاید پس از مرگ الحمد خواند

ترجمہ: (۱) وہ نہیں مرا جس نے اپنے پیچھے چھوڑے پل، مسجد، مہمان خانے اور سرائیں۔

(۲) جس کے پیچھے کوئی یادگار نہیں ایسے ہے جیسے درخت تو ہو لیکن اس کا پھل نہ ہو۔

(۳) اگر کوئی مرا ہے لیکن اس کی کوئی اچھی یادگار نہیں تو اس کے مرنے کے بعد فاتحہ خوانی درست نہیں۔

ایسے ہی آثار سے برائیاں بھی مراد ہیں جیسے وہ ظالمانہ ٹیکس جو ظالم لوگوں نے عوام پر لگائے، سالانہ ہوں (یا ششماہی) یا ماہانہ۔ اور ایسی گلیاں کوچے کھولنا جن سے عوام کو مصائب کا سامنا کرنا پڑے یا ایسی باتیں جو ذکرِ الٰہی سے رکاوٹ کا موجب ہوں ایسے ذکرِ الٰہی میں ایسے طریقے رائج کیے جائیں جو ذکر میں اغلاط یا لہو و لعب کو دخل ہو وغیرہ وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ینبأ الانسان یومئذ بما قدم و اخر۔

انسان کو اعمال کی خبر دی جائے گی جن کا وہ مرتکب ہوا اور ان آثار کا پتا دیا جائے جو اس نے اپنے لیے یادگار کے طور پر چھوڑے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ ہر کہ بنہد سنت بد اے فتی
تا در افتد بعد او خلق از عمی

۲ جمع گردد بر وے آں جملہ بزہ
کو سری بود است و ایشاں دم غزہ

ترجمہ: (۱) جو طریقہ بد مقرر کرتا ہے تاکہ خلق خدا بے خبری سے اس سے نقصان اٹھائیں۔
(۲) اس کا تمام گناہ اس کے عملنامے میں لکھا جائے گا۔ اے عزیز! جو بوئے گا وہی اٹھائے گا۔

سبق: عقلمند پر لازم ہے کہ وہ اپنے پیچھے ایسے طریقے نہ چھوڑے جس سے لوگ نقصان اٹھائیں، وہ دینی امور ہوں یا دنیوی۔ اگر خود نہیں چھوڑتا لیکن برے طریقوں سے راضی ہو کر مرتا ہے تو اسے بھی سزا ملے گی کیونکہ جیسی کرنی ویسی بھرنی ؎

۱ از مکافات عمل غافل مشو
گندم از گندم بروید جو ز جو

۲ کین چنین گفتست پیر معنوی
کای برادر ہر چہ کاری بدروی

ترجمہ: (۱) عمل کی جزا سے غافل نہ ہو کیونکہ گندم سے گندم ہی پیدا ہوگی اور جو سے جو۔
(۲) پیر معنوی نے یونہی فرمایا ہے اے بھائی جو بوئے گا وہی اٹھائے گا۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان آثار سے نمازیوں کا مساجد کو جانا مراد ہے۔ لیکن یوں کہنا مناسب ہے کہ جملہ آثار سے ایک یہ بھی ہے۔ (الارشاد)

حدیث شریف مروی ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مکانات مسجد شریف سے دور تھے، انہوں نے چاہا کہ نقل مکانی کر کے مسجد شریف کے قریب آجائیں، انہیں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ یکتب خطواتکم و یثیبکم علیہا فالزموا بیوتکم۔

(اللہ تعالیٰ تمہارے دور سے آتے وقت قدم لکھواتا ہے اس پر تمہیں بہت بڑا ثواب عطا فرمائے گا فلہٰذا تم اپنے دور والے مکان میں رہو)

مسئلہ: اللہ تعالیٰ بندے کے چل کر آنے جانے کی جزا و سزا کو نہیں چھوڑتا۔ نیکی کے لیے چل کر آئے یا برائی کے لیے۔

حدیث شریف میں ہے:

اعظم الناس اجرا من یصلی ثم ینام۔

(وہ شخص بہت اجر و ثواب کا مستحق ہے جو نماز پڑھ کر سوتا ہے)

مسئلہ : اس میں اختلاف ہے کہ ایک شخص کا گھر مسجد کے قریب ہے لیکن وہ دور کی مسجد کو چل کر نماز ادا کرتا ہے اس کا ثواب زیادہ ہے یا قریب والی مسجد میں نماز پڑھنے کا۔ بعض نے پہلے کو ثواب میں ترجیح دی ہے کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے :

لا صلوٰۃ لجار المسجد الا فی المسجد۔

(مسجد کے ہمسایہ کی نماز ناقابل قبول ہے جب تک مسجد میں ادا نہ کرے)

اس لیے کہ یہ مسجد کے حق کا احیاء کرتا ہے دوسرا مسجد کی ہمسائیگی کا حق ادا کرتا ہے۔

مسئلہ : قریبی مسجد میں جماعت نہیں ہوتی تو بھی اسی میں نماز ادا کرے اسے جماعت کا ثواب مل جائیگا ہاں اگر حصولِ جماعت کے لیے بعید مسجد میں چلا جائے تو یہی افضل ہے کیونکہ پہلی صورت میں ہمسائیگی میں ادائیگی حقوق کا احیاء ہے لیکن دوسری صورت میں جماعت کے ساتھ ادائیگی سنت کا احیاء ہے۔

مسئلہ : جماعت کا حصول گھر پر ہوتا ہے تو جماعت سے ادائیگی افضل ہے مسجد میں تنہا نماز ادا کرنے سے۔

مسئلہ : بعض فقہاء کرام نے فرمایا کہ ہمسائیگی مسجد کے لیے چالیس گھر ہر جانب سے شمار ہوتے ہیں۔ بعض نے کہا جہاں تک مسجد کی اذان کی آواز پہنچتی ہے[1]

مسئلہ : مجمع الفتاویٰ میں ہے کہ کسی کے پڑوس میں دو مسجدیں ہیں تو اس کے لیے قدیم ترین مسجد میں نماز ادا کرنا افضل ہے اس لیے کہ قدیمی مسجد کی عزت و عظمت بہ نسبت جدید مسجد کے زیادہ ہے اگرچہ بحیثیت مسجد کے دونوں برابر ہیں۔

مسئلہ : جو مسجد زیادہ قریب ہو اس میں نماز ادا کرنا افضل ہے۔

مسئلہ : فقیہ عالم کو اس مسجد میں نماز کے لیے جانا بہتر ہے جہاں نمازی تھوڑے ہوں کیونکہ اس کی وجہ سے اس مسجد میں نمازیوں کا اضافہ ہوگا۔ اگر غیر فقیہ ہو تو وہ مختار ہے جس مسجد میں جانا چاہے جا سکتا ہے۔

مسئلہ : جس مسجد میں فرائض و تراویح کی پابندی ہو اس میں نماز کی ادائیگی افضل ہے۔

مسئلہ : گھر پر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کا ثواب کم ہے بہ نسبت مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنے کے۔

حدیث شریف میں ہے، گھر پر یا بازار (دکان وغیرہ) میں نماز ادا کرنے کی بہ نسبت مسجد میں نماز

---

[1] اس سے سپیکر کے بغیر انسان کی طبعی آواز مراد ہوگی (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)۔ اویسی غفرلہٗ

ادا کرنے کا دوگنا ثواب ہے ایک روایت میں ستائیس درجے زیادہ ثواب ہے۔

مسئلہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ دن رات میں کل فرائض سترہ رکعت اور سنن رواتب (مؤکدہ) دس رکعت ہیں ان کو ملانے سے ستائیس رکعات بنتی ہیں۔

مسئلہ: بعض علماء نے فرمایا کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا واجب ہے۔

حدیث شریف میں ہے: لقد هممت ان آمر رجلا يصلى بالناس وانظر الى اقوام يتخلفون عن الجماعة فاحرق بيوتهم۔

(میرا ارادہ ہوتا ہے کہ کسی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور میں لوگوں کے گھروں میں جا کر دیکھوں کہ کون جماعت سے رہ گیا ہے جماعت میں نہ آنے والوں کے گھروں کو آگ لگا دوں)

مسئلہ: اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ نماز با جماعت نہ پڑھنے والوں کے گھروں کو آگ لگانا جائز ہے کیونکہ رسول علیہ السلام کا معصیت پر ارادہ کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ گناہ ہے۔

انتباہ: جب ترک واجب و سنت مؤکدہ پر گھروں کا جلانا جائز ہے تو پھر ترک فرائض پر کتنی سزا ہوگی۔

حدیث شریف میں ہے:

بشروا المشائين فى الظلم الى المساجد بالنور التام يوم القيامة۔

(اندھیروں میں مسجد کو جانے والوں کو قیامت میں نور تام کی خوشخبری سناؤ)

اس میں اشارہ ہے کہ ہر اندھیری رات نماز با جماعت کے ترک کا عذر نہیں بلکہ شدید اندھیری عذر ہے۔ حدیث پاک میں اطلاق اللفظ اشارہ کرتا ہے کہ جد و جہد افضل ہے ایسے ہی خواہ مخواہ جماعت ترک کرے جب تک قوی عذر نہ ہو۔ جماعت کے ترک اعذار وہی ہیں جو مرض کے لیے تیمم روا رکھتے ہیں۔

مسئلہ: مقطوع الید والرجل ہونا عذر ہے بشرطیکہ ہاتھ اور پاؤں کا کٹنا خلاف جہت سے ہو۔

مسئلہ: مفلوج ہونا ایسے ہی چلنے کی طاقت نہ ہونا اور اندھا ہونا سخت بارش، کیچڑ، سخت سردی، سخت آندھی۔ یہ تمام جماعت کے ترک کے اعذار ہیں۔ یہی صحیح ہیں۔

مسئلہ: ظالم بادشاہ وغیرہ کا خوف کہ جس سے جان یا سخت نقصان کا خطرہ ہو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان لوگوں سے بنائے جو زندگی بھر حکم الٰہی بجالانے کے لیے کمربستہ رہتے ہیں۔

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَٰهُ تمام امور (جو انسان وغیرہ عمل میں لاتے ہیں) کو ہم نے ضبط اور بیان کیا ہے۔

ف: ابن الشیخ نے فرمایا کہ احصی کا اصل معنی ہے عدّ (شمار کرنا) پھر بطور استعارہ بمعنی بیان وحفظ ہے کیونکہ گنتی بھی انہی کے لیے کی جاتی ہے۔

المفردات میں ہے الاحصاء کسی شے کو گنتی سے حاصل کرنا۔ کہا جاتا ہے، احصیت کذا۔ الحصٰی سے ہے کیونکہ اہلِ عرب گنتی میں کنکریوں کا سہارا لیتے ہیں جیسے ہم انگلیوں سے اشیاء کو گنتے ہیں۔

فِیْٓ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ ○ عظیم الشان امر میں جو تمام شے کو ظاہر کرنے والی ہے وہ شے زمانہ ماضی کی ہو یا زمانہ مستقبل کی۔ اس سے لوحِ محفوظ مراد ہے۔ اسے امام اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء و اتباع کی جاتی ہے۔

ف: امام راغب نے فرمایا، امام وہ ہے کہ جس کے اقوال کی اقتداء کی جائے یا افعال کی۔ وہ انسان ہو یا کتاب یا کوئی اور شے۔ اور وہ حق ہو یا باطل۔ اس کی جمع ائمہ آتی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یوم ندعو کل اناس بامامھم۔

(ہر ایک کو ان کے ساتھ بلائیں گے جن کی اُنہوں نے اقتداء کی ہوگی)

بعض نے کہا کہ ہر ایک اپنے عملنامے کے ساتھ بلایا جائے گا۔

ف: وکل شیٔ احصینٰہ الخ لوحِ محفوظ مراد ہے۔ بعض مفسرین نے ایسے کہا ہے۔

ف: الاحصاء میں ترغیب و ترہیب ہے اس لیے محصی کسی حال میں بھی غفلت نہیں کرتا وہ ہر وقت ہر لحظہ ہر آن حرکت و سکون میں نگرانی کرتا ہے۔

تسخیر الخلائق کا وظیفہ اسم محصی تسخیر کی تاثیر رکھتا ہے۔ جو شخص تسخیر القلوب چاہے اسے چاہیے کہ روٹی کے ہر ٹکڑے پر بیس بار پڑھے اور روٹی کے بیس[1] ٹکڑے بنائے۔[2]

سوال: تسخیر الخلائق کا کیا فائدہ؟

جواب: خلق کی ضرر رسانی سے حفاظت، ان سے منافع کا حصول اور ارشاد و رہبری آسانی سے کی جا سکے گی۔

ف: بعض مشایخ نے فرمایا خلق کی تسخیر کرنا اور ان کو اپنی طرف متوجہ کرنا خواہ وظائف و اوراد کے ذریعے ہو یا کسی اور حیلے سے، نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے بہترین تسخیر اپنے

---

[1] وہ ٹکڑے اپنے لنگر میں ملا کر عوام کو کھلائے۔

[2] فقیر اویسی اور اس کے اسلاف اسی کے قائل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نہ فقیر کبھی ایسا وظیفہ عمل میں لاتا ہے نہ اس کے اسلاف لائے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

نفس امارہ کو اپنے قابو میں لانا ہے یہاں تک کہ نفس امارہ ہر حکم کا پابند اور حق کی اتباع میں تابع ہو جس کا نفس امارہ قابو میں نہیں دنیا میں اس جیسا اور کوئی ذلیل نہیں اگرچہ بظاہر لوگوں کا مطاع و مخدوم ہو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وکل شئ یعنی ہر وہ امر جو ہمارے قریب لاتے ہیں۔ احصینٰہ فی امام مبین ہم نے اس کے آثار و انوار لوح محفوظ یعنی اپنے محبوبوں کے قلوب میں ثابت فرمائے ہیں۔

لوح محفوظ کیا ہے انسان کامل کا دل امام مبین اور لوح محفوظ ہے۔ اسی میں انوار الملکوت منقش اور اسرار الجبروت مرتسم ہیں جتنی اس کی وسعت و طاقت ہے اور جیسے کہ عقل کل کو اس کا کشف حاصل ہے۔ لیکن یہ مرتبہ قلب کے تصفیہ کے بعد حاصل ہوتا ہے یہاں تک کہ قلب میں کونین میں سے کسی ایک شے کی ذرہ برابر بھی صورت نہیں ہے اور تصفیہ کا معنیٰ ہے ازالۃ التوہم تاکہ متحقق کا ظہور ہو، جو متوہم اور متحقق کو نہیں جانتا وہ ہمیشہ متحقق سے محروم رہے گا۔ حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا،

؎

۱ سگ می شد استخوان بدہان
کردہ رہ بر کنار آب روان

۲ بسکہ آن آب صاف و روشن بود
عکس آن استخوان در آب نمود

۳ برد بیچارہ سگ گمان کہ مگر
ہست در آب استخوان دگر

۴ لب چو بکشاد سوئے آن بستاد
استخوان از دہان در آب فتاد

۵ نیست را ہستی توہم کرد
بہر آن نیست ہست را گم کرد

ترجمہ "(۱) ایک کتا ہڈی منہ میں لے کر نہر کے کنارے چل رہا تھا۔

(۲) اسے صاف و شفاف پانی میں ہڈی کا عکس نظر آیا۔

(۳) کتے کو گمان ہوا کہ پانی میں اور ہڈی ہے۔

(۴) کتے نے منہ کھول کر اس ہڈی کو بھی اٹھانا چاہا تو منہ والی ہڈی پانی میں گر گئی۔

(۵) جس نے نیست کو ہستی گمان کیا تو نیست کے وہم سے ہستی کو بھی گم کر دیا۔ (باقی ص ۵۹۶ پر)

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ
اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ۝ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ
اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ۝ قَالُوْا رَبُّنَا
يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ۝ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ قَالُوْٓا اِنَّا
تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝
قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝ وَجَآءَ
مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اتَّبِعُوْا
مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝

ترجمہ: اور ان سے نشانیاں بیان کرو اس شہر والوں کی جب ان کے پاس فرستادے آئے جب ہم نے ان کی طرف دو بھیجے پھر انھوں نے ان کو جھٹلایا تو ہم نے تیسرے سے زور دیا اب ان سب نے کہا کہ بیشک ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں بولے تم تو نہیں مگر ہم جیسے آدمی اور رحمٰن نے کچھ نہیں اتارا تم نرے جھوٹے ہو وہ بولے ہمارا رب جانتا ہے کہ بیشک ہم ضرور تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں اور ہمارے ذمہ نہیں مگر صاف پہنچا دینا۔ بولے ہم تمہیں منحوس سمجھتے ہیں بیشک اگر تم باز نہ آئے تو ضرور ہم تمہیں سنگسار کریں گے اور بیشک ہمارے ہاتھوں تم پر دکھ کی مار پڑے گی انہوں نے فرمایا تمہاری نحوست تو تمہارے ساتھ ہے کیا اس پر بدکتے ہو کہ تم سمجھائے گئے بلکہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک مرد دوڑتا آیا بولا اے میری قوم بھیجے ہوؤں کی پیروی کرو ایسوں کی پیروی کرو جو تم سے کچھ نیگ نہیں مانگتے اور وہ راہ پر ہیں۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ آئینے کو صاف کرے تاکہ صورۃ الحقیقۃ وحقیقۃ الوجود ظاہر ہو اور اسے کمال عیان وشہود حاصل ہو۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اہلِ صفوۃ سے بنائے اور کدورات و ہفوات سے بچائے وہ ہمارا مقصود اور ہر علم و عمل میں مدعا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ اس کے ابتدائی مضمون سے خاص دن تک اشارہ ہے کہ وہ اپنے پیاروں سے کس طرح لطف و کرم اور دشمنوں پر کس طرح غیظ و غضب فرماتا ہے۔

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ مشرکین مکہ کو اصحاب القریہ کا قصہ سنا کر نصیحت فرمائیے تاکہ اس سے بچ جائیں کہیں ان پر وہی عذاب نازل نہ ہو جائے جو اصحاب القریہ پر نازل ہوا تھا۔

ف : الارشاد میں ہے کہ ضرب المثل دو طرح استعمال ہوتی ہے :

(۱) ایک عجیب و غریب کو اس جیسے دوسرے حال کی تطبیق ہیں، جیسے آیت ہذا میں اس قانون پر معنیٰ یہ ہوا کہ اصحاب القریہ کی مثال اہلِ مکہ پر منطبق کیجئے کہ جیسے وہ کافر ہیں غالی اور تکذیب الرسل پر اصرار کرنے والے تھے ایسے ہی یہ معنیٰ ان کے حال کے مطابق بنا ہے اس تقریر پر مثلاً اضرب کا مفعول ثانی اور اصحاب القریہ مفعول اول ہے۔

سوال : مفعول اول کو مؤخر کیوں کیا گیا ؟

جواب : تاکہ اس کے ساتھ وہ متصل ہو جو اس کی شرح و تفصیل بتائے۔

(۲) صرف حالت عزیبہ کا اظہار مطلوب ہو۔ اس سے اسے کسی دوسرے واقعہ کے ساتھ نظیر دے کر منطبق کرنا مقصود نہیں ہوتا۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ واقعہ عجیبہ و غریبہ بیان کیجئے کہ مثل کے معاملہ میں بیان کرنے کے لائق ہے۔

ف : اصحاب القریہ سے پہلے مضاف محذوف ہے یعنی مثل اصحٰب القریۃ الخ۔ جیسے واسئل القریۃ میں اھل مضاف محذوف ہے کہ دراصل واسئل اھل القریۃ الخ ہے یہ محذوف ملفوظ سے حال یا عطف بیان ہے۔ القریۃ سے روم کی بستیوں میں سے بستی انطاکیہ مراد ہے۔ انطاکیہ (بالفتح والکسر وسکون النون وکسر الکاف وفتح الیاء المخففۃ) مرکزی شہر جسے عواصم بھی کہا جاتا ہے جس میں چشموں اور پتھروں کے بڑے بڑے قلعے ہیں۔ اس کے اندر پانچ پہاڑ ہیں اور شہر (اس دور میں) بارہ میل تک پھیلا ہوا ہے کما فی القاموس۔ اور اسے انتاکیہ طاء کے بجائے تاء کے ساتھ بھی

کہا جاتا ہے اور اسی ملک کے لوگوں سے اسی طرح سُنا گیا ان کا قصہ مشارع الاشواق میں مذکور ہے۔

ف: امام السہیلی نے فرمایا کہ انطاکیہ انطقیس کی طرف منسوب ہے جس نے اس کی بنیاد رکھی اس کے بعد کثرتِ استعمال کی وجہ سے اور مرورِ ادوار سے انطاکیہ ہوگیا۔

ف: ان کا یہ قصہ ملوک الطوائف کے ایام میں ہوا۔ (التکملہ)

اعجوبہ: بحر العلوم میں ہے انطاکیہ ان شہروں سے ہے جو دوزخی ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

اربع مدائن من مدائن الجنة مكة والمدينة وبيت المقدس وصنعاء اليمن واربع مدائن من مدائن النار انطاكية وعمورية وقسطنطينية وظفار اليمن۔

(چار شہر جنتی ہیں:

(۱) مکہ معظمہ

(۲) مدینہ طیبہ

(۳) بیت المقدس

(۴) صنعاء الیمن

اور چار شہر دوزخی ہیں:

(۱) انطاکیہ

(۲) عموریہ

(۳) قسطنطنیہ

(۴) ظفار الیمن)

ف: ظفار بروزن قطام، یمن کا وہ شہر جو صنعاء الیمن کے قریب ہے وہاں کے جزع (بالفتح) یعنی وہ کوڑیاں جن میں سیاہی و سپیدی ہو، جو آنکھوں کے مشابہ ہیں، مشہور ہیں۔ انطاکیہ ان چار شہروں میں سے ایک ہے جن میں نصارٰی کے پادری ہر وقت موجود رہتے تھے، اور وہ چار شہر یہ ہیں:

۱۔ انطاکیہ

۲۔ قدس

۳۔ اسکندریہ

(۴) رومیہ - ان کے بعد قسطنطنیہ۔

ف : خریدۃ العجائب میں ہے کہ رومیۃ الکبریٰ بہت بڑا شہر ہے جس میں ایک عظیم گرجا ہے، جس کا طول تین سو ہاتھ ہے ستون خالص تانبے کے ہیں، اوپر کا پردہ زرد تانبے کا ہے۔ اس میں ایک ایسا گرجا ہے جو بیت المقدس کی ہیئت پر تیار کیا گیا ہے جس میں ایک ہزار غسل خانے اور ایک ہزار سرائیں ہیں۔ بہرحال رومیہ کبریٰ ایک ایسا شہر ہے جس کے اوصاف کا احاطہ نہیں ہو سکتا نہ ہی اس کے محاسن بیان کئے جا سکتے ہیں۔ یہ رومیوں کے لیے ایسا شہر ہے جیسے افرنگیوں کے لیے فرانس۔

ف : ان کے بادشاہوں کی کرسی اور ان کے امور کا اجتماع اور ان کی دیانت اور اس شہر کا فتح ہونا قیامت کی علامات سے ایک ہے۔

اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝ یہ اصحٰب القریۃ سے بدل الاشتمال ہے گویا کہا گیا کہ مرسلین کے آنے کے وقت کی انہیں مثال دیجئے۔ یا مضاف مقدر سے بدل ہے گویا کہا گیا کہ انہیں رسل کرام کے آنے کا وقت یاد دلایئے ان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وہ فرستادہ مراد ہیں جنہیں آپ نے اہلِ انطاکیہ کے ہاں بھیجا تھا اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَیْهِمُ اثْنَیْنِ یہ پہلے اذ سے بدل ہے یعنی اس وقت جبکہ ہم نے اصحاب القریہ کے ہاں دو رسول بھیجے ان سے حضرت یحیٰی و حضرت یونس (علیہما السلام) مراد ہیں۔

سوال : انہیں بھیجا تو عیسیٰ علیہ السلام نے تھا مگر ان کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کیوں کی؟

جواب : چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کو حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا اس اصل حکم کی وجہ سے اپنی طرف منسوب فرمایا گویا یہ عیسیٰ علیہ السلام کے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے رسول تھے۔

مسئلہ : اس کو ایک فقہ کے مسئلہ سے سمجھیے وہ یہ کہ مؤکل نے وکیل کو کہا کہ تم یہ کام جیسے چاہو کر سکتے ہو۔ اس نے جا کر کوئی وکیل بنا لیا تو اب یہ دوسرا وکیل براہِ راست مؤکل کا ہوگا اسے وکیل بھی معزول نہیں کر سکتا، ہاں مؤکل خود اسے معزول کر سکتا ہے۔

فَكَذَّبُوْهُمَا تو پھر انہوں نے ان کی تکذیب کی یعنی رسل کرام ان کے ہاں آئے اور دعوتِ حق پیش کی لیکن انہوں نے بلا سوچے سمجھے نہ صرف رسل کرام کی رسالت کی تکذیب کی ان کی پٹائی بھی کی اور پھر انہیں قید کر دیا فَعَزَّزْنَا ہم نے ان کی قوت بڑھائی۔ یہاں مفعول محذوف ہے جیسا کہ اس کا ماقبل اس پر دلالت کرتا ہے۔ اس لیے کہ معزز بہ اور ان کے تدبیر لطیف کا بیان مطلوب ہے اس لیے کہ اس سے حق معزز اور باطل ذلیل ہوتا ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں، عزز المطر الارض۔ یا اس وقت

بولتے ہیں جب بارش مکمل طور پر زمین پر پھیل جائے۔ اور کہتے ہیں :

ارض عزاز۔ بمعنے سخت زمین۔ وتعزز اللحم اشتد وعز کا نہ حصل یعنی وہ اتنا سختی میں ہے کہ اس تک پہنچنا مشکل ہے۔

تاج المصادر میں ہے : التعزز والتعزۃ یعنی طاقتور ہونا۔

اسی سے حدیث شریف ہے :

انکم لمعزز بکم۔

بمعنے مشدد۔

بِثَالِثٍ تیسرے سے۔ اس سے شمعون الصفا مراد ہیں انہیں شمعون الصخرہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ حواریین کے صدر تھے اور حضرت عیسٰی علیہ السلام رفع الی السماء کے بعد یہی ان کے خلیفہ ونائب ہوئے۔

ف : التکملہ میں ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ تینوں مستقل رسول تھے یا نہیں۔ لبعض نے تو انہیں رسل وانبیاء مانا ہے لبعض نے کہا کہ وہ عیسٰی علیہ السلام کے حواریوں سے تھے انہیں عیسٰی علیہ السلام نے اہل انطاکیہ کے ہاں پیامی بنا کر بھیجا اور چونکہ یہ حکم اللہ تعالٰی کا تھا اس لیے اس کی طرف ارسال منسوب فرمایا ورنہ حقیقی طور وہ رسول ونبی نہ تھے ارسال کی نسبت الی اللہ مجازی ہے۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ وہ رسول ونبی نہ تھے، نہ عیسٰی علیہ السلام کے زمانۂ نبوت میں نہ رفع الی السماء کے بعد۔ اسی طرف رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ ہے :

لیس بینی وبینہ نبی۔

(میرے اور اس کے مابین کوئی نبی نہیں)

اس کا احتمال ایک یہ ہے کہ کوئی نبی مستقل شریعت لے کر نہیں آئے گا۔ یہ مستقل شریعت والی نبوت کے منافی نہیں (اس سے قادیانی مرزائی کی نبوت کی تائید نہیں ہوتی کہ زمانۂ ختمِ نبوت سے پہلے کا قاعدہ ہے)

فَقَالُوْٓا ان سب نے کہا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ○ بیشک ہم سب تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں چونکہ کافروں نے انکار کیا تو ان کے انکار پر شدید تاکیدیں لائی گئی ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ ان کے دو کی تکذیب گویا کل کی تکذیب ہے بوجہ ان کی ایک بات (اتحاد مذہب حق) کے۔

رفع الی السماء سے پہلے عیسٰی علیہ السلام کی کارروائیاں اللہ تعالٰی نے عیسٰی علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ میں تمہیں

آسمان پر لے جانا چاہتا ہوں۔ یہ سُن کر آپ نے حواریوں کو مختلف شہروں میں مختلف قوموں کے پاس بھیجنے کا پروگرام بنایا تاکہ خلقِ خدا کو دعوتِ حق دیں ان سب کا رئیس المبلغین شمعون تھا اور ان سب کو شہر نامزد کر کے وصیت فرمائی کہ جب میں آسمان پر چلا جاؤں تو پھر تم اپنے متعینہ علاقے میں چلے جانا اگر تمہیں اس علاقے کی بولی نہ آئے تو تمہیں راستے میں ایک فرشتہ شراب[1] خالص کا پیالہ لیے ملے گا وہ پیو گے تو تمہیں اس علاقے کی بولی آ جائے گی۔ ان میں سے دو مبلغوں کو انطاکیہ کو بھیجا گیا۔ وہاں کے لوگ بت پرست تھے۔ کما قال فی کشف الاسرار۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے رفع الی السماء سے پہلے انطاکیہ میں دو مبلغ بھیجے۔ جاتے وقت مبلغوں نے عرض کی کہ ہم تو ان کی بولی نہیں جانتے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے دعا کی، وُہ خیند سے جاگے تو انھیں وہاں کی بولی از بر تھی اور انہیں فرشتوں نے اٹھا کر انطاکیہ میں پہنچا دیا اور وہ اسی وقت اس علاقے کی بولی بولنے لگے جب وُہ شہر کے قریب ہوئے تو بکریوں کے ایک بوڑھے چرواہے سے ملے وہ حبیب نجار تھا اور بُت تراشتا تھا (یہی صاحب یٰسٓ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے سورہ یٰسٓ میں جاء رجل من اقصی المدینۃ الخ سے یاد فرمایا ہے) اس کو مبلغین نے السلام علیکم کہا، پوچھا تم کون ہو؟ فرمایا ہم عیسیٰ علیہ السلام کے مبلغین ہیں ہم تمہارے شہر میں دعوتِ حق پہنچانے آئے ہیں تاکہ تم راہِ راست پر آؤ اور بُت پاک کی پیروی کرو یا در کھو کہ دینِ حق توحید اور خدائے یکتا کی عبادت کا نام ہے۔ بوڑھے نے کہا، کیا تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل (معجزہ) وغیرہ ہے؟ کہا ہاں۔ بوڑھے نے کہا، کون سا؟ فرمایا، ہم بیماروں کو شفا دیتے ہیں، مادر زاد اندھوں کو بینا اور برص کے مریضوں کو تندرست کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اذن سے۔ ان کے پاس عیسیٰ علیہ السلام کی دُعا سے وہی تھا جو انبیاء علیہم السلام کے معجزات ہوتے ہیں۔ بوڑھے نے کہا کہ میرا ایک مجنون بیٹا ہے جو میرے گھر میں ہے اس کے علاج نے اطبا و ڈاکٹر عاجز ہیں تم اسے تندرست بنا دو گے؟ فرمایا: ان شاء اللہ تعالیٰ۔ بوڑھا انھیں گھر لے گیا۔ اُنہوں نے بچے کے لیے دعا فرمائی اور اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا تو وہ باذنہٖ تعالیٰ تندرست ہو گیا ؎

قدم نہادی بر ہر دو دیدہ جا کردی
بیک نفس دلِ بیمار را دوا کردی

---

[1] اس وقت آپ کی شریعت میں شراب حلال تھی پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اویسی غفرلہٗ

ترجمہ : تُو نے قدم رکھا اور آنکھوں سے دیکھا تو میرے بیمار دل کو پل بھر میں دوائی دے کر شفا دے دی۔

حبیب نجار ایمان لے آیا

حبیب نجار اپنے بیٹے کی شفا دیکھ کر ایمان لے آیا۔ اس کی خبر آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ ان دونوں کے ہاتھ سے ہزاروں بیماروں نے شفا پائی یہاں تک کہ ملک کے بادشاہ کو خبر ملی اس کا نام حناطیس الرومی یا انطیخس یا شلاحن تھا۔ اُس نے ان مبلغین کو بلا کر حال پُوچھا۔ فرمایا : ہم عیسیٰ علیہ السلام کے قاصد ہیں تمہیں رب واحد کی عبادت کی دعوت دینے آئے ہیں۔ کہا : کیا ہمارے معبودوں کے علاوہ کوئی اور رب بھی ہے ؟ فرمایا : ہاں وُہی رب تو ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا، وہی تمہارا معبود ہے ؛ جو اس پر ایمان لاتا ہے بہشت میں داخل ہوتا ہے اور جو اس سے کفر کرتا ہے وہ دوزخ میں جائے گا۔ پھر وہ ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا رہے گا۔ بادشاہ کو اس پر غصہ آگیا اس نے مبلغین کو مارا پیٹا اور جیل بھیج دیا۔ ان کی یہ خبر عیسیٰ علیہ السلام کو ملی، آپ نے تیسرے کو بھیج دیا جس کا نام شمعون تھا تاکہ وہ ان دونوں کی مدد کرے۔ اس کے بعد آپ آسمان پر اٹھا لیے گئے (جیسا کہ بعض نے کہا) شمعون اجنبی بن کر انطاکیہ میں آیا اور بادشاہ کے حاشیہ برداروں کے ساتھ نشست و برخاست رکھی یہاں تک کہ وہ شمعون سے مانوس ہو گئے جس کی بادشاہ کو خبر دی گئی اور بادشاہ بھی شمعون سے مانوس ہو گیا۔ شمعون نے پہلے بادشاہ کے دین کی موافقت ظاہر کی یہاں تک کہ ان کے ساتھ بُت کے ہاں بھی چلے جاتے وہاں نماز پڑھتے اور خوب آہ و زاری کرتے وہ سمجھے کہ یہ ان کے دین کا پرستار ہے۔ جیسا کہ شیخ سعدی قدس سرہٗ سومنات کا قصہ سناتے ہیں کہ وہ بھی اس مندر میں تشریف لے گئے اور اجنبی بنے رہے تاکہ ان کی کیفیتِ حال سے آگاہی ہو سے

۱ بُتک را یکے بوسہ دادم بدست
کہ لعنت برو باد و بر بُت پرست

۲ بتقلید کافر شدم روز چند
برہمن شدم در مقالات زند

ترجمہ : (۱) میں نے بُت کو بوسہ دیا اور ہاتھ لگایا اور دل میں کہہ رہا تھا کہ بُت اور بت پرستوں پر لعنت۔

(۲) چند روز ان کی تقلید میں نہ صرف کافر رہا بلکہ ان کے مقالاتِ زند کا امام بن گیا۔

ایک دن شمعون نے بادشاہ سے کہا : سُنا ہے کہ آپ نے دو مردوں کو جیل بھیجا ہے جنہوں نے تیرے

معبودوں کے سوا کوئی اور معبود بھی ہے۔ براہِ کرم ان دونوں کو بلا کر میرے سامنے لائیے اور ان سے میری بات کرا دیجئے۔ پھر دیکھیے میں انہیں کیسے خاموش کراتا ہوں۔ بادشاہ نے ان دونوں کو بلایا۔

شمعون کی تبلیغ کا اثر بعض روایات میں ہے کہ شمعون انطاکیہ میں پہنچتے ہی سیدھا ان دونوں کے پاس چلا گیا اور فرمایا کہ تمہارا مشن یوں کامیاب ہوتا کہ تم نرمی سے کام لیتے ؎

چو بینی کہ جاہل بکین اندر است
سلامت بتسلیم دین اندر است

ترجمہ: جب دیکھو کہ جاہل غضب میں ہے تو سلامت تسلیم کرنے میں ہے۔

شمعون نے فرمایا: تمہارا حال اس عورت جیسا ہے جس کے ہاں عرصۂ دراز کے بعد بچہ پیدا ہوا اور اس نے اس خوشی میں کہ وہ جلد جوان ہو جائے اُسے روٹی کا ٹکڑا کھلا دیا وہ بچہ فوراً مر گیا۔

یہ کہہ کر شمعون بادشاہ کے پاس چلا گیا اور پھر ان دونوں کو مناظرہ کے لیے بلایا جب وہ آئے تو کہا: تمہیں کس نے بھیجا؟ کہا: اُس خدا نے جس نے سب کو پیدا کیا اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ کہا: اس کی کوئی صفت بیان کرو لیکن مختصر جملہ میں۔ کہا: ہمارا خدا وہ ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے اس کا حکم فرماتا ہے۔ شمعون نے کہا: اس کی کوئی دلیل دو۔ کہا: بادشاہ جو آرزو کرے ہم بفضلہٖ تعالیٰ پوری کر دیں گے یہی ہمارے دعوے کی دلیل ہے۔ چنانچہ بادشاہ کے حکم سے ایسا نوجوان بچہ لایا گیا جس کی آنکھوں کا نہ صرف نور ختم ہو چکا تھا بلکہ چشم خانے بھی مٹ کر چہرہ کی طرح چمڑا بن گئے تھے ماتھا چہرہ برابر ہو گیا تھا اُنہوں نے نوجوان کے لیے دُعا کی تو آنکھوں کی جگہ پھٹی پھر انہوں نے مٹی کے ڈھیلے بنا کر آنکھوں میں رکھ دیئے بفضلہٖ تعالیٰ وہ نوجوان تندرست ہو گیا اور مکمل بینائی سے دیکھنے لگا۔ اس پر بادشاہ متعجب ہوا۔ بادشاہ کو شمعون نے کہا: کیا تمہارے معبود اس طرح کر سکتے ہیں؟ بادشاہ نے کہا: اے شمعون! آپ سے کیا چھپاؤں، حقیقت یہ ہے کہ ہمارے معبود خود ایسے ہیں کہ نہ کچھ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں اور نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان۔[1]

مُردے زندہ ہو گئے بادشاہ نے مذکورہ بالا کرامت دیکھ کر کہا کہ یہاں ایک بچے کو فوت ہوئے سات دن ہو گئے ہیں اس کا باپ جاگیر پر گیا ہوا ہے بچے کو ابھی دفن نہیں کیا گیا اس کے

---

[1] غور کیجئے ان قاصدوں نے دلیل تو دینی ہے قدرتِ خدا تعالیٰ کی لیکن وہ خود قدرت دکھا رہے ہیں! اس سے معلوم ہوا کہ اولیاء کا کرنا درحقیقت اللہ کا کرنا ہے فافہم ولا تکن من الوہابیین۔ اویسی غفرلہٗ

باپ کا انتظار ہو رہا ہے۔ مجھ سے مشورہ لیا گیا تو میں نے بھی اس کے انتظار کا ہی کہا ہے۔ کیا ان مبلغین کا رب اس مُردہ بچے کو زندہ کر سکتا ہے؟ مبلغین کہنے لگے: کیوں نہیں! بادشاہ کے حکم سے وہ بچہ لایا گیا۔ مبلغین نے تعلم ملاد دُعا کی اور شمعون نے دل میں۔ اس پر وہ مردہ بچہ (باذن اللہ تعالیٰ) زندہ ہو گیا اور کہنے لگا، میری جان نکلی تو مجھے سات دوزخوں میں پھرایا گیا اس لیے کہ میں کفر پر مرا۔ اب میں تمہیں کہتا ہوں کہ شرک سے بچو اور کفر سے توبہ کر کے ایمان لے آؤ۔ ابھی میں آسمان کے دروازے کھلے دیکھ رہا ہوں اور عیسیٰ علیہ السلام اپنے یاروں کی قبولیت کی سفارش کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں اے اللہ! ان کی مدد فرما اس لیے کہ وہ میرے قاصد ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے زندہ کیا سُن لو میں کہتا ہوں:

اشهد ان لا اله الا الله وان عیسٰی روح الله وکلمته وان هؤلاء الثلاثة رسل الله۔

(میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور عیسیٰ روح اللہ اور اس کے کلمہ ہیں اور یہ تینوں اللہ تعالیٰ کے رسول کے قاصد ہیں)

بادشاہ نے کہا: وہ تین کون؟

کہا: شمعون اور یہ دو۔

بادشاہ اس سے متعجب ہوا۔ جب شمعون نے کہا کہ بادشاہ اس سے متاثر ہوا ہے تو اپنی تمام حقیقت سنا دی اور کہا کہ واقعی میں بھی عیسیٰ علیہ السلام کا قاصد ہوں۔ پھر بادشاہ کو پند و نصیحت کی صرف بادشاہ ایمان لایا۔ لیکن اسے پوشیدہ رکھا تاکہ قوم بگڑ نہ جائے اور سرکش لوگ اسے بادشاہت سے نہ ہٹا دیں۔ دوسری برادری نے ایمان لانے کے بجائے مبلغین پر پتھر برسائے اور کہا ان سب کا ایک بیان ہے اور طیش میں آکر حبیب نجار کو شہید کر دیا اور اس لڑکے کے باپ کو بھی جس کے مُردہ بچے کو زندہ کیا گیا تھا کیونکہ وہ بھی ایمان لے آیا تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو بھیجا اس نے چیخ ماری تو وہ سب کے سب مر گئے۔ اس کا مکمل قصہ آگے آئے گا (ان شاء اللہ)

ف: وہب بن منبہ اور کعب الاحبار نے فرمایا کہ بادشاہ بدستور کافر رہا اور یہ سب مل کر قاصدوں کے تعذیب و قتل میں کوشاں ہوئے۔ اس کی تائید یوں ہوتی ہے کہ یہ سرکشی و عناد میں بڑھے اور مکابرہ و معارضہ میں لگے رہے۔ اگر بادشاہ اور بعض قوم ایمان لاتی جیسے بعض نے کہا ہے تو پھر وہ بجائے اس کے

---

[1] کذا قال القشیری

مبلغین کی موافقت کرتے اور ان کی اعانت کرتے ان کی ہر بات مانتے یا یہ کہ انہیں حبیب نجار کی طرح شہید کرتے لیکن اس بارے میں کوئی نقل صریح نہیں ملتی۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ الناس علی دین ملوکھم (لوگ اپنے بادشاہ کے دین پر ہوتے ہیں) جیسا کہ دلائل و براہین سے واضح ہے۔

قَالُوْا (ھ) انطاکیہ والے جو ایمان نہیں لائے تینوں سے مخاطب ہوئے اور کہا کہ مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تم نہیں ہو مگر بشر ہم جیسے۔ یہ قصر القلب کے قبیل سے ہے کیونکہ یہ مخاطب کوئی جاہل تو نہ تھے اور نہ ہی بشریت کے منکر تھے لیکن انہیں جاہل و منکر کے قائم مقام قرار دے کر ایسے کہا علاوہ ازیں وہ بشریت و نبوت ایک دوسرے کے منافی سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ انبیاء و رسل بشر نہیں ہوتے[1]۔ اسی لیے انہوں نے اس حکم کو الٹ دیا اور کہا تم نہیں ہو مگر بشر ہم جیسے، یعنی تم بشریت پر مقصور ہو تمہارے اندر رسالت کا وصف نہیں ہے جس کا تم دعویٰ کرتے ہو اسی لیے تمہیں ہم پر کوئی فضیلت نہیں جو ثابت کرے کہ تم رسالت کے اہل ہو اور ہم نہیں۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ بشروں کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجتا تو ان سے افضل کو بھیجتا یعنی ملائکہ کو۔ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَیْءٍ اور رب رحمان نے نہیں نازل فرمایا کسی شئے میں سے نہ وحی آسمانی اور نہ ہی رسول جو پیغام پہنچائے تو پھر تم کیسے رسول بن گئے اور ہم پر کیسے تمہاری اطاعت واجب ہو گئی یہ مذکور کلام کا تتمہ ہے یہ بھی انکار کو مستلزم ہے اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ○ نہیں تم مگر اپنے دعوے میں جھوٹے قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ انہوں نے کہا ہمارا رب جانتا ہے وہ علم حضوری کا مالک ہے اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ○ بیشک ہم تمہاری طرف بھیجے ہوئے رسول ہیں اگرچہ تم ہماری تکذیب کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ کے علم کی گواہی دو اور یہ جملہ قسم کے قائم مقام ہے جبکہ اس سے تاکید مطلوب ہوتی ہے اور اس سے ڈرانا مقصود ہوتا ہے کہ ارے خدا کے بندے! تم خدا کے علم کا مقابلہ کر رہے ہو اور لام تاکید کی بڑھائی ان کے شدتِ انکار کا مشاہدہ کرتے ہوئے وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○ اور نہیں ہم پر از جہت رب تعالیٰ مگر پہنچانا ظاہر یعنی اللہ تعالیٰ کی رسالت کی تبلیغ جو آیات سے ظاہر ہے اور وہ آیات اس کی صحت کی شاہد ہیں اسی لیے دعویٰ کی دلیل ضروری ہے اور وہ ہم دے چکے اور ہم اپنے عہدے سے بھی بری ہو چکے اسی لیے اب ہم پر کوئی مواخذہ نہیں

---

[1] وہابی دیوبندی اہل سنت کے نیچے یہی قول نقل کر کے کہتے ہیں کہ سنیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ رسول بشر نہیں ہوتے یہ ان کا بہتان ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ رسول بشر ہوتا ہے لیکن وہ ہماری طرح نہیں ہوتا بلکہ اس کی حقیقت نور ہوتی ہے۔ اویسی غفرلہٗ

اور تمہارا مجبور کرنا بھی ہمارے بس میں نہیں کہ ہم تمہیں اپنی صداقت پر مجبور کر سکیں اگر ایمان لاؤ تو فبہا ورنہ تم پر عذاب نازل ہو جائے گا اس میں تعریض ان پر کہ وہ حق کا انکار کر رہے ہیں اور یہ کہ حق مخفی بھی نہیں اور نہ ہی اس کی صحت پوشیدہ ہے بلکہ ان کا انکار محض عناد اور جاہلیت خالصہ ہے۔ قَالُوْا جب کفار کے تمام حیلے ختم ہو گئے اور انبیاء کا جواب نہ دے سکے تو کہا اِنَّا تَطَیَّرْنَا بِکُمْ تطیر پرندوں سے فال پکڑنا اس سے ان کا خیال تھا کہ پرندہ صبح کو اڑنے والا خیر کا اور شام کو اڑنے والا شر کا سبب ہے سورۂ نمل میں اس کی تفصیل گزری ہے اس کے بعد ہر نحوست و شوم پر اس کا استعمال ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے تم سے بری فال لی ہے جیسے جاہلوں کا طریقہ تھا کہ جو امر ان کی خواہش نفسانی کے موافق ہوتا اسے بابرکت سمجھتے اگرچہ وہ سراسر شر ہی شر ہوتا اور جو امر ان کی نفسانی شہوات کے مخالف ہوتا اسے منحوس سمجھتے اگرچہ وہ سعادۃ دارین کا گنجینہ و خزینہ ہوتا۔

ف: حضرت نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تمہارے آنے کو ہم نے منحوس سمجھا ہے اس لیے کہ جب سے آئے ہو بارش نہیں ہوتی اور ہمیں جتنی پریشانیاں لاحق ہیں تمہاری وجہ سے ہیں فلہٰذا ہمارے ملک سے نکل کر اپنے وطن کو لوٹ جاؤ اور دعوت و تبلیغ کا سلسلہ بھی بند کر دو اب ہم تم سے کوئی نہ سنیں۔

مسئلہ: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نیک فال کو اچھا فرماتے لیکن بدفالی کو مکروہ سمجھتے ان میں فرق یہ ہے کہ فال میں اللہ تعالیٰ پر حسن ظن ہوتا ہے اور بدفالی میں غیر اللہ پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

حدیث شریف: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ کو ہجرت کر کے تشریف لے جا رہے تھے تو راستہ میں آپ کو بریدہ بن اسلم ملا آپ نے نام پوچھا، تو اس نے کہا، بریدہ۔ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

برد امرنا وصلح۔

(ہمارا معاملہ آسان اور اچھا ہو گا)

برد بمعنے سہل ہے اسی سے ہے،

الصوم فی الشتاء الغنیمۃ البارد ۃ۔

(موسم سرما کا روزہ غنیمت باردہ ہے)۔

یعنی اس موسم میں روزہ رکھنا آسان ہے۔

پھر آپ نے اس سے پوچھا، اے نوجوان! تیرے باپ کا کیا نام ہے؟

عرض کی، ابن اسلم۔

آپ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فرمایا،

سلمنا من کیدھم۔

(ہم ان کے مکر سے بچ کر صحیح وسالم پہنچ گئے)

مسئلہ: فقہ میں ہے اگر ہامہ بولے یا کوئی اور جانور، اس پر کوئی کہے مریض مرجائے گا تو قائل کافر ہو جائے گا۔

مسئلہ: اگر کوئی سفر کو نکلے لیکن واپس آجائے اور کہے کہ میں کوے کی آواز کی وجہ سے لوٹ آیا ہوں (کہ اس کی آواز سفر کے نقصان پر دلالت کرتی ہے) لوٹنے والا اس غلط عقیدہ کی وجہ سے کافر ہو جائے گا (یہ بعض فقہاء کا مذہب ہے)

حدیث شریف میں ہے، کسی بندۂ خدا کے دل میں بدفالی کا تصور آجائے تو اُسے چاہیئے کہے،

انا عبد اللہ ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ لا یاتی بالحسنات الا اللہ ولا یذھب بالسیئات الا اللہ اشھد ان اللہ علی کل شئ قدیر ثم یمضی بوجھہ۔

(میں اللہ کا بندہ ہوں وہ جو چاہے کوئی قوت نہیں سوائے اللہ کی مدد کے حسنات کو وہی لاتا ہے اور برائیوں کو وہی دفع کرتا ہے میں گواہی دیتا ہوں اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے)

یہ پڑھ کر چل پڑے یعنی جہاں چاہے چلا جائے۔

ف: یمضی باء کے ساتھ متعدی ہوا ہے اس لیے کہ یہ المرور کے معنی کو متضمن ہے۔

مسئلہ: جو شخص کہیں جانا چاہتا ہے لیکن بُری فال کی وجہ سے رک گیا ہے تو جس خطرہ سے وہ رک گیا ہے وہی اسے لاحق ہوگا۔ کما فی عقد الدرر

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا بخدا اگر تم اپنی باتوں سے نہیں رُکو گے لَنَرْجُمَنَّكُمْ ہم تمہیں سنگسار کریں گے۔ الرجم بمعنے پتھروں سے مارنا۔ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ۝ اور تمہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔ یعنی اس گمان میں نہ رہو کہ صرف دو تین پتھر مار کر تمہیں چھوڑ دیں گے بلکہ تمہارے اُوپر پتھراؤ ہوتا رہے گا یہاں تک کہ مرجاؤ، یہی دردناک عذاب ہے یا بسبب سنگساری کے تمہیں دردناک عذاب پہنچے گا۔

ف: بعض نے الرجم سے شتم مراد لی ہے یعنی ہم تمہیں صرف گالی گلوچ دیں گے اور گالی دیتے وقت ضرب شدید کے ذریعے تمہیں موت کے گھاٹ اتاریں گے۔

موچی کی حکایت ایک موچی عطار کی دکان سے گزرا، جونہی خوشبو اس کے دماغ میں پہنچی تو وہ بیہوش ہوکر گر پڑا۔ تماشائی پہنچے۔ چند ایک نے اس کو ہوش میں لانے کی کوشش کی لیکن ؎

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اُسے خوشبوئیں سنگھاتے، کوئی فائدہ نظر نہ آیا، حیران تھے کہ یہ بیہوش ہوا کیوں! اس کے اقارب کو مطلع کیا گیا۔ اس کا بھائی آیا اور کتے کی خشک ٹٹی پیس کر ساتھ لایا اور اس کی ناک میں ڈال کر پھونک ماری تو وہ موچی نہ صرف ہوش میں آ گیا بلکہ بصحت و عافیت چل پڑا۔

سبق: یہی حال کفار کا ہے۔ جیسا کہ حضرت جلال الدین رومی قدس سرہٗ نے مثنوی شریف میں فرمایا: ؎

١ ناصحان او را بعنبر یا گلاب
می دوا سازند بهر فتح باب

٢ مر خبیثان را نشاید طیبات
در خور و لائق نباشد اے ثقات

٣ چون ز عطر وحی گم گشتند و گم
بد فغان شان تطیرنا بکم

٤ رنج و بیماریست ما را زین مقال
نیست نیکو وعظتان ما را بفال

٥ گر بیاغازید نصحی آشکار
ما کنیم آن دم شما را سنگسار

٦ ما بلغو و لهو فربه گشته ایم
در نصیحت خویش را نسرشته ایم

٧ هست قوت ما دروغ و لاف و لاغ
شورش معده است ما را زین بلاغ

٨ هر کرا مشک نصیحت سود نیست
لاجرم با بوئے بد خو کرد نیست

٩ مشرکان را زان نجس خواندست حق
کاندرون پشک زادند از سبق

۱۰ کرم کو زاد ست در سرگین اند

می نگر داند بعنبر خوے خود

ترجمہ :(۱) خیر خواہوں نے اس کا علاج عنبر وگلاب سے کیا تاکہ اس کے دماغ کا دروازہ کھلے۔

(۲) لیکن خبیثوں کو خوشبو سے کیا کام ، اے معتبر لوگو ! ایسی اشیاء اُن کے لائق نہیں۔

(۳) جب انطاکیہ والے عطروحی سے گم ہوئے اور گمراہ ہوئے ان سے تطیّرنا بکم (تمہاری وجہ سے نحوست ہے) کی آواز اُٹھی۔

(۴) رنج و بیماری تمہاری ان باتوں سے ہے تمہارے وعظ ہمارے لیے مفید اور اچھے نہیں۔

(۵) اگر تم نصیحتیں شروع کرو گے تو ہم تمہیں سنگسار کریں گے۔

(۶) ہم لغو و لہو سے جوان ہوئے تمہاری نصیحتوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔

(۷) ہماری غذا جھوٹ لاف وگزاف ہے ۔ ہمارے معدے کو تمہاری نصیحت سے نقصان ہے۔

(۸) جسے نصیحت کی مشک سے فائدہ نہیں اسے تو بد بُو سے ہی بدخوئی پیدا ہو گی۔

(۹) حق تعالیٰ نے مشرکوں کو نجس (پلید) کہا ۔ اندرونی گندگی سے سبق حاصل کیا ہے۔

(۱۰) جو کیڑا گندگی سے پیدا ہو وہ عنبر سے کیسے پیار کرے گا۔

قَالُوْا اہلِ انطاکیہ کو رسل کرام نے فرمایا طَآئِرُكُمْ تمہاری شومی کا سبب مَّعَكُمْ تمہارے ساتھ ہے ہماری طرف سے نہیں اور وہ تمہارا بُرا عقیدہ اور بُرے اعمال ہیں۔

ف : طائر بمعنے ہر وہ شے جسے شوم سمجھا جائے۔

اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ایک ہمزہ استفہامیہ دوسرا شرطیہ ہے کیا اگر تم نصیحت دیئے جاؤ اور ڈرائے جاؤ جس میں تمہاری سعادت ہے ۔ شرط کا جواب محذوف ہے ماقبل کی دلالت پر سہارا کر کے حذف کیا گیا ہے وہ تطیرتم او توعدتم بالرجم والتعذیب ہے بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ○ بلکہ تم حد سے بڑھنے والے ہو۔ اس سے اعراض ہے جو شرط کا تقاضا ہے یعنی وُہ سمجھتے کہ ان کا وعدہ کرنا شومی کا سبب ہے حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے وہ یہ کہ اے کافرو ! معاصی و مآثم میں حد سے تجاوز کرنا تمہاری عادت بن گئی ہے ۔ اسی وجہ سے تم نحوست کا شکار ہوئے ۔ یا تم ظلم و عدوان میں حد سے متجاوز ہوئے تو تمہیں ڈر اور خطرہ لاحق ہو گیا اور جن کی تعظیم و تکریم کرنا اور جنہیں متبرک بنانا تھا تم انھیں منحوس سمجھنے لگ گئے۔

تفسیر صُوفیانہ قوم مذکور سے نفس اور اس کے صفات مراد ہیں کیونکہ وہ طبع کی موافقت میں حد سے تجاوز کرتا ہے اور حق کی مخالفت میں ہوتا ہے۔ اسے نفس کی قید میں رہنا ملک میں بگ مرنے کی پروا نہیں ہوتی بلکہ وہ الٹا لوگوں کو بُرے راستہ کی طرف بلاتا ہے ؎

ہرکرا باشد مزاج و طبع سست
او نخواہد ہیچ کس را تن درست

ترجمہ، جس کا مزاج و طبع سُست ہو وہ کب تندرست ہو سکتا ہے!

ف: جو نفس سے چھٹکارا پائے گا اور اس کا تزکیہ کرے گا تو کامیاب ہوگا، نہ صرف خود بلکہ اس کے یار دوست بھی کامیاب ہوں گے اسی لیے انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام اسی شغل میں مشغول رہے اور دُوسرے لوگوں کو بھی متنبہ فرمایا۔ انھیں گناہوں اور خطاؤں اور اسراف سے دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور انہیں اسلاف کے طریقے پر لے جاتے ہیں۔ نصیحت اہلِ ایمان کو فائدہ دیتی ہے۔

شیخ نوری کی کرامت خلیل کے غلام نے صوفیہ کرام کے بارے میں خلیفۂ بغداد کے سامنے چغلی کھائی کہ وہ (معاذ اللہ) زندیق ہیں اس لیے وُہ واجب القتل ہیں۔ خلیفہ سے کہا اگر تُو ان کو قتل کرے گا تو یہ بہت بڑا کارنامہ ہوگا اور بہت زیادہ اجر و ثواب ہوگا بادشاہ نے اپنے ملک کے صُوفیہ کرام کو گرفتار کرالیا، ان میں حضرت جنید، حضرت شبلی اور حضرت نوری رحمہم اللہ تعالیٰ بھی تھے بادشاہ نے ان کے شہید کرنے کا حکم دیا تو سب سے پہلے حضرت ابوالحسین نوری قدس سرہٗ پیش ہو گئے۔ جلاد نے کہا معلوم ہے تمہیں کہاں لے جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا، جتنی دیر میں پہلے میں شہید ہوں گا اتنی دیر میرے ساتھی تو زندہ رہیں گے۔ میں ان کو اپنے اُوپر ترجیح دیتا ہوں۔ جلاد نے حیران ہو کر بادشاہ کو جا کر واقعہ سنا دیا۔ بادشاہ بھی سُن کر متعجب ہُوا اور اس کے تمام حواری بھی۔ قاضی کو فرمایا تم جا کر ان کو آزماؤ۔ قاضی نے فرمایا ان میں سے ایک کو میرے پاس لاؤ تاکہ میں ان سے مسائل پر گفتگو کروں۔ قاضی کے ساتھ گفتگو کے لیے حضرت ابوالحسین نوری قدس سرہٗ بڑھے قاضی نے آپ سے چند فقہی مسائل پُوچھے آپ نے دائیں بائیں دیکھ کر پھر دل پر توجہ کی اور تمام سوالات کے جوابات بخوبی سمجھائے۔ اس کے بعد فرمایا اللہ تعالیٰ کے بندے اُٹھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بولتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مدد سے ایسی تقریر کی کہ قاضی کو رُلا دیا۔ قاضی نے پوچھا آپ نے پہلے دائیں بائیں دیکھا پھر دل کی طرف متوجہ ہُوئے، کیوں؟ آپ نے فرمایا، دائیں دیکھا تو فرشتے سے مسائل کا سوال کیا اس نے لاعلمی ظاہر کی پھر بائیں طرف والے سے پُوچھا اس نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔ پھر دل کی طرف توجہ کی تو تیرے سوالات منکشف ہو گئے اور وہ جواب میرے دل پر اللہ تعالیٰ سے الہام ہوتے گئے

اور میں تجھے جواب دیتا گیا۔ قاضی نے بادشاہ کو رپورٹ دی کہ اگر یہ زندیق ہیں تو پھر دنیا میں کوئی مسلمان نہیں۔ خلیفہ نے تمام صوفیہ کرام کو بلا کر عرض کی کوئی ضرورت ہو تو بیان کرو۔ فرمایا، ہماری ضرورت فقط یہ ہے کہ ہمیں دل سے بھلا دے اور ہمیں اپنے ہدایا قبول کرنے سے معاف فرما۔ خلیفہ ان کی باتوں سے خوب رویا اور انہیں باعزاز و اکرام روانہ کیا۔ جب خلیفہ و قاضی میں عدل و انصاف ہو تو وہ حق کی طرف مائل اور صوفیہ کے خدام بن جاتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ اور آیا شہر انطاکیہ کے دور کے حصے سے رَجُلٌ ایک عظیم الشان مرد۔

نکتہ: رجولیت اور تنکیر اس کی عظمت شان کی وجہ سے ہے ورنہ یہ نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں نہ تھا اور اس کا گھر دور انطاکیہ کے دروازہ کے نزدیک تھا۔

نکتہ: دوری کے ذکر میں اشارہ ہے کہ ان بندگانِ خدا کی تبلیغ کا اثر دور دور تک پھیل گیا یہاں تک کہ آنے والا مرد شہر کے آخری کنارے سے آیا اور وہ شہر بارہ میل تک پھیلا ہوا تھا۔

يَسْعٰى درانحالیکہ وہ تیز چلتا تھا۔

حلِ لغات: سعی چلنے اور دوڑنے کی درمیانی چال کا نام ہے کما فی المفردات۔

نسب رجل مذکور وہ حبیب بن مری نجار تھے جو علماء کے نزدیک صاحبِ یٰسٓ کے نام سے مشہور ہیں بعض تواریخ میں اسکندر رومی کی نسل سے لکھا ہے اسے نجار اس لیے کہا جاتا تھا کہ وہ بت بناتا تھا۔

فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ وہ ان رسل کرام کی وجہ سے ایمان لایا اور یہی جمہور کا مذہب ہے حالانکہ حدیث شریف میں ہے:

سباق الامم ثلاثة لم يكفروا بالله طرفة عين علی بن ابی طالب وصاحب یٰسٓ ومؤمن آل فرعون۔

(امتوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے تین ہیں جنہوں نے کبھی کفر نہیں کیا،

۱۔ علی ابن ابی طالب (رضی اللہ عنہ)

۲۔ صاحب یٰسٓ

۳۔ مومن آل فرعون)

ف: عدم کفر سے بتوں کو سجدہ نہ کرنا مراد ہے یہ کہ اصولِ شرائع کے خلاف ان سے سرزد نہ ہوا، نیز

بت گری سے بت پرستی ثابت نہیں ہوتی۔

التعریف فسہیل میں ہے کہ وہ نجار تھے لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو نجار ہو وہ بت پرست بھی ہو۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے چھ سو سال پہلے آپ پر ایمان لایا۔

حبیب نجار کے ایمان بر مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

نعتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھکر ایمان لایا کا موجب یہ ہوا کہ وہ اہل علم تھا اس نے جب اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب پڑھی تو اس میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت دیکھی اور آپ کے مبعوث ہونے کا وقت معلوم کیا تو آپ کا کلمہ پڑھا اور آپ کے سوا کسی اور نبی (علیہ السلام) پر ایمان نہیں لایا۔

علامہ سیوطی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پڑھا کلمہ تمہارا یارسول اللہ کی بعثت سے پہلے کلمہ پڑھنے والے یہ حضرات ہیں:

(۱) حبیب نجار

(۲) قس بن ساعدہ مکہ معظمہ میں۔

حدیث شریف میں ہے: اللہ تعالیٰ قس بن ساعدہ پر رحم فرمائے مجھے امید ہے کہ وہ قیامت میں ایک ہی امت میں اٹھیں گے۔

(۳) ورقہ بن نوفل ابن عم خدیجہ رضی اللہ عنہا

(۴) زید بن نفیل

(۵) تبع اکبر

قصہ تبع اکبر تبع اکبر مرحوم مدینہ طیبہ سے گزرا اس کے ساتھ ایک لاکھ تیس ہزار سوار اور ایک لاکھ تیرہ ہزار پیدل لشکر تھا۔ ان میں سے چار سو دانشور، علماء، حکماء نے عہد کیا کہ ہم اس شہر مبارک کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ حکمت معلوم کی گئی تو کہا یہ وہی مقام ہے جہاں نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے تشریف لا کر مقیم ہوں گے۔ تبع اکبر مرحوم نے ان چار سو کو مکانات بنوا دیئے اور چار سو لونڈیاں آزاد کر کے ان کے نکاح میں دیں اور انہیں دیگر بہت سے انعام و اکرام سے نوازا اور ایک خط لکھ کر سر بمہر کر ایک بہت بڑے عالم کے سپرد کر کے کہا کہ یہ خط حضور سرورِ عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش ہو (اگر نہ مل سکیں تو بذریعہ وصیت بعثت در بعثت) اس میں لکھا کہ تبع آپ پر ایمان لایا اور اس نے آپ کے دین کو قبول کیا۔ اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے

مخصوص مکان بنایا اور لکھا کہ جب آپ مدینہ طیبہ میں تشریف لائیں تو اسی مکان میں اجلال نزول اور قیام ہو وہ مکان جس میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ قیام فرما تھے وہی درحقیقت نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اپنا مکان تھا اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اسی بڑے عالم کی اولاد سے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ اپنے ہی مکان میں قیام پذیر ہوئے۔ آپ کو اس کی اولاد میں سے کسی سے وہی خط بعثت کے اوائل میں مل گیا تھا یا اس وقت ملا جب آپ ہجرت کرکے مدینہ طیبہ کو تشریف لا رہے تھے تو راستہ میں کسی نے جا کر پہنچایا۔ جب آپ کو وہ خط پڑھ کر سنایا گیا تو آپ نے تین بار فرمایا:

مرحبا بتبع الاخ الصالح۔

(نیک بخت بھائی تبع، مرحبا)

تبع نے بعثتِ نبوی سے ایک ہزار سال پہلے ایمان ظاہر کیا۔

ف: یہ انصار مدینہ انہی چارسو علماء حکماء کی اولاد سے تھے۔

تبع کی صاحبزادیوں کے مزارات قبل از اسلام صنعاء یمن میں قبر کھودی گئی تو اس میں دو عورتیں پائی گئیں جن کے اجساد ابھی تروتازہ تھے ان کے سرہانے چاندی کی تختی پر لکھا تھا:

هذا قبر فلانة وفلانة ابنتی تبع ماتتا وهما تشهدان لا اله الا الله ولا تشركان به وعلى ذلك مات الصالحون قبلهما۔

(یہ قبر فلانۃ اور فلانۃ بنت تبع کی ہے وہ مر گئیں اور گواہی دیتی تھیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتی تھیں اور اسی کلمہ پر صالحین ان سے پہلے فوت ہوئے)

حدیث شریف میں ہے:

من مات وهو يعلم لا اله الا الله دخل الجنة۔

(جو مرا اور اسے علم تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں تو وہ بہشت میں داخل ہوگا)

نکتہ: حدیث شریف میں وهو يؤمن وهو يقول نہیں کہا تاکہ معلوم ہو کہ ہر اہل توحید[1] شفاعت کے بغیر بہشت میں داخل ہوگا اگرچہ ان کو ایمان کا وصف نہ بھی ملا ہو جیسے قس بن ساعدہ وغیرہ کہ ان کے

---

[1] اس توحید سے یہ اصطلاح اہل تصوف مراد ہے نہ کہ یہ اصطلاح جو رائج ہے (خذلہا اللہ تعالیٰ)۔ اویسی غفرلہ

ہاں کسی نبی علیہ السلام کی شریعت موجود نہ تھی کہ اس پر اور اس نبی علیہ السلام پر ایمان لاتے۔ اس تقریر پر قس رضی اللہ عنہ وغیرہ کو موحد کہیں گے لیکن مؤمن (اصطلاحی) نہیں کہہ سکتے۔ کذا فی الفتوحات المکیہ۔

حبیب نجار کے ایمان کا اظہار حبیب نجار کا ایک جھونپڑا تھا جو شہر سے دُور ایک کونے میں دن کو مزدوری کرتے۔ آدھا مال راہِ خدا میں خرچ کرتے آدھا اپنے عیال کے لیے رکھتے۔ گوشۂ تنہائی میں عبادتِ الٰہی بجالاتے۔ کسی کو خبر تک نہ تھی۔ یہاں تک کہ جب سُنا کہ عیسٰی علیہ السلام کے فرستادگان پر اہلِ انطاکیہ ظلم وستم ڈھا رہے ہیں تو ان کی امداد کے لیے جھونپڑے سے نکل کر ان کے ہاں اظہار ایمان کیا۔

اہلِ انطاکیہ کے ظلم کا نمونہ منقول ہے کہ اہلِ انطاکیہ نے ان اہلِ ایمان کے گھروں پر ہلّہ بول دیا ایک ایک کو ان کے گھروں سے نکال کر گلے میں رسّی ڈال کر باہر کھینچ لاتے۔ یہ چالیس تھے اور گلے میں بھی سوراخ کر کے رسّیاں ڈالیں اور کھینچتے رہے۔ حبیب نجار پہاڑ کی غار میں عزلت نشین تھے جیسے ابدال پہاڑوں کی غاروں میں عزلت نشین ہوتے ہیں۔ جب سُنا کہ اہلِ ایمان پر ظلم وجفا ہو رہا ہے تو خود بخود ان کے ہاں پہنچ گئے۔

قَالَ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے گویا پُوچھا گیا کہ حبیب نجار نے آکر کیا کہا تو فرمایا اس نے کہا یٰقَوْمِ اے میری قوم!

سوال : انھوں نے اپنی قوم سے کیوں خطاب فرمایا؟

جواب ، ان کے دل نرم کرنے اور اپنی نصیحت کو قبول بنانے کے ارادہ پر، اور اشارہ سے سمجھایا کہ جو کچھ میں تمھیں کہوں گا اس میں تمھاری بھلائی ہے اور تمھارے لیے کوئی بُرا ارادہ نہیں رکھتا۔

ف : نیز یہ بھی مشہور ہے کہ وُہ اہلِ انطاکیہ میں متقی اور معتدل الاخلاق مشہور تھے۔

اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ○ وُہ جو تمھارے ہاں احکام لے کر آئے ہیں وہ حق پر ہیں فلہٰذا ان کی اتباع کرو اور رسالت کا عنوان اس لیے اختیار کیا تاکہ انھیں ان کی اتباع کی طرف میلان ہو۔

ف ، مروی ہے کہ جب حبیب نجار آئے تو رسولوں سے پُوچھا کہ تم اس وعظ و تقریر پر کچھ مزدوری لیتے ہو؟ فرمایا نہیں بلکہ ہم تو اعلائے کلمۃ الحق کے لیے آئے ہیں سوائے اظہارِ دین کے ہمارا اور کوئی مقصد نہیں۔

اس پر حبیب نجار نے کہا اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا یَسْـَٔلُكُمْ ان کی اتباع کرو جو تم سے سوال نہیں کرتے اَجْرًا اجرت اور مال کا نصیحت و تبلیغ کر کے تم سے کچھ لیں وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○ اور وُہ

ہدایت یافتہ ہیں، دین و دنیا کی بھلائی ان کے ہاتھ میں ہے، طریق حق پر پہنچے ہُوئے اور خیر و بھلائی کمک لے جانے والے ہیں۔ اور جو اپنی دعوت و تبلیغ میں متہم نہ ہو اس کی اتباع واجب ہے اگرچہ وہ رسول (پیغمبر) نہ ہو اور یہ تو رسل کرام اور ہدایت یافتہ ہیں۔

ف : جو کہتے ہیں کہ ایغال کلام کا ایسے جملہ پر ختم کرنا جو ایسے نکتے کا فائدہ دے جس پر اس کے بغیر معنیٰ مکمل ہو جائے تو ان کے نزدیک یہ آیت مثال کے طور پر ہے کیونکہ وھم مھتدون کا معنیٰ کسی سہارے کے بغیر مکمل ہے کیونکہ رسول ہوتا ہی وہی ہے جو ہدایت پر ہو۔ لیکن پھر بھی ترغیب کے لیے اور اتباع پر شوق بڑھانے کے لیے کہا گیا۔ من لا یسئلکم، المرسلین سے بدل ہے اور اتبعوا کا معمول ہے اور دوسرا اتبعوا پہلے کے لیے تاکید لفظی ہے۔

ف : الارشاد میں ہے کہ تکرار تاکید کے علاوہ اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ جو لوگ طمع و غرض کے بغیر تمہیں دین کی طرف لا رہے ہیں وہ اتباع کے لائق ہیں کیونکہ وُہ دنیا و آخرت کے جامع ہیں۔

جاہل ریاکار پیروں کا رَد اس میں جاہل پیروں اور ریاکار سجادہ نشینوں کا رد ہے کہ اپنی دکان چمکانے اور دنیا و دولت بٹورنے کے لیے بیوقوف لوگوں اور احمقوں اور پاگلوں کو طرح طرح کے شعبدے دکھاتے ہیں کما فی التاویلات النقشبندیہ۔

ره کاروان شیر مردان زنند ولے جامۂ مردم ایشان کنند

عصائے کلیمند بسیار خوار بظاہر چنین زرد روئے و نزار

ترجمہ : شیر مردوں کے قافلے لُوٹتے ہیں بلکہ اُن کے کپڑے بھی اتار لیتے ہیں۔

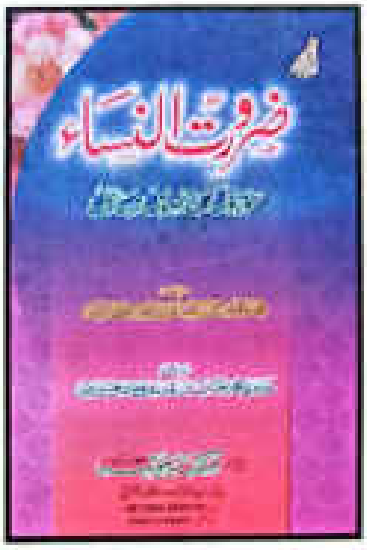
عصائے کلیم کی طرح بسیار خور ہیں بظاہر زرد چہرہ اور کمزور نظر آتے ہیں۔

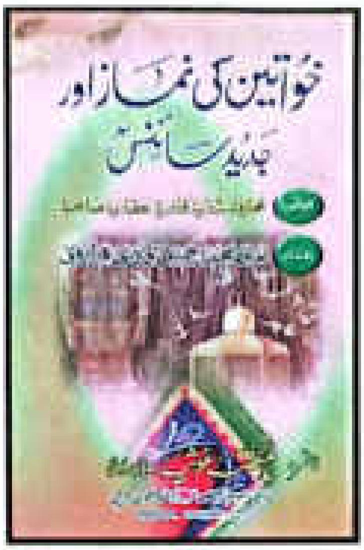
ربط : جب حبیب نجار نے انہیں نصیحت کی تو انہوں نے کہا کہ تُو ہمارے دین کا مخالف ہو گیا ہے اور ان رسولوں کا فرمانبردار بن گیا ہے۔ آپ نے ان کے جواب میں فرمایا۔ (باقی مضمون پارہ ۲۳ میں پڑھئے)

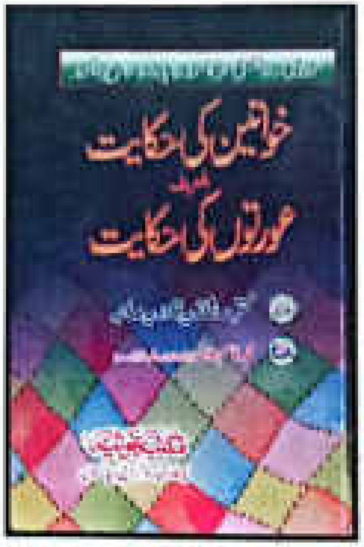
الحمد للہ کہ فقیر اویسی غفرلہٗ نے پارہ نمبر ۲۲ کے ترجمہ سے بروز سوموار ۹ بجے ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ میں فراغت پائی۔

وصلی اللہ علیٰ حبیبہ الکریم الرؤف الرحیم سید المرسلین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

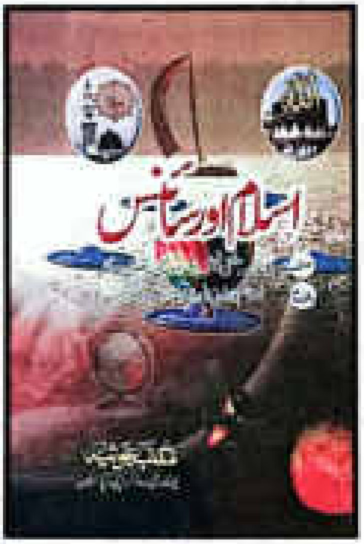
فہرست مضامین فیوض الرحمٰن پارہ ۲۲


ضرورت النساء


خواتین کی نماز اور
جدید سائنس

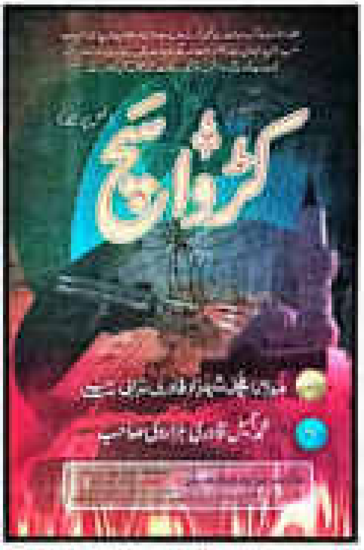

خواتین کی حکایات
عورتوں کی حکایات




اسلام اور سائنس


بے نمازی کا
انجام




کڑوا سچ


پردہ اور جدید سائنس